



مَدَنی قَلَامِ اَنْبِیاءِ عَلَیْہِمُ السَّلَامُ

اُردو میں اپنی نوعیت کی اولین پیش کش

اَطلَسُ اَلْفِہْرِ اَلْاِسْرَاقِ

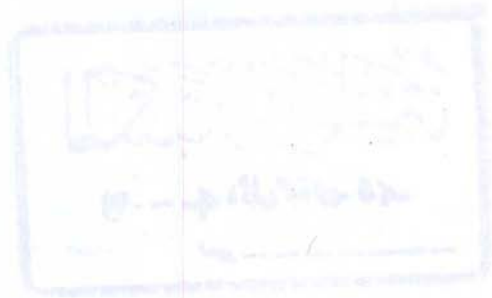
مقامات، اقوام اور شخصیات کا تذکرہ

جدید نقوش اور جداول سے مزین قرآنی معلومات کا ہستند ذخیرہ

تالیف: دکتور رشوقی ابو غلیل

دارالسلام





اطلس الفکر

مقامات، اقوام اور شخصیات کا تذکرہ

23602

ابو خ



④ مكتبة دار السلام ، ١٤٢٤هـ

فهرسة مكتبة الملك فهد الوطنية أثناء النشر

أبو خليل ، شوقي

أطلس القرآن الكريم . / شوقي أبو خليل - الرياض ، ١٤٢٤هـ

ص ٤٩٩ × ١٧ سم

ردمك: ٧-٤٢-٨٩٧-٩٩٦٠

(النص باللغة الأردية)

١-القرآن - كشافات ٢-القرآن- فهارس أ.العنوان

١٤٢٤/٥٤٥١

ديوي ٢٢١،٣

رقم الإيداع: ١٤٢٤/٥٤٥١هـ

ردمك: ٧-٤٢-٨٩٧-٩٩٦٠

اُردو میں اپنی نوعیت کی اولین پیش کش

اطلس الفکر قرآن

مقامات، اقوام اور شخصیات کا تذکرہ

جدید نقوش اور جداول سے مزین قرآنی معلومات کا مستند ذخیرہ

تالیف: دکتور شوقی ابو خلیل

ترجمہ: شیخ الحدیث حافظ محمد امین

توضیح و اضافہ: محسن فاروقی

دارالسلام

کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ

ریاض • جدہ • شارجہ • لاہور
لندن • ہیوسٹن • نیویارک



مجموعہ اشاعت برائے دارالسلام محفوظ ہیں

دارالسلام

کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ
ریاض • جدہ • شارجہ • لاہور
لندن • ہیوسٹن • نیویارک



سعودی عرب (ہیڈ آفس)

پوسٹ بکس: 22743 الرياض 11416 سعودی عرب
فون: 4033962-4043432 1 00966 فیکس: 4021659
E-mail: darussalam@awalnet.net.sa
Website: www.dar-us-salam.com

- ① طریق مکہ - العليا - الرياض فون: 4614483 1 00966 فیکس: 4644945
- ② شارع البعین - الملز - الرياض فون: 4735220 فیکس: 4735221
- ③ جدہ فون: 6879254 2 00966 فیکس: 6336270
- ④ الخبر فون: 8692900 3 00966 فیکس: 8691551
- شارجہ فون: 5632623 6 00971 فیکس: 5632624

پاکستان (ہیڈ آفس و مرکزی شوروم)

- ① 36 - لورال، سیکرٹریٹ سٹاپ، لاہور
فون: 7110081-7111023-7232400-7240024 42 0092
فیکس: 7354072 E-mail: darussalam@pk@hotmail.com
- ② غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور فون: 7120054 فیکس: 7320703
- ③ اردو بازار گوجرانوالا فون: 741613-431-0092 فیکس: 741614
- لندن فون: 5202666 208 0044 فیکس: 5217645 208
- امریکہ ① ہوسٹن فون: 7220419 713 001 فیکس: 7220431
- ② نیویارک فون: 6255925 718 001 فیکس: 6251511

فہرست

8 عرض ناشر
11 حرف آغاز
14 اطلس القرآن تذکارِ جلیل
19 مقدمہ مؤلف
25 حضرت آدم علیہ السلام
32 حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹے قابیل اور ہابیل
34 حضرت ادریس علیہ السلام
39 حضرت نوح علیہ السلام
52 حضرت ہود علیہ السلام
60 حضرت صالح علیہ السلام اور ثمود کا علاقہ
69 ابوالانبیاء خلیل الرحمنؑ حضرت ابراہیم علیہ السلام
90 حضرت اسحاق اور حضرت اسماعیل علیہ السلام
101 حضرت لوط علیہ السلام
108 حضرت یعقوب علیہ السلام
113 حضرت یوسف علیہ السلام
123 حضرت شعیب علیہ السلام
130 حضرت موسیٰ علیہ السلام
148 حضرت ہارون علیہ السلام
154 حضرت الیاس اور یسع علیہ السلام
160 حضرت داود علیہ السلام
167 حضرت سلیمان علیہ السلام
177 حضرت ایوب علیہ السلام
181 حضرت ذوالکفل علیہ السلام
183 حضرت یونس علیہ السلام

- 188 حضرت زکریا علیہ السلام
- 199 حضرت یحییٰ علیہ السلام
- 204 حضرت عیسیٰ علیہ السلام
- 213 حضرت لقمان حکیم
- 217 اِرْمُ ذَاتُ الْعِمَاد
- 220 اصْحَابُ الرِّس
- 223 قوم یثع
- 226 یاجوج و ماجوج
- 231 ہاروت و ماروت
- 234 اصْحَابُ الْقَرْيَةِ (انطاکیہ)
- 238 اصحاب کھف
- 246 صابی
- 251 مجوسی (زرشتی)
- 256 سبل عرم
- 260 اصْحَابُ الْاُخْدُود
- 264 اصْحَابُ الْجَنَّةِ (باغ والے)
- 267 اصْحَابُ الْفِيلِ (ہاتھی والے)
- 272 سردی اور گرمی کا سفر
- 276 وَدَّ سَوَاعُ، يَغُوثُ، يُعُوقُ، نَسْرُ، لَاتُ عُزَّى اور منات
- 282 ادنی الارض
- 286 تین، زیتون، طور سینین اور بلد امین
- 290 اُمُّ الْقُرَى (مکہ مکرمہ)
- 294 مَلَكَةُ الْمَكْرَمَةِ (بے آب و گیاہ وادی)
- 299 دو اہم بستیاں (مکہ اور طائف)
- 302 جو شخص اپنے گھر سے ہجرت کے ارادے سے نکلا (حضرت خالد بن حزام بن خویلد اسدی رضی اللہ عنہ)
- 306 نصیبین کے جن (جزیرہ کے جن)

- 310 بابرکت ماحول والا علاقہ (بیت المقدس اور ارد گرد)
- 317 ہجرت
- 327 مسجد قباء (مسجد تقویٰ)
- 334 سریرہ عبداللہ بن جحش (نخلہ وادی کی طرف)
- 338 طبقات ابن سعد کے مطابق سرایا کی تفصیل
- 341 غزوہ بدر کبریٰ (معرکہ حق و باطل)
- 350 رسول اللہ ﷺ کے غزوات کی تفصیل
- 352 بؤقیقاع
- 356 غزوہ اُحد (15 شوال 3ھ)
- 370 حمراء الاسد (16 شوال 3ھ)
- 375 بنو نضیر
- 381 یہود خیبر (بتوں کے پجاری)
- 385 غزوہ خندق (غزوہ احزاب)
- 391 بنو قریظہ (ذوالقعدہ 5 ہجری)
- 396 غزوہ مہرِ یسیع (غزوہ بنی مصطلق - واقعہ اقل)
- 402 صلح حدیبیہ (بیعت رضوان)
- 410 غزوہ خیبر
- 414 عمرہ قضاء (عمرہ قصاص، عمرہ قضیہ)
- 419 جنگ موتہ (جیش امراء)
- 424 فتح مکہ
- 431 غزوہ حنین اور طائف
- 436 تبوک (غزوہ العسرة)
- 446 یوم حج اکبر
- 462 ارتداد کے خلاف جنگیں
- 469 گیارہ لشکروں اور جھنڈوں کی تفصیل
- 471 ضمیمہ

عرض ناشر

قرآن مجید آخری الہامی کتاب ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بنی نوع انسان کی رہنمائی کے لیے نازل کی گئی اور رہتی دنیا تک ہدایت و معرفت کا بے مثال سرچشمہ رہے گی۔ اس کتاب عظیم کا ایک تابناک پہلو یہ ہے کہ یہ دنیا میں سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب ہے اور اپنے اندر علم و حکمت اور اسرار و غوامض کے گراں بہا موتی سموئے ہوئے ہے، لہذا اہل اسلام پر قرآن کریم کو پڑھنا اور اس کے مطالب و مفاہیم کو سمجھنا واجب ہے۔

دارالسلام جب سے قائم ہوا ہے قرآن اور قرآنی علوم و افکار کی اشاعت اس کا اولین مطمح نظر رہا ہے۔ اس سلسلے میں ہم عہدوں کے تقاضے ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے قرآن مجید کی تدریس و اشاعت میں ہر نوع کے جدید سائنسی و فنی ذرائع استعمال کر رہے ہیں۔ قرآن کریم کے ایک ادنیٰ طالب علم کی حیثیت سے میری ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ قرآنی تعلیمات، علم حدیث اور سیرت نبویہ کے حوالے سے عربی میں چھپنے والی ہر اچھی کتاب اردو، انگریزی اور دیگر مختلف زبانوں کے قالب میں ڈھالی جائے، چنانچہ دو اڑھائی سال پہلے جب عربی کے بلند پایہ مصنف ڈاکٹر شوقی ابولخیل کی شاندار تصنیف ”اطلس القرآن . اماکن اقوام اعلام“ (قرآنی مقامات، اقوام اور شخصیات کا تذکرہ) میری نظر سے گزری تو میں نے اسے قرآنی آیات اور موضوعات کے ساتھ ساتھ رنگین نقشوں سے مزین پایا۔ مجھے اس کی ورق گردانی کر کے خوشگوار حیرت ہوئی اور اسے چیزے دگر جان کر وہیں میں نے یہ فیصلہ کر لیا کہ ان شاء اللہ دارالسلام اسے اردو اور انگریزی کا جامہ ضرور پہنائے گا۔ چنانچہ کتاب کے ناشر ”دارالفکر دمشق“ سے رابطہ کیا گیا۔ پہلے تو انہوں نے انکار کیا، کچھ دوستوں کی معرفت رابطہ کی کوشش کی، تحریری رابطہ بھی کیا گیا مگر کوئی بات فاسل نہ ہو سکی۔ گزشتہ سال دارالفکر کے مالک جناب محمد عدنان سالم کے بیٹے حسن سالم ریاض تشریف لائے۔ دارالسلام کے دفاتر کا دورہ کیا اور ادارے کے عزائم سے واقف ہوئے تو انہوں نے اپنے والد گرامی سے مذکورہ کتاب کے سلسلے میں بات کرنے کی حامی بھری۔ اس سال کے آغاز میں بطور خاص دمشق چلا گیا۔ دمشق میرے لیے دوسرے گھر کی طرح ہے۔ گزشتہ دس بارہ سالوں میں کم و بیش تیس پینتیس مرتبہ تو ضرور دمشق گیا ہوں گا۔ دمشق میں دارالسلام کا دوسرا نام دارالفیاء ہے۔ اس کے مالک محمد یاسر طباع مجھے چھوٹے بھائیوں کی طرح عزیز ہیں، جاتے ہی میزبانوں کو مطلع کر دیا کہ میرے آنے کا بڑا مقصد دارالفکر والوں سے اطلس قرآن اور اطلس سیرۃ النبیہ کی بات کرنا ہے۔ اگلے دن دارالفکر کے دفاتر میں پہنچ گئے۔ حسن سالم بڑی محبت سے پیش آئے۔ میں نے کتاب کے سلسلے میں دوبارہ بات شروع کی۔ کہنے لگے، والد صاحب سے بات کرتے ہیں مگر وہ بڑے مشغول ہیں۔ میں نے کہا چلیے چند منٹ ہی سہی۔ ان کے سیکرٹری نے کہا کہ وہ خاصے مصروف ہیں مگر چند منٹ کے لیے آج آئیں۔ وہ ملاقات جو چند منٹوں کے لیے طے ہوئی تھی ڈیڑھ گھنٹہ سے متجاوز ہو گئی۔

تا وقتیکہ محمد عدنان سالم کے سیکرٹری نے آکر کہا کہ وقت بہت گزر چکا ہے اور کئی لوگ منتظر ہیں۔ دارالفکر آج سے کم و بیش پچاس سال پہلے قائم ہوا تھا۔ محمد عدنان سالم زندگی کی 70 سے زیادہ بہاریں دیکھ چکے ہیں۔ بڑی اچھی صحت کے مالک ہیں اور ادارے کو بڑی محنت سے چلا رہے ہیں۔ کہنے لگے کہ مولانا مودودی رحمہ اللہ جب 1960 میں دمشق آئے تو میرے غریب خانے پر تشریف لائے تھے۔ میں نے ان کے اعزاز میں عشاء دیا تھا۔ جس میں علماء اور ادباء شریک ہوئے تھے۔ ہم ماضی میں کھو گئے۔ دنیاۓ اسلام میں کتب کی نشر و اشاعت کے حوالے سے ان کا خاصا تجربہ ہے۔ انہوں نے خوب مشورے دیے۔ بہر حال یہ ملاقات ان دونوں کتابوں کی اجازت پر ختم ہوئی۔ طے پایا کہ دارالسلام باقاعدہ رائلٹی طے کرے گا اور کچھ رقم

ایڈوانس دی جائے گی۔ اللہ کا شکر ہے کہ چند ہفتوں کے بعد جب وہ ادباء کی ایک کانفرنس میں شرکت کے لیے ریاض تشریف لائے تو باقاعدہ معاہدہ پر دستخط ہوئے اور یوں میری دیرینہ خواہش پوری ہوگئی۔ میں محمد عدنان سالم صاحب کا شکر گزار ہوں انہوں نے میرے ساتھ تعاون کیا اور کتاب کا ترجمہ شائع کرنے کی اجازت دی۔

میں نے دارالسلام لاہور برانچ کے جنرل مینیجر حافظ عبدالعظیم صاحب سے رابطہ کیا اور انہیں اس کام کو ترجیحی بنیادوں پر مکمل کرنے کو کہا۔ انہوں نے بھی اس کام کی اہمیت کو محسوس کیا اور بعض کاموں کو مؤخر کر کے اس کام پر لگ گئے۔ کتاب کے اردو ترجمے کی نازک ذمہ داری شیخ الحدیث حافظ محمد امین حفظہ اللہ نے سنبھالی اور ترجمانی کا خوب حق ادا کیا۔

اب کتاب میں شامل نقشوں کو اردو میں ڈھالنے کا مرحلہ درپیش تھا اور ان میں دیے گئے علاقوں شہروں، دریاؤں، پہاڑوں، سمندروں، خلیجوں اور جھیلوں وغیرہ کے لیے مستعمل عربی ناموں کے اردو مترادفات ڈھونڈنے تھے اور ان کے حوالے سے اضافی توضیحات شامل کرنی تھیں۔ اس کام کے لیے ایک ایسے صاحب علم کی ضرورت تھی جو عربی سے بھی مناسب واقفیت رکھتا ہو اور دنیا کے جدید و قدیم جغرافیہ و تاریخ پر بھی اسے عبور حاصل ہو۔ یہ ایک کٹھن کام تھا کیونکہ قدیم جغرافیائی کتب اور اطلسوں میں دی گئی معلومات دنیا کی جدید جغرافیائی تقسیم سے مطابقت نہیں رکھتیں۔ مثلاً ماضی میں بعلبک ملک شام کا ایک شہر تھا لیکن آج بعلبک شام کے کسی نقشے میں نہیں ملے گا کیونکہ وہ آج کے لبنان میں واقع ہے۔ پھر ملک شام کا نام بھی عربی، انگریزی اور دیگر زبانوں میں شام نہیں بلکہ انگریزی میں اسے ”سیریا“ اور عربی میں ”سوریہ“ کہا جاتا ہے۔ اسی طرح حران یا حاران جہاں ابوالانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام ”اور“ (عراق) سے ہجرت کر کے پہنچے تھے، ماضی میں ”الجزیرہ“ کے علاقے میں شامل تھا لیکن آج وہ جنوبی ترکی میں واقع ہے اور خود جزیرہ عراق، شام اور ترکی تین ملکوں میں بٹا ہوا ہے۔ قرون وسطیٰ کا بحرین اور آج کا بحرین یکسر مختلف مقامات ہیں۔ یہ کام واقعی مشکل تھا مگر یہ مشکل کہنہ مشق صحافی جناب محسن فارانی نے حل کر دی۔ وہ اردو کے معروف ہفت روزہ ”ندائے ملت“ کے نائب مدیر ہیں اور اس سے پہلے طویل عرصے تک ماہنامہ اردو ڈائجسٹ میں ادارتی فرائض انجام دیتے رہے ہیں۔ وہ علوم جغرافیہ و تاریخ کے ماہر اور محقق بھی ہیں۔ اردو اور انگریزی پر کامل عبور رکھتے ہیں اور عربی سے بھی انہیں شغف ہے۔ انہوں نے عربی نقشوں کو اردو میں ڈھالنے اور ان کے حوالے سے قارئین کو اضافی توضیحات اور جغرافیائی معلومات فراہم کرنے کا بیڑا اٹھایا اور چھ ماہ کی شبانہ روز کاوشوں سے یہ کٹھن کام پایہ تکمیل کو پہنچا دیا۔ اس سلسلے میں دارالسلام شعبہ تحقیق و تصنیف کے علمائے کرام حافظ اقبال صدیق مدنی، حافظ عبدالرحمن ناصر اور پروفیسر محمد ذوالفقار نے ان کی معاونت کی اور عربی مراجع و مصادر سے معلومات اور حوالے اخذ کرنے میں مدد دی۔ ترجمہ شدہ مسودے کی تصحیح کے فرائض مولانا عبدالجبار نے انجام دیے۔ کمپوزنگ، نقشوں کی تیاری اور پروف ریڈنگ کے مراحل خوش اسلوبی سے طے پائے اور پروف ریڈنگ محسن فارانی، حافظ محمد آصف اقبال اور حافظ اقبال صدیق مدنی نے مل کر کی۔ ساتھیوں کے تعاون اور شب و روز کی محنت شاقہ سے، بحمد اللہ جو چیز پیش کی جا رہی ہے اس سے پہلے اردو میں اس کی مثال نہیں ملتی بلکہ اضافی جغرافیائی و تاریخی توضیحات شامل کرنے نیز متن اور نقشوں میں پائی جانے والی بعض غلطیوں کی تصحیح اور اشکالات دور کرنے کے بعد اس کی افادیت اصل کتاب سے بھی دوچند ہوگئی ہے۔

جناب محسن فارانی صاحب نے اٹلس القرآن (عربی) کے نقشوں میں پروف کی اغلاط درست کرنے کے علاوہ بعض نقشوں میں پائی جانے والی بعض غلطیوں کی تصحیح بھی کی ہے، مثلاً ان کی تحقیق کے مطابق:

1۔ اٹلس القرآن (عربی) میں اصحاب کہف کے شہر افسوس کی جائے وقوع کا تعین جنوبی ترکی کے شہر طرسوس کے شمال مغرب

میں کیا گیا ہے جب کہ تمام مروجہ نقشوں اور اطلسوں میں افسوس کو ترکی کے مغربی ساحل پر از میر (سمرنا) کے جنوب میں دکھایا جاتا ہے اور درست بھی یہی ہے۔ (افسوس کی جگہ کے تعین کے لیے انہوں نے ایک اضافی نقشہ بھی شامل کیا ہے)

2۔ اطلس القرآن (عربی) کے کئی نقشوں میں خلیج عقبہ کے تاریخی شہر ایلہ (موجودہ ایلات) کو اردن کی بندرگاہ عقبہ کی جگہ دکھایا گیا ہے جب کہ اصحاب سبت اور قوم لوط والے نقشوں میں بالترتیب عقبہ (ایلہ) اور ایلہ (العقبہ) لکھا گیا ہے جو کہ درست نہیں۔ دراصل ایلہ عقبہ کے شمال مغرب میں کچھ فاصلے پر ہے جیسا کہ سید ابوالاعلیٰ مودودی کے سفرنامہ ارض القرآن میں لکھا ہے: ”عقبہ کے بالمقابل مغرب کی طرف ہمیں اسرائیل کی بندرگاہ ایلات بھی نظر آ رہی تھی۔“ (ص 229) اور المنجد فی الاعلام میں مرقوم ہے: ”ایلات بندرگاہ ہے جو بحیرہ احمر (خلیج عقبہ) پر عقبہ کے شمال میں واقع ہے۔ ایلات میں رومی عہد کے ایلہ کے کھنڈر واقع ہیں۔“ (ص 95)

3۔ شام کے شہر اذرعات کا موجودہ نام درعا ہے جبکہ اطلس القرآن (عربی) کے نقشوں میں ”اذرعات“ کو ”ازرع“ کی جگہ دکھایا گیا ہے جو کہ اذرعات (درعا) کے شمال میں دمشق کی شاہراہ پر واقع ایک الگ شہر ہے۔ اذرعات کا دمشق سے فاصلہ 100 کلومیٹر سے زیادہ ہے جبکہ ازرع، دمشق سے تقریباً 100 کلومیٹر جنوب میں ہے۔

4۔ بحیرہ ارال (Aral) اور دریائے یورال (Ural) کا فرق یا جوج ماجوج والے نقشے میں واضح کیا گیا ہے جبکہ اطلس القرآن (عربی) میں دونوں کو اورال لکھا گیا ہے جو کہ درست نہیں۔

محسن فارانی صاحب نے مجمع البحرین والے نقشے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر کی ممکنہ جائے ملاقات خلیج قلزم (سویز) اور خلیج عقبہ کے اتصال اور آبنائے جبل طارق (طنجہ) کے علاوہ نیل ابیض اور نیل ازرع کے سنگم (خرطوم) پر بھی دکھائی ہے جیسا کہ سید ابوالاعلیٰ مودودی تفہیم القرآن میں اس کی تصریح کرتے ہیں۔

اطلس القرآن (اردو) کے نقشوں میں ”سودان“ کو انگریزی تلفظ ”سوڈان“ کی بجائے اس کے اصل عربی تلفظ کی پیروی میں ”سودان“ ہی لکھا گیا ہے۔

اطلس القرآن (اردو) کی تیاری کے فنی مراحل کمپوزنگ اور ڈیزائننگ وغیرہ میں محمد عامر رضوان اور محمد ندیم کامران نے اسے خوب سے خوب تر بنانے میں بھرپور محنت کی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

میرے لیے یہ بات نہایت سعادت اور خوشی کی ہے کہ محترم پروفیسر محمد یحییٰ صاحب اور پروفیسر عبدالجبار شاہ صاحب نے اس کتاب میں اپنی تقاریظ لکھ کر اس کتاب کی اہمیت میں مزید اضافہ کیا۔ اس عنایت کے لیے وہ میرے خصوصی شکریہ کے مستحق ہیں۔

ڈاکٹر شوقی ابوخلیل کی دوسری گرانقدر تصنیف ”اطلس السیرۃ النبویہ“ پر کام جاری ہے اور جلد ہی وہ بھی زیور طبع سے آراستہ ہو کر قارئین کی دسترس میں ہوگی۔ قارئین سے درخواست ہے کہ وہ ہماری ان کاوشوں کو پذیرائی بخشیں تو اللہ ارحم الراحمین سے ہمارے حق میں قبولیت و مغفرت کی دعا ضرور فرمائیں۔

خادم کتاب وسنت

عبدالملک مجاہد

جنرل منیجر دارالسلام

رمضان المبارک 1424ھ بمطابق نومبر 2003ء

حرف آغاز

رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سمجھانے کے لیے زمین پر ایک سیدھی لکیر کھینچی، پھر اس سے نکلتی ہوئی کئی لکیریں کھینچیں اور اپنی بات کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا: ”یہ سیدھی لکیر صراطِ مستقیم ہے جو چلنے والے کو سیدھا منزل پر پہنچا دیتا ہے۔ اس سیدھی لکیر سے نکلنے والی دوسری سب لکیریں دوسرے راستے ہیں جو خواہ اسی سیدھے راستے سے نکلتے ہیں لیکن منزل پر پہنچانے کی بجائے کہیں اور لے جاتے ہیں۔“ (مسند احمد: 1/435)

عرب ایسے قادر الکلام ہیں کہ لفظوں میں ہو بہو تصویر کھینچ دیں۔ رسول اللہ ﷺ تو دنیا کی فصیح ترین ہستی تھے۔ آپ ﷺ نے بات سمجھانے کے لیے لکیریں کھینچ کر نہ صرف اپنی بات زیادہ واضح فرمادی بلکہ وضاحت کرنے اور سمجھانے کے اس مؤثر ذریعے کی طرف بھی اشارہ فرمادیا جو لکیروں کے استعمال سے اختیار کیا جاسکتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ایک ایسے معنوی راستے کو لکیروں کے ذریعے واضح فرمایا جس کا مشاہدہ آپ ﷺ کا قلب اطہر کرتا تھا ﴿مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَى﴾ کے مطابق اس مشاہدے میں کوئی غلطی نہ تھی۔ بعد میں آپ کی امت کے اہل علم نے حج و زیارت مسجد نبوی کے لیے جانے والوں اور جہاد، حصول علم، تجارت اور تبلیغ وغیرہ کی غرض سے سفر کرنے والوں کے لیے ان زمینی اور بحری راستوں کے نقشے بنائے جن کا ان کی آنکھوں نے مشاہدہ کیا تھا۔ انہوں نے اپنی کتابوں میں ان نقشوں کے ساتھ راستے کے شہروں، قصبوں اور منزلوں کی تفصیلات بیان کر کے سالکوں، مسافروں، مجاہدوں اور طالبان علم کی خدمت انجام دی۔

یہ کتنی عجیب بات ہے کہ اسلام کی ابتدائی صدیوں کے جغرافیہ دانوں یعقوبی، مسعودی، اصطخری، ابن حوقل اور مقدسی سے لے کر آخری عباسی دور کے الجیبہانی، البکری اور الادریسی تک اکثر مصنفین نے اپنی کتابوں کے لیے بار بار ایک ہی نام ”المسالك والممالك“ یا اس سے ملتے جلتے نام اختیار کیے۔ ابن حوقل نے اپنی کتابوں میں عالم اسلام کے ہر خطے کے الگ الگ مفصل نقشے بھی پیش کیے۔ لیکن اس کے باوجود قرآن اور سیرت نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے متعلق مقامات، آبادیوں، دریاؤں، راستوں اور قوموں کے حوالے سے نقشہ سازی پر کوئی زیادہ کام نہ ہوا۔

اردو میں اگرچہ سید سلیمان ندوی کی جغرافیہ ارض القرآن اپنے موضوع پر بہت عمدہ کتاب ہے لیکن اس میں بھی نقشوں کا فقدان ہے۔ حضرت مولانا ابوالکلام آزاد نے اصحاب کھف کے وطن، ذوالقرنین کی سلطنت اور یاجوج ماجوج کے علاقوں کے آگے تعمیر کی جانے والی دیوار، جسے قرآن مجید نے ”رُزْم“ کہا، کے محل وقوع کے بارے میں بہت وقیع کام کیا ہے لیکن انہوں نے بھی مفصل نقشے استعمال نہیں کیے۔ اس کی غالباً یہ وجہ تھی کہ نقشہ نویسی ایک ٹیکنیکل کام ہے جس کے لیے ماہر ٹیم کا ملنا خاصا مشکل تھا۔

مولانا مودودی نے اپنی تفسیر کے لیے شرق اوسط کے پورے علاقے کا تفصیلی دورہ کیا، اور اس دورے کے احوال سفر

نامہ ارض القرآن میں رقم کیے۔ یہ انوکھا سفرنامہ مشاہدات اور علمی معلومات سے مالا مال ہے۔ انہوں نے اپنی تفسیر میں بھی بعض مقامات پر سادہ نقوشوں کے ذریعے بڑے بڑے واقعات کے جغرافیائی محل وقوع کو واضح کیا ہے۔ علم تفسیر کے حوالے سے یہ ایک اچھوتا اور مفید کام ہے، لیکن جیسا کہ ”اطلس القرآن“ کے مصنف ڈاکٹر شوقی ابوخلیل نے کہا ہے، قرآن اور سیرت نبوی کے حوالے سے کوئی مکمل اطلس آج تک سامنے نہیں آئی۔

اس اطلس کی تیاری کا پس منظر بھی نہایت روح پرور ہے۔ مسجد نبوی میں حاضری اور مواجہہ شریف کے سامنے کھڑے ہو کر درود و سلام پیش کرنے کے دوران میں مصنف کے دل میں جو یقیناً رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مودت، عقیدت اور اطاعت کے جذبے سے سرشار تھا، سیرت طیبہ کے حوالے سے کوئی انوکھی اور واقع خدمت انجام دینے کی خواہش پیدا ہوئی۔ ان کی یہ خواہش اللہ کے حضور حرفِ دعا میں بدل گئی اللہ کی طرف سے اس دعا کو شرف قبولیت عطا ہوا اور ”اطلس القرآن“ اور ”اطلس السیرۃ النبویہ“ کا منصوبہ ان کے ذہن میں آیا۔ پھر یہ منصوبہ اللہ کی خصوصی توفیق سے سرانجام پایا۔ اسی خوبصورت سلسلے کی پہلی کتاب آپ کے پیش نظر ہے۔

اس بات کا اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ قرآن میں جن شخصیات، اقوام، واقعات اور مقامات کا تذکرہ ہے ان کی اطلس مرتب کرنا معمولی بات نہ تھی۔ مصنف نے یقیناً اپنی قوت خیال کے ذریعے وقت میں پیچھے کی طرف سفر کر کے اس علاقے کی اس صورت کا تصوراتی مشاہدہ کیا جو قرآن کے بیان کردہ عظیم واقعات کے زمانے میں موجود تھی۔ خود قرآن کے علاوہ دوسری الہامی کتابوں، تاریخ، روایات اور عہد حاضر کے علم طبقات الارض اور علم الآثار کے مطالعے نے ماضی کے اس سفر اور اس دور کے مناظر کا مشاہدہ کرنے میں ان کی مدد کی۔ کئی جہات پر مشتمل یہ سفر یقیناً ان کی زندگی کا ایک بڑا تجربہ ہوگا جو بذاتِ خود اس ضمن میں کی گئی جدوجہد کا عمدہ انعام ہے۔ اس خوبصورت تجربے میں ڈوب کر انہوں نے اپنی دونوں اطلس مرتب کی ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ یہ دونوں اطلس اپنے ہر قاری کے لیے اسی ذہنی اور روحانی سفر کے دروازے کھول دیں گی جو مصنف کو نصیب ہوا ہے۔

اس کتاب کے اردو ناشرین نے کتاب کو مزید مفید اور دلچسپ بنانے کے لیے قرآن کے بیان کردہ واقعات، شخصیات، اقوام اور مقامات کے حوالے سے انتہائی مفصل اور مستند معلومات کے ایک نئے ذخیرے کا اضافہ کر دیا ہے۔ جناب محسن فارانی نے جو ملک کے معروف قلم کار ہیں، ”دارالسلام“ کی فرمائش پر یاقوت حموی کی ”معجم البلدان“ مکتبہ لبنان (بیروت) کی جدید ”اطلس العالم“، ڈل ایسٹ ورلڈ ٹریول میپ، اردو و عربی کی کتب تفسیر و سیرت خصوصاً مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی کی تصنیف ”قصص القرآن“، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی رحمہ اللہ کی تفہیم القرآن اور سفرنامہ ارض القرآن اور اردو دائرہ معارف اسلامیہ کا نچوڑ انتہائی دلآویز اسلوب میں اس کتاب میں شامل کر دیا ہے۔

”معجم البلدان“، قرون وسطیٰ کے عالم اسلام اور اس کے اماکن و امصار کے بارے میں جغرافیائی و تاریخی معلومات کا نادر خزانہ ہے۔ قصص القرآن میں قرآن کے بیان کردہ واقعات کے جغرافیائی پس منظر کے حوالے سے معلومات کے علاوہ

جدید آراء و نظریات سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔ اسی طرح مولانا مودودی نے قدیم و جدید مطالعہ کے علاوہ خود جا کر ان مقامات کا گہرا مشاہدہ بھی کیا ہے۔ ان حضرات کی تحقیقات کے اضافے نے اطلس القرآن کی افادیت کو کئی گنا کر دیا ہے۔ ان شاء اللہ جب اطلس القرآن انگریزی زبان میں شائع ہوگی تو دنیا عربی مصادر کے علاوہ برصغیر میں ہونے والے انتہائی اہم کام سے بھی مستفید ہوگی۔

ڈاکٹر شوقی ابوخلیل اس موضوع پر باقاعدہ کام کرنے والے پہلے شخص ہیں۔ ان کے کام پر جناب محسن فارانی کے مرتب کردہ نوٹس قارئین کے لیے غور و فکر کے نئے زاویے پیش کرتے ہیں۔ آئندہ اس موضوع پر کام کرنے والے یقیناً اس مفید کام کو مزید آگے بڑھائیں گے۔ وقت کے ساتھ ساتھ مزید معلومات سامنے آئیں گی اور نئے انکشافات ہوں گے۔ قافلہ علم و تحقیق اگر چلتا اور آگے بڑھتا رہے تو انسانی معلومات اور افکار کبھی ٹھہراؤ اور جمود کا شکار نہیں ہوتے۔ ان کی تازگی ہر دور میں برقرار رہتی ہے۔ موجودہ کتاب اس اہم سفر کا ایک سنگ میل ہے۔

مجھے یقین ہے کہ قارئین کے ہاتھ میں پہنچ کر یہ کتاب نہ صرف غور و فکر کے بہت سے نئے دروازے کھول دے گی بلکہ سنجیدہ طالب علموں کے لیے قرآن فہمی کو بھی آسان کر دے گی۔ اللہ تعالیٰ ان تمام اصحاب کو جزائے خیر عطا کرے جنہوں نے اس کتاب کی تالیف، ترجمہ، اضافہ اور اشاعت میں حصہ لیا۔ واللہ ولی المؤمنین۔

پروفیسر محمد یحییٰ۔ لاہور

4 اکتوبر 2003ء

اطلس القرآن..... تذکارِ جلیل

امتِ مسلمہ کی یہ خوش نصیبی ہے کہ اس کے پاس اللہ تعالیٰ کی آخری الہامی کتاب قرآن مجید کے نام سے اپنے متن کے تمام تر تقاضوں کے ساتھ محفوظ ہے۔ یہ افتخار کسی دوسرے آسمانی مذہب کو حاصل نہیں ہے۔ قرآن مجید سے قبل سیکڑوں صحائف اور تین مستقل کتابوں کے متن معدوم ہو چکے ہیں۔ ان مذاہب کی اپنی روایات کے مطابق اب جو کچھ ان کے پاس ہے، وہ محض روایات یا ملفوظات کا مجموعہ ہے۔ قرآن مجید آج لاکھوں حفاظ کے سینے میں محفوظ ہے۔ جہاں تک اس کے قلمی مصاحف کا تعلق ہے، دنیا کے عجائب گھروں، سرکاری کتب خانوں، دینی مدارس اور ذاتی ذخائر میں کم از کم اس کے دو لاکھ سے زائد نسخے، جو مختلف صدیوں اور ادوار میں لکھے گئے، موجود ہیں۔

قرآن مجید کے حوالے سے متعدد علوم و فنون پیدا ہوئے۔ ان میں سے بعض کا تعلق اس کے علمی مباحث، تفسیری نکات، شرعی احکام اور موضوعاتی تشریحات سے ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ متنوع فنون بھی پیدا ہوئے، جن میں کتابت و خوشنویسی، نقاشی و تذہیب کاری، جلد سازی، تجوید و قراءت اور حل سازی وغیرہ آج تک معروف اور مقبول ہیں۔ ان فنون میں ایک اور نئے فن کا اضافہ ہوا ہے، جو بیسویں صدی عیسوی کے اختتام تک تو جغرافیہ قرآن، تذکرہ انبیائے کرام، اماکن قرآن اور اعلام قرآن کے حوالے سے بیسیوں کتابوں کی صورت میں ملتا ہے، مگر عالمی تہذیب کے تیسرے ہزارے میں یہ فن قرآن فہمی کے ایک نئے اسلوب کی صورت میں سامنے آیا ہے۔ قرآن مجید میں جن مقامات، شخصیات یا اقوام کا ذکر آیا ہے، انہیں جدید نقشوں اور جداول کے حوالے سے پیش کرنے کی پہلی مرتبہ ایک کامیاب کوشش کی گئی ہے۔ یہ کوشش عالمِ عرب کے علم جغرافیہ کے ایک محقق و کتورشوقی ابوخلیل کی ”اطلس القرآن“ ہے۔

مذہبی کتب کی تشریح و توضیح کے لیے عہد نامہ قدیم اور جدید میں مستشرقین نے جو کام کیا ہے، وہ اپنی علمی اور تحقیقی افادیت کے لحاظ سے قابلِ اعتنا ہے۔ تورات میں جن اماکن اور شخصیات کا ذکر ملتا ہے، یا اناجیل اربعہ میں جن اعلام، مقامات اور شخصیات کا تذکرہ ہے، وہ ایک درجن سے زائد جغرافیائی نقشوں کی کتابوں میں جنہیں اٹلس (Atlas) کہتے ہیں، بڑی خوبی کے ساتھ موجود ہے، مگر قرآن مجید کی مختلف سورتوں میں عرب و حجاز کی جن اقوام، مقامات، شخصیات، سمندروں، دریاؤں، خلیجوں، جھیلوں، پہاڑوں، صحراؤں، غاروں، شہروں اور بستیوں کا ذکر ہے، ان کا تفصیلی مطالعہ تو سیکڑوں مصنفین نے کیا ہے اور اس پر بہت مفید تحقیقی کتب بھی تحریر کی گئی ہیں، مگر ان معلومات کو جداول یا نقشوں کی مدد سے پیش کرنے کی کوئی معیاری کوشش ابھی تک ہمارے سامنے نہیں تھی، جس کے نتیجے میں قرآن مجید کا ایک قاری جب ایسے سب مقامات کا تذکرہ متن قرآن میں پڑھتا یا دیکھتا ہے، تو اس کے ذہن کے حاشیے پر تعین کے ساتھ کوئی تصویر نہیں ابھرتی۔ ہمیں تسلیم ہے کہ

مسلمان محققین اور علمائے کرام نے عرب و حجاز کی تاریخ و ثقافت اور تہذیب و تمدن پر بہت معیاری کتابیں لکھی ہیں۔ عبید بن شریہ کی ”کتاب الملوک و اخبار الماضین“ ابو عبیدہ کی ”کتاب مغازات“ مہر دکی ”کتاب ایام بنی مازن“ نسب قحطان و عدنان“ ہشام کلبی کی مختلف کتابیں، ابن ہشام کی ”السیرۃ النبویہ“ ابن الحاکم ہمدانی کی ”صفة جزيرة العرب“ اور ”اکلیل“ ابن اسحاق کی ”کتاب السیرۃ“ ابو ولید ازرقی کی ”اخبار مکہ“ ابن قتیبہ کی ”کتاب المعارف“ ابن واضح یعقوبی کی ”تاریخ یعقوبی“ ابو جعفر طبری کی ”تاریخ الرسل والملوک“ حمزہ اصفہانی کی ”تاریخ سنی ملوک الارض، مسعودی کی ”مروج الذهب“ ابوالفداء کی ”المختصر فی اخبار البشر“ ابن خلدون کی ”کتاب العبر و دیوان المبتداء والخبر“ اور ابن عساکر کی ”تاریخ دمشق“ کے نام سے مفید کتابیں لکھی گئیں، جن میں قرآن مجید میں بیان کردہ مقامات، شخصیات اور اعلام کے بارے میں مفید معلومات میسر آتی ہیں۔ اسی طرح جغرافیہ و تاریخ کے موضوع پر ہشام بن محمد کلبی، ابوسعید الاسمعی، سعدان ابن مبارک، ابوسعید حسن السکری، عمر بن رستہ، ابوزید الحلی، ابوسعید السیرانی، حسن بن محمد المعروف، محمود بن عمر زحشری، البرکری، امام سیوطی، ابن خردادبہ، ابن فقیہ ہمدانی، اصطخری، ابن مردویہ، ابن حوقل، مقدسی، ادریسی، یاقوت حموی، زکریا قزوینی اور شمس الدین دمشقی جیسے علما نے بہت مفید تحریریں یادگار چھوڑی ہیں۔ ادریسی کا بنایا ہوا نقشہ عالم تو آج بھی ایک تاریخی اولیت کا حامل ہے۔ ابوریحان البیرونی کی ”الآثار الباقیۃ عن القرون الخالیۃ“ بھی بہت مفید معلومات فراہم کرتی ہے۔ ان سب کتب میں کسی نہ کسی درجے میں وہ افادیت ہے، جسے قرآن مجید کے مقامات، اقوام اور اشخاص کو سمجھنے میں گہری معاونت فراہم ہو سکتی ہے۔

گذشتہ صدی میں معروف محقق سید سلیمان ندوی نے ”تاریخ ارض القرآن“ کے عنوان سے 1912ء میں ایک کتاب لکھنا شروع کی، جس کی پہلی جلد اپریل 1915ء میں مطبع معارف اعظم گڑھ سے شائع ہوئی۔ اس کتاب کے تحقیقی مقدمے میں انہوں نے جغرافیہ قرآن اور تاریخ القرآن کے حوالے سے بہت اہم معلومات فراہم کی ہیں۔ گذشتہ صدیوں میں اس موضوع پر جن لوگوں نے علمی اور تحقیقی کام کیا ہے، ان کا اجمالی تذکرہ کیا ہے۔ مستشرقین میں سے ریونڈ فاسٹر کی کتاب جو تاریخی اغلاط کا پلندہ ہے، اس کا ذکر کرنے کے بعد نولدکی اور روبرٹس سمیت عربوں کے قبائل اور انساب کے سلسلے میں قدرے درست اور زیادہ تر غلط باتوں کی نشاندہی کی۔

”تاریخ ارض القرآن“ کی پہلی جلد میں ارض قرآن کا جغرافیہ، اقوام عرب کے سیاسی، تاریخی، نسبی اور قومی حالات و واقعات کی تفصیل فراہم کی گئی ہے، مگر اس پوری کتاب میں صرف چند جداول اور نقشے آپ کو ملیں گے، جو مصنف موصوف کے ذاتی ذوق و شوق کے آئینہ دار تو ہیں، مگر ہم انہیں علم جغرافیہ کے اصول و ضوابط سے بہت دور پاتے ہیں۔ اس کتاب کے دوسرے حصے میں اقوام عرب کے السنہ، علاقائی ادیان و مذاہب، تمدن و ثقافت اور تجارت و معاشرت کے علاوہ اصحاب الحجر، بنو قریظہ، قریش مکہ، انصار مدینہ اور بعض دوسرے موضوعات پر قیمتی معلومات فراہم کی گئی ہیں۔

جغرافیہ قرآن اور عرب و حجاز کے آثار و تحقیقات پر دوسری اہم کتاب محمد عاصم الحداد کا ”سفرنامہ ارض القرآن“

ہے۔ یہ سفر سید ابوالاعلیٰ مودودی (م 1979ء) نے تفہیم القرآن کے تاریخی مقامات، آثار اور عمارات کی تفہیم کے لیے 3 نومبر 1959ء سے 4 فروری 1960ء تک اپنے دوستوں کے ساتھ اختیار کیا۔ اس مفید سفر نامے میں نثری تفصیلات کے علاوہ 56 تصاویر اور تین نقشے پیش کیے گئے ہیں۔ انہی جغرافیائی معلومات اور آثار کی مدد سے سید مودودی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر ”تفہیم القرآن“ کی چھ جلدوں میں سے پہلی چار جلدوں میں 27 نقشے اور کچھ تصاویر پیش کی ہیں۔ یہ نقشے درست معلومات تو فراہم کرتے ہیں مگر فنی چٹنگی سے محروم ہیں۔

اردو زبان میں ”جغرافیہ قرآن“ کے عنوان سے ڈاکٹر مولوی عبدالحق کی فرمائش پر انتظام اللہ شہابی اکبر آبادی نے ایک مختصر کتاب لکھی ہے، جسے انجمن ترقی اردو، کراچی نے شائع کیا ہے۔ اس کتاب میں بھی ایک بڑے سائز کا نقشہ شامل ہے، جسے نقشہ ارض قرآن کہا گیا ہے، مگر یہ بھی قرآنی مقامات، شخصیات یا اعلام کے بارے میں واضح معلومات سے محروم ہے۔ البتہ مصنف نے اس میں لکھا ہے کہ اس نے اس جغرافیہ قرآن کو جغرافیہ بائبل کی طرز پر مرتب کیا ہے اور اس سلسلے میں قدیم و جدید اثری تحقیقات سے مدد لی گئی ہے۔ سر سید احمد خاں نے بھی 1870ء میں جب ”الخطبات الاحمدیہ فی سیرۃ المحمدیہ“ لکھی تو اس میں کچھ جداول اور نقشے شامل کیے۔ اس سے قبل اردو تصنیفات سرے سے قرآنی معلومات کو جداول یا نقشوں کی مدد سے پیش کرنے کے ذوق سے خالی اور عاری دکھائی دیتی ہیں۔

الدکتور شوقی ابوخلیل کی ”اطلس القرآن: اماکن، اقوام، اعلام“ عربی زبان میں دارالفکر المعاصر، بیروت اور دارالفکر، دمشق سے شائع ہوئی ہے۔ یہ پہلی قرآنی اطلس ہے، جسے جدیدی تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے تیار کیا گیا ہے۔ فاضل مصنف نے اس مقصد کے لیے قرآن مجید کی آیات کا بالاستیعاب مطالعہ کیا، اور ان تمام آیات کو جمع کیا، جن میں اماکن، اقوام، اعلام یا دوسری جغرافیائی معلومات کے بارے میں ذکر ملتا ہے۔ پھر ہر موضوع پر متعلقہ آیات کا انتخاب، معلومات کے جداول اور بعد ازاں ان کے فن جغرافیہ کی روشنی میں واضح رنگدار نقشے ترتیب دیے، جن سے قرآن مجید کے اس متعلقہ متن میں موجود مقامات، شخصیات اور اعلام کی بخوبی وضاحت ہو جاتی ہے۔ اس اطلس میں نقشوں کی تعداد 75، جداول کی تعداد 31 اور تصاویر کی تعداد 21 ہے۔

مصنف کا دعویٰ ہے کہ گذشتہ صدیوں اور دور حاضر میں اس فنی نوعیت کا کام کہیں موجود نہیں ہے۔ ہر چند زمخشری کی ”الجبال والأمكنة والمیاء“ اور یحییٰ بن عبد اللہ معلیٰ کی ”الاعلام فی القرآن الکریم“ جیسی مفید کتابیں موجود ہیں، مگر ان کے مطالعے سے وہ کیفیت پیدا نہیں ہوتی جو دکتور شوقی ابوخلیل کی اطلس کے مطالعے سے پیدا ہوتی ہے۔ البتہ انہیں بھی بعض قرآنی مقامات اور اشخاص کے بارے میں معلومات فراہم نہ ہو سکیں اور اس سلسلے میں انہیں بہت سی تحقیقی دقتیں اور علمی دشواریاں درپیش رہیں۔ ایسے مقامات و اشخاص میں سدرۃ المنتہی، اصحاب الاعراف، اصحاب الیمین، کوثر، تسنیم، ابلیس، ابواب، اسباط اور اصحاب الشمال جیسے عنوانات ہنوز تحقیق طلب ہیں۔

اہل علم اس حقیقت سے باخبر ہیں کہ قرآنی مقامات و اشخاص اور اعلام کی وضاحت کے سلسلے میں ہم تورات اور بائبل

کی جغرافیائی معلومات پر آنکھیں بند کر کے یقین نہیں کر سکتے۔ ہم بغیر کسی علمی تعصب کے ان کی بعض تحقیقی کوششوں اور آثار کی دریافتوں کو بظہرِ تحسین دیکھتے ہیں، مگر ان معلومات پر کلیہٴ اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔ خود قرآن مجید کے تفسیری سرمائے میں اسرائیلیات کی بھرمار نے قرآن فہمی کے راستے میں دیواریں حائل کر دی ہیں۔ بعض آیات کی تشریح و توضیح میں مفسرین کے ہاں اختلاف رائے پایا جاتا ہے، ایسی تمام صورتوں میں دکتور شوقی نے اپنا الگ نقطہ نظر تشکیل دینے کی کوشش کی ہے اور اس کے لیے اپنا استدلال بخوبی واضح کیا ہے۔

اس موضوع کے شائقین کو اس حقیقت کی بھی خبر ہوگی کہ ہمارے قدیم تاریخی اور جغرافیائی ذخیرے میں جو معلومات جن ناموں اور اصطلاحات کے ساتھ درج ہیں، دورِ جدید میں بعض نام بالکل تبدیل ہو چکے ہیں۔ ایک مزید دقت یہ بھی ہے کہ بعض مقامات ماضی میں تو موجود تھے مگر اب ان میں سے بہت کم ایسے ہیں کہ جن کے آثار موجود ہیں۔ ماضی میں یہ مقامات اگر کسی ایک مملکت کی حدود میں واقع تھے تو اب ملکوں کی سیاسی اور تاریخی تقسیم نے ان مقامات کے ممالک کی نوعیت اور حدود کو تبدیل کر دیا ہے۔ مثال کے طور پر ”بلبلک“، کو ہماری معجم البلدان کی کتابوں میں ملکِ شام کے ایک شہر کے بطور متعارف کرایا گیا ہے، مگر ان دنوں وہ ملکِ شام کے بجائے لبنان کی مملکت میں موجود ہے۔ اسی طرح بعض ملکوں اور شہروں تک کے ناموں میں تبدیلی واقع ہو چکی ہے، جیسے قدیم شام کو اب عربی میں سوریا اور انگریزی میں سیریا (SYRIA) لکھا جاتا ہے۔ دکتور شوقی ابوخلیل نے ایسے تمام عقدوں اور مشکلات کو جدید معلومات کی روشنی میں حل کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان کے تیار کردہ رنگدار نقشوں میں بھی ان تمام تغیرات کی مناسب اور موزوں توضیحات اور متن میں ضروری تشریحات اور تعلیقات موجود ہیں۔ ایسی سب درست معلومات فہم قرآن کے عمل کو آسان بنا دیتی ہیں۔

ادارۃ دار السلام نے ”اطلس القرآن“ کے اس اہم ترین تحقیقی مآخذ کو اردو خواں دنیا کی معلومات اور رہنمائی کے لیے اردو زبان کے قالب میں ڈھالا ہے۔ اس نوع کی علمی اور تحقیقی کتابوں کا ترجمہ کوئی آسان کام نہیں، بلکہ اس کے فنی تقاضے، عام دوسری کتابوں سے دوچند ہوتے ہیں۔ مقامِ مسرت ہے کہ ہمارے دوست شیخ الحدیث حافظ محمد امین حفظہ اللہ تعالیٰ نے اس فنی کتاب کے اردو ترجمے میں ترجمانی کا حق ادا کر دیا ہے۔ راقم نے عربی متن اور اس کے اردو ترجمے کے تقابل میں یہ محسوس کیا ہے کہ پوری کتاب میں کوئی مقام ایسا نہیں ہے جس کے اردو ترجمے میں اب کسی نوعیت کا کوئی ابہام موجود ہو۔ اس ترجمے میں مزید خوبی کا عنصر فاضل اہل علم محسن فارانی صاحب کی ان اضافی توضیحات و تشریحات سے پیدا ہوا ہے جن کی نوعیت بعض مقامات پر اگر توضیح کی ہے، تو چند مقامات پر ان کی تحقیقات کا درجہ تصحیح کا مرتبہ رکھتا ہے۔ یہ علمی بجل ہوگا کہ اگر ان کی اس تحقیقی مساعی کی کما حقہ داد نہ دی جائے۔ محسن فارانی صاحب نے اس متن کے جغرافیائی تعینات کے سلسلے میں جن مصاد اور مراجع کی طرف توجہ دی ہے، ان میں متعدد تفاسیر، کتب تاریخ و رجال، جامعہ پنجاب کے دائرۃ المعارف، اطلس العربی الاسلامی اور بلدان و جغرافیہ کی متعدد کتابیں شامل ہیں۔ فارانی صاحب نے ان کتابوں سے بھی استفادہ کیا ہے، جن کا ذکر ہم گذشتہ صفحات میں کر چکے ہیں۔ اس تحقیقی نظر سے کم از کم پانچ مقامات کے بارے میں وہ وضاحت ملتی

ہے جسے فارانی صاحب کے حقیقی اضافات قرار دیا جاسکتا ہے۔

”اطلس القرآن“ اردو زبان کے ذخیرے میں تحقیقی مراجع اور مصادر کا استناد رکھتی ہے۔ ایسی علمی اور تحقیقی کاوشوں کے اردو ترجمے سے نہ صرف ہماری معلومات میں گرانقدر اضافہ ہوتا ہے، بلکہ خود اردو زبان کا دامن بھی نئے الفاظ و اصطلاحات کا خزانہ دار بن جاتا ہے۔ ادارہ دار السلام نے اس ترجمے کو اصل عربی اشاعت سے بھی بہتر بنانے کی کوشش کی ہے، جس کے باعث یہ تحقیقی کاوش اپنی علمی افادیت اور حسن طباعت کے باعث ایک تخلیقی شاہکار بن گئی ہے۔ راقم الحروف کے لیے یہ سعادت کیا کم ہے کہ مجھے اس کے ترجمہ و تحقیق کے بعض مراحل میں مشاورت کا اجر حاصل ہوا اور اس گرانقدر تحقیقی اور علمی سوغات کا مقدمہ لکھنے کی عزت بھی حاصل ہوئی۔ دار السلام کی جانب سے ”اطلس القرآن“ کا یہ تحفہ قرآن مجہی کے اردو خواں شائقین، علما اور طلبہ کے لیے لائق مبارک ہے۔ میرے نزدیک اس امر کی ضرورت ہے کہ اس درجہ مفید کتاب کے تراجم دنیا کی دوسری علمی زبانوں میں بھی کیے جائیں۔ عالم اسلام میں دار السلام ہی کو یہ فنی اور تحقیقی ماحول میسر ہے کہ وہ اس نوعیت کے علمی کارناموں کو دوسری زبانوں میں متعارف کرا سکے۔ اللہ تعالیٰ برادر م عبدالمالک مجاہد حفظہ اللہ اور دار السلام کے شعبہ تحقیق کے اراکین کی ان کوششوں کو قبولیت عطا فرمائے۔ آمین یا رب العالمین!

العبد المذنب

پروفیسر عبد الجبار شاہ

بیت الحکمت، لاہور

14 اکتوبر 2003ء

بمطابق 17 شعبان 1424ھ

تقدیم

الحمد لله، والصلوة والسلام علی سیدنا رسول الله، وعلی آله واصحابه ومن والاہ، اما بعد!

اس اٹلس جس میں قرآن عظیم میں مذکور مقامات، اقوام اور شخصیات سے متعلق نقشہ جات ہیں، کی سوچ میرے ذہن میں ۱۹۹۰ء میں پیدا ہوئی جب میں نے شبہ جزیرہ عرب کا ایک نقشہ دیکھا جس میں ایک مقام پر ”قبر ہود“ لکھا تھا۔ علیہ السلام۔ یہ مقام علاقہ ”حضر موت“ کے ایک شہر ”تریم“ کے مشرقی جانب واقع تھا۔ میں نے اپنے آپ سے سوال کیا کہ جب کوئی مسلمان قرآن مجید پڑھتا ہے اور اس کے سامنے حضرت ہود علیہ السلام کا قصہ آتا ہے تو کیا اس کے دل میں کبھی یہ خیال آتا ہے کہ حضرت ہود علیہ السلام کہاں رہتے تھے یا جب وہ احتاف کا واقعہ سنتا ہے تو کیا اسے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کہاں واقع ہے؟

اور پھر جب میں نے شہر ”باکو“ کے قریب آتش پرستوں کا ایک معبد دیکھا تو یہ سوچ اور بڑھی۔ میں نے اپنے آپ سے پھر وہی سوال کیا کہ جب کوئی مسلمان قرآن مجید میں مجوسیوں اور صابیوں کا تذکرہ پڑھتا ہے تو کیا اسے معلوم ہوتا ہے کہ مجوسی کہاں رہتے تھے؟ اور صابیوں کا ٹھکانا کہاں تھا؟ اور کیا اب بھی ان میں سے کوئی باقی ہے؟

پھر یہ سوچ بڑھتی گئی حتیٰ کہ نقطہ کمال تک پہنچ گئی اور اس کا طریق کار واضح ہو گیا اور سب نین نقشہ سامنے آ گیا، تو میں نے اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے اپنا منصوبہ شروع کر دیا۔ میں دعوے کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ گذشتہ اسلامی تاریخ میں اس انداز کا کام نہیں ہوا اگرچہ مؤرخین نے اس بارے میں چند باتیں لکھی ہیں اور قرآنی مقامات کے بارے میں لغات کے انداز میں کچھ کتابیں تصنیف کی ہیں۔ مگر ایک تو ان میں استیعاب نہیں دوسرے ان میں نقشہ جات کی طرف توجہ نہیں کی گئی۔ مثلاً: علامہ زکریا کی کتاب ”الجبال والأمكنة والامیاء“ اور یحییٰ عبداللہ معلمی کی ”الأعلام فی القرآن الکریم“ وغیرہ۔

میں نے قرآن مجید کو اس نقطہ نظر کے ساتھ پورے غور و فکر سے پڑھا ہے اور ان تمام آیات کو الگ جمع کر لیا جن میں کسی بھی مقام، قوم یا شخصیت کا ذکر کیا گیا ہے اور پھر ان کی مختصر تشریح کے ساتھ متعلقہ نقشہ جات تیار کیے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ یہ سب کام بغیر کسی رکاوٹ اور مشکل کے سرانجام پا گئے، بلکہ بعض مقامات پر سخت مشکلات پیش آئیں مثلاً: سدرۃ المنتہی، اصحاب الاعراف، اصحاب الیمین، نہر کوثر، تسنیم، ابلیس، ابولہب، اسباط، اصحاب الشمال وغیرہ یہ اور اس قسم کی بعض دوسری چیزوں کا تو کوئی نام و نشان تک نہ تھا۔ میں سوچتا رہا کہ ان کے نقشوں کی کیا سیمل ہو؟

ایک اور بہت بڑی مشکل یہ پیش آئی کہ قرآنی واقعات سے متعلقہ بہت سی کتابیں حتیٰ کہ بعض تفاسیر بھی ان اسرائیلی روایات سے بھرپور ہیں جن کا انحصار تورات پر ہے، تو کیا ان کو معتبر سمجھا جائے؟ اس اشکال کا فوری جواب تو یہی ہے کہ ہرگز نہیں۔ بلکہ ضروری ہے کہ صرف انہی روایات کو تسلیم کیا جائے جو ہماری معتبر کتب میں درج ہیں کیونکہ قرآن مجید کی تفسیر کے ضمن میں تورات پر اعتماد کرنا بہت خطرناک چیز ہے۔ لیکن اس کے باوجود اگر کوئی روایت کسی اسلامی عقیدے کے خلاف

نہ ہو تو اس کو ایک قول اور احتمال کے طور پر ذکر کر دیا گیا ہے۔ ویسے یہ بہت کم ہوا ہے۔ اگر کسی معاملے میں مفسرین کی آراء مختلف ہیں تو میں نے ان سب کا ذکر کر دیا ہے البتہ ان میں سے مدلل رائے کو ترجیح دی ہے۔

ایک مشکل یہ تھی کہ ابتدا کہاں سے کی جائے؟ اس سلسلے میں میں نے انبیاء علیہم السلام اور نبی ﷺ کی سیرت طیبہ سے متعلقہ نقشہ جات اور ان کی وضاحت پیش کرتے ہوئے زمانی ترتیب کو ملحوظ رکھا ہے جس طرح قرآن مقدس میں وارد ہے۔ اور پھر اٹلس کے آخر میں تفصیلی فہرست ذکر کر دی ہے جس کی مدد سے قاری اپنے مطلوب تک باسانی پہنچ سکتا ہے۔

یاد رہے کہ یہ اٹلس قصص الانبیاء یا قرآنی واقعات کی کتاب نہیں نہ یہ تفسیر کی کتاب ہے کیونکہ قصص الانبیاء اور قرآنی واقعات سے متعلقہ کتابیں تو بہت زیادہ ملتی ہیں اور بہتر سے بہتر تفاسیر بھی موجود ہیں بلکہ یہ کتاب قرآن مجید کا جغرافیہ ہے جسے رنگدار نقشہ جات اور ضروری تشریحات کے ساتھ پیش کر دیا گیا ہے۔ میں نے نقشہ جات کے علاوہ متعلقہ نام کے بارے میں یہ وضاحت بھی کر دی ہے کہ وہ نام قرآن مجید میں کتنی دفعہ آیا ہے نیز موضوع سے متعلق چند منتخب آیات بھی ذکر کر دی ہیں تاکہ اختصار کے ساتھ مقصود واضح ہو جائے۔

اس اٹلس میں سمندروں، دریاؤں اور اہم شہروں کو آج کی موجودہ صورت میں ظاہر کیا گیا ہے تاکہ قاری ان کے حقیقی مقام کو جان سکے۔ البتہ تاریخی مقامات کو قدیم ناموں سے ظاہر کیا گیا ہے جس طرح میں نے اپنی کتاب ”اٹلس التاريخ العربی الاسلامی“ میں کیا ہے۔ اسی طرح میں نے خلیج عربی کی وہ پیمائش ظاہر کی ہے جو آج سے پانچ ہزار سال پہلے تھی تاکہ قاری اس دور کی خلیج عربی کا تصور کر سکے اور پھر آج کی جغرافیائی حدود سے اس کا تقابل کر سکے۔ کہیں کہیں نقشہ جات کو دوبارہ پیش کرنے کی بجائے صرف حوالہ دیا گیا ہے کیونکہ ایک ہی نقشہ بار بار پیش کرنا مناسب نہ تھا۔ بعض مقامات پر کسی معمولی مناسبت کی وجہ سے نقشہ لگا دیا گیا ہے اگرچہ ضروری نہ تھا تاکہ اچھی طرح وضاحت ہو سکے اور عمومی فائدہ حاصل ہو۔ اس قرآنی اٹلس میں میں نے ایسا طریق کار اختیار کیا ہے کہ جس کے بارے میں میرا دعویٰ ہے کہ میرے علم کے مطابق اس سے پہلے ایسا کام نہیں ہوا۔

اللہ تعالیٰ ہی توفیق دینے والا ہے اور وہی ارادے کو عملی جامہ پہنانے والا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ محبوب کبریاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے قلب مبارک پر نازل ہونے والی اس الہی کتاب کی کسی بھی لحاظ سے خدمت اس خادم کے لیے شرف عظیم کا سبب ہے۔ اللہ تعالیٰ کا اتنا احسان ہی بہت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں اس کام کا خیال پیدا فرمایا اور اپنی عظیم الشان کتاب کی خدمت کی توفیق مرحمت فرمائی۔ زہے عز و شرف جس کو نصیب ہو۔ ناشکری ہوگی اگر میں اس اٹلس کی تیاری کی سلسلے میں مکتبہ دار الفکر کی خدمات کا تذکرہ نہ کروں جنہوں نے ہر قدم پر میری حوصلہ افزائی کی اور تمام ضروری سہولیات بہم پہنچائیں اور اس کام کی نگرانی کی تاکہ یہ کتاب بھی اس مکتبہ کی دوسری کتب کی طرح بہترین انداز میں شائع ہو۔

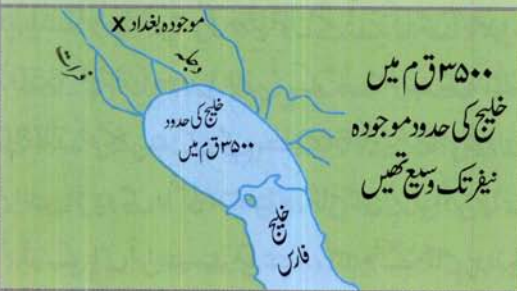
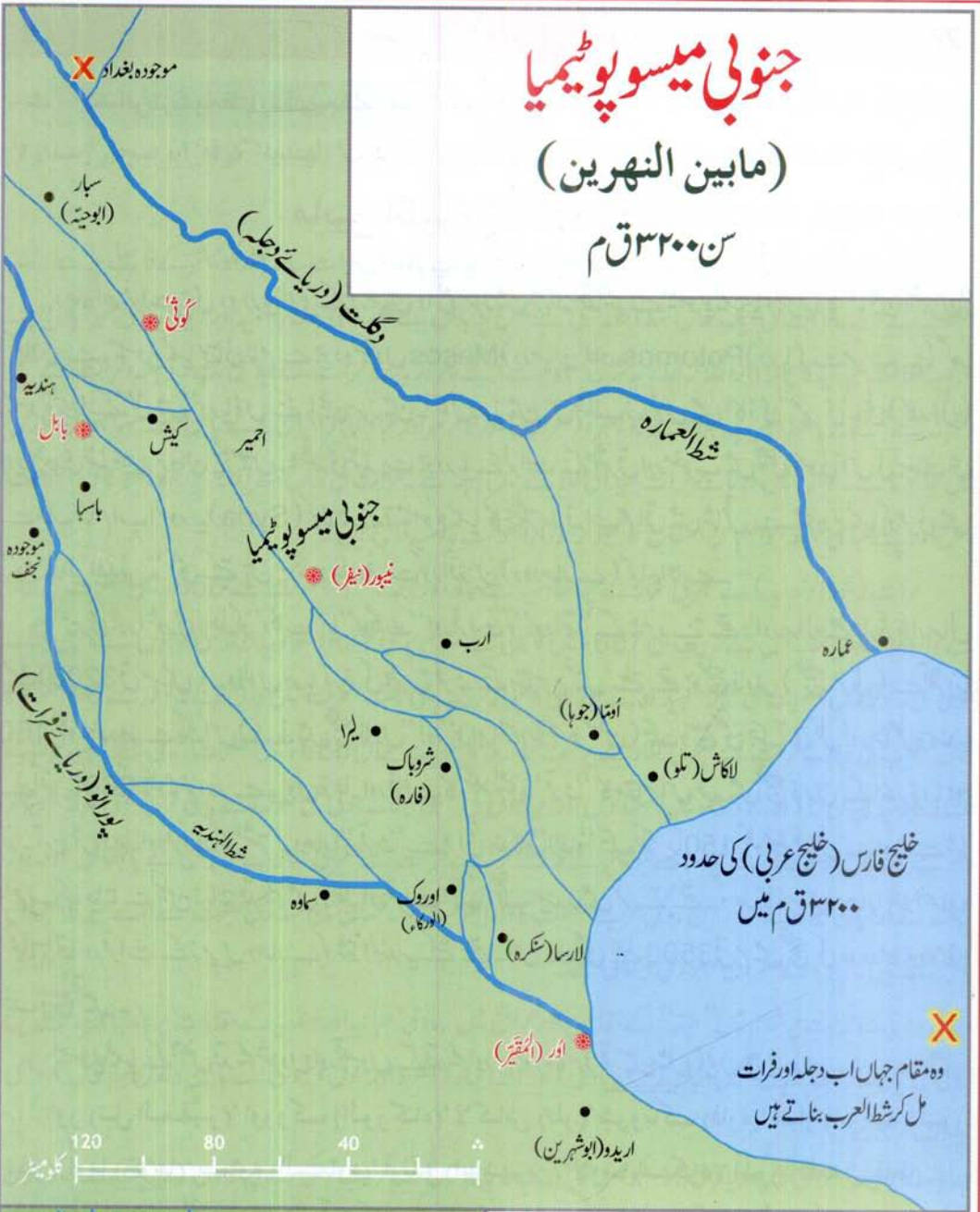
ڈاکٹر شوقی ابوخلیل

دمشق ۲۲ جمادی الآخر ۱۴۳۱ھ / ۲۱ ستمبر ۲۰۰۹ء

جنوبی میسوپوٹیمیا

(مابین النهرین)

سن ۳۲۰۰ ق م



سن ۳۵۰۰ ق م میں

خلیج کی حدود موجودہ
تفرتک وسیع تھیں

خلیج فارس (خلیج عربی) اور دجلہ و فرات کے طاس

[محکمہ آثار قدیمہ (بغداد) کے ریکارڈ میں]

مابین النهرین (میسوپوٹیمیا)

دجلہ اور فرات نامی دو دریاؤں کے درمیان واقع سرزمین زمانہ قدیم سے میسوپوٹیمیا یا الجزیرہ یا ”مابین النهرین“ کہلاتی ہے۔ میسوپوٹیمیا یونانی نام ہے جو دو لفظوں Mesos (درمیان) اور Potamos (دریا) سے مرکب ہے، گویا میسوپوٹیمیا کے معنی ہیں ”دریاؤں کے مابین سرزمین“۔ اس سرزمین میں مختلف زمانوں میں اکاڈی، سُمیری، بابلی (کلدانی) اور اشوری تہذیبیں پروان چڑھیں۔ اشوری تہذیب جو دریاؤں فرات کے مشرق اور مغرب میں پھیلی پھولی اس کی نسبت ہی سے ملک شام اب السوریه (Syria) کہلاتا ہے۔ میسوپوٹیمیا کا بیشتر علاقہ اب عراق میں شامل ہے۔ میسوپوٹیمیا کو عربی میں ”بِلَادُ الرِّافِدَیْنِ“ بھی کہتے ہیں کیونکہ دجلہ و فرات کو رافدین (دو دھارے) کہا جاتا ہے۔

سمیری اور اشوری دجلہ کو ”دگلت“ یا ”ادگلت“ اور فرات کو ”پورا تو“ کے نام دیتے تھے۔ اور ساڑھے پانچ ہزار سال پہلے (3200 ق م میں) یہ دونوں دریا آج کی طرح قرنہ کے مقام پر نہیں ملتے تھے جو خلیج فارس (خلیج عربی) سے تقریباً 160 کلومیٹر دور ہے بلکہ اس زمانے میں خلیج فارس ”اُوز“ (ابراہیم علیہ السلام کا مسکن) تک وسیع تھی جبکہ آج کل اُور ساحل سمندر سے تقریباً 260 کلومیٹر دور ہے۔ یوں دجلہ اور فرات کا سنگم یعنی ”قرنہ“ کا مقام اس عہد میں خلیج فارس کے اندر ڈوبا ہوا تھا۔ آج کل دجلہ اور فرات کا مشترکہ دھارا ”قرنہ“ سے عراقی بندگاہ ”الفاو“ تک تقریباً 150 کلومیٹر طویل ہے اور اسے شط العرب کہا جاتا ہے لیکن زمانہ قدیم میں دجلہ اور فرات الگ الگ سمندر میں گرتے تھے۔ دجلہ کا زیریں دھارا شط العمارہ کہلاتا تھا اور فرات کے زیریں دھارے کو شط الہندیہ کہتے تھے۔ اس سے بھی پہلے 3500 ق م میں خلیج کی حدود موجودہ نیفر تک وسیع تھیں۔

میسوپوٹیمیا کے بعض قدیم شہروں اور قصبوں کے قدیم اور موجودہ نام (توسین میں) یوں ہیں:

اُور (تل المقیسر)، اوروک (الورکاء)، لاکاش (تلو)، شروباک (فارہ)، سبار (ابوحیہ)، نیبور (نیفر)، اوما (جوہا)، سماوہ (السماوہ)، اریدو (ابوشہرین)، لارسا (سنکرہ)، اشور (قلعہ شرقاط)۔

دریائے فرات: یہ تاریخی دریا شمال مشرقی ترکی میں آرمینیا کے پہاڑوں سے نکلتا ہے۔ قرہ صو (450 کلومیٹر) اور مراد صو (650 کلومیٹر) دو دریا الازغ کے شمال مغرب میں ملتے ہیں تو دریائے فرات بنتا ہے۔ دریائے فرات کی کل لمبائی 2780 کلومیٹر ہے جس میں سے 650 کلومیٹر شام میں اور 1200 کلومیٹر عراق میں ہے۔ کوہستانی علاقے سے نکل کر فرات الجزیرہ میں داخل ہوتا ہے اور شام میں الرقہ اور دیر الزور کے پاس بہتا ہے۔ حاران کی طرف سے آنے والا دریا بلخ، الرقہ کے پاس فرات سے ملتا ہے اور بصیرہ کے مقام پر دریائے خابور کا اس سے ملاپ ہوتا ہے۔ ابوکمال سے ذرا آگے

فرات، عراق میں داخل ہوتا ہے اور پھر سینکڑوں کلومیٹر کا فاصلہ طے کر کے القرنہ کے مقام پر دریائے دجلہ سے آملتا ہے۔
القائم، عنة، حدیثہ، خان البغدادی، ھیت، رمادی، قَلْوَجہ، المسیب، الھندیہ، کوفہ، ابو صحیر، سماوہ،
الناصریہ، اور سوق الشیوخ نامی عراقی شہر فرات کے کنارے واقع ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا شہر اور (تل المُقَیَّر) الناصریہ کے بالمقابل فرات سے چند کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ سد
الہندیہ کے قریب فرات کی ایک شاخ شط الحلہ نکلتی ہے جس پر بابل کے کھنڈر اور جلہ ہاشمیہ اور دیوانیہ نامی شہر آباد ہیں۔
ہاشمیہ خلافت عباسیہ کا پہلا دار الخلافہ تھا۔ یہ شاخ سماوہ سے آگے پھر دریائے فرات سے جا ملتی ہے۔ دجلہ و فرات کے سنگم
القرنہ سے آگے دریا شط العرب کہلاتا ہے جو بصرہ (عراق) اور خرم شہر اور عبادان (ایران) کے پاس سے بہتا ہوا خلیج فارس
میں جا گرتا ہے۔ عراق میں دریائے فرات میدانی علاقے میں بہتا ہے۔ فرات کی شاخ شط الحلہ پر بخت نصر کا دار الحکومت
بابل اور پہلے عباسی خلیفہ ابوالعباس السفاح کا تعمیر کردہ دار الحکومت ہاشمیہ واقع ہیں۔

فرات (شط الہندیہ) کے مغربی کنارے پر القادیسیہ سے کچھ دور کوفہ کا مشہور شہر ہے جسے 656ء میں حضرت علی رضی اللہ عنہ
نے دار الخلافہ بنایا تھا۔ اس کے قریب ہی 657ء میں صفین کے مقام پر علی رضی اللہ عنہ اور معاویہ رضی اللہ عنہ کی فوجوں کے مابین جنگ
ہوئی تھی۔ کوفہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ شہید ہوئے اور ان کا مزار قریب ہی نجف اشرف میں واقع ہے۔ کوفہ سے 40 کلومیٹر
شمال مغرب کی جانب فرات کے مغربی کنارے پر ہٹ کر کر بلا کا شہر ہے جہاں 680ء میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ شہید کر دیے
گئے۔ قادیسیہ جہاں 16ھ - 637ء میں مسلمانوں اور ایرانیوں کی مشہور جنگ ہوئی تھی، کوفہ سے پانچ فرسخ یعنی 24 کلومیٹر
دور ہے جبکہ عذیب کوفہ سے چھ سات کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ فرات کے مغربی کنارے پر بابل کے بالمقابل کوفہ اور
نجف کے درمیان حیرہ کے کھنڈر ہیں جو کئی عرب سلطنت کا دار الحکومت تھا۔ نعمان بن منذر کی نسبت سے اسے حیرۃ النعمان
بھی کہتے ہیں۔ حیرہ کے حکمران نسطوری عیسائی تھے۔

دریائے فرات پر شام میں ”طبقة“ کے مقام پر اور عراق میں رمادی، حبانہ اور ہندیہ کے مقامات پر بند باندھ کر نہریں
نکالی گئی ہیں۔ فرات کا پانی جھیل حبانہ (نزد رمادی) اور ہور الحمار (بصرہ اور سوق الشیوخ کے مابین دلدل نما جھیل) کو بھی
سیراب کرتا ہے۔

دریائے دجلہ: عراق کا یہ دریا 1950 کلومیٹر طویل ہے۔ یہ الازغ کے قریب ترکی کے پہاڑوں سے نکلتا ہے جہاں اس
کا منبع دریائے فرات سے محض بیس پچیس کلومیٹر دور ہے۔ یہ دیار بکر کے نزدیک سے گزر کر شام کی سرحد کو چھوتا ہوا عراقی
الجزیرہ میں داخل ہوتا ہے۔ پھر موصل، تکریت، سامراء، بکد، بغداد، الکوت اور العمارہ کے پاس سے گزرتا ہوا القرنہ کے مقام
پر دریائے فرات سے آملتا ہے اور آگے خلیج فارس تک دونوں کے مجموعی دھارے کا نام شط العرب ہے۔ اس میں سد الکوت
سے آگے جہاز رانی ہوتی ہے۔ الکوت سے ذرا پہلے دجلہ کی ایک شاخ نکلتی ہے جو الحی، الرفاعی اور الشطرہ کے پاس سے گزر
کر سوق الشیوخ سے آگے فرات میں جا ملتی ہے۔ خابور، زاب، کبیر، زاب صغیر، العظیم اور دیالی اس کے معاون دریا ہیں۔ خابور

کے سوا باقی سب ایران سے بہہ کر آتے ہیں۔ دجلہ پر سامراء، کوت اور عمارہ کے قریب بند باندھے گئے ہیں۔ کئی رابطہ نہریں دجلہ کو فرات سے ملاتی ہیں۔ ان میں سب سے بڑی شط الغراف کہلاتی ہے۔ دجلہ کے مشرقی کنارے پر موصل کے بالمقابل قدیم تاریخی شہر نینوی کے کھنڈر ملتے ہیں۔

مدائن: دیالی اور دجلہ کے سنگم سے نیچے دجلہ کے مشرقی کنارے پر اکاسرہ فارس (ساسانیوں) کے دارالحکومت مدائن کے آثار ملتے ہیں جسے یونانی میں ”طیسفون“ کہا جاتا ہے۔ آج کل وہاں قصبہ سلمان پاک یا سلمان باک آباد ہے۔ دراصل سکندر اعظم کے ایک جانشین سلیوکس اول نے یہاں دجلہ کے کنارے 307 ق م میں اپنا دارالحکومت ”سلوکیہ“ آباد کیا تھا۔ 140 ق م میں پارٹھیوں (پارسیوں یا فارسیوں) نے اس پر قبضہ کر لیا۔ پارٹھیوں نے اس کے پاس اپنا دارالحکومت طیسفون آباد کیا۔ عربوں نے سلوکیہ اور طیسفون کو مجموعی طور پر مدائن کہنا شروع کیا جو کہ ساسانیوں کا بھی دارالحکومت رہا۔ یہیں 628ء میں ساسانی شہنشاہ خسرو پرویز کو نبی کریم ﷺ کا دعوتی خط ملا تھا جسے پھاڑ کر اس نے اپنی اور اپنی سلطنت کی تباہی پر مہر ثبت کر دی تھی۔ 15ھ (637ء) میں مسلمانوں نے مدائن فتح کر لیا جب انہوں نے اپنے گھوڑے دجلہ میں ڈال دیے تھے اور ایرانی دیواں آمدند دیواں آمدند (دیو آگئے، دیو آگئے) کہتے ہوئے مدائن سے بھاگ نکلے تھے۔ سلمان پاک (مدائن) میں کسریٰ کے قصر سفید (طاق کسریٰ) کے آثار قابل دید ہیں۔

نینوی: اسے نینوہ یا نینواہ بھی کہتے ہیں (جغرافیہ خلافت مشرقی)۔ آشوریوں نے اسے گیارہویں صدی ق م میں دارالحکومت بنایا تھا۔ شمالی عراق میں نینوی کے کھنڈر دجلہ کے مشرق میں ”تل قویونجیق“ کے مقام پر ملتے ہیں جو موصل کے قریب واقع ہے۔ شاہ سنحارب (704 تا 681 ق م) کے عہد میں اس نے بہت شہرت پائی۔ یہاں سنحارب اور اشور بنی پال کے محلات قابل دید ہیں۔ نینوی شمالی عراق کا ایک صوبہ بھی ہے جس کا دارالحکومت موصل ہے جو دجلہ کے مغربی کنارے پر ہے۔

آشور: صوبہ نینوی میں شرقا کے قریب دجلہ کے مغربی کنارے پر آشوریوں کا تاریخی شہر ہے جو نینوی سے پہلے ان کا دارالحکومت تھا۔ اس کی بنیاد تیسری ہزاری ق م میں پڑی تھی۔ یہاں اٹھارویں صدی ق م میں اشوری سلطنت قائم ہوئی۔ یہاں بہت بڑا اشوری معبد بھی تھا۔ 612 ق م میں آشور پر بابل غلب آئے۔ 140 ق م میں پارٹھیوں نے اس پر قبضہ کر کے اسے ترقی دی مگر روم و ایران کی جنگوں میں اسے نقصان پہنچا حتیٰ کہ شاپور (شاہ پور) اول ساسانی نے 257ء میں اسے تباہ و برباد کر دیا۔



حضرت آدم علیہ السلام

حضرت آدم علیہ السلام کا نام نامی قرآن مجید کی پچیس آیات میں پچیس بار آیا ہے۔ تفصیل درج ذیل ہے:

سورت	سورت نمبر	آیات نمبر	سورت	سورت نمبر	آیات نمبر
البقرة	2	31...37	الكهف	18	5
آل عمران	3	33'59	مریم	19	58
المائدة	5	27	طہ	20	115'116'117'120'121
الاعراف	7	11'19'26'27'31'35'172	یس	36	60
الاسراء	17	61'70			

چند متعلقہ آیات

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً قَالُوا أَتَجْعَلُ فِيهَا مَن يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ قَالَ إِنِّي أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿٣٠﴾ وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ أَنْبِئُونِي بِأَسْمَاءِ هَٰؤُلَاءِ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِينَ ﴿٣١﴾ قَالُوا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَا بِأَلْسِنَتِنَا إِنَّكَ أَنْتَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ﴿٣٢﴾ قَالَ يٰٓأَدَمُ أَنْبِئْهُمْ بِأَسْمَائِهِمْ فَلَمَّا أَنْبَأَهُمْ بِأَسْمَائِهِمْ قَالَ أَلَمْ أَقُلْ لَّكُمْ إِنِّي أَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَأَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُونَ ﴿٣٣﴾ وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ أَبٰى وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكَٰفِرِينَ ﴿٣٤﴾ وَقُلْنَا يٰٓأَدَمُ اسْكُنْ أَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هَٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُونَا مِنَ الظَّٰلِمِينَ ﴿٣٥﴾ فَآلَاهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيهِ وَقُلْنَا اهْبِطُوا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ ﴿٣٦﴾ فَتَلَقَّى آدَمُ مِنْ رَبِّهِ كَلِمَاتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿٣٧﴾ قُلْنَا اهْبِطُوا مِنْهَا جَمِيعًا فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ مِنِّي هُدًى فَمَنِ تَّبِعَ هُدَاىَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٣٨﴾

”ذرا تصور کیجیے جب آپ کے رب کریم نے فرشتوں کو بتلایا کہ میں زمین میں خلیفہ بنانا لگا ہوں۔ وہ کہنے لگے: کیا آپ ایسی مخلوق پیدا کریں گے جو زمین میں فساد برپا کرے گی اور خون ریزی کرے گی؟ جبکہ ہم ہر قسم کی تحمید

و تقدیس و تسبیح میں مشغول رہتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”میں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔“ اللہ تعالیٰ نے آدم (علیہ السلام) کو تمام ناموں کا علم عطا فرمایا پھر اللہ تعالیٰ نے وہ چیزیں فرشتوں کے سامنے پیش کیں اور فرمایا: ”مجھے ان چیزوں کے نام بتاؤ اگر تم (اپنے دعویٰ میں) سچے ہو (کہ اس مخلوق سے ہم افضل ہیں)۔“ فرشتے کہنے لگے: ”مولا! نقص سے پاک تو آپ ہی ہیں ہمیں تو بس اتنا ہی علم ہے جو آپ نے ہم کو دیا ہے۔ بلاشبہ آپ ہی سب کچھ جاننے والے اور خوب حکمت والے ہیں۔“ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”آدم! ان کو ان چیزوں کے نام بتاؤ۔“ جب آدم (علیہ السلام) نے ان کو ان چیزوں کے نام بتادیے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”میں نے تمہیں کہا نہیں تھا کہ میں آسمان و زمین کی تمام چھپی چیزوں کو جانتا ہوں اور تمہارے ظاہر و باطن کو بھی خوب جانتا ہوں؟“ پھر جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کے سامنے سجدہ ریز ہو جاؤ تو وہ سب سجدے میں گر پڑے مگر ابلیس نے انکار کر دیا۔ اس نے اپنے آپ کو بڑا سمجھا اس طرح وہ کافر ہو گیا۔ ہم نے کہا: ”آدم! تم اور تمہاری بیوی دونوں جنت میں رہو اور اس میں جہاں سے چاہو جی بھر کے کھاؤ البتہ فلاں درخت کے قریب نہ جانا ورنہ ظالم بن جاؤ گے۔“ لیکن شیطان نے ان کو پھسلا دیا اور جنت سے نکلوا دیا۔ ہم نے کہا: ”اتر جاؤ“ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو۔ زمین میں تم ایک مقررہ وقت تک رہو گے اور فائدہ اٹھاؤ گے۔ پھر آدم (علیہ السلام) نے اپنے رب سے کچھ کلمات سیکھ لیے (اور توبہ کی) تو اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی۔ بلاشبہ وہ بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔

ہم نے کہا: ”تم سب یہاں سے نکل جاؤ۔ پھر اگر تمہارے پاس ہماری طرف سے کوئی ہدایت پہنچے تو (اس پر عمل کرنا کیونکہ) جو شخص میری ہدایت پر عمل کرے گا اسے کسی قسم کا خوف و غم نہ ہوگا۔“ (البقرة: 30/2... 38)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَقَدْ عَهِدْنَا إِلَىٰ آدَمَ مِنْ قَبْلِ فَنَسَىٰ وَلَمْ نُجِدْ لَهُ عَزْمًا ۖ وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا ۖ إِلَّا إِبْلِيسَ ۖ أَبَىٰ ۖ فَقُلْنَا يَا آدَمُ إِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقَىٰ ۖ إِنَّ لَكَ أَلَّا تَجُوعَ فِيهَا وَلَا تَعْرَىٰ ۖ وَأَنَّكَ لَا تَظْمَأُ فِيهَا وَلَا تَصْحَىٰ ۖ فَوَسَّوَسَ إِلَيْهِ الشَّيْطٰنُ قَالَ يَا آدَمُ هٰذَا أَدْنٰكَ عَلَىٰ شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٌ لَّا يَبُلَىٰ ۖ فَأَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوَاتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفْنَ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ۖ ذُو عَصَىٰ آدَمُ رَبَّهُ فَغَوَىٰ ۖ ثُمَّ اجْتَبَاهُ رَبُّهُ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدَىٰ ۖ قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيعًا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۖ فَأَمَّا يَٰٓأَبَتَنَّا فَمِثْلُكُمْ مِّثْلِي هَدَىٰ ۖ فَكَيْنَ اتَّبَعَ هٰذَا آيَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقَىٰ ۖ

”ہم اس سے پہلے آدم کو تاکیدِ حکم دے چکے تھے مگر وہ بھول گئے۔ ہم نے ان میں عزم نہ پایا۔ اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا آدم کو سجدہ کرو تو سب سجدہ میں گر پڑے مگر ابلیس نے انکار کر دیا۔ ہم نے کہا: ”اے آدم! یہ تیرا اور تیری بیوی کا دشمن ہے کہیں یہ تمہیں جنت سے نکلوانہ دے کہ تم مصیبت میں پھنس جاؤ۔ یہاں تو تجھے سہولت حاصل

ہے کہ تو اس میں نہ بھوک محسوس کرتا ہے نہ ننگا ہوتا ہے نہ تجھے پیاس لگتی ہے اور نہ دھوپ۔“ لیکن شیطان نے اسے بہکایا کہ آدم! کیا میں تجھے وہ درخت نہ بتاؤں جس سے تو ہمیشہ رہے گا اور کبھی ختم نہ ہونے والی بادشاہت نصیب ہوگی؟“ اس طرح وہ دونوں ممنوعہ درخت کھا بیٹھے۔ نتیجتاً انہیں ایک دوسرے کی شرمگاہیں نظر آنے لگیں تو وہ لگے جنت کے پتوں سے اپنے آپ کو ڈھانپنے۔ گویا آدم (علیہ السلام) نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور راہ راست سے بھٹک گئے (مگر ان کے توبہ کرنے پر) اللہ تعالیٰ نے انہیں (نبوت کے لیے) منتخب فرمایا اور توبہ قبول کر کے ان کو راہ راست پر لے آئے۔

فرمایا: ”تم دونوں جنت سے اتر جاؤ۔ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو گئے پھر اگر تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت پہنچے تو (اس پر عمل پیرا ہونا کیونکہ) جو شخص میری ہدایت پر عمل پیرا ہوگا وہ نہ راہ راست سے بھٹکے گا نہ مصیبت میں پڑے گا۔“ (طہ: 115/20... 123)

تفسیر ”در منثور“ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان ہے: ﴿اِهْبِطُوا﴾ میں خطاب حضرت آدم و حواء علیہما السلام، ابلیس اور سانپ سے ہے۔ نیز آدم علیہ السلام مکہ مکرمہ اور طائف کے درمیان علاقہ ”دجنا“ میں اترے تھے۔ بعض نے کہا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام صفا پہاڑ پر اترے تھے اور حضرت حواء مروہ پہاڑ پر۔ حضرت ابن عباس سے ایک روایت یہ بھی آتی ہے: ”انہیں ہندوستان کے علاقہ میں اتارا گیا تھا۔“

علامہ ابن سعد رحمہ اللہ اور ابن عساکر رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو ہندوستان میں اور حضرت حواء علیہا السلام کو جدہ کے مقام پر اتارا گیا تھا۔ وہ ان کی تلاش میں چلے تو مزدلفہ کے مقام پر حضرت حواء سے ان کی ملاقات ہوئی۔ اس مقام کو مزدلفہ کہنے کی وجہ بھی یہی ہے، کیونکہ عربی میں اس کا معنی ”قرب والی جگہ“ ہے۔ اس مقام کو ”جمع“ بھی کہتے ہیں، کیونکہ یہاں حاجی لوگ ایک رات کے لیے جمع ہوتے ہیں۔ قرآن مجید میں اس کو مشعر حرام کہا گیا ہے۔ علامہ طبرانی رحمہ اللہ نے ابو نعیم رحمہ اللہ نے (حلیہ میں) اور ابن عساکر رحمہ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (نَزَلَ آدَمُ عَلَیْہِ السَّلَامُ بِالْهِنْدِ) ”حضرت آدم علیہ السلام ہندوستان میں اترے تھے۔“ ابن عساکر نے ایک اور روایت بھی نقل کی ہے: ”حضرت آدم علیہ السلام جب زمین پر بھیجے گئے تو انہیں ہندوستان میں اتارا گیا۔“ طبرانی میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

”جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اتارا تو انہیں ہندوستان میں اتارا تھا، پھر وہ مکہ مکرمہ آ گئے، پھر وہاں سے شام چلے گئے اور وہاں فوت ہوئے۔“

اس بارے میں وارد روایات کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام زمین میں آئے تو ہندوستان کے علاقہ سیلون کے جزیرہ سراندیپ میں بوڈ پہاڑ پر اترے تھے۔ ابن بطوطہ اپنے سفر نامے میں لکھتے ہیں:

”میں اس جزیرے میں گیا تو میرا اصل مقصد حضرت آدم علیہ السلام کے قدم مبارک کی زیارت کرنا تھا۔ اس جزیرے کے لوگ حضرت آدم کو ”بابا“ اور حضرت حواء کو ”ماما“ کہتے ہیں۔“

قدم مبارک کی زیارت کا آغاز حضرت ابو عبد اللہ بن خفیف رحمہ اللہ سے ہوا۔ حضرت آدم علیہ السلام کی قبر مبارک کے بارے میں بھی اختلاف ہے۔ بعض اہل علم کہتے ہیں کہ آپ کو ابو قیس پہاڑ (بیت اللہ سے قریب ترین پہاڑ) پر دفن کیا گیا۔ بعض اہل علم کا خیال ہے کہ آپ کی قبر مبارک اسی جگہ یوسف پہاڑ پر ہے جہاں آپ اترے تھے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے طوفان تھمنے کے بعد آپ کو دوبارہ بیت المقدس کے علاقہ میں دفن کیا۔

علامہ طبری ابن اثیر اور یعقوبی کی روایات کی بنا پر ہمارے نزدیک رائج بات یہ ہے کہ توبہ کی قبولیت کے بعد حضرت جبریل علیہ السلام آپ کو اٹھا کر عرفات میں لائے اور افعال حج سکھائے۔ پھر آپ فوت ہوئے تو آپ کو ابو قیس پہاڑ کے دامن میں دفن کیا گیا۔ علیہ الصلوٰۃ والسلام۔



❖ معجم البلدان : 163/2 ، 215/3 - یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آدم علیہ السلام

سرانديپ ميں ”رہون“ نامی پہاڑ پر اترے۔

❖ قصص الأنبياء (المسمى: العرائس) الثعلبي: 36

❖ المعجم المفهرس لألفاظ القرآن الكريم: 24

❖ المعجم المفهرس لمعاني القرآن العظيم: 38

❖ الدر المنثور في التفسير بالمأثور: 55/1

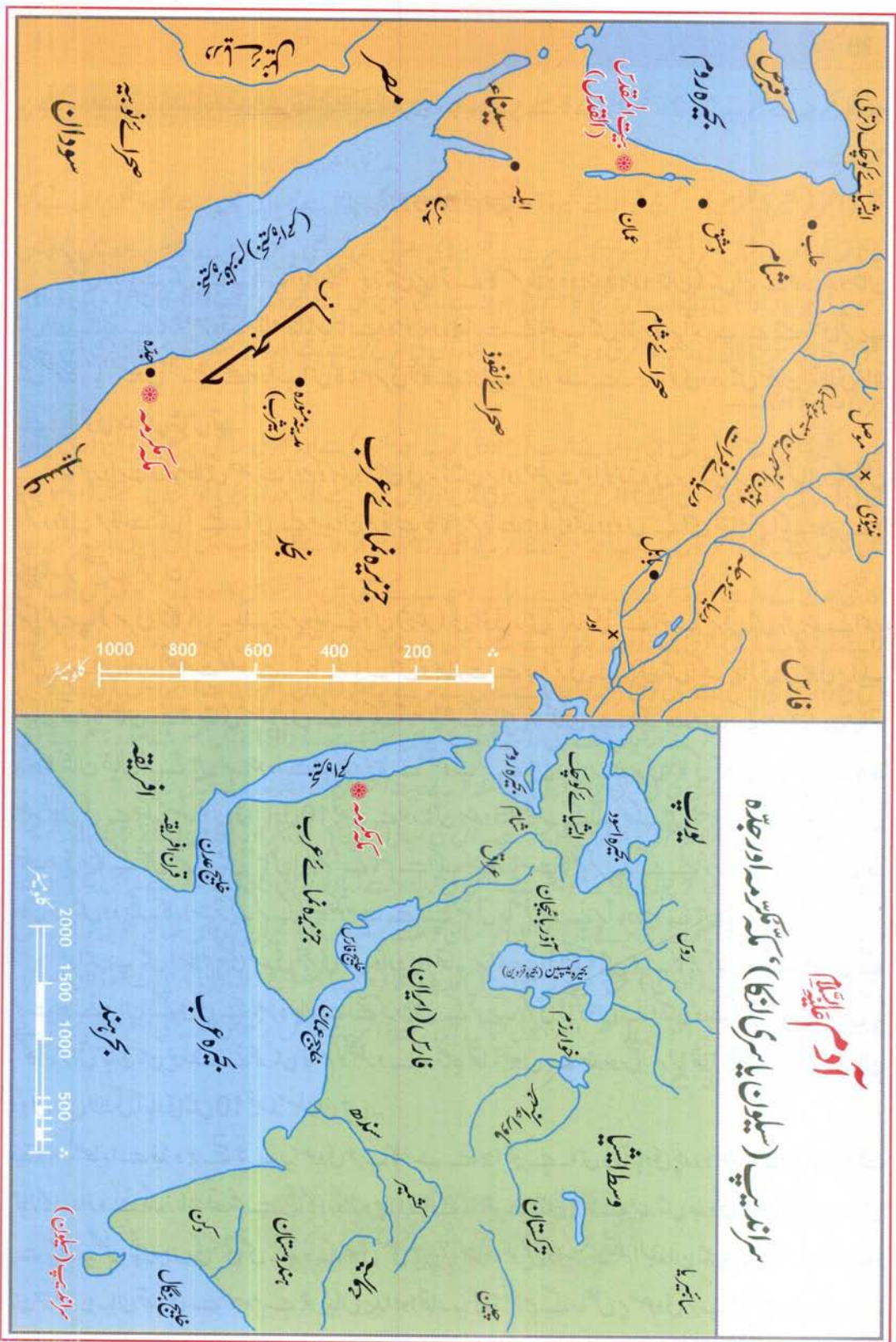
❖ رحلة ابن بطوطة : 584 ، 585

❖ قصص الأنبياء ابن كثير: 34

❖ قصص الأنبياء الطبري: 38

❖ القاموس الإسلامي: 56/1

❖ مختصر تاريخ دمشق ابن عساکر: 224/4



ہبوط آدم علیہ السلام

مجمّل روایات میں ہے کہ جب آدم علیہ السلام کو زمین پر اترنے کا حکم ملا تو وہ ہند (ہندوستان) میں اترے اور ہندوستان میں ان کے اترنے کا جو معروف مقام بتایا جاتا ہے وہ موجودہ بھارت کے جنوب میں جزیرہ سراندیپ ہے جسے ماضی قریب میں ”لنکا“ یا ”سیلون“ کہتے تھے اور اب اس کا نام سری لنکا ہے جو ایک آزاد ملک ہے۔ برطانوی دور میں سیلون انتظامی لحاظ سے برطانوی ہند میں شامل تھا۔

عام روایت کے مطابق حضرت آدم کو ہندوستان کی سرزمین پر اور حضرت حوا کو جدہ کی سرزمین پر اتارا گیا اور پھر چل کر دونوں عرفات میں آئے۔ اسی لیے میدان عرفات کا نام عرفات ہوا کیونکہ دونوں نے اسی مقام پر ایک دوسرے کو پہچانا۔ (قصص القرآن)

سراندیپ (سری لنکا): یہ ملک جزیرہ نمائے دکن (ہند) کی جنوبی راس ”کماری“ کے جنوب مشرق میں بحر ہند کے اندر واقع ہے۔ اس کا دار الحکومت کولمبو ہے۔ آبنائے پاک اس کو بھارت سے جدا کرتی ہے۔ اس میں ایک پہاڑی کی چوٹی پر ایک انسانی قدم کا نشان ہے جو مقامی مسلمانوں کے نزدیک آدم علیہ السلام کے پاؤں کا نشان ہے۔ جبکہ بدھ مت کے پیروکار اسے مہاتما بدھ کا نشان خیال کرتے ہیں اور ہندو اسے اپنے دیوتا سے منسوب کرتے ہیں۔ یاد رہے سری لنکا کی آبادی میں اکثریت بدھ سنہالیوں کی ہے جبکہ مسلمانوں کی آبادی 10 فیصد ہے اور تامل ہندو 25 فیصد کے لگ بھگ ہیں جنہوں نے پندرہ بیس سال تک سری لنکا کے شمال مشرق میں ”تامل ایلام“ کے نام سے ایک ہندو ریاست قائم کرنے کے لیے خونریز گوریلا جنگ لڑی اور حال ہی میں وہ جنگ کا راستہ ترک کر کے کولمبو حکومت سے اپنے حقوق حاصل کرنے پر آمادہ ہوئے ہیں۔

سراندیپ میں اسلام پہلی صدی ہجری میں وارد ہوا تھا۔ سراندیپ (لنکا) میں عرب تاجر آباد ہو گئے تھے جن کے فوت ہونے پر ان کے بیوی بچے بصرہ جا رہے تھے کہ دہلی کے قریب بحری ڈاکوؤں نے انہیں لوٹ کر قید کر لیا تھا۔ اس پر گورنر عراق حجاج بن یوسف نے محمد بن قاسم کو لشکر دے کر بھیجا تھا جنہوں نے سندھ فتح کر لیا تھا (93ھ/712ء)۔ ان دنوں سری لنکا کی آبادی میں 10 فیصد مسلمان ہیں۔

جدہ: فصحاء اسے جدہ بولتے ہیں۔ یہ سعودی عرب کا سب سے بڑا شہر ہے۔ اس کی آبادی پندرہ سولہ لاکھ ہے یہ نہ صرف حجاز کا دروازہ ہے بلکہ زمانہ قدیم سے حج کا دروازہ چلا آ رہا ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں جدہ کی بنیاد رکھی گئی ورنہ اس سے پہلے یہ محض چھیلروں کی بستی تھی۔ جدہ کے لغوی معنی ہیں ”کشادہ طویل راستہ“۔ معجم البلدان میں لکھا ہے کہ جدہ شہر جدہ بن حزم بن ریان قضاعی سے موسوم ہے جو یہاں پیدا ہوا تھا۔ یہ بحیرہ قلزم کے ساحل پر سعودی عرب کی مشہور بندرگاہ ہے۔

جدہ مکہ مکرمہ کے مغرب میں 70 کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ جدہ انٹرپورٹ کالج ٹرمینل 5 لاکھ مربع میٹر سے زیادہ رقبے پر محیط ہے۔

بحیرہ احمر (بحیرہ قلزم): آج کل اسے بحیرہ احمر (Red sea) کہا جاتا ہے۔ ماضی میں اسے بحیرہ قلزم اس لیے کہا جاتا تھا کہ اس کی شمال مغربی خلیج (سویز) کے سرے پر قلزم نامی مصری بندرگاہ تھی۔ قلزم ہی کے مقام پر بعد میں السولیس (سویز) شہر آباد ہوا اس لیے اب اس خلیج کا نام خلیج سویز ہے۔ خلیج سویز ہی سے بحیرہ روم تک 69-1859ء میں 163 کلومیٹر لمبی نہر سویز نکالی گئی۔ بحیرہ احمر کی وجہ تسمیہ اس کے کناروں کی سرخ ریت ہے اور اس سمندر میں مرجان بھی ملتا ہے جو سرخ رنگ کا ہوتا ہے۔

بحیرہ احمر کے مشرق میں جزیرہ نمائے عرب (سعودی عرب اور یمن) ہے اور مغربی ساحل پر مصر، سوڈان، اریٹریا اور جبوتی (سابق فرانسیسی صومالی لینڈ) واقع ہیں۔ عہد نبوی میں اور اس سے پہلے اور بعد اریٹریا اور جبوتی، حبشہ (ایتھوپیا) میں شامل تھے۔ بحیرہ احمر شمال میں اب نہر سویز کے ذریعے بحیرہ روم سے ملا ہوا ہے اور جنوب میں اس کا پانی باب المندب اور خلیج عدن کے راستے بحیرہ عرب سے جا ملتا ہے۔ باب المندب کے معنی ہیں ”آنسوؤں کا دروازہ“ کیونکہ اس تنگ آبی راستے (آبنائے) میں بحری جہاز ڈوب جایا کرتے تھے۔ شمال میں جہاں بحیرہ قلزم دوشاخ ہو جاتا ہے وہاں دائیں طرف اس کی دوسری خلیج واقع ہے جس کو خلیج عقبہ کہا جاتا ہے۔ اس کے سرے پر عقبہ (اردن) اور ایلات (اسرائیل) کی بندرگاہیں ہیں۔ خلیج عقبہ اور بحیرہ احمر کے درمیان تنگ آبی راستہ آبنائے تیران کہلاتا ہے۔ 1967ء میں مصر کے صدر ناصر نے اسی آبنائے تیران کی ناکہ بندی کی تھی جس پر اسرائیل نے حملہ کر کے بیت المقدس اور دیگر علاقے چھین لیے۔

بحیرہ احمر کا رقبہ 4 لاکھ 37 ہزار مربع کلومیٹر ہے۔ اس کی لمبائی 1925 کلومیٹر اور چوڑائی 200 تا 325 کلومیٹر ہے۔ باب المندب پر جا کر چوڑائی 29 کلومیٹر ہے۔ اس کی زیادہ سے زیادہ گہرائی 2635 میٹر ہے۔ اس میں مونگے (مرجان) کے چھوٹے چھوٹے جزیرے ہیں: قرمان، فرسان، دھلک، پریم (بریم)، تیران، شدوان، صنافیر، طویلہ، زبائر۔ اس کی بندرگاہوں میں عقبہ (اردن)، ینج، جدہ (سعودیہ)، المدیدہ، مخا (یمن)، مصووع (اریٹریا)، پورٹ سوڈان، سواکن (سوڈان)، القصیر، الفردتہ، السولیس (مصر) اور جبوتی شامل ہیں۔ بحیرہ احمر کے ساحل پر مصری صوبہ بھی البحر الاحمر کہلاتا ہے جس کا دارالحکومت الفردتہ ہے۔



حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹے قابیل اور ہابیل

ان کا قصہ سورۃ المائدہ میں یوں مذکور ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَآتَىٰ عَلَيْهِم نَبَأَ ابْنَيْ آدَمَ بِالْحَقِّ إِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ أَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْآخَرِ قَالَ لَأَقْتُلَنَّكَ
قَالَ إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللَّهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ ﴿٣٤﴾ لَئِنْ بَسَطْتَ إِلَىٰ يَدِكَ لِتَقْتُلَنِي مَا أَنَا بِبَاسِطٍ يَدِيَ إِلَيْكَ
لَأَقْتُلَنَّكَ إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ رَبَّ الْعَالَمِينَ ﴿٣٥﴾ إِنِّي أُرِيدُ أَنْ تَبُوءَ بِإِثْمِي وَإِثْمِكَ فَتَكُونَ مِنْ أَصْحَابِ النَّارِ
وَذَلِكَ جَزَاءُ الظَّالِمِينَ ﴿٣٦﴾ فَطَوَّعَتْ لَهُ نَفْسُهُ قَتْلَ أَخِيهِ فَقَتَلَهُ فَأَصْبَحَ مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴿٣٧﴾ فَبَعَثَ اللَّهُ
غُرَابًا يَبْحَثُ فِي الْأَرْضِ لِيُرِيَهُ كَيْفَ يُوَارِي سَوْءَةَ أَخِيهِ قَالَ يُوَيْلَنِي أَعْجَزْتُ أَنْ أَكُونَ مِثْلَ
هَذَا الْغُرَابِ فَأُوَارِيَ سَوْءَةَ أَخِي فَأَصْبَحَ مِنَ النَّادِمِينَ ﴿٣٨﴾

”لوگوں کے سامنے آدم (علیہ السلام) کے دو بیٹوں کا واقعہ صحیح بیان کیجیے۔ جب ان دونوں نے اللہ کے حضور اپنی قربانی پیش کی تو ایک (ہابیل) کی قربانی قبول ہو گئی دوسرے (قابیل) کی نہیں۔ وہ (غصے میں) کہنے لگا: ”میں تجھے قتل کر کے رہوں گا۔“ ہابیل نے کہا: ”(اس میں میرا کیا قصور ہے؟) حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ متقی لوگوں ہی کی قربانی قبول فرماتا ہے۔ اگر تو نے مجھے قتل کرنے کے لیے اپنا ہاتھ میری طرف بڑھایا تو میں تجھے قتل کرنے کے لیے اپنا ہاتھ نہیں اٹھاؤں گا۔ مجھے تو اللہ رب العالمین سے ڈر لگتا ہے۔ میں اس بات کو ترجیح دوں گا کہ تو ہی اپنے اور میرے گناہ اٹھا کر جہنم رسید ہو جائے کیونکہ ظالموں کو ایسا بدلہ ہی ملتا ہے۔“

قابیل کو اس کے نفس نے اپنے بھائی کے قتل پر آمادہ کیا تو بالآخر اس نے اسے قتل کر ڈالا، لیکن اس کام سے وہ بہت خسارے میں پڑ گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ایک کو ابھیجا جو زمین کریدنے لگا تا کہ وہ اسے اپنے بھائی کی لاش چھپانے کا طریقہ سمجھائے۔ وہ چیخا: ”ہائے افسوس! میں تو اس کو بے جیسا بھی نہ بن سکا کہ اپنے بھائی کی لاش کو از خود دفن کر دیتا“ پھر وہ بہت نادم ہوا۔“ (المائدہ: 27/5... 31)

ہمارے نزدیک رائج بات یہ ہے کہ اس قصے سے متعلقہ واقعات مکہ مکرمہ ہی میں وقوع پذیر ہوئے کیونکہ حضرت آدم اور حواء علیہما السلام یہیں رہتے تھے اسی لیے روایات میں ہے کہ جب قابیل نے ہابیل کو قتل کر دیا تو وہ یمن بھاگ گیا۔

تاریخ طبری میں ہے: ”قابیل اپنے والد حضرت آدم علیہ السلام سے ڈرتا ہوا یمن بھاگ گیا۔“ شہر دمشق کے شمال میں قاسیون نامی پہاڑ میں ایک مشہور غار ہے جسے ”خونی غار“ کہا جاتا ہے۔ وہاں کے عام لوگوں کا خیال ہے کہ قابیل نے اس غار کے پاس اپنے بھائی کو قتل کیا تھا۔

دمشق سے زبدانی اور بلودان کو جانے والے راستہ کے دائیں جانب علاقہ ”تکلیہ“ میں دریائے بردی کی وادی کے

کنارے بلند پہاڑ پر ایک قبر ہے جس کی لمبائی تقریباً 15 میٹر ہے، بعض اہل علم کا خیال ہے کہ یہ ہابیل کی قبر ہے۔



❁ قصص الأنبياء۔ الطبری: 74

❁ قصص الأنبياء۔ النجار: 22

❁ قصص الأنبياء۔ ابن كثير: 52

❁ قصص الأنبياء۔ الثعلبي: 44

حضرت ادریس علیہ السلام

حضرت ادریس علیہ السلام کا نام قرآن مجید میں مندرجہ ذیل دو مقامات میں آیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ اِدْرِيسَ ۚ اِنَّهُ كَانَ صِدِّيقًا نَبِيًّا ۗ وَرَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا ﴿٥٤﴾

”اس مقدس کتاب (قرآن مجید) میں ادریس کا ذکر کیجیے بلاشبہ وہ انتہائی سچے نبی تھے اور ہم نے ان کو بلند مرتبہ پر فائز فرمایا تھا۔“ (مریم: 56/19-57)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاسْمٰعِيْلَ وَاِدْرِيسَ وَذَا الْكِفْلِ ط كُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿٨٥﴾ وَاَدْخَلْنٰهُمْ فِي رَحْمَتِنَا ۚ اِنَّهُمْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿٨٦﴾

”اور اسماعیل، ادریس اور ذوالکفل کا ذکر کیجیے۔ یہ سب صابر لوگ تھے۔ ہم نے انہیں اپنی رحمت میں داخل فرمایا بلاشبہ یہ نیک لوگ تھے۔“ (الانبیاء: 85/21-86)

حضرت ادریس علیہ السلام مصر میں پیدا ہوئے۔ لوگ انہیں ”ہرمس الہرامسہ“ کہتے تھے۔ یہ سریانی زبان میں ایک نام ہے۔ ہرمس کا معنی ”تجربہ کار مضبوط رائے والا“ ہے۔ آپ کی پیدائش مصر کے شہر ”منفیس“ یعنی ”منف“ میں ہوئی۔ بعض اہل علم کا خیال ہے کہ آپ بابل شہر میں پیدا ہوئے تھے پھر ہجرت کر کے مصر پہنچے۔ جب انہوں نے دریائے نیل کو دیکھا تو فرمایا: ”بالیون“ (بابرکت بڑا دریا)۔ کہا گیا ہے کہ ان کے دور میں 188 شہر آباد ہوئے جن میں سے چھوٹا ”رُہا“ ہے۔ آپ نے سب سے پہلے حکمت اور علم نجوم کی کھوج لگائی۔ آپ کی طرف بہت سے حکیمانہ اقوال منسوب ہیں ان میں سے چند یہ ہیں:

- ❖ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر شکر ادا کرنے کا بہترین طریقہ اس کی مخلوق پر احسان کرنا ہے۔
- ❖ جب تم اللہ سبحانہ و تعالیٰ کو پکارو تو نیت خالص رکھو۔
- ❖ روح کی زندگی حکمت سے ہے۔
- ❖ لوگوں کی خوش نصیبی پر حسد نہ کیا کرو کیونکہ یہ ایک وقتی اور عارضی فائدہ ہے۔
- ❖ جو شخص بقدر ضرورت روزی سے زیادہ حاصل کر لے اسے کوئی چیز کفایت نہیں کرتی۔

❖ قصص الأنبياء۔ النجار: 24

❖ اللسان: هرمس

❖ قصص الأنبياء۔ ابن کثیر: 63

❖ قصص الأنبياء۔ الثعلبي: 50

❖ قصص الأنبياء۔ الطبري: 80



حضرت ادریس علیہ السلام

ایک روایت کے مطابق حضرت ادریس علیہ السلام حضرت نوح علیہ السلام کے جد امجد ہیں اور ان کا نام اخنوخ اور لقب ادریس ہے۔ بابل کے مطابق ان کا سلسلہ نسب یوں ہے:

اخنوخ (ادریس) بن یارد بن مہلائیل بن قینان بن انوش بن شیت بن آدم علیہ السلام

ابن حبان کے مطابق ادریس علیہ السلام پہلے شخص ہیں جنہوں نے قلم استعمال کیا۔ ایک گروہ کی رائے ہے کہ وہ مصر کے قریہ مصف میں پیدا ہوئے۔ دوسرے گروہ کے نزدیک ادریس علیہ السلام بابل میں پیدا ہوئے۔ سن شعور کو پہنچے تو اللہ نے انہیں نبوت سے سرفراز فرمایا۔ قوم کے اکثر لوگ آدم و شیت کی شریعت کے مخالف رہے، البتہ ایک چھوٹی سی جماعت ضرور مشرف بہ اسلام ہوئی۔ حضرت ادریس علیہ السلام نے قوم کی ضد اور مخالفت کے باعث ہجرت کا ارادہ کیا اور اپنے پیروکاروں کو بھی ہجرت کی تلقین کی تو انہوں نے کہا کہ بابل جیسا وطن ہمیں کہاں نصیب ہوگا؟ ادریس نے جواب دیا: ”اللہ کی رحمت وسیع ہے وہ اس کا نعم البدل ضرور عطا کرے گا“ چنانچہ انہوں نے بابل، حمص اور فلسطین کے راستے مصر کی جانب ہجرت کی۔ مصر پہنچے تو حضرت ادریس علیہ السلام نے دریائے نیل کو دیکھ کر کہا: ”بالیون“ یعنی ”بابل کی طرح شاداب مقام“ یا ”بابل (دریائے فرات) کی طرح بڑا دریا۔“ اس پر اس سرزمین کا نام ہی بالیون پڑ گیا، تاہم عربوں نے اس کا نام مصر بتایا کیونکہ یہ علاقہ طوفان نوح کے بعد مصر بن حام کا مسکن بنا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ ادریس علیہ السلام نے دوسو کے قریب شہر بسائے۔ انہوں نے اقطاع عالم کو چار حصوں میں تقسیم کر کے ہر حصے کے لیے ایک حاکم مقرر کیا۔ عبادت الہی ایام بیض (ہر ماہ کی 13، 14، 15 تاریخ) کے روزے، جہاد، زکوٰۃ، طہارت، کتے اور سور سے اجتناب اور ہر نشہ آور شے سے پرہیز ان کی تعلیمات کے اہم نکات تھے۔ وہ اکناف عالم کی سیر و تبلیغ سے مصر لوٹے تو اللہ نے انہیں 82 سال کی عمر میں اپنی جانب اٹھالیا۔

حضرت ادریس علیہ السلام کے مقرر کردہ چار بادشاہوں میں سے اسقلیوس بہت پختہ عزم کا حکمران تھا وہ اس خطے پر حکومت کرتا تھا جو طوفان نوح کے بعد آسیونیا (یونان) کہلایا۔ دیگر تین بادشاہ ایلاوس (بمعنی رحیم) زوس اور زوس امون تھے۔ (قصص القرآن از محمد حفظ الرحمن سیوہاروی)

ادریس علیہ السلام کے مقامات ہجرت

بابل: یہ میسوپوٹیمیا (عراق) کا ایک قدیم شہر ہے جو دوسری ہزاری قبل مسیح میں شہرت کو پہنچا جب یہاں جمہورانی حکومت کرتا تھا۔ شاہ جمہورانی نے اسے اپنی سلطنت کا دار الحکومت بنایا۔ یہ پہلا حکمران تھا جس نے باقاعدہ ایک آئین وضع کر کے ملک

میں نافذ کیا۔ لفظ ”بابل“ اکاڈی زبان کا لفظ ہے جو دو الفاظ باب (دروازہ) اور ایل (خدا) سے مرکب ہے، یعنی بابل کے معنی ہیں ”خدا کا دروازہ“۔ دریائے فرات کے بائیں کنارے پر واقع یہ شہر اپنے عہد عروج میں خوشحال تھا۔ اس کے معلق باغات مشہور تھے جنہیں بخت نصر نے 600 ق م کے لگ بھگ تعمیر کیا تھا۔ زمین سے بلند تر ہوتے ہوئے ان باغات کو پیمپوں کے ذریعے سے پانی پہنچایا جاتا تھا۔ یہ معلق باغات قدیم دنیا کے سات عجوبوں میں شمار ہوتے ہیں۔ مینارہ بابل بھی مشہور ہوا جو ایک مخروطی سیڑھی دار مینار تھا جسے عربی میں الزکورہ (Ziggurat) کہتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ مینارہ بابل ایک بادشاہ نے بہشت تک جانے کے لیے تیار کیا تھا۔

بابل کی بنیاد اس وقت رکھی گئی تھی جب دوسری ہزاری ق م کے پہلے نصف میں شمال کی اکاڈی سلطنت اور جنوب کی سمیری سلطنت متحد ہوئی تھیں۔ چودھویں صدی ق م میں بابل کو آشوریوں نے فتح کر لیا۔ ساتویں صدی ق م میں کلدانی تخت بابل پر قابض ہوئے۔ اس دوران کلدانی بادشاہ بخت نصر نے 586 ق م میں یروشلم کو تباہ کیا۔ آخر کار فارس کے شہنشاہ کوروش کبیر (سائرس اعظم) نے 539 ق م میں بابل پر قبضہ کر لیا۔ یونانی فاتح سکندر اعظم 323 ق م میں بابل ہی میں فوت ہوا۔ آج کل بابل کے کھنڈر حملہ شہر کے شمال میں آٹھ دس کلومیٹر دور پائے جاتے ہیں۔

مفس (بابلین): مصر کا یہ قدیم شہر دریائے نیل کے بائیں کنارے پر آباد تھا۔ حضرت ادریس علیہ السلام جب بابل سے مصر آئے تو انہوں نے اسے بابلین کا نام دیا تھا۔ اس کی بنیاد مصر کے پہلے شاہی خانوادے کے بادشاہ مینس نے 3100 ق م کے لگ بھگ رکھی۔ اس نے مصر کی بالائی اور زیریں سلطنتوں کو متحد کیا۔ 1550 ق م میں تھیس نئی بادشاہت کا دار الحکومت بن گیا تو اس کے بعد بھی مفس مصر کا اہم شہر شمار ہوتا رہا۔ سقارہ اور جیزہ کے فرعون ابھرام اور مشہور بت ابو الہول بھی اسی علاقے میں واقع ہیں۔ مفس کے کھنڈر قاہرہ کے جنوب میں تقریباً 30 کلومیٹر کے فاصلے پر ملتے ہیں۔

حمص: یہ شام کا تاریخی شہر ہے جو دار الحکومت دمشق سے تقریباً 300 کلومیٹر شمال میں دریائے عاصی کے کنارے واقع ہے۔ حضرت ادریس علیہ السلام اپنے مولد بابل سے ہجرت کر کے حمص کے راستے فلسطین کے شہر الخلیل پہنچے تھے اور وہاں سے مصر کے دار الحکومت مفس چلے گئے تھے۔ حمص کو حمص بن مہر عملیکی نے آباد کیا تھا اور اسی کے نام سے موسوم ہوا۔ یہ شہر عہد فاروقی میں حضرت ابو عبیدہ بن جراح اور خالد بن ولید رضی اللہ عنہما کے ہاتھوں فتح ہوا (14ھ)۔ یہاں خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اور ان کی زوجہ اور بیٹے عبدالرحمن، عیاض بن غنم، عبید اللہ بن عمر، سفینہ مولیٰ رسول اللہ ﷺ، ابودرداء اور ابوذر غفاری رضی اللہ عنہم کی قبریں ہیں۔ (معجم البلدان)

الخلیل: اس شہر کا عبرانی نام حبرون (Hebron) یا حبری ہے اور یورپی زبانوں میں (Hebron) رائج ہے۔ الخلیل بیت المقدس سے تقریباً 35 کلومیٹر جنوب میں ہے۔ یہ اس وقت بھی آباد تھا جب چار ہزار برس پہلے ابراہیم علیہ السلام یہاں آئے تھے اور انہی کے لقب سے موسوم ہے۔ معجم البلدان میں لکھا ہے کہ ”یہاں ایک غار میں حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسحاق علیہ السلام، حضرت یعقوب علیہ السلام اور حضرت یوسف علیہ السلام کی قبریں ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی قبر بھی اسی غار میں

ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے وحی الہی کے مطابق ان انبیاء کی قبروں پر قبۃ نما چھت بنادی۔ سارہ زوجہ ابراہیم علیہ السلام رقبۃ زوجہ اسحاق علیہ السلام اور ایلیا زوجہ یعقوب علیہ السلام کی قبریں بھی اسی غار کے اندر ہیں۔ تورات میں ہے کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے عَفْرُون بن صوحار الحیشی سے زمین کا ایک ٹکڑا چار سو نفرتی درہموں میں خریدا تھا اور اس میں حضرت سارہ کو دفن کیا اور پھر یہ قصبہ عفرون کے حوالے سے حبرون کہلانے لگا۔“ الخلیل یا حبرون کی آبادی تقریباً ایک لاکھ ہے۔



حضرت نوح علیہ السلام

حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر قرآن مجید میں 43 مقامات پر آیا ہے:

سورت	سورت نمبر	آيات نمبر	سورت	سورت نمبر	آيات نمبر
آل عمران	3	22	الشعراء	26	116`106`105
النساء	4	163	العنكبوت	29	14
الأنعام	6	84	الأحزاب	33	7
الأعراف	7	69`59	الصافات	37	79`75
التوبة	9	70	ص	38	12
يونس	10	71	المؤمن	40	31`5
هود	11	42`36`32`25 89`48`46`45	الشورى	42	13
إبراهيم	14	9	ق	50	12
الإسراء	17	17`3	الذاريات	51	46
مريم	19	58	التجم	53	52
الأنبياء	21	86	القمر	54	9
الحج	22	42	الحديد	57	26
المؤمنون	23	23	التحریم	66	10
الفرقان	25	37	نوح	71	26`21`1

چند متعلقہ آیات

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ إِنِّي لَكُمْ نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿٥٠﴾ أَنْ لَا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ أَلِيمٍ ﴿٥١﴾ فَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَوْمِهِ مَا تَرَكُ إِلَّا بَشَرًا مِثْلَكَ وَمَا نَرَاكَ اتَّبَعَكَ إِلَّا الَّذِينَ هُمْ

أَرَادْنَا بِكَ دِيَ الرَّأْيِ وَمَا نَرَى لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ بَلْ نَظُنُّكُمْ كَاذِبِينَ ﴿٢٨﴾ قَالَ يَقَوْمِ أَرَأَيْتُمْ إِنْ كُنْتُ عَلَى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَبِّي وَآتَانِي رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِي فَفَعَيْتُ عَلَيْكُمْ أَنْلِزْ مَكُوهَا وَأَنْتُمْ لَهَا كِرْهُونَ ﴿٢٩﴾ وَيَقَوْمِ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مَا لَاطَ إِنْ أَجْرِي إِلَّا عَلَى اللَّهِ وَمَا أَنَا بِطَارِدٍ الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّهُمْ مُّلقُوا رَبَّهُمْ وَلَكِبَىٰ أَرْكُكُمْ قَوْمًا يَّجْهَلُونَ ﴿٣٠﴾ وَيَقَوْمِ مَنْ يَنْصُرُنِي مِنَ اللَّهِ إِنْ طَرَدْتُهُمْ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴿٣١﴾ وَلَا أَقُولُ لَكُمْ عِنْدِي خَزَائِنُ اللَّهِ وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبِ وَلَا أَقُولُ إِنِّي مَلَكٌ وَلَا أَقُولُ لِلَّذِينَ تَزْدَرِي أَعْيُنُكُمْ لَنْ يُؤْتِيَهُمُ اللَّهُ خَيْرًا اللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا فِي أَنْفُسِهِمْ ﴿٣٢﴾ إِنِّي إِذًا لِّمِنَ الظَّالِمِينَ ﴿٣٣﴾ قَالُوا يَنْتُوخُ قَدْ جَدَلْتَنَا فَاكْثَرْتَ جِدَالَنَا فَأْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ﴿٣٤﴾ قَالَ إِنَّمَا يَأْتِيكُمْ بِهِ اللَّهُ إِنْ شَاءَ وَمَا أَنْتُمْ بِمُعْجِزِينَ ﴿٣٥﴾ وَلَا يَنْفَعُكُمْ نُصْحِي إِنْ أَرَدْتُ أَنْ أَنْصَحَ لَكُمْ إِنْ كَانَ اللَّهُ يُرِيدُ أَنْ يُغْوِيَكُمْ هُوَ رَبُّكُمْ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٣٦﴾ أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ قُلْ إِنْ افْتَرَيْتُهُ فَعَلَىٰ إِجْرَائِي وَأَنَا بِرَبِّي مِمَّا تَجْرُمُونَ ﴿٣٧﴾ وَأَوْحَىٰ إِلَىٰ نُوحٍ أَنَّهُ لَنْ يُؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ إِلَّا مَنْ قَدْ آمَنَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ﴿٣٨﴾ وَاصْنَعِ الْفُلَكَ بِأَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا وَلَا تُخَاطِبْنِي فِي الَّذِينَ ظَلَمُوا إِنَّهُمْ مُّغْرَقُونَ ﴿٣٩﴾ وَاصْنَعِ الْفُلَكَ وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ مَلَأَ مِنْ قَوْمِهِ سَخِرُوا مِنْهُ ﴿٤٠﴾ قَالَ إِنْ تَسْخَرُوا مِنِّي فَإِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُونَ ﴿٤١﴾ فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ مَنْ يَأْتِيهِ عَذَابٌ يُخْزِيهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيمٌ ﴿٤٢﴾ حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ أَمْرُنَا وَفَارَ التُّورُ قُلْنَا احْمِلْ فِيهَا مِنْ كُلِّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَأَهْلَكَ إِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ وَمَنْ آمَنَ وَمَا آمَنَ مَعَهُ إِلَّا قَلِيلٌ ﴿٤٣﴾ وَقَالَ ارْكَبُوا فِيهَا بِسْمِ اللَّهِ مَجْرِبَهَا وَمُرسِهَا إِنَّ رَبِّي لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٤٤﴾ وَهِيَ تَجْرِي بِهِمْ فِي مَوْجٍ كَالْجِبَالِ وَنَادَىٰ نُوحٌ ابْنَهُ وَكَانَ فِي مَعْزِلٍ يَبْنَئِي أَرَكَبْ مَعَنَا وَلَا تَكُنْ مَعَ الْكَافِرِينَ ﴿٤٥﴾ قَالَ سَاوِي إِلَىٰ جَبَلٍ يَعْصِمُنِي مِنَ الْمَاءِ قَالَ لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ إِلَّا مَنْ رَّحِمَهُ وَحَالَ بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِينَ ﴿٤٦﴾ وَقِيلَ يَا أَرْضُ ابْلَعِي مَاءَكَ وَابْلَعِي أَقْلَعِي وَغِيضَ الْمَاءِ وَقُضِيَ الْأَمْرُ وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُودِيِّ وَقِيلَ بُعْدًا لِلْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿٤٧﴾ وَنَادَىٰ نُوحٌ رَبَّهُ فَقَالَ رَبِّ إِنَّ ابْنِي مِنْ أَهْلِي وَإِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَأَنْتَ أَحْكَمُ الْحَكَمِينَ ﴿٤٨﴾ قَالَ يُنوحُ إِنَّهُ لَيْسَ مِنْ أَهْلِكَ إِنَّهُ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ فَلَا تَسْأَلْنِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ إِنِّي أَعْطُكَ أَنْ تَكُونَ مِنَ الْجَاهِلِينَ ﴿٤٩﴾ قَالَ رَبِّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ أَنْ أَسْأَلَكَ مَا لَيْسَ لِي بِهِ عِلْمٌ وَإِلَّا تَغْفِرْ لِي وَتَرْحَمْنِي أَكُنْ مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴿٥٠﴾ قِيلَ يُنوحُ اهْبِطْ بِسَلَامٍ مِنَّا وَبَرَكَاتٍ عَلَيْكَ وَعَلَىٰ أُمَمٍ مِّمَّنْ مَعَكَ وَأَمَّا سَنَبَعُهُمْ فَهُمْ يَمَسُّهُمْ مِنَّا عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٥١﴾

”بلاشبہ ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا (کہ انہیں کہو): ”میں تمہیں واضح طور پر ڈرانے والا ہوں۔ تم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ مجھے ڈر ہے کہ تم پر ایک دردناک عذاب آئے گا۔“ اس کی قوم کے کافر سرداروں نے کہا: ”ہم تجھے اپنے جیسا ایک انسان دیکھتے ہیں اور ہم یہ بھی دیکھ رہے ہیں کہ تیری پیروی کرنے والے بھی ہم میں سے بچ لوگ ہیں سادہ عقل والے۔ پھر ہم تم میں اپنے سے بڑھ کر کوئی فضیلت بھی نہیں دیکھتے، بلکہ ہم تو تم کو جھوٹا سمجھتے ہیں۔“ نوح (علیہ السلام) نے کہا: ”اے میری قوم! مجھے بتاؤ کہ اگر میں اپنے رب کی طرف سے کسی دلیل پر ہوا اور اس نے مجھے اپنی طرف سے رحمت عطا کی ہو مگر وہ تمہیں نظر نہ آتی ہو تو کیا ہم اسے زبردستی تمہارے گلے میں ڈال دیں جبکہ تم اسے ناپسند کرتے ہو؟ اور اے میری قوم! میں تم سے اس کام کے عوض کوئی مال نہیں مانگتا۔ میرا اجر تو اللہ تعالیٰ کے ہاں محفوظ ہے۔ اور میں (تمہارے اعتراضات کی بنا پر) ایمان لانے والوں کو بھگا نہیں سکتا۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے پاس جانا ہے (وہ خود ان سے حساب لے گا) بلکہ میں سمجھتا ہوں تم جاہل ہو۔ اور اے میری قوم! اگر میں انہیں بھگادوں تو اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں کون میری مدد کرے گا؟ کیا تم نہیں سمجھتے؟ میں تمہیں نہیں کہتا کہ میرے قبضے میں اللہ تعالیٰ کے خزانے ہیں اور نہ میں غیب جانتا ہوں۔ میں تمہیں یہ بھی نہیں کہتا کہ میں فرشتہ ہوں اور جن کو تم حقیر سمجھتے ہو میں ان کے بارے میں نہیں کہہ سکتا کہ اللہ تعالیٰ انہیں کوئی نعمت عطا نہیں کرے گا۔ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں سے خوب واقف ہے۔ اگر میں ایسا کہوں تو میرا شمار ظالموں میں ہوگا۔“

وہ کہنے لگے: ”اے نوح! تو نے ہم سے بحث کر لی اور بہت بحث کر لی اب تو ہمارے پاس وہ عذاب لے آ جس کی تو ہمیں دھمکیاں دیتا رہتا ہے اگر تو سچا ہے۔“ نوح (علیہ السلام) نے فرمایا: ”وہ تو اللہ تعالیٰ ہی لائے گا، اگر اس کی مرضی ہوئی۔ پھر تم اللہ تعالیٰ کو روک نہیں سکو گے۔ میں جس قدر بھی تمہاری خیر خواہی کروں تمہیں فائدہ نہیں ہوگا، اگر اللہ تعالیٰ نے تمہاری گمراہی کا فیصلہ کر رکھا ہے۔ آخر وہ تمہارا پروردگار ہے اور تمہیں اسی کی طرف لوٹایا جائے گا۔“

کیا وہ کہتے ہیں کہ اس (نبی ﷺ) نے یہ کلام خود ہی گھڑ لیا ہے؟ کہہ دیجیے ”اگر میں نے اسے خود گھڑا ہے تو میرا جرم مجھے ہی بھگتنا ہوگا، اسی طرح میں تمہارے جرائم سے بری ہوں۔“

نوح (علیہ السلام) کی طرف وحی کی گئی کہ ”تیری قوم میں سے جو ایمان لا چکے ہیں ان کے علاوہ کوئی اور شخص ایمان نہ لائے گا، لہذا تو ان کے طرز عمل پر غمگین نہ ہو۔ بلکہ ہماری نگرانی اور ہدایات کے تحت ایک کشتی تیار کرو اور ان ظالموں کے بارے میں ہم سے کوئی سفارش نہ کرنا کیونکہ ان کے غرق کا قطعی فیصلہ ہو چکا ہے۔“

نوح (علیہ السلام) کشتی بنانے لگ گئے۔ جب بھی ان کی قوم کے سردار لوگ ان کے پاس سے گذرتے، ان کا مذاق اڑاتے۔ وہ کہتے: ”اگر آج تم ہمارا مذاق اڑاتے ہو تو (وقت آنے پر) ہم بھی اسی طرح تمہارا مذاق اڑائیں گے۔“

عنقریب تم جان لو گے کس کے پاس رسوا کن عذاب آتا ہے؟ اور کس پر مستقل عذاب ڈیرے ڈالے گا؟“

حتیٰ کہ جب ہمارے فیصلے کا وقت آپہنچا اور تور ابلنے لگا تو ہم نے کہا: ”کشتی میں ہر قسم کے جانوروں کا ایک ایک جوڑا

لا دلو، نیز اپنے گھر والوں اور تمام ایمان لانے والوں کو بھی سوار کرلو، سوائے ان کے جن کی ہلاکت کا فیصلہ ہو چکا ہے۔“ حقیقت یہ ہے کہ ان پر بہت کم لوگ ایمان لائے تھے۔ نوح (علیہ السلام) نے کہا: ”کشتی میں سوار ہو جاؤ۔ یہ اللہ کے نام سے چلے گی اور اسی کے نام سے رکے گی۔ بلاشبہ میرا رب کریم بہت زیادہ معاف فرمانے والا نہایت رحم فرمانے والا ہے۔“ کشتی ان کو پہاڑوں جیسی موجوں میں لے کر چل رہی تھی۔ نوح (علیہ السلام) نے اپنے بیٹے کو جو کنارے پر تھا بلند آواز سے پکارا: ”اے بیٹے! ہمارے ساتھ سوار ہو جا اور کافروں میں شامل نہ ہو۔“ اس نے کہا: ”میں کسی پہاڑ پر چڑھ جاؤں گا جو مجھے پانی سے بچالے گا۔“ نوح (علیہ السلام) نے فرمایا: ”آج اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچانے والا کوئی نہیں، بس وہی بچے گا جس پر اللہ تعالیٰ خود رحم فرمائے۔“ اتنے میں ایک موج ان کے درمیان آگئی اور وہ پلک جھپکتے غرق ہو گیا۔ حکم دے دیا گیا اے زمین! اپنا سارا پانی نکل لے اور اے آسمان! برسنے سے رک جا، اس طرح پانی سکھا دیا گیا، کام پورا ہو چکا تھا۔ کشتی جودی پہاڑ پر جا ٹھہری اور اعلان ہو گیا کہ ظالم قوم تباہ و برباد ہو گئی ہے۔

نوح (علیہ السلام) نے اپنے رب کو پکارا: ”رب کریم! میرا بیٹا میرے گھر والوں میں شامل تھا (پھر غرق کیوں ہو گیا؟) بلاشبہ تیرا وعدہ سچا ہے۔ اور یہ بھی حقیقت ہے کہ تو سب سے بڑا حاکم ہے۔ (جو چاہے فیصلہ کر سکتا ہے۔)“ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”اے نوح! وہ تیرے گھرانے میں شامل نہ تھا کیونکہ اس کے کام اچھے نہ تھے، لہذا جو چیز تجھے معلوم نہیں اس کا مجھ سے سوال نہ کر۔ میں تجھے نصیحت کرتا ہوں کہ جاہلوں جیسا کام نہ کرنا۔“ نوح (علیہ السلام) نے عرض کی: ”اے میرے پروردگار! میں تجھ سے (اس بات کی معافی مانگتا ہوں اور آئندہ کے لیے بھی) پناہ چاہتا ہوں کہ تجھ سے وہ چیز مانگوں جس کا مجھے علم نہیں۔ اگر تو مجھے معاف کر کے مجھ پر رحم نہ فرمائے تو میں خالص خسارے میں رہوں گا۔“

حکم ہوا: ”اے نوح! میری طرف سے سلامتی اور برکت (کی خوشخبری) کے ساتھ اتر و جو تمہیں اور تمہارے ساتھ ایمان لانے والے لوگوں کی نسلوں کو حاصل ہوگی، جبکہ دوسرے لوگوں کو ہم کچھ دیر کے لیے دنیا سے فائدہ اٹھانے کا موقع دیں گے پھر انہیں ہماری طرف سے دردناک عذاب جھیلنا پڑے گا۔“ (ہود: 25/11..... 48)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ فَكَذَّبُوا عَبْدَنَا وَ قَالَُوا مَجْنُونٌ ۖ وَ اِذْ دَجَرَ ۙ ۙ فَدَعَا رَبَّهُ اِنِّیْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ ۙ ۙ
فَفَتَحْنَا اَبْوَابَ السَّمَآءِ بِمَاءٍ مِّنْهُمۡ ۖ ۖ وَ فَجَرْنَا اِلَیْهِمۡ اِلَیْهِمۡ عٰیۡوُنًا ۖ فَالْتَقٰی الْمَآءُ عَلٰی اَمْرِ قَدَرٍ ۙ ۙ وَ حَمَلْنٰهُ
عَلٰی ذَاتِ الْاَوَاجِ ۙ وَ دَسِّرْ ۙ ۙ تَجْرِیْ بِاَعْيُنِنَا ۙ ۙ جَزَاءً لِّمَنۡ كَانَ كُفِرَ ۙ ۙ وَ لَقَدْ تَرٰكُنَہَا اٰیَةً فَهَلۡ مِّنۡ مُّذَكِّرٍ ۙ ۙ
فَكِیۡفَ كَانَ عَذَابِیْ وَ نُذُرٍ ۙ ۙ

”ان (مشرکین مکہ) سے پہلے نوح (علیہ السلام) کی قوم نے بھی ان کی تکذیب کی تھی۔ انہوں نے ہمارے بندے کو جھوٹا

کہا، پاگل بتایا اور اسے دھمکیاں دی گئیں۔ اس نے اپنے رب تعالیٰ کو پکارا ”مولا! میں بے بس ہوں، میری مدد فرما۔“ پھر ہم نے موسلا دھار برسنے والے پانی کے ساتھ آسمان کے دروازے کھول دیے اور زمین میں جگہ جگہ چشمے جاری کر دیے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فیصلہ پوار کرنے کے لیے زمین و آسمان کا پانی مل گیا۔ لیکن ہم نے نوح کو تختیوں اور کیلوں سے بنی ہوئی کشتی پر چڑھا دیا جو ہماری نگرانی میں چلتی رہی۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بدلہ تھا اس شخص کے لیے جس (کی نبوت) کا انکار کیا گیا تھا۔“

یقیناً ہم نے اس کشتی (کے تحفظ) کو رہتی دنیا تک کے لیے نشانی بنا دیا، کیا کوئی ہے اس سے نصیحت حاصل کرنے والا؟ پھر کیسا رہا میرا عذاب اور میری دھمکیاں؟“ (القم: 9/54...16)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِنَّا أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ أَنْ أَنْذِرْ قَوْمَكَ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ① قَالَ يَقَوْمِ إِنِّي لَكُمْ نَذِيرٌ مُّبِينٌ ② أَنْ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاتَّقُوهُ وَاطِيعُونَ ③ يَغْفِرْ لَكُمْ مِنْ ذُنُوبِكُمْ وَيُؤَخِّرْكُمْ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ④ إِنَّ أَجَلَ اللَّهِ إِذَا جَاءَ لَا يُؤَخَّرُ لَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ⑤ قَالَ رَبِّ إِنِّي دَعَوْتُ قَوْمِي لَيْلًا وَنَهَارًا ⑥ فَلَمْ يَزِدْهُمْ دُعَائِي إِلَّا فِرَارًا ⑦ وَإِنِّي كُنِمَادَعْوَتَهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوا أَصَابِعَهُمْ فِي آذَانِهِمْ وَاسْتَعْشَوْا ثِيَابَهُمْ ⑧ وَأَصْرُوا وَأَسْتَكْبَرُوا السَّيِّئِينَ ⑨ ثُمَّ إِنِّي دَعَوْتُهُمْ جَهَارًا ⑩ ثُمَّ إِنِّي أَعْلَنْتُ لَهُمْ وَأَسْرَرْتُ لَهُمْ إِسْرَارًا ⑪ فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ⑫ إِنَّهُ كَانَ غَفَّارًا ⑬ يُرْسِلُ السَّيَّءَ عَلَيْكُمْ مَّدَارِدًا ⑭ وَيَسْأَلُكُمْ بِأَمْوَالٍ وَبَنِينَ وَيَجْعَلْ لَكُمْ جَنَّتٍ وَيَجْعَلْ لَكُمْ أَنْهَارًا ⑮ مَا لَكُمْ لَا تَرْجُونَ لِلَّهِ وَقَارًا ⑯ وَقَدْ خَلَقَكُمْ أَطْوَارًا ⑰ أَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللَّهُ سَبْعَ سَبُوتٍ طَبَاقًا ⑱ وَجَعَلَ الْقَمَرَ فِيهِنَّ نُورًا وَجَعَلَ الشَّمْسُ سِرَاجًا ⑲ وَاللَّهُ أَنْتَبَتْكُمْ مِنَ الْأَرْضِ نَبَاتًا ⑳ ثُمَّ يُعِيدُكُمْ فِيهَا وَيُخْرِجُكُمْ إِخْرَاجًا ㉑ وَاللَّهُ جَعَلَ لَكُمْ الْأَرْضَ بِسَاطًا ㉒ لِتَسْلُكُوا مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا ㉓ قَالَ نُوحٌ رَبِّ إِنَّهُمْ عَصَوْنِي وَاتَّبَعُوا مَنْ لَمْ يَزِدْهُ مَالَهُ وَوَلَدَهُ إِلَّا خَسَارًا ㉔ وَمَكْرُوهًا مَكْرًا ㉕ كَبِيرًا ㉖ وَقَالُوا لَا تَذَرُنَّ آلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَلَا سُوَاعًا وَلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْرًا ㉗ وَقَدْ أَضَلُّوا كَثِيرًا ㉘ وَلَا تَزِدِ الظَّالِمِينَ إِلَّا ضَلَالًا ㉙ مِمَّا خَطِيئَتُهُمْ أُعْرِقُوا فَأَدْخَلُوا نَارًا ㉚ فَلَمْ يَجِدُوا لَهُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَنْصَارًا ㉛ وَقَالَ نُوحٌ رَبِّ لَا تَذَرْنِي عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِينَ دِيَارًا ㉜ إِنَّكَ إِن تَذَرَهُمْ يَضِلُّوا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوا إِلَّا فَاجِرًا كَقَرَارًا ㉝ رَبِّ اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِي مُؤْمِنًا وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ ㉞ وَلَا تَزِدِ الظَّالِمِينَ إِلَّا تَبَارًا ㉟

’بلاشبہ ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا کہ اپنی قوم کو تنبیہ کرو اس سے پہلے کہ ان کے پاس دردناک عذاب

آجائے۔ نوح (علیہ السلام) نے کہا: ”اے میری قوم! میں تمہیں صاف صاف تنبیہ کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ معاف فرمادے گا اور تمہیں ایک مقررہ وقت تک مہلت دے گا۔ یقیناً جب اللہ کا مقررہ وقت آجاتا ہے تو ملتا نہیں۔ کاش! تم یہ حقیقت جان لیتے۔“ نوح (علیہ السلام) نے کہا: ”اے رب کریم! میں نے اپنی قوم کو دن رات (دین کی) دعوت دی، مگر یہ لوگ اور زیادہ دور بھاگنے لگے۔ جب بھی میں نے ان کو تیری بخشش کی طرف بلایا، انہوں نے کانوں میں انگلیاں ڈال لیں اور کپڑے لپیٹ لیے اور اپنی جہالت پر ڈٹے رہے اور بہت بڑا تکبر کیا۔ میں نے انہیں بلند آواز سے پکار کر بھی دیکھ لیا، انہیں علانیہ تبلیغ بھی کی اور چپکے چپکے سمجھا کر بھی دیکھ لیا۔ میں نے کہا اپنے رب کریم سے معافی مانگو وہ بہت معاف کرنے والا ہے۔ وہ تم پر موسلا دھار بارش برسائے گا، تمہارے مال و اولاد میں اضافہ کرے گا، تمہارے لیے باغات بنائے گا اور نہریں چلائے گا۔ آخر کیا وجہ ہے کہ تمہیں اللہ کی عظمت کا خوف نہیں، جبکہ اس نے تم کو مختلف حالتوں میں پیدا کیا ہے؟ کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح سات آسمان اوپر تلے پیدا کیے ہیں۔ پھر ان میں چاند کی روشنی رکھی اور سورج کو روشن چراغ بنایا۔ پھر اس نے تمہاری نشوونما زمین سے رکھی، پھر وہ تمہیں دوبارہ مٹی میں ملائے گا اور پھر تمہیں دوبارہ مٹی ہی سے نکالے گا۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے زمین کو چھوٹا بنایا تاکہ تم اس کے کھلے راستوں پر چلو پھرو۔“

نوح (علیہ السلام) نے کہا: ”اے میرے پروردگار! انہوں نے میری نافرمانی کی اور ان سرداروں کے پیچھے لگے جن کے مال و اولاد نے ان کے نقصان و خسارے میں اضافہ کیا ہے۔ اور انہوں نے بہت بڑا کمر کیا اور کہنے لگے: ”(ساتھو!) کسی بھی صورت میں اپنے معبودوں خصوصاً وڈ، سُواع، یغوث، یعوق اور نسر کو نہ چھوڑنا۔ اس طرح انہوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا ہے۔ لہذا ان ظالموں کی گمراہی میں اضافہ ہی کرنا۔“

بالآخر وہ اپنے گناہوں کی بنا پر غرق کر دیے گئے اور جہنم رسید ہو گئے اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں کوئی مددگار نہ پایا۔

نوح (علیہ السلام) نے دعا کی: ”اے میرے پروردگار! ان کافروں میں سے کسی کو روئے زمین پر چلتا پھرتا نہ چھوڑ کہ اگر تو انہیں چھوڑے گا تو یہ دوسرے بندوں کو بھی گمراہ کریں گے اور فاجر کا فر اولاد ہی جنیں گے۔ رب کریم! مجھے اور میرے والدین کو معاف فرما اور ان کو بھی جو ایمان لا کر میرے گھر میں داخل ہوئے، غرض تمام صاحب ایمان مردوں اور عورتوں کو بخش دے اور ان ظالموں کی تباہی اور بربادی ہی میں اضافہ فرما۔“ (نوح: 1/71... 28)

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے لوگ جنوبی عراق میں رہتے تھے جہاں آج کل کوفہ واقع ہے۔ اور جو دی دریا نے دجلہ کے مشرقی کنارے پر جزیرہ ابن عمر کے سامنے ایک پہاڑ ہے جہاں شامی اور ترکی حدود ملتی ہیں۔ شام کے شہر ”عین دیوار“ سے جو دی پہاڑ صاف نظر آتا ہے۔ تاریخی لحاظ سے یہ بات قابل ذکر ہے کہ اس علاقے (رافدین) کی قدیم تاریخ پر مندرجہ ذیل ادوار گزر رہے ہیں:

۱- پتھر کا قدیم دور: مستشرق سُوِلی نے 1954ء میں اس دور کے کچھ آثار معلوم کیے۔

۲- پتھر کا نیا دور: (جرمو کی تہذیب) مستشرق بریڈوڈ نے 1948ء میں سلیمانہ شہر کے مغرب میں واقع بستی جرمو میں اس دور کے ایک عظیم مرکز کا سراغ لگایا۔ اہل علم نے اس مرکز کا زمانہ 6500 ق-م بتلایا ہے۔ اس وقت بستیوں کی صورت میں آبادی کی ابھی ابتدا ہی ہوئی تھی۔

پتھر کے اس نئے دور ہی میں ”تلّٰ خُوئے“ کی تہذیب کا آغاز ہوا۔ یہ شہر موصل کے جنوب میں واقع تھا۔ اس تہذیب کا زمانہ 5750 ق-م کے قریب قریب ہے۔ مستشرق مالوان نے 1931ء میں موصل کے قریب نینوی کے مقام پر ”تلّٰ خُوئے“ کی تہذیب سے ملتے جلتے آثار دیکھے۔ اس تہذیب کے دوسرے نمونے شمالی عراق کے بہت سے مقامات پر پائے گئے۔ شام کے شہر ”رأس العین“ کے قریب جہاں سے دریائے خابور پھوٹتا ہے ایک جرمنی عالم پارون نے پتھر کے اس نئے دور کی تہذیب سے ملتے جلتے آثار معلوم کیے۔

۳- وادیِ رافدین میں پتھر اور پیتل کا مشترکہ دور: اس دور کی شہریت کے تین بڑے مرکز اس ترتیب سے تھے:

○ علاقہ رافدین کے جنوب میں شہر قدیم ”اُور“ کے قریب تل العبید: اس مرکز کا انکشاف برطانوی عجائب گھر کے وفد نے کیا جن کی قیادت ڈاکٹر ہول کر رہے تھے۔ پتھر مشہور مورخ لیونارڈوولی نے تفتیش جاری رکھی۔ انہیں ”اُور“ کے مقام پر مٹی کی مورتیاں ملیں جو دینی مقاصد کے لیے بنائی گئی تھیں۔

○ اوروک یعنی وركاء کے زمانہ کی تہذیب: اس کا انکشاف ایک جرمن ٹیم نے کیا۔

○ جمدہ نصر کے دور کی تہذیب: اس دور کے آثار کا انکشاف آثار قدیمہ کے ایک ماہر لکڈن نے 1920ء میں ایک چھوٹے سے ٹیلے میں کیا جو ”کیش“ شہر کے قریب واقع ہے جسے قدیم دور میں جمدہ نصر کہا جاتا تھا۔

تاریخی کتابوں کے مطابق اس دور کے آخر میں عظیم طوفان آیا جس نے دجلہ و فرات کے درمیانی علاقے کو پلیٹ میں لیا۔ اُور اوروک، کیش اور شورباک کے مقامات پر مختلف جگہوں کی کھدائی سے ثابت ہوا کہ دور عبید اور ابتدائی نسلِ انسانی کے دور کے مابین ایک بہت بڑا سیلاب آیا تھا۔ اسی طرح جمدہ نصر کے آخری دور میں بھی ایک عظیم سیلاب آیا۔ آثار قدیمہ کے ایک ماہر لیونارڈوولی نے اُور شہر میں اڑھائی میٹر کی گہرائی میں چکنی مٹی کی موٹی موٹی تہوں کا انکشاف کیا۔ نیز اس (دوولی) کو ان تہوں کے اوپر اور نیچے انسانی رہائش کے آثار بھی ملے۔ اس لیے اس نے اس سے یہ نتیجہ نکالا کہ یہ چکنی مٹی دجلہ اور فرات کے سیلابی پانیوں سے بنی۔

بہت ممکن ہے کہ آسمانی کتابوں میں مذکور طوفان کا واقعہ اس طوفان سے بہت پرانا ہو۔ آثار قدیمہ کے ایک ماہر کنٹو نے آثار قدیمہ کے ایک اور ماہر ڈی مارگن کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ اس طوفان کا تعلق چوتھے دور کے آخر میں ”بارشوں والے زمانے“ سے ہے جس میں بڑی تعداد میں لوگ ہلاک ہو گئے تھے۔ مکتبہ ”آشور بانیسعل“ میں موجود تختیاں اس طوفان کی تصدیق کرتی ہیں۔ خبر رساں ایجنسیوں نے 13 ستمبر 2000ء بروز بدھ ایک خبر شائع کی ہے جس کا مفہوم یہ ہے:

بحر اسود کی تہہ میں ڈوبے ہوئے کئی مکمل شہر معلوم ہوئے ہیں۔ آثار قدیمہ کی تحقیق کرنے والے ماہرین نے کہا ہے کہ ان شہروں سے اس عظیم طوفان کی تصدیق ہوتی ہے جس کا ذکر تمام آسمانی کتابوں میں ہے۔ بی بی سی لندن نے یہ خبر 14 ستمبر 2000ء بروز جمعرات اپنے پروگرام ”آج کا دن“ (یعنی آج کے دن دنیا میں کیا ہوا تھا؟) میں نشر کی جبکہ خلائی سیاروں نے اس خبر سے متعلق تصویریں گذشتہ دن کی شام نشر کر دی تھیں۔



❁ قصص الأنبياء النجار: 30

❁ المعجم المفهرس لمعاني القرآن العظيم: 1268

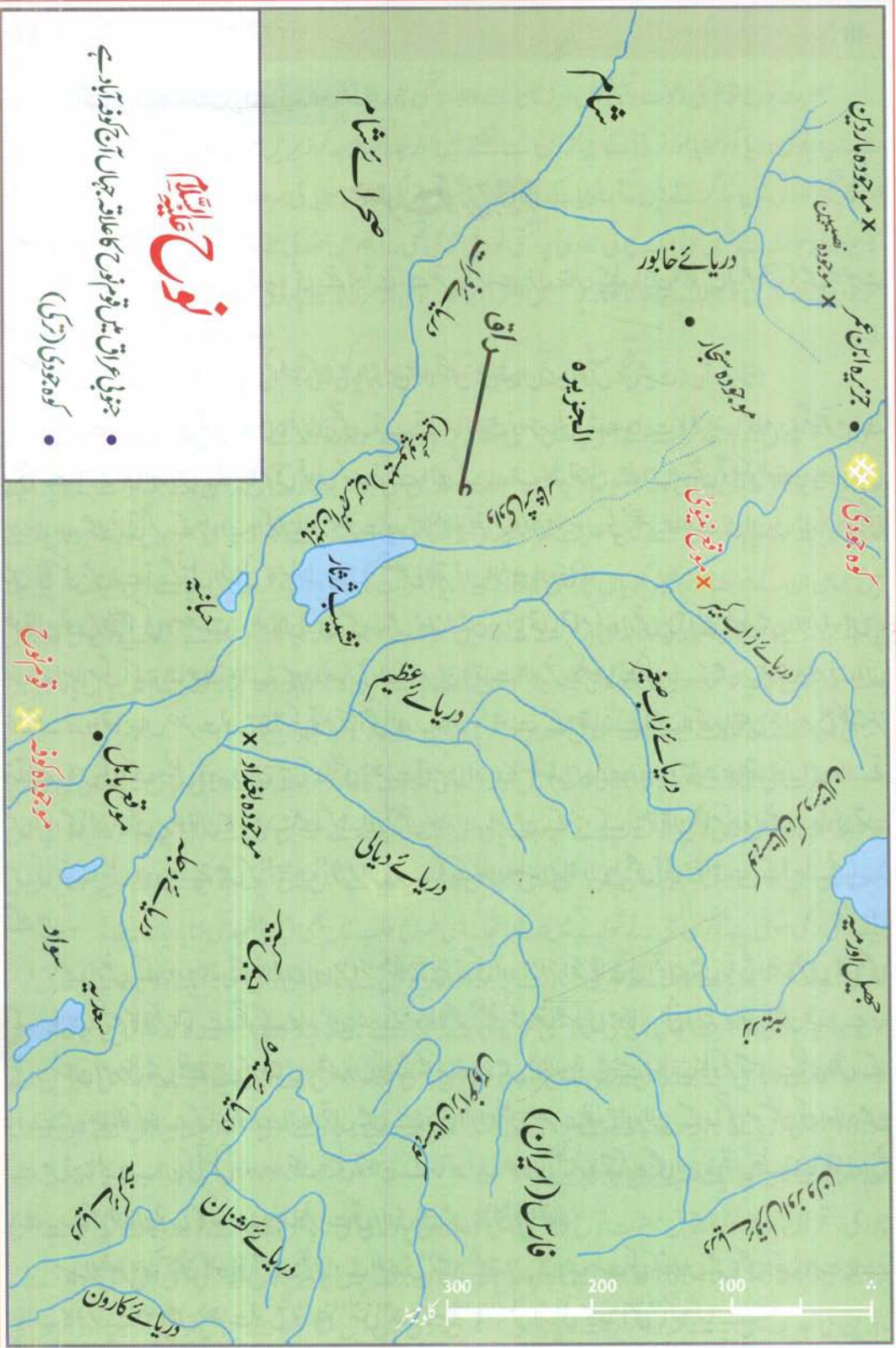
❁ وكالات الأنباء العالمية مساء 13/9/2000م

❁ الشرق الأدنى القديم، عبدالعزيز عثمان: 312

❁ قصص الأنبياء، ابن كثير: 65

❁ قصص الأنبياء الثعلبي: 55

❁ قصص الأنبياء الطبري: 86



- جنوبی عراق میں قوم نوح کا علاقہ جہاں آج کوئٹہ آباد ہے
- کوہ جودی (ترکی)

حضرت نوح علیہ السلام

حضرت نوح علیہ السلام اللہ کے برگزیدہ نبی تھے جو آج سے تقریباً سات ہزار سال پہلے مابین النہرین (عراق) میں مبعوث ہوئے۔ آپ کا سلسلہ نسب یوں ہے:

نوح بن لا مک بن متوشلح بن اخنوخ بن یارد بن مہلائیل بن قینان بن انوش بن شیت بن آدم علیہ السلام
حضرت نوح علیہ السلام کی قوم اللہ کی نافرمان تھی۔ آپ نے ساڑھے نو سو سال رشد و ہدایت کا فریضہ انجام دیا مگر قوم بت پرستی سے باز نہ آئی اور اس نے پیغام حق قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ تب اللہ تعالیٰ نے اس سرکش قوم کو طوفانِ باد و باران اور سیلاب میں غرق کر کے تباہ و برباد کر دیا اور حضرت نوح علیہ السلام اور تقریباً 40 مومنوں کی مختصر جماعت ہی ان کی تیار کردہ کشتی میں بچ سکی جن سے آگے نسل انسانی کا سلسلہ چلا۔ (قصص القرآن از سیوہاروی)

طوفانِ نوح علیہ السلام کی وسعت: طوفانِ نوح کسی خاص خطہ زمین پر آیا تھا یا تمام کرہ ارض پر؟ اس سلسلے میں دو آراء ہیں: علمائے اسلام کی ایک جماعت علمائے یہود و نصاریٰ اور ماہرین طبقات الارض و طبیعیات کی رائے میں یہ طوفان صرف اس خطہ تک محدود تھا جہاں حضرت نوح علیہ السلام کی قوم آباد تھی اور یہ علاقہ مساحت کے اعتبار سے ایک لاکھ چالیس ہزار مربع کلومیٹر بنتا ہے۔ اس کی ایک دلیل وہ یہ دیتے ہیں کہ ابھی حضرت آدم کی اولاد کا سلسلہ اس سے زیادہ وسیع نہ ہوا تھا جو کہ اس علاقے میں آباد تھی لہذا انہی پر طوفان کا عذاب بھیجا گیا۔ اور بعض علماء اور ماہرین کے نزدیک یہ طوفان تمام کرہ ارض پر حاوی تھا۔ اس کی ایک دلیل وہ یہ دیتے ہیں کہ ”جزیرہ“ (عراق عرب) کے علاوہ بلند پہاڑوں پر بھی آبی حیوانات کے ڈھانچے پائے گئے ہیں۔

کرہ ارض کے دور دراز کے علاقوں اور جزائر مثلاً جزیرہ نیوگنی اور جزائر انڈیمان کی اقوام میں رائج داستانوں میں بھی ایک سیلاب عظیم کا ذکر ملتا ہے۔ تحریک مجاہدین ہند کے مولانا محمد جعفر شاہ تھانیسری جو کالا پانی (انڈیمان) میں قید رہے وہ اپنی داستانِ اسیری میں لکھتے ہیں کہ مقامی باشندوں کی قدیم کہانیوں میں طوفانِ نوح جیسے سیلاب کا ذکر آتا ہے لیکن اس کے بارے میں علماء کا کہنا ہے کہ ان دور دراز علاقوں میں بسنے والی اقوام بھی حضرت نوح اور ان کے ساتھی مومنین کی اولاد میں سے ہیں چنانچہ جب ان کی نسل دور دور تک پھیلی تو ان کے ساتھ ایک طوفان عظیم کا تذکرہ بھی ان علاقوں تک پہنچا لہذا رائج بات یہ ہے کہ طوفانِ نوح کا عذاب دجلہ و فرات کی وادی ہی میں نازل ہوا تھا۔

سید ابوالنصر احمد حسین بھوپالی ”تاریخ الادب الہندی“ میں لکھتے ہیں کہ ہندومت کی کتابوں میں بھی ایک بہت بڑے سیلاب کا ذکر ہے اس میں حضرت نوح کو ”مانو“ یعنی ”خدا کا بیٹا“ یا ”نسل انسانی کا جدِ علی“ کہا گیا ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت و تبلیغ اس سرزمین سے وابستہ تھی جو دجلہ و فرات کے درمیان (مابین النہرین یا میسوپوٹیمیا) ہے۔ یہ دونوں دریا آرمینیا اور ترکی کے پہاڑوں سے نکلنے ہیں اور جدا جدا بہہ کر زیریں عراق میں القرنہ کے پاس ملتے ہیں اور پھر خلیج فارس میں جا گرتے ہیں۔ آرمینیا کے پہاڑ شمال مشرقی ترکی اور آرمینیا کی سرحد پر پھیلے ہوئے ہیں اور وہیں اراراط کا پہاڑی سلسلہ ہے جس کی ایک چوٹی جودی پر کشتی نوح اتری تھی۔ آٹھویں صدی عیسوی تک اس جگہ ایک معبد اور ہیکل موجود تھا جسے ”کشتی کا معبد“ کہا جاتا تھا۔ (قصص القرآن حصہ اول از مولانا سیوہاروی)

قوم نوح کے مقامات اور کوہ جودی

کوفہ: قوم نوح دریاے فرات کے مغرب میں جس مقام پر آباد تھی وہ موجودہ کوفہ کے آس پاس کا علاقہ تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں 17ھ میں یہاں کوفہ کا شہر آباد کیا گیا۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے فتح مدائن کے بعد فرات کے پار ایک فوجی شہر آباد کرنا چاہا اور اس سلسلے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خط لکھا تو امیر المومنین نے لکھ بھیجا کہ ”عربوں کو وہ شہر اس آتے ہیں جہاں ان کے اونٹ اور بھیڑ بکریاں چرسکیں، لہذا انہیں دریا (فرات) کے پار آباد کرنے کی بجائے اس طرف اونچی جگہ پر آباد کرو۔“ چنانچہ ابن بقیلہ کی نشاندہی پر فرات کے دائیں کنارے موجودہ کوفہ کی جگہ شہر بسانے کے لیے چنی گئی جسے اس وقت سورتان کہا جاتا تھا۔ ریت کے گول ٹیلوں (کوفان) کے باعث اس کا نام کوفہ رکھا گیا۔ کوفہ کے آس پاس بادشاہ حیرہ نعمان بن منذر کے محلات، حیرہ، نجف، خورنق، سدیر اور غریان آباد تھے۔ (معجم البلدان)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہد (35 تا 40ھ) میں کوفہ اسلامی خلافت کا دارالحکومت رہا۔ کوفہ کی جامع مسجد میں علی رضی اللہ عنہ پر قاتلانہ حملہ ہوا جس میں زخمی ہو کر آپ نے شہادت پائی اور ایک روایت کے مطابق کوفہ سے دس پندرہ کلومیٹر جنوب میں نجف میں دفن ہوئے جبکہ معجم البلدان میں محص میں مشہد علی کا ذکر کیا گیا ہے جس میں ایک ستون کے اندر مبینہ طور پر ان کی ایک انگلی رکھی ہوئی ہے، انہیں کسی نے خواب میں دیکھا تھا۔ اسی طرح حلب میں بھی ایک مشہد علی بتایا جاتا ہے۔

عیونی: یہ قدیم شہر دریائے دجلہ کے مشرقی کنارے پر موجودہ شہر موصل کے بالمقابل واقع تھا۔ ایک روایت کے مطابق قوم نوح یہاں آباد تھی۔ حضرت یونس بن متی علیہ السلام بھی شہر عینی سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ اشوری سلطنت کا قدیم ترین شہر تھا اور اس کا دارالحکومت رہا حتیٰ کہ 612 ق م میں بابل اور ماد (فارس) کی متحدہ افواج نے اسے تباہ کر دیا۔ فرانسیسی ماہرین نے 1820ء میں دریائے دجلہ سے کچھ فاصلے پر اس کے کھنڈر دریافت کیے۔ یا قوت حموی، معجم البلدان میں لکھتے ہیں کہ کوفہ کے مضافات میں بھی ایک قصبہ عینی کہلاتا ہے۔

جودی: قرآن کریم کے مطابق حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کوہ جودی پر اتری تھی۔ بابل میں اسے کوہ ارارات کہا گیا ہے جس کی بلندی 16946 فٹ (5165 میٹر ہے)۔ کہا جاتا ہے کہ اس برف پوش چوٹی پر نوح علیہ السلام کی کشتی آج بھی موجود ہے۔ ماہرین کی جدید تحقیق یہ ہے کہ کوہ ارارات (یا جودی) مشرقی ترکی میں اس مقام پر ہے جہاں ترکی، آرمینیا اور ایران کی

سرحدیں ملتی ہیں۔ ترکی میں کوہ ارارات کو بیوق آغری داغ کہا جاتا ہے۔ معجم البلدان میں لکھا ہے کہ کوہ جودی دریائے دجلہ پر واقع شہر جزیرہ ابن عمر کے سامنے واقع ہے اور جودی کی چوٹی شام کے شہر ”عین دیوار“ سے صاف نظر آتی ہے۔ (دلچسپ بات یہ ہے کہ علامہ اقبال نے شاعری کے جوش میں بانگ درا کی نظم ”ہمالہ“ میں کشتی نوح کے اترنے کا مقام کوہ ہمالیہ میں بتایا..... ”نوح نبی کا آکر ٹھہرا جہاں سفینہ“..... حالانکہ یہ بے اصل بات ہے)۔

سید ابوالاعلیٰ مودودی تفہیم القرآن جلد دوم حاشیہ نمبر 47 میں لکھتے ہیں: ”جو روایات کردستان اور آرمینیا میں قدیم ترین زمانے سے نسل در نسل چلی آرہی ہیں ان سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ طوفان کے بعد حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی اسی علاقے میں کسی مقام پر ٹھہری تھی۔ موصل کے شمال میں جزیرہ ابن عمر کے آس پاس آرمینیا کی سرحد پر کوہ ارراط کے نواح میں نوح علیہ السلام کے مختلف آثار کی نشان دہی اب بھی کی جاتی ہے اور شہر نخچیوان کے باشندوں میں آج تک مشہور ہے کہ اس شہر کی بنا حضرت نوح نے ڈالی تھی۔“ یاد رہے نخچیوان آذربائیجان کا علاقہ ہے جو آرمینیا، ترکی اور ایران کے درمیان واقع ہے۔

جزیرہ ابن عمر: ترکی کا یہ شہر دریائے دجلہ کے دائیں کنارے پر شام کے سرحدی شہر عین دیوار کے بالمقابل واقع ہے۔ اسے حسن بن عمر بن خطاب تغلبی (250ھ) نے آباد کیا تھا۔ اس کے تین طرف ہلال کی شکل میں دجلہ بہتا ہے اور چوٹی جانب خندق کھود کر اس میں پانی چھوڑ دیا گیا تھا، یوں شہر جزیرہ کی شکل میں آباد تھا۔ ترکی زبان میں اسے جزرے (Cizre) لکھا جاتا ہے۔

وادی دجلہ (رافدین) کے قدیم مقامات

جرمو: یہاں عراق کی ایک قدیم تہذیب 6500 ق م کے لگ بھگ پروان چڑھی۔ اس کے آثار عراقی کردستان کے شہر سلیمانہ کے مغرب میں ملتے ہیں۔ کرکوک شمال مشرقی عراق میں تیل کے کنوؤں کا مرکز ہے جبکہ سلیمانہ کرکوک سے ایک سو کلومیٹر مشرق میں واقع ہے۔

تل حُسنہ: اس کے آثار موصل کے جنوب میں کچھ فاصلے پر واقع ہیں اور ان کا تعلق 5750 ق م سے ہے۔

تل حلف: شام کے قصبہ تل حلف میں اس کے آثار ملتے ہیں۔ اس العین اس جگہ واقع ہے جہاں دریائے خابور دریائے دجلہ سے ملتا ہے۔ یاد رہے ”تل“ کے معنی ٹیلے کے ہیں۔

تل العبد: اس کے آثار قدیم تاریخی شہر اور کے پاس جنوبی عراق میں پائے جاتے ہیں۔ یہ دریائے فرات کے دائیں کنارے پر واقع ہے۔

اوروک (الورکاء): سواد (جنوبی عراق) میں اوروک کے آثار دریائے فرات کے بائیں طرف ملتے ہیں جو دجلہ سے 70 کلومیٹر کے فاصلے پر ہیں۔ بعض کہتے ہیں حضرت ابراہیم الورکاء میں پیدا ہوئے تھے۔

جمدہ نصر: بابل کے مشرق میں تقریباً 125 کلومیٹر کے فاصلے پر شہر کیش واقع ہے۔ کیش کے قریب تل صغیر میں تاریخی آثار ملتے ہیں جنہیں جمدہ نصر کہا جاتا ہے۔

اُشور (قلعہ شرقاٹ): یہ موصل اور تکریت کے وسط میں دریائے دجلہ کے دائیں کنارے پر آباد تھا۔

نینوی: یہ موصل کے بالمقابل دجلہ کے بائیں کنارے پر تھا۔ اس کے کھنڈر موصل کے مشرق میں کچھ فاصلے پر ملتے ہیں۔

نینوی کے آثار تل قویونجیق کہلاتے ہیں۔ اُشوریوں نے اُشور کے بعد نینوی کو دار الحکومت بنایا تھا۔

اور: بابل کے مطابق ابراہیم علیہ السلام کی جائے پیدائش اور تھا۔ اس کے آثار دریائے فرات کے جنوب میں الناصریہ شہر کے بالمقابل واقع ہیں۔ ان دنوں اسے تل المقیر کہتے ہیں۔



حضرت ہود علیہ السلام

حضرت ہود علیہ السلام کا تذکرہ قرآن مجید میں مندرجہ ذیل مقامات پر سات دفعہ آیا ہے:

سورت	سورت نمبر	آیات نمبر	سورت	سورت نمبر	آیات نمبر
الأعراف	7	65	الشعراء	26	124
ہود	11	89'60'58'53'50			

چند متعلقہ آیات

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَإِلَىٰ عَادٍ أَخَاهُمْ هُودًا ط قَالَ يَقَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنِّ إِلَهٍ غَيْرُهُ ط إِنَّ أَنْتُمْ إِلَّا مُفْتَرُونَ ۝ يَقَوْمِ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا ط إِنَّ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى الَّذِي فَطَرَنِي ط أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۝ ۱۱۱ وَيَقَوْمِ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُمْ مِدْرَارًا وَيَزِدْكُمْ قُوَّةً إِلَىٰ قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِينَ ۝ ۱۱۲ قَالُوا يَهُودُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ وَمَا نَحْنُ بِتَارِكِي آلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِينَ ۝ ۱۱۳ إِنْ نَقُولُ إِلَّا اعْتَرَاكَ بَعْضُ آلِهَتِنَا بِسُوءٍ ط قَالَ إِنِّي أَشْهَدُ اللَّهَ وَاشْهَدُوا أَنِّي بَرِيءٌ مِّمَّا تُشْرِكُونَ ۝ ۱۱۴ مِنْ دُونِهِ فُكَيْدٌ وَنِي جَبِيعًا ثُمَّ لَا تُنْظَرُونَ ۝ ۱۱۵ إِنِّي تَوَكَّلْتُ عَلَى اللَّهِ رَبِّي وَرَبِّكُمْ مَا مِنْ دَابَّةٍ إِلَّا هُوَ آخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا ط إِنَّ رَبِّي عَلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝ ۱۱۶ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ أَبْلَغْتُكُمْ مَا أُرْسِلْتُ بِهِ إِلَيْكُمْ ط وَيَسْتَخْلِفُ رَبِّي قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّونَهُ شَيْئًا ط إِنَّ رَبِّي عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ حَفِيزٌ ۝ ۱۱۷ وَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا نَجَّيْنَا هُودًا وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ بِرَحْمَةٍ مِنَّا وَنَجَّيْنَاهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيظٍ ۝ ۱۱۸ وَتِلْكَ عَادٌ جَحَدُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَعَصَوْا رُسُلَهُ وَاتَّبَعُوا أَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيدٍ ۝ ۱۱۹ وَاتَّبَعُوا فِي هَذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ ط آ لَا إِنَّ عَادًا كَفَرُوا رَبَّهُمْ ط

آلَا بُعْدَ لِلْعَادِ قَوْمِ هُودٍ ۝ ۱۲۰

”اور ہم نے قوم عاد کی طرف ان کے بھائی ہود کو بھیجا۔ انہوں نے کہا: ”اے میری قوم! اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ بلاشبہ تم اللہ پر بہتان باندھ رہے ہو۔ اے میری قوم! میں تم سے تبلیغ کی کوئی اجرت نہیں مانگتا۔ میرا اجر تو اس ذات کے ذمے ہے جس نے مجھے پیدا کیا۔ کیا تم نہیں سمجھتے؟ اے میری قوم! اپنے رب سے

معافی مانگو۔ اس کے سامنے توبہ کرو۔ وہ تم پر موسلا دھار بارش برسائے گا اور تمہاری قوت میں اضافہ کرے گا۔ تم جرم کرتے ہوئے روگردانی نہ کرو۔“

وہ کہنے لگے: ”اے ہود! تو ہمارے پاس کوئی دلیل تو لایا نہیں اور ہم صرف تیرے کہنے سے تو اپنے معبودوں کو چھوڑنے سے رہے اور نہ ہم تجھ پر ایمان لائیں گے بلکہ ہمارا تو خیال یہ ہے کہ ہمارے کسی معبود نے تجھے کوئی بیماری لگائی ہے۔“

ہود (علیہ السلام) نے فرمایا: ”میں اللہ تعالیٰ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں اور تم بھی گواہ رہو کہ میں ان تمام سے بیزار و لاتعلق ہوں جن کو تم نے (عبادت میں) اللہ تعالیٰ کا شریک بنا رکھا ہے۔ تم سب مل کر میرے خلاف منصوبہ بنا لو پھر مجھے بالکل مہلت نہ دو۔ میرا بھروسہ اللہ تعالیٰ پر ہے جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی۔ جو بھی چیز حرکت کر رہی ہے اللہ تعالیٰ کو اس پر قبضہ و قدرت ہے۔ بلاشبہ میرا پروردگار سیدھے راستے پر ہے۔ (سیدھا راستہ اختیار کر کے ہی اس تک پہنچا جاسکتا ہے)۔ اگر تم روگردانی کرو تو تمہاری مرضی میں تو تمہیں وہ پیغام پہنچا چکا جو مجھے دے کر بھیجا گیا۔ اللہ تعالیٰ تمہاری جگہ کسی اور قوم کو تمہارا جانشین بنادے گا پھر تم اس کا کچھ نہ بگاڑ سکو گے۔ بلاشبہ میرا رب ہر چیز پر نگہبان ہے۔“

جب ہمارا فیصلہ آپہنچا، ہم نے ہود اور ان پر ایمان لانے والوں کو اپنی رحمت سے نجات دی اور ان کو سخت عذاب سے محفوظ رکھا۔ یہ تھی قوم عاد جنہوں نے اپنے رب کی آیات کا انکار کیا، اس کے رسولوں کی نافرمانی کی اور ہر سرکش ضدی کے حکم کی پیروی کی۔ اس دنیا میں بھی ان پر لعنت مسلط کر دی گئی اور قیامت کے دن بھی۔ خبردار! عاد نے اپنے رب کا انکار کیا۔ خبردار! ہود کی قوم عاد ہمیشہ کے لیے دور دفع ہو گئے۔“ (ہود: 50/11... 60)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

كَذَّبَتْ عَادٌ الْفَرَسْلِينَ ۖ إِذْ قَالَ لَهُمُ أَخُوهُمْ هُودٌ ۖ أَلَا تَتَّقُونَ ۚ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ۖ فَاتَّقُوا اللَّهَ ۖ وَأَطِيعُوا أَمْرًا ۖ وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ ۖ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى رَبِّ الْعَالَمِينَ ۚ أَتَبْنُونَ بِكُلِّ رِيعٍ آيَةً تَعْبَثُونَ ۖ وَتَتَّخِذُونَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلَدُونَ ۚ وَإِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِينَ ۚ فَاتَّقُوا اللَّهَ ۖ وَأَطِيعُوا أَمْرًا ۖ وَاتَّقُوا الَّذِي أَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُونَ ۚ أَمَدَّكُمْ بِأَنْعَامٍ وَبَنِينَ ۚ وَجَنَّتٍ وَعُيُونٍ ۚ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ۚ قَالُوا سَوَاءٌ عَلَيْنَا أَوَعَظْتَ أَمْ لَمْ تَكُن مِنَ الْوَاعِظِينَ ۚ إِنْ هَذَا إِلَّا خُلُقُ الْأَوَّلِينَ ۚ وَمَا لَنَا بِمُعَذِّبِينَ ۚ فَكَذَّبُوهُ فَأَهْلَكْنَاهُمْ ۚ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً ۖ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِينَ ۚ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ۚ

”قوم عاد نے رسولوں کو چھٹایا تو ان کے بھائی ہود نے ان سے کہا: ”کیا تم اللہ سے نہیں ڈرتے؟ میں تمہاری طرف امانتدار پیغمبر ہوں لہذا اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری بات مانو۔ نیز میں اس کام پر تم سے کوئی اجرت طلب نہیں کرتا۔ میرا ثواب تو اللہ رب العالمین کے پاس ہے۔ کیا تم ہر ہر ٹیلے پر بے فائدہ عمارتیں بناتے ہو؟ اور ایسے مضبوط محل تعمیر

کرتے ہو گویا کہ تم نے ہمیشہ رہنا ہے۔ اور جب تم کسی (غریب اور کمزور) پر ہاتھ ڈالتے ہو تو جبار بن کر ڈالتے ہو۔ اللہ سے ڈرو اور میرے پیچھے لگ جاؤ۔ اس ہستی سے ڈرو جس نے تمہیں وہ کچھ دیا جو تم جانتے ہو۔ اس نے تمہیں جانور دیے، بیٹے دیے، باغیچے دیے اور چشمے دیے۔ مجھے تم پر کسی عظیم دن کے عذاب کا خطرہ ہے۔“ وہ کہنے لگے: ”نصیحت کریا نہ کر ہمیں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ پہلے لوگوں کے ساتھ یہی کچھ ہوتا آیا ہے۔ ہمیں عذاب نہیں دیا جاسکے گا۔“

چنانچہ انہوں نے ہود کو جھٹلایا تو ہم نے ان کو ہلاک کر ڈالا۔ بلاشبہ اس واقعہ میں بہت بڑی نشانی ہے۔ لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔ بلاشبہ تیرا رب ہی غالب نہایت رحم کرنے والا ہے۔“ (الشعراء: 123/26..... 140)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ”حضرت ہود علیہ السلام عربی بولنے والے پہلے شخص ہیں۔“ قوم عاد کی رہائش احقاف کے علاقے میں تھی جو حضرموت کے شمال میں واقع ہے۔

احقاف کے شمال میں خالی ریگستان ہے جسے ربع خالی کہا جاتا ہے۔ مشرق میں عمان ہے۔ یہ لوگ بتوں کی پوجا کرتے تھے جن کے نام یہ ہیں: وَد، سُوَاع، يَغُوث، يُعُوق، نَسْر۔ (شبه جزیرہ عرب کے نقشہ میں ان بتوں کے مقامات ملاحظہ کیجیے۔)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا فرمان ہے کہ انہوں نے ایک اور بت بھی بنا رکھا تھا جس کا نام ”هَتَار“ تھا۔ یاد رہے کہ یہ عاد جو ہلاک ہوئے انہیں عاد اولیٰ کہا جاتا ہے۔ باقی رہے دوسرے عاد جو بعد میں ہوئے، وہ یمن کے رہنے والے تھے اور ان کا تعلق قحطان اور سبأ وغیرہ سے تھا۔ بعض اہل علم نے کہا ہے کہ شموذ کو عاد ثانی کہا جاتا ہے۔

حضرموت والے کہتے ہیں کہ عاد اولیٰ کی ہلاکت کے بعد حضرت ہود علیہ السلام حضرموت کے علاقے میں رہنے لگے تھے حتیٰ کہ وہیں فوت ہوئے اور انہیں مشرقی علاقے میں وادی برہوت کے قریب شہر تریم سے 32 میل کے فاصلے پر دفن کیا گیا۔ فلسطین کے علاقے میں بھی ایک قبر حضرت ہود علیہ السلام کی قبر کے نام سے مشہور ہے مگر اس کی نسبت حضرت ہود علیہ السلام کی طرف صحیح نہیں۔



❁ قصص الأنبياء، النجار: 49

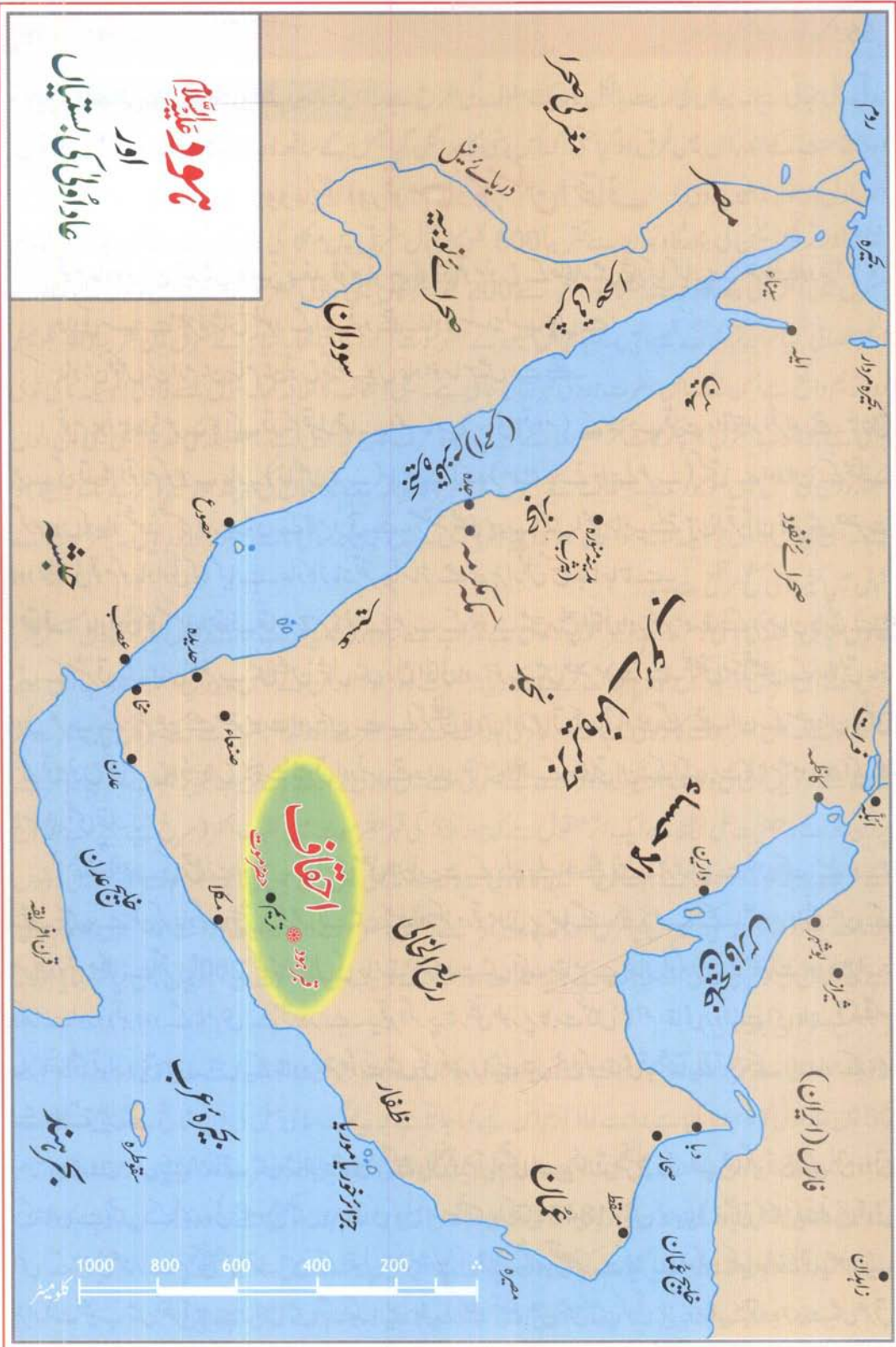
❁ قصص الأنبياء، ابن كثير: 93

❁ المعجم المفهرس لألفاظ القرآن الكريم: 739

❁ قصص الأنبياء، الثعلبي: 62

❁ المعجم المفهرس لمعاني القرآن العظيم: 1294

❁ قصص الأنبياء، الطبري: 118



ہود علیہ السلام اور قوم عاد کا مسکن احقاف

قوم عاد کو قرآن مجید میں ﴿مَنْ بَعْدَ قَوْمِ نُوحٍ﴾ یعنی قوم نوح کے خلفاء میں شمار کیا گیا ہے۔ حضرت ہود علیہ السلام عادی سب سے معزز شاخ خلود کے ایک فرد تھے۔ عاد کا سلسلہ نسب یوں ہے: عاد بن عوص بن ارم بن سام بن نوح علیہ السلام۔ یوں عاد بنو سام میں سے تھے۔

قوم ہود یا عاد عرب کا ایک قدیم قبیلہ تھا۔ یہ ام سامیہ (سامی اقوام) کے صاحب قوت و اقتدار افراد تھے۔ تاریخ عرب کی قدیم اقوام کو عرب عاربہ (خالص عرب) یا عرب باندہ (مٹ جانے والے عرب) کہتی ہے اور ان کے مختلف گروہوں کو عاد، ثمود، طسم اور جدیس کے نام دیتی ہے۔ مستشرقین یورپ انہیں ام سامیہ کہتے ہیں۔ قرآن مجید میں حضرت ہود علیہ السلام کی قوم کو عاد اولیٰ کہا گیا ہے۔ عاد کا زمانہ تقریباً ساڑھے چھ ہزار قبل مسیح جانا جاتا ہے۔

احقاف: عاد اولیٰ کا مسکن احقاف تھا جو جزیرہ نمائے عرب کے جنوب میں ربح الخالی اور حضرموت کے درمیان واقع ہے۔ اس کے مشرق میں عمان، مغرب میں یمن، شمال میں ربح الخالی اور جنوب میں حضرموت ہے۔ بعض مؤرخین کے مطابق عاد اولیٰ عرب کے بہترین حصے حضرموت اور یمن سے لے کر خلیج فارس اور عراق تک آباد ہو گئے تھے۔ ان کے معبودان باطل بھی قوم نوح کی طرح وء سواع، یغوث، یعوق اور نسر تھے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے مطابق ان کے ایک بت کا نام صمود اور ایک کا نام ہتار بھی تھا۔

احقاف حقف کی جمع ہے اور اس کے لغوی معنی ہیں ریت کے لمبے لمبے اونچے ٹیلے۔ جو عمان سے یمن تک پھیلے ہوئے تھے۔ یہیں سے نکل کر عاد گروہ پیش کے ممالک میں پھیلے اور کنز و قوموں پر چھا گئے۔ بحیرہ عرب کے ساحل پر واقع یمن کے موجودہ شہر مکلہ سے تقریباً 200 کلومیٹر شمال کی جانب حضرموت میں ایک مقام ہے جہاں لوگوں نے حضرت ہود کا مزار بنا رکھا ہے اور وہ قبر ہود کے نام ہی سے مشہور ہے۔ یہ قبر اگرچہ تاریخی طور پر ثابت نہیں، تاہم مقامی روایات اسی علاقے کو قوم عاد کا علاقہ قرار دیتی ہیں۔ اس کے علاوہ حضرموت میں کئی کھنڈر ایسے ہیں جن کو مقامی باشندے آج تک دار عاد کے نام سے جانتے ہیں۔

ہزاروں برس پہلے احقاف میں شاندار تمدن رکھنے والی قوم آباد تھی اور یہ علاقہ سرسبز و شاداب تھا مگر آج ایک لقا و دق ریگستان ہے جس کے اندرونی حصوں میں جانے کی کوئی ہمت نہیں رکھتا۔ 1843ء میں یوریا (جرمنی) کا ایک فوجی آدمی اس کے جنوبی کنارے پر پہنچ گیا تھا۔ اس کے بقول حضرموت کی شمالی سطح مرتفع پر سے کھڑے ہو کر دیکھا جائے تو یہ صحرا ایک ہزار فٹ نشیب میں نظر آتا ہے۔ اس میں جگہ جگہ ایسے سفید ریتلے قطعے ہیں جن میں کوئی چیز گر جائے تو وہ ریت میں غرق سے جانتے ہیں۔

ہوتی چلی جاتی ہے۔ یہاں کی ریت بالکل باریک سفوف کی طرح ہے۔ اس جرمن نے ایک شاقول اس ریت میں پھینکا تو وہ 25 منٹ کے اندر اس میں غرق ہو گیا حتیٰ کہ اس رسی کا سر اگل گیا جس کے ساتھ وہ بندھا ہوا تھا۔ (”قصص القرآن“ حصہ اول از مولانا سیوہاروی)

شام اور تیم: یمن کی بندرگاہ عدن سے تقریباً 500 کلومیٹر شمال مشرق میں مکلا کی بندرگاہ ہے۔ مکلا سے 65 کلومیٹر مشرق میں اشعر کی بندرگاہ ہے۔ مکلا اور اشعر سے 200 کلومیٹر شمال میں وادی حضرموت ہے۔ اس وادی کے کنارے البحر الصافی، شام اور تیم کے قصبے ہیں۔ شام اہل شبوہ نے حضرموت آکر آباد کیا تھا۔ شام کے مشرق میں تقریباً 40 کلومیٹر دور تیم واقع ہے جس کے پاس حضرت ہود کی قبر بتائی جاتی ہے۔ یہی احقاف کا علاقہ تھا۔ یہیں سے وادی المسیلہ نامی ندی نکلتی ہے جو جنوب مشرق کا چکر کاٹ کر مصیبعہ کے قریب بحیرہ عرب میں جا گرتی ہے۔ مصیبعہ کی قدیم بستی بھی ان دنوں کھنڈروں کی شکل میں موجود ہے۔ احقاف کے مشرق میں مہرہ کا علاقہ ہے جو عمان کی سرحد اور بحیرہ عرب تک پھیلا ہوا ہے۔ آج یہاں وادی المسیلہ کے سوا کوئی اور ندی یا دریا نہیں۔ کہیں کہیں برساتی نالے ضرور موجود ہیں۔ حضرموت کے شمال میں کثیر نامی سطح مرتفع ہے۔

عاد کی تباہی: اللہ کی باغی قوم عاد تند و تیز منحوس آندھی کے عذاب سے تباہ ہو گئی۔ یہ عذاب سات راتیں اور آٹھ دن مسلسل آیا جس نے اس سرکش قوم کو مکمل طور پر ہلاک کر کے رکھ دیا۔ حضرت ہود علیہ السلام اور ان کے مخلص پیروان اسلام عذاب الہی سے محفوظ رہے۔ اہل حضرموت کا دعویٰ ہے کہ قوم عاد کی ہلاکت کے بعد حضرت ہود علیہ السلام حضرموت کے شہروں میں ہجرت کر آئے تھے۔ وہیں ان کی وفات ہوئی اور حضرموت کے مشرقی حصے میں وادی برہوت کے قریب شہر تیم سے تقریباً دو مرحلے پر دفن ہوئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایک اثر منقول ہے کہ ہود علیہ السلام کی قبر حضرموت میں کثیب احمر (سرخ ٹیلے) پر ہے اور ان کے سر ہانے جھاؤ کا درخت ہے جبکہ اہل فلسطین کا دعویٰ ہے کہ وہ فلسطین میں دفن ہیں، چنانچہ حضرموت اور فلسطین دونوں مقامات پر ہود علیہ السلام کی مینہ قبروں پر عرس ہوتا ہے۔ قبر ہود سے متعلق حضرموت والی روایت درست اور معقول معلوم ہوتی ہے کیونکہ ان کی قوم کی تباہی اور ہلاکت کے بعد حضرت ہود علیہ السلام نے قریب ہی حضرموت کی آبادیوں میں قیام فرمایا ہوگا۔ (قصص القرآن جلد اول)

عاد ارم: اس سے مراد وہی قدیم قوم ہے جسے عاد اولیٰ کہا جاتا ہے۔ سورہ فجر آیت 7 میں اسے عاد ارم اور سورہ نجم آیت 50 میں عاد اولیٰ کا نام دیا گیا ہے۔ اسے عاد ارم اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ لوگ سامی نسل کی اس شاخ سے تعلق رکھتے تھے جو ارم بن سام بن نوح علیہ السلام سے چلی تھی۔ انہی عاد ارم کی ایک ضغنی شاخ شمود ہیں اور دوسرے آرامی ہیں جو ابتداء میں شام کے شمالی علاقوں میں آباد تھے اور جن کی زبان آرامی سامی زبانوں میں بڑا اہم مقام رکھتی ہے۔ سورہ فجر میں عاد ارم کا وصف ذات العماد (ستونوں والے) بتایا گیا ہے کیونکہ وہ اونچے اونچے ستونوں پر بلند عمارتیں بناتے تھے۔

سید حامد عبد الرحمن الکاف اپنے ایک مضمون ”ارض الاحقاف کا سفر اور مشاہدات“ میں لکھتے ہیں:

”تریم“ کے شہر سے باہر نکلنے پر ہمیں وہ منظر دکھائی دیا جو ہم ایک زمانے سے وادی احقاف کے تصور میں دیکھتے آئے تھے۔ یعنی اونچے اونچے تہ بہ تہ پہاڑوں کے ایک دامن سے لے کر دوسرے دامن تک ریت کے اونچے اونچے اور اونچے نیچے بالکل سمندری موجوں کی طرح تودے اور ان کے درمیان تارکول کی سڑک اور کہیں کہیں خود رو کھجور کے جھنڈ، ایک آدھ اونٹ اور کہیں کہیں دو چار کچے مکانات۔

وادی احقاف اپنے وسیع تر معنوں میں وادی برہوت، قبر ہود علیہ السلام (جوربع الخالی میں کم از کم پچاس ساٹھ کلومیٹر اندر واقع ہے) سے شروع ہو کر مغرب میں وادی عمد، وادی ایمن اور وادی یسر اور وادی عین کے آخر تک پھیلی ہوئی ہے۔ اس کی لمبائی کا اندازہ کچھ اس طرح لگایا جاسکتا ہے۔

قبر ہود علیہ السلام سے تریم 100 کلومیٹر تریم سے سیئون 35 کلومیٹر سیئون سے انتہائے وادی عمد 150 کلومیٹر۔ وادی یسر کے خاتمہ تک مزید 50 کلومیٹر۔ اس طرح کوئی 335 کلومیٹر بنتے ہیں۔ اس سے وہ علاقے خارج ہیں جو قبر ہود علیہ السلام سے شمال مشرق اور مشرق میں واقع ہیں اور وادی برہوت اور مہرہ کے شمالی علاقوں سے شروع ہو کر عمانی سرحد تک پھیلے ہوئے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا ہود علیہ السلام کی دعوت کا مرکز شمالی مہرہ کے ریت کے تودوں میں دبے ہوئے شہر ”ارم ذات العماذ“ اور اس کے قرب وجوار کے علاقے تھے۔

پندرہ منٹ کی ڈرائیو پر ایک گاؤں ہے جسے ”عینیات“ کا نام دیا جاتا ہے۔ ”عینیات“ سے کچھ آگے بڑھے تو داہنے ہاتھ پر ایک اور شہر آیا جہاں اچھی خاصی آبادی ہے۔ اس کے بعد ایک پولیس چوکی ہے جس کو السوم کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس لیے اس سڑک کو سیئون (تریم) السوم نبی اللہ ہود علیہ السلام کا نام دیا جاتا ہے۔ یہ سڑک ابھی قبر ہود سے پہلے کوئی 20 کلومیٹر دور تک پہنچی ہے مگر منصوبہ یہ ہے کہ اس کو رربع الخالی میں یعنی علاقے ”شمود“ تک پہنچایا جائے۔ یہ شمود وہ شہر نہیں ہے جو قوم صالح کا علاقہ تھا اور جو جزیرہ عرب کے شمال مغرب میں واقع ہے۔

وادی برہوت کا ریتلا میدان شمالی مہرہ سے ہوتا ہوا عمان سے جاملتا ہے۔ ریت کے اس وسیع و عریض سمندر میں کہیں قوم عاد کا وہ شہر باپڑا ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ”اونچے اونچے ستونوں والا ایک ایسا شہر جس جیسا اور ملکوں میں پیدا نہیں کیا گیا۔“ (الفجر: 7، 8)

قبر ہود علیہ السلام کی طرف چلیں تو جھاڑیوں والا علاقہ شروع ہو جاتا ہے اور وہاں زمین سے جھرنے اس زور اور کثرت سے نکلتے ہیں کہ وہ ایک ندی کی شکل اختیار کر لیتے ہیں جو قبر ہود علیہ السلام کے دامن سے ہوتی ہوئی رربع الخالی میں کہیں غائب ہو جاتی ہے۔ مقامی حضرات کے بقول یہ چھوٹا سادریا ہزاروں برس سے یوں نہ رہا ہے۔

جب عاد کی تباہی کا حکم صادر ہوا اور سیدنا ہود علیہ السلام (اور آپ پر ایمان لانے والوں سے کہا گیا کہ وہ عذاب زدہ علاقہ چھوڑ دیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کو وادی برہوت سے متصل مغرب میں واقع وادی میں پناہ لینی پڑی۔ اللہ نے اپنے ان نیک اور مومن بندوں کے لیے ریت کے ان تودوں میں پانی کا اس طرح انتظام فرمادیا: ”اور جب ہمارا حکم صادر ہوا تو ہم

نے ہود اور ان لوگوں کو جو ایمان لا کر اس کے ساتھ ہو گئے تھے، اپنی رحمت سے نجات دی اور ہم نے ان کو سخت عذاب سے نجات دی۔‘ (ہود: 58) تب ہی تو یہ پاک نفوس یہاں رہ سکے، یہاں تک کہ حضرت ہود (علیہ السلام) کی وفات کا وقت آ گیا اور آپ کو انہوں نے اس پہاڑی پر دفن کیا جو ان جھرنوں سے جیپ پر کوئی پندرہ بیس منٹ کے فاصلے پر واقع ہے۔



حضرت صالح علیہ السلام اور ثمود کا علاقہ

حضرت صالح علیہ السلام کا نام قرآن مجید میں نو دفعہ آیا ہے:

سورت	سورت نمبر	آیات نمبر	سورت	سورت نمبر	آیات نمبر
الأعراف	7	77`75`73	الشعراء	26	142
ہود	11	89`66`62`61	النمل	27	45

چند متعلقہ آیات

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَإِلَى ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَالِحًا قَالَ يَقَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَهٍ غَيْرُهُ قَدْ جَاءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِنْ رَبِّكُمْ هَذِهِ نَاقَةُ اللَّهِ لَكُمْ آيَةٌ فَذَرُوهَا تَأْكُلْ فِي أَرْضِ اللَّهِ وَلَا تَمَسُّوهَا بِسُوءٍ فَيَأْخُذَكُمْ عَذَابُ الْيَمِّ ۝
وَادْكُرُوا إِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَاءَ مِنْ بَعْدِ عَادٍ وَبَوَّأَكُمْ فِي الْأَرْضِ تَتَّخِذُونَ مِنْ سُهُولِهَا قُصُورًا
وَتَنْجَسُونَ الْجِبَالَ بَيْوُتًا فَادْكُرُوا الْآيَةَ اللَّهُ لَا تَعْتَوْنَ فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ۝ قَالَ الْمَلَأَ الَّذِينَ
اسْتَكْبَرُوا مِنْ قَوْمِهِ لِلَّذِينَ اسْتُضِعِفُوا لِمَنْ آمَنَ مِنْهُمْ أَتَعْلَمُونَ أَنَّ صَالِحًا مُرْسَلٌ مِنْ رَبِّهِ
قَالُوا إِنَّا بِمَا أُرْسِلَ بِهِ مُؤْمِنُونَ ۝ قَالَ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا إِنَّا بِالَّذِي آمَنْتُمْ بِهِ كَافِرُونَ ۝ فَعَقَرُوا
النَّاقَةَ وَعَتَوْا عَنْ أَمْرِ رَبِّهِمْ وَقَالُوا يُصْلِحُ أَيْنَمَا بِمَا تَعِدُنَا إِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ ۝ فَآخَذَهُمُ
الرَّجْفَةُ فَاصْبَحُوا فِي دَارِهِمْ جِثِيَيْنَ ۝ فَتَوَلَّى عَنْهُمْ وَقَالَ يَاقَوْمِ لَقَدْ أَبْلَغْتُكُمْ رَسُولَ رَبِّي وَنَصَحْتُ
لَكُمْ وَلَكِنْ لَا تُحِبُّونَ النَّصِيحِينَ ۝

”ہم نے قوم ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو بھیجا۔ اس نے کہا: ”اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے واضح دلیل آچکی ہے۔ یہ اللہ کی اوٹنی تمہارے لیے عظیم الشان نشانی ہے۔ اسے کھلا چھوڑ دو اللہ کی زمین میں جہاں چاہے چلے۔ اسے کوئی تکلیف نہ پہنچانا ورنہ تمہیں دردناک عذاب گھیر لے گا۔ یہ بات ذہن نشین رکھو کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں عادی ہلاکت کے بعد جان نشین بنایا ہے اور تمہیں اس علاقے میں آباد کیا ہے۔ تم میدانِ علاقے میں بڑے بڑے محل بناتے ہو اور پہاڑوں کو تراش تراش

کر گھر بنا لیتے ہو۔ تو اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کو یاد رکھو اور زمین میں فساد کرتے نہ پھرو۔“
اس کی قوم کے متکبر سرداروں نے ایمان لانے والے کمزور لوگوں سے کہا: ”کیا تمہیں یقین ہے کہ صالح اپنے رب کا پیغمبر ہے؟“ انہوں نے کہا: ”ہم تو ان کے لائے ہوئے پیغام پر بھی بھرپور یقین رکھتے ہیں۔“ متکبرین کہنے لگے: ”جس چیز پر تم ایمان لائے ہو ہم واضح طور پر اس کا انکار کرتے ہیں۔“ پھر انہوں نے (اسی پر بس نہیں کی بلکہ) اللہ کی اوٹنی کو زخمی کر دیا اور اپنے رب کے حکم سے علانیہ سرکشی کی اور کہنے لگے: ”اے صالح! اگر تو واقعی پیغمبر ہے تو وہ عذاب لے آ جس سے تو ہمیں ڈرا رہا ہے۔“

بالآخر ایک زبردست زلزلے نے ان کو آلیا اور وہ اپنے گھروں ہی میں ڈھیر ہو گئے۔ (حضرت) صالح ان سے ایک طرف ہو کر (افسوس سے) کہنے لگے: ”اے میری قوم! میں نے تمہیں اپنے رب تعالیٰ کا پیغام پہنچا دیا تھا اور تم سے خیر خواہی کی تھی، لیکن تم اپنے خیر خواہوں کو اچھا نہیں سمجھتے۔“ (الاعراف: 73/7..... 79)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَإِلَى ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَالِحًا قَالَ يَقَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنِّ إِلَهٍ غَيْرُهُ هُوَ أَنشَأَكُم مِّنَ الْأَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيهَا فَاسْتَغْفِرُوهُ ثُمَّ تَوْبُوا إِلَيْهِ إِنَّ رَبِّي قَرِيبٌ مُّجِيبٌ ۝۱۱ قَالُوا يَصْلِحْ قَدْ كُنْتَ فِينَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هَذَا أَتَنْهَانَا أَنْ نَعْبُدَ مَا يَعْبُدُ آبَاؤُنَا وَإِنَّ لَكُنَّ لَفِي شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُونَا إِلَيْهِ مُرِيبٌ ۝۱۲ قَالَ يَقَوْمِ أَدْعَيْتُمْ إِن كُنْتُمْ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّي وَإِنِّي مِنْهُ رَحِمَةٌ فَمَنْ يُنْصِرُنِي مِنَ اللَّهِ إِن عَصَيْتُهُ فَمَا تَزِيدُوْنِي غَيْرَ تَخْسِيرٍ ۝۱۳ وَلِيقَوْمِ هَذِهِ نَاقَةُ اللَّهِ لَكُمْ آيَةٌ فَذَرُوهَا تَأْكُلْ فِي أَرْضِ اللَّهِ وَلَا تَمَسُّوهَا بِسُوءٍ فَيَأْخُذْكُمْ عَذَابٌ قَرِيبٌ ۝۱۴ فَعَقَرُوهَا فَقَالَ تَمَتَّعُوا فِي دَارِكُمْ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ ذٰلِكَ وَعَدُّ غَيْرٍ مَّكْذُوبٌ ۝۱۵ فَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا نَجَّيْنَا صَالِحًا وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ بِرَحْمَةٍ مِنَّا وَمِن خِزْيِ يَوْمِئِذٍ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيزُ ۝۱۶ وَأَخَذَ الَّذِينَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةَ فَأَصْبَحُوا فِي دِيَارِهِمْ جُثَثِينَ ۝۱۷ كَانُوا يَمْنُونَ صَالِحًا فَأَلْغَيْنَا الْوَحْيَ عَنْ صَالِحٍ وَجَعَلْنَاهُ فِي أَعْيُنِنَا دُونَهُ ۝۱۸ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ إِنَّكَ بِنَافْسِكَ لَتَلْعَبُ ۝۱۹

”ہم نے قوم ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو بھیجا۔ اس نے کہا: ”اے میری قوم! اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ اس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا اور تمہیں زمین میں آباد کیا، لہذا اس سے معافی مانگو پھر (آئندہ کے لیے) اس کے سامنے توبہ کرو۔ بلاشبہ میرا پروردگار بہت قریب ہے اور فریادرس ہے۔“
وہ کہنے لگے: ”صالح! ہم کو تو تم سے بہت امیدیں تھیں، لیکن تعجب کی بات ہے کہ تو ہمیں ان بتوں کی پوجا کرنے سے روکتا ہے جن کی عبادت ہمارے آباء و اجداد بھی کیا کرتے تھے۔ بلاشبہ ہمیں تیری دعوت میں واضح شک ہے۔“
”صالح علیہ السلام فرمانے لگے: ”اے میری قوم! ذرا بتاؤ کہ اگر میں اپنے رب کریم کی طرف سے واضح دلیل رکھتا ہوں اور

اس نے مجھے اپنی عظیم رحمت سے سرفراز فرمایا ہے پھر بھی میں اسکی نافرمانی کروں تو اللہ کے عذاب سے بچاؤ میں کون میری مدد کرے گا؟ اس طرح تو تم مجھے زبردست خسارے میں مبتلا کر دو گے۔ اور اے میری قوم! یہ اللہ تعالیٰ کی اوٹنی تمہارے لیے واضح نشانی ہے۔ اسے کھلا چھوڑ دو اللہ کی زمین میں جہاں چاہے چر لے۔ اسے کوئی نقصان نہ پہنچانا ورنہ تمہیں فوری عذاب آ لے گا۔“

لیکن انہوں نے اسے زخمی کر دیا تو حضرت صالح (علیہ السلام) نے فرمایا: ”تین دن تک اپنے گھروں میں مزے لوٹ لو۔ یہ وعدہ جھوٹا نہیں۔“ پھر جب ہمارے فیصلے کا وقت آن پہنچا ہم نے صالح اور ان پر ایمان لانے والوں کو اپنی رحمت کے ساتھ اس دن کی رسوائی و ذلت سے محفوظ رکھا۔ بلاشبہ تیرا رب ہی قوت اور غلبے والا ہے۔ آخر کار ان ظالموں کو ایک زبردست چیخ نے اپنی گرفت میں لے لیا اور وہ اپنے گھروں ہی میں ڈھیر ہو گئے۔ یوں محسوس ہوتا تھا کہ وہ کبھی یہاں آباد ہی نہیں ہوئے۔ خبردار! قوم ثمود نے اپنے رب کریم کا انکار کیا۔ خبردار! ثمود بھی دفع ہو گئے۔“ (ہود: 68...61/11)

كَذَّبَتْ ثَمُودُ الْمُرْسَلِينَ ﴿٦١﴾ إِذْ قَالَ لَهُمُ أَخُوهُمْ صَالِحٌ أَلا تَتَّقُونَ ﴿٦٢﴾ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿٦٣﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَاطِيعُونَ لَهُ وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٦٤﴾ أَتُنْكِرُونَ فِي مَا هُنَا أَمِينٌ ﴿٦٥﴾ فِي جَنَّتٍ وَعَيْوُونَ ﴿٦٦﴾ وَذُرُوعٍ وَنَخْلٍ طَلْعُهَا هَضِيمٌ ﴿٦٧﴾ وَتَنْجُتُونَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوتًا فَرِهُيْنَ ﴿٦٨﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَاطِيعُونَ لَهُ وَلَا تُطِيعُوا أَمْرَ الْمُسْرِفِينَ ﴿٦٩﴾ الَّذِينَ يُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ وَلَا يُصْلِحُونَ ﴿٧٠﴾ قَالُوا إِنَّمَا أَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِينَ ﴿٧١﴾ مَا أَنْتَ إِلَّا بَشَرٌ مِثْلُنَا ۖ فَأْتِ بَآيَةٍ إِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِينَ ﴿٧٢﴾ قَالَ هَذِهِ نَاقَةٌ لَهَا شِرْبٌ وَلَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُومٍ ﴿٧٣﴾ وَلَا تَمْسُوهَا بِسُوءٍ فَيَأْخُذَكُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿٧٤﴾ فَعَقَرُوهَا فَاصْبَحُوا نَادِمِينَ ﴿٧٥﴾ فَأَخَذَهُمُ الْعَذَابُ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً ۖ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِينَ ﴿٧٦﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿٧٧﴾

”ثمود نے پیغمبروں کو جھٹلایا جب ان سے ان کے بھائی (ہم نسب) صالح نے کہا: ”کیا تم اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتے؟ بلاشبہ میں تمہاری طرف امانتدار پیغمبر ہوں، اس لیے اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ میں اس تبلیغ کے سلسلے میں تم سے کسی اجرت کا طلبگار نہیں۔ میرا ثواب تو اللہ رب العالمین کے ذمے ہے۔ کیا تم یہاں ہمیشہ کے لیے امن و امان کے ساتھ رہو گے؟ ان بانچوں اور چشموں میں ان کھیتوں اور نخلستانوں میں جن کے خوشے ٹوٹے پڑتے ہیں۔ (یعنی رس بھرے ہیں) تم بلا ضرورت تکلف کرتے ہوئے پہاڑوں کو تراش تراش کر گھر بناتے ہو۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میرے پیچھے لگو۔ ان ظالموں کی بات نہ مانو جو زمین میں فساد پھیلاتے ہیں اور اصلاح نہیں کرتے۔“ وہ کہنے لگے: ”تو تو جادو کے زیر اثر (ایسی باتیں کرتا) ہے ورنہ تو ہم جیسا ایک انسان ہے۔ اگر تو واقعتاً سچا ہے تو کوئی معجزہ دکھا۔“ صالح (علیہ السلام) نے فرمایا: ”یہ ایک اوٹنی ہے جو اپنی باری پر پانی پیے گی اور تمہیں بھی ایک معین

دن ہی پانی لینا ہوگا۔ اسے برے ارادے سے ہاتھ نہ لگانا ورنہ تمہیں ایک عظیم دن کا عذاب گھیر لے گا۔“
لیکن انہوں نے اس کو زخمی کر دیا۔ پھر وہ جلد ہی نادم ہو گئے۔ بالآخر ان کو عذاب نے آلیا۔ اس واقعہ میں بہت بڑی نشانی ہے مگر اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔ بلاشبہ تیرا رب ہی غالب نہایت رحم کرنے والا ہے۔“ (الشعراء: 141/26... 159)
حضرت صالح علیہ السلام کی قوم ثمود کا رہائشی علاقہ حجاز اور شام کے درمیان حجر کا علاقہ ہے جسے مدائن صالح بھی کہا جاتا ہے۔ یہ علاقہ خلیج عقبہ کے مشرق میں واقع شہر مدین کے جنوب مشرق میں واقع ہے۔ قوم ثمود کے مکانات اس علاقے میں پہاڑوں میں کھدے ہوئے صاف نظر آتے ہیں۔

ثمود بتوں کی پوجا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف حضرت صالح علیہ السلام کو پیغمبر اور واعظ بنا کر بھیجا۔ ان کا معجزہ وہ اونٹنی تھی جو ان کے سامنے پتھر سے نکلتی تھی۔ جب انہوں نے اسے قتل کر دیا تو انہیں ایک کڑک دار آواز کے ساتھ ہلاک کر دیا گیا۔ حضرت صالح علیہ السلام اور ان پر ایمان لانے والے بچ گئے، جو قوم کی ہلاکت کے بعد فلسطین کے علاقے رملہ میں چلے گئے۔ یہ قوی ترین قول ہے کیونکہ ان کے قریب زرخیز علاقہ یہی تھا۔ عرب لوگ اپنے جانوروں کو چرانے کی خاطر گھاس اور پانی کو زیادہ اہمیت دیتے تھے۔

لیکن حضرموت کے لوگ کہتے ہیں کہ وہ حضرموت جا کر رہنے لگے کیونکہ وہ اصلاً اس علاقے سے تعلق رکھتے تھے یا وہ احتاف والوں کی نسل سے تھے۔ وہاں ایک قبر بھی ہے جسے وہ لوگ حضرت صالح علیہ السلام کی طرف منسوب کرتے ہیں۔
بعض لوگوں کا خیال ہے کہ قوم کی ہلاکت کے بعد بھی وہ اپنے علاقے ہی میں رہے۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ مکہ مکرمہ چلے گئے تھے اور پھر وہیں رہے حتیٰ کہ فوت ہوئے اور ان کی قبریں کعبہ کے مغربی جانب ہیں۔



❁ قصص الأنبياء، النجار: 58

❁ المعجم المفهرس لألفاظ القرآن الكريم: 410

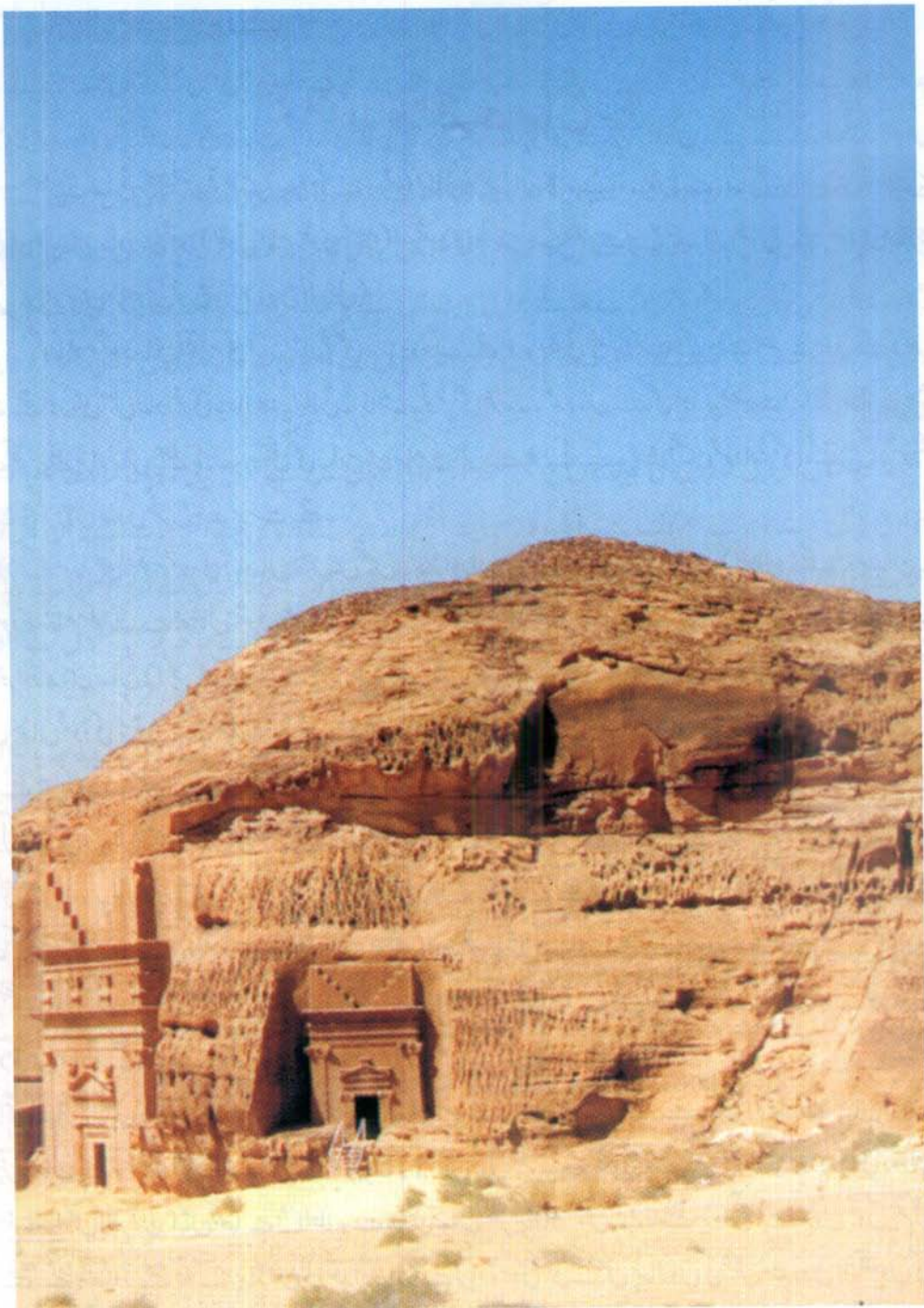
❁ المعجم المفهرس لمعاني القرآن العظيم: 657

❁ قصص الأنبياء، ابن كثير: 106

❁ قصص الأنبياء، الثعلبي: 68

❁ قصص الأنبياء، الطبري: 126





صالح علیہ السلام اور قوم ثمود کی بستی

قوم ثمود اور حضرت صالح علیہ السلام

حضرت صالح علیہ السلام جس قوم میں پیدا ہوئے وہ ثمود کہلاتی ہے۔ ان کا نسب نامہ یوں ہے: صالح بن عبید بن آسف بن ماشح بن عبید بن حادر بن ثمود (بقول امام بغوی رحمہ اللہ) اور ثمود کا سلسلہ نسب حضرت نوح تک اس طرح ہے: ثمود بن عاد بن عوص بن ارم بن سام بن نوح علیہ السلام (روح المعانی)

گویا قوم ثمود سامی اقوام کی ایک شاخ تھی۔ یہ وہ لوگ تھے جو عاد اولیٰ کی ہلاکت کے وقت حضرت ہود کے ساتھ بچ گئے تھے اور یہی نسل عاد آخری یا عاد ثانیہ کہلائی۔ بلاشبہ یہ قوم بھی عرب باندہ میں سے تھی اور یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بعثت سے تقریباً 2 ہزار سال پہلے ہلاک ہو چکی تھی۔ ارم بن سام کی نسل سے ہونے کے باعث انہیں ثمود ارم بھی کہتے ہیں۔ ثمود بھی اپنے پیشروؤں عاد کی طرح بت پرست تھے۔

ثمود کے مساکن: قوم ثمود کی آبادیاں الحجر میں تھیں۔ حجاز اور اردن کے درمیان وادی القریٰ (العلاء) تک جو میدان ہے یہ ثمود کا مقام سکونت ہے جو شمال مشرق میں تیماء سے لے کر سعودی ساحلی شہر الوجہ تک چلا گیا ہے۔ اس کے وسط میں الدار الاحمر اور مدائن صالح (الحجر) کے مقامات ہیں جبکہ جنوب میں العلاء واقع ہے۔ آج کل ديار ثمود في الناقة کے نام سے مشہور ہیں جہاں ثمود کی بستیوں کے کھنڈر اور آثار ملتے ہیں۔ ثمود کی آبادیوں کے قریب بعض قبروں پر آرامی زبان میں کتبے لگے ہوئے ہیں۔ یہ دراصل ان لوگوں کی قبریں ہیں جو قوم ثمود کی ہلاکت کے ہزاروں برس بعد اتفاقاً یہاں آکر بس گئے تھے۔ بقول جورجی زیدان ”ان کتبوں کی تحریروں سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ بستیاں ولادت مسیح سے کچھ پہلے بنیویں کے زیر اقتدار آگئی تھیں اور یہ لوگ دراصل ”بطرا“ یا ”پٹرا“ (اردن) کے باشندے تھے چنانچہ انہوں نے اہل بطرا کی طرح ہی حجری مساکن تعمیر کیے۔ ان میں اہم ترین وہ کھنڈر ہیں جو قصر بنت، قبر باشا، قلعہ اور برج کے ناموں سے موسوم ہیں۔“ ایک کتبہ پر بنیوی حروف میں ان کے معبودوں ذوالشری، ہبل، لات اور منوۃ کے نام آئے ہیں اور یہ بھی لکھا ہے کہ مقبرے کو وہب اللہ بن عبادہ نے بنایا تھا۔ (العرب قبل الاسلام بحوالہ قصص القرآن)

مدائن صالح: اس کا قدیم نام الحجر ہے جو قرآن مجید اور سیرت کی کتابوں میں مذکور ہے۔ یہی وہ جگہ ہے جہاں آج سے 6 ہزار سال پہلے قوم ثمود آباد تھی۔ یہ خیبر سے تقریباً 115 میل شمال مغرب میں واقع ہے۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی کی روداد سفر (سفر نامہ ارض القرآن) میں لکھا ہے: ”العلاء سے مدائن صالح تقریباً 30 میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ جوں جوں ہم آگے بڑھتے گئے، بلند اور چٹے ہوئے پہاڑوں کی تعداد زیادہ سے زیادہ ہوتی گئی۔ بعض پہاڑوں کی شکل مندروں اور قلعوں کی سی تھی۔ انہیں دیکھ کر اندازہ ہوتا تھا کہ شاید ثمود نے ان پر اپنے محلات، قلعے اور مندر بنائے ہوں جو زلزلے (صاعقہ) کی وجہ سے پھٹ گئے ہوں۔“

اور پروفیسر عبدالرحمن عبد ”حرمِ مدینہ“ میں لکھتے ہیں: ”العلاء جتنا سرسبز و شاداب ہے، مدائن اتنا ہی بے آب و گیاہ ہے۔ العلاء سے گزرنے والے قدیم کاروانی راستے کے پہلو میں بلند پہاڑ عجیب شکلوں میں ہیں۔ دراصل سخت زلزلے نے اس سارے علاقے کے پہاڑوں کو دامن سے چوٹی تک جھنجھوڑ کر قاش قاش کر دیا ہے۔ رابغ سے عقبہ تک اور مدینہ و خیبر سے تیماء اور تبوک تک کا سارا علاقہ شموذ کے ان آثار سے بھرا ہوا ہے۔ جنوب میں خیبر تک اور شمال میں اردن کے اندر 50 کلومیٹر تک قاش قاش پہاڑ پائے جاتے ہیں۔ گویا عہدِ قدیم میں یہاں جو زبردست زلزلہ آیا تھا اس نے تقریباً 500 کلومیٹر لمبے اور تقریباً ڈیڑھ سو کلومیٹر چوڑے علاقے کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ الحجر کے باشندے چٹانیں کاٹ کاٹ کر ان میں گھر بنانے کے غالباً موجود تھے۔ ان کے سینکڑوں برس بعد بنطیوں نے دوسری اور پہلی صدی ق م میں بطرا (اردن) کا عالیشان دارالحکومت بنایا تھا۔

مدائن صالح کی سنگی عمارتوں کی پیشانیوں پر بنطی خط اور آرامی زبان میں کتبے درج ہیں۔ ایک عمارت قصر البنت (شہزادی کا محل) کے نام سے معروف ہے۔ ایک کا نام بیت الشیخ اور دوسرے کا نام بیت الخریمات ہے۔ ان میں کسی دروازے کی دہلیز نہیں۔ ایک وسیع عمارت محل مجلس یعنی شموذ کا اسمبلی ہال تھا۔ کچھ محققین کا خیال ہے کہ قومِ شموذ اپنے رہائشی مکانات اور محلات میدان میں بناتی تھی جیسا کہ سورۃ الفجر کی آیت 9 میں ہے: ”اور شموذ کے ساتھ کیا کیا جنہوں نے وادی میں چٹانیں تراشی تھیں۔“ یہاں وادی سے مراد وادی القریٰ ہے۔ (آنحضور ﷺ کے نقش قدم پر جلد 2)

العلاء (وادی القریٰ) بحیرہ قلزم کے ساحلی شہر الوجہ سے تقریباً 150 کلومیٹر مشرق میں ہے۔ اب ایک جدید سڑک العلاء کو خیبر سے ملاتی ہے۔ العلاء سے خیبر کا فاصلہ بھی 150 کلومیٹر کے قریب ہے جبکہ مدینہ منورہ خیبر سے 150 کلومیٹر جنوب میں ہے۔ خیبر مدینہ منورہ سے تیماء اور تبوک کو جانے والی سڑک پر واقع ہے۔

مدائن صالح، العلاء سے 40 کلومیٹر شمال مشرق میں ہے اور العلاء سے تیماء کا فاصلہ تقریباً 110 کلومیٹر ہے۔

شموذ کی تباہی: جب قومِ شموذ حضرت صالح علیہ السلام کو جھٹلانے اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے باز نہ آئی تو ایک خوفناک زلزلے کے عذاب نے اس قوم کو نیست و نابود کر کے رکھ دیا۔ کہا جاتا ہے کہ شموذ کی ہلاکت کے بعد حضرت صالح علیہ السلام اور ان کے ساتھی مومنین فلسطین میں جا آباد ہوئے جہاں رملہ اور اس کے مضافات ان کا نیا وطن بنے (خازن) دوسرا قول یہ ہے کہ وہ حضرموت (احقاف) چلے آئے جہاں سے ان کے آباء و اجداد الحجر گئے تھے چنانچہ حضرموت میں ایک قبر کے متعلق مشہور ہے کہ یہ صالح علیہ السلام کی قبر ہے۔ (قصص القرآن)

ایک اور قول یہ ہے کہ حضرت صالح علیہ السلام اور ان کے ساتھی مکہ معظمہ چلے آئے تھے اور وہیں حضرت صالح علیہ السلام نے انتقال فرمایا اور ان کی قبر کعبہ سے غربی جانب حرم ہی میں ہے۔ علامہ آلوسی اسی کو رائج سمجھتے ہیں۔ انہوں نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ حضرت صالح علیہ السلام کے ساتھ جو مومنین عذاب سے محفوظ رہے ان کی تعداد تقریباً 120 تھی۔

اللہ کی باغی قوم شمود کے مطالبے پر جب اونٹنی کی نشانی یعنی معجزہ سامنے آیا تو بد بختوں نے اونٹنی کو ہلاک کر ڈالا۔ تب حضرت صالح علیہ السلام نے انہیں تین دن بعد نہ ٹلنے والا عذاب آنے کی وعید سنائی۔ پہلے روز ان سب کے چہرے خوف سے زرد پڑ گئے؛ دوسرے دن سرخ ہوئے اور تیسرے روز ان پر سیاہی چھا گئی جو خوف و دہشت کی انتہا یعنی موت کی علامت تھی۔
(روح المعانی)



حضرت ابراہیم علیہ السلام

آپ کو ”انبیاء کا باپ“ اور ”خلیل اللہ“ کہا جاتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اسم گرامی قرآن مجید کی پچیس سورتوں میں 69 دفعہ آیا ہے۔ تفصیل یہ ہے:

سورت	سورت نمبر	آیات نمبر	سورت	سورت نمبر	آیات نمبر
البقرة	2	124'125 (دو دفعہ) 126'127 130'132'133'135'136 (تین دفعہ) 140'258	الشعراء	26	69
آل عمران	3	33'65'67'68'84'95'97	العنكبوت	29	16'31
النساء	4	54'125 (دو دفعہ) 163	الأحزاب	33	7
الأنعام	6	74'75'83'161	الصفات	37	83'104'109
التوبة	9	70'114 (دو دفعہ)	ص	38	45
هود	11	69'74'75'76	الشورى	42	13
يوسف	12	6'38	الزخرف	43	26
إبراهيم	14	53	الذاريات	51	24
الحجر	15	51	النجم	53	37
النحل	16	120'123	الحديد	57	26
مريم	19	41'46'58	المتحنة	60	4 (دو دفعہ)
الأنبياء	21	51'60'62'69	الأعلى	87	19
الحج	22	26'43'78			

چند متعلقہ آیات

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَقَدْ آتَيْنَا إِبْرَاهِيمَ رُشْدَهُ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهِ عَلِيمِينَ ﴿٥١﴾ إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ مَا هَذِهِ التَّمَاثِيلُ الَّتِي

أَنْتُمْ لَهَا عَاقِبُونَ ﴿٥٦﴾ قَالُوا وَجَدْنَا آبَاءَنَا لَهَا عِبْدِينَ ﴿٥٧﴾ قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ أَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمْ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿٥٨﴾
 قَالُوا أَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ أَمْ أَنْتَ مِنَ اللَّاعِبِينَ ﴿٥٩﴾ قَالَ بَلْ رَبُّكُمْ رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ الَّذِي فَطَرَهُنَّ ۖ
 وَأَنَا عَلَىٰ ذِكْرِكُمْ مِنَ الشَّاهِدِينَ ﴿٦٠﴾ وَتَاللَّهِ لَا كَيْدَ لَنَا أَصْنَاكُمْ بَعْدَ أَنْ تُولَؤُمْ بِرَبِّينَ ﴿٦١﴾ فَجَعَلَهُمْ جُذًا
 إِلَّا كَبِيرًا لَهُمْ لَعَلَّهُمْ إِلَيْهِ يَرْجِعُونَ ﴿٦٢﴾ قَالُوا مَنْ فَعَلَ هَذَا بِإِلَهِنَا إِنَّهُ لَكَيْنِ الظَّالِمِينَ ﴿٦٣﴾ قَالُوا
 سَبْعِنَا فَمَا يَذَّكَّرُهُمْ يُقَالُ لَهُ إِبْرَاهِيمُ ﴿٦٤﴾ قَالُوا فَأْتُوا بِهِ عَلَىٰ أَعْيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُونَ ﴿٦٥﴾ قَالُوا أَوَ أَنْتَ
 فَعَلْتَ هَذَا بِإِلَهِنَا يَا بَرَاهِيمُ ﴿٦٦﴾ قَالَ بَلْ فَعَلَهُ كَبِيرُهُمْ هَذَا فَاسْأَلُوهُمْ إِنْ كَانُوا يَنْطِقُونَ ﴿٦٧﴾ فَجَعَلُوا
 إِلَىٰ أَنْفُسِهِمْ فَقَالُوا إِنَّكُمْ أَنْتُمُ الظَّالِمُونَ ﴿٦٨﴾ ثُمَّ نَكَسُوا عَلَىٰ رُءُوسِهِمْ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَا هَؤُلَاءِ يَنْطِقُونَ ﴿٦٩﴾
 قَالَ أَتَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْئًا وَلَا يَضُرُّكُمْ ﴿٧٠﴾ أَوْ لَكُمْ وَلِيَاتٌ عِندَ اللَّهِ ۖ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿٧١﴾
 قَالُوا حَرِّقُوهُ وَانصُرُوا آلِهَتَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ فَاعِلِينَ ﴿٧٢﴾ قُلْنَا يَنَارُ كُونِي بَرْدًا وَسَلَامًا عَلَىٰ
 إِبْرَاهِيمَ ﴿٧٣﴾ وَآرَادُوا بِهِ كَيْدًا فَجَعَلْنَاهُمُ الْآخِضِرِينَ ﴿٧٤﴾ وَنَجَّيْنَاهُ وَلُوطًا إِلَى الْأَرْضِ الَّتِي بَرَكْنَا فِيهَا لِلْعَالَمِينَ ﴿٧٥﴾
 وَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ نَافِلَةً ۖ وَكُلًّا جَعَلْنَا صَالِحِينَ ﴿٧٦﴾

”بلاشبہ ہم نے ابراہیم کو پہلے ہی سے ہدایت سے نواز رکھا تھا اور ہم اسے خوب جانتے تھے۔ جب اس نے اپنے باپ
 اور اپنی قوم سے پوچھا: ”ان بتوں اور مجسموں میں کیا خوبی ہے جو تم ان کے سامنے جھکتے ہو؟“ وہ کہنے لگے: ”ہم نے
 اپنے آباء واجداد کو ان کی پوجا کرتے پایا ہے۔“ ابراہیم کہنے لگے: ”کوئی شک نہیں کہ تم اور تمہارے آباء واجداد واضح
 طور پر گمراہی میں مبتلا ہیں۔“ وہ کہنے لگے: ”کیا تو سچ کہتا ہے یا صرف ہنسی مذاق کر رہا ہے؟“ وہ کہنے لگے: ”حقیقت
 تو یہ ہے کہ تمہارا رب وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا ہے اور میں اس بات پر تمہارے سامنے گواہی دیتا
 ہوں۔ اور اللہ کی قسم! میں تمہارے جانے کے بعد تمہارے بتوں سے ضرور دودو ہاتھ کروں گا۔“ پھر اس نے بتوں کو
 پاش پاش کر دیا البتہ بڑے بت کو چھوڑ دیا تاکہ وہ اس سے آکر پوچھیں۔ وہ (آئے تو) کہنے لگے: ”ہمارے معبودوں
 کے ساتھ یہ سلوک کس نے کیا ہے؟ یقیناً وہ بہت بڑا ظالم ہے۔“ پھر خود ہی کہنے لگے: ”ہم نے ایک نوجوان کو بتوں کا
 تذکرہ کرتے سنا تھا۔ اس کا نام ابراہیم ہے۔ اسے لوگوں کے سامنے لاؤ تاکہ لوگ دیکھ لیں (کہ ہم کیا کرتے
 ہیں۔)“ انہوں نے پوچھا: ”اے ابراہیم! ہمارے بتوں کے ساتھ یہ سلوک تو نے کیا ہے؟“ ابراہیم کہنے لگے: ”اس
 بڑے بت نے کیا ہوگا لہذا انہیں سے پوچھ لو اگر یہ بتا سکتے ہیں۔“ وہ سر جھکا کر سوچنے لگے اور آپس میں کہنے لگے:
 ”حقیقت تو یہی ہے کہ تم ہی ظالم ہو۔“ پھر شرمندہ ہو کر کہنے لگے: ”تجھے اچھی طرح پتہ ہے کہ یہ بولتے نہیں۔“
 ابراہیم کہنے لگے: ”تو کیا تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ان کی پوجا کرتے ہو جو تمہیں کچھ نفع دے سکتے ہیں نہ نقصان؟ افسوس تم
 پر اور تمہارے معبودوں پر! کیا تمہیں ذرہ بھر بھی عقل نہیں؟“ مگر وہ (ڈھٹائی سے) کہنے لگے: ”اس کو آگ میں جلا دو

اور اپنے معبودوں کی مدد کرو اگر تم کچھ کر سکتے ہو۔“
ادھر ہم نے فرما دیا: ”اے آگ! ابراہیم کے لیے ٹھنڈک اور سلامتی بن جا۔“ انہوں نے تو اپنے طور پر ابراہیم کے خلاف بڑا منصوبہ بنایا تھا مگر ہم نے ان کو مکمل طور پر ناکام کر دیا۔ پھر ہم نے ابراہیم اور لوط کو ان سے بچا کر اس علاقے میں بھیج دیا جس میں ہم نے دنیا جہاں والوں کے لیے برکات رکھی ہیں۔ وہاں ہم نے اس کو نہ صرف (بیٹا) اخلق بلکہ پوتا یعقوب بھی عطا فرمایا اور ان سب کو نیک اور صالح بنایا۔“ (الانبیاء: 51/21...72)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ لِأَبِيهِ أَرِئِنِّي اتَّخِذُ أَصْنَامًا لِلَّهِ ۖ إِنِّيَ أَرَاكَ وَقَوْمَكَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۖ وَكَذَلِكَ نُرِي إِبْرَاهِيمَ مَلَكُوتَ السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ وَلِيَكُونُ مِنَ الْمُوقِنِينَ ۖ فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ اللَّيْلُ رَأَىٰ كُوبًا ۖ قَالَ هَذَا رَبِّي ۖ فَلَمَّا أَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِي رَبِّي لَأَكُونَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّالِّينَ ۖ فَلَمَّا رَأَىٰ الشَّمْسُ بَارِغَةً قَالَ هَذَا رَبِّي هَذَا أَكْبَرُ ۖ فَلَمَّا أَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِي رَبِّي لَأَكُونَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّالِّينَ ۖ إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمُوتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفًا ۚ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۖ وَحَاجَّهُ قَوْمُهُ ۖ قَالَ اتَّخَذُوا فِي اللَّهِ وَقَدْ هَدَيْنَا ۖ وَلَا أَخَافُ مَا تُشْرِكُونَ بِهِ إِلَّا أَن يَشَاءَ رَبِّي شَيْئًا ۚ وَسِعَ رَبِّي كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ۖ أَفَلَا تَتَذَكَّرُونَ ۖ وَكَيْفَ أَخَافُ مَا أَشْرَكْتُكُمْ وَلَا تَخَافُونَ أَنَّكُمْ أَشْرَكْتُكُمْ بِاللَّهِ مَا لَمْ يُنَزَّلْ بِهِ عَلَيْكُمْ سُلْطَانًا ۖ فَأَيُّ الْفَرِيقَيْنِ أَحَقُّ بِالْأَمْنِ ۖ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۖ الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ أُولَٰئِكَ لَهُمُ الْأَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُونَ ۖ وَتِلْكَ حُجَّتُنَا آتَيْنَاهَا إِبْرَاهِيمَ عَلَىٰ قَوْمِهِ ۖ نَرْفَعُ دَرَجَاتٍ مَّنْ نَّشَاءُ ۖ إِنَّ رَبَّكَ حَكِيمٌ عَلِيمٌ ۖ

”جب ابراہیم (علیہ السلام) نے اپنے باپ آزر سے کہا: ”کیا آپ بے جان مورتیوں کو معبود بناتے ہیں؟ میں سمجھتا ہوں کہ آپ اور آپ کی قوم واضح گمراہی میں پھنسے ہوئے ہیں۔ ہم اس طرح ابراہیم کو آسمان وزمین کے حقائق دکھاتے رہتے تھے تا کہ وہ یقین رکھنے والوں میں شامل ہو جائے۔ (اور ایسا ہی ایک واقعہ اس وقت ہوا) جب رات چھا گئی تو اس نے ایک ستارہ دیکھ کر کہا: ”یہ میرا رب ہو سکتا ہے۔ لیکن جب وہ ڈوب گیا تو کہنے لگے: ”میں ڈوب جانے والوں کو پسند نہیں کر سکتا۔“ پھر جب چاند کو چمکتے دیکھا تو کہنے لگے: ”یہ میرا رب ہو سکتا ہے۔ لیکن جب وہ بھی غروب ہو گیا تو کہنے لگے: ”اگر میرے پروردگار نے میری رہنمائی نہ فرمائی تو میں سیدھے راستے تک نہ پہنچ سکوں گا۔“ پھر جب سورج کو چمکتے دیکھا تو کہا: ”یہ میرا رب ہے“ کہ یہ ان سے بڑا ہے۔ لیکن جب وہ بھی غروب ہو گیا تو کہنے لگے: ”اے میری قوم! میں ان تمام چیزوں سے بری ہوں جن کو تم نے اللہ کا شریک بنا رکھا ہے۔ میں تو ان سب کو چھوڑ کر اپنا چہرہ سیدھا کرتا ہوں اس ذات کی طرف جس نے تمام آسمان وزمین پیدا فرمائے اور میں مشرک نہیں۔“

اس کی قوم نے اس سے بہت جھگڑا کیا تو ابراہیم نے کہا: ”کیا تم مجھ سے اللہ تعالیٰ کے بارے میں جھگڑا کر رہے ہو؟ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے سیدھی راہ دکھا دی ہے۔ اور مجھے ان چیزوں سے کوئی ڈر نہیں جنہیں تم نے شریک بنا رکھا ہے، الا یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھے نقصان پہنچانا چاہے۔ میرے پروردگار کے علم نے ہر چیز کا احاطہ کر رکھا ہے۔ کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے؟ میں تمہارے شریکوں سے کیسے ڈر سکتا ہوں جبکہ تم نہیں ڈرتے کہ تم نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان چیزوں کو شریک بنا رکھا ہے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی؟ اگر تمہیں کچھ بھی علم ہے تو بتاؤ ہم دونوں میں سے کون سا فریق مطمئن اور بے خوف ہونے کا حقدار ہے؟ یقیناً وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان کو شرک سے آلودہ نہیں کیا، انہی کے لیے امن ہے اور وہی ہدایت یافتہ ہیں۔“

یہ حجت اور دلیل ہم نے ابراہیم کو اس کی قوم کے خلاف سمجھائی تھی۔ ہم جسے چاہتے ہیں بلند درجات عطا کرتے ہیں۔ بلاشبہ تیرا پروردگار بہت حکمت و دانش اور سب کچھ جاننے والا ہے۔“ (الانعام: 74/6... 83)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَائْتِلْ عَلَيْهِمُ نَبَأَ إِبْرَاهِيمَ ۖ إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ مَا تَعْبُدُونَ ۖ قَالُوا نَعْبُدُ أَصْنَامًا فَنَظَّلُ لَهَا غُلْفِينَ ۖ قَالِ هَلْ يَسْمَعُونَكُمُ إِذْ تَدْعُونَ ۖ أَوْ يَنْفَعُونَكُمُ أَوْ يَضُرُّونَ ۖ قَالُوا بَلْ وَجَدْنَا آبَاءَنَا كَذَلِكَ يَفْعَلُونَ ۖ قَالِ أَفَرَأَيْتُمْ مَا كُنْتُمْ تَعْبُدُونَ ۖ أَنْتُمْ وَأَبَاؤُكُمْ الْأَقْدَمُونَ ۖ قَالَتْهُمْ عُدُوِّيَ ۖ إِلَٰهَ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۖ الَّذِي خَلَقَنِي فَهُوَ يَهْدِينِ ۖ وَالَّذِي هُوَ يُطْعِمُنِي وَيَسْقِينِ ۖ وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِينِ ۖ وَالَّذِي يُمِيتُنِي ثُمَّ يُحْيِينِ ۖ وَالَّذِي أَطْمَعُ أَنْ يَغْفِرَ لِي خَطِيئَتِي يَوْمَ الدِّينِ ۖ رَبِّ هَبْ لِي حُكْمًا ۖ وَالْحَقِّقْ بِالصَّالِحِينَ ۖ وَاجْعَلْ لِي لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْآخِرِينَ ۖ وَاجْعَلْنِي مِنْ وَرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيمِ ۖ وَاعْفُ رِئَاسِي ۖ إِنَّهُ كَانَ مِنَ الصَّالِحِينَ ۖ وَلَا تُخْزِنِي يَوْمَ يُبْعَثُونَ ۖ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَلَا بَنُونَ ۖ إِلَّا مَنْ أَتَى اللَّهَ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ ۖ

”ان کے سامنے (حضرت) ابراہیم (علیہ السلام) کا واقعہ بیان کیجیے۔ جب انہوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے پوچھا: ”تم کس کی پوجا کرتے ہو؟“ انہوں نے کہا: ”ہم بتوں کی پوجا کرتے ہیں اور ان کے سامنے سجدہ ریز ہوتے ہیں۔“ ابراہیم نے کہا: ”کیا یہ تمہاری بات سنتے ہیں جب تم انہیں بلاتے ہو؟ یا کیا یہ تمہیں نفع نقصان دیتے ہیں؟“ وہ کہنے لگے: ”کچھ بھی نہیں بس ہم نے اپنے آباء و اجداد کو ایسا کرتے دیکھا ہے۔“ ابراہیم کہنے لگے: ”پھر سن لو کہ جن کی تم یا تمہارے آباء و اجداد پوجا کرتے رہے ہیں یہ سب میرے دشمن ہیں سوائے اس ذات کے جو تمام دنیا جہاں کا پالنے والا ہے، جس نے مجھے پیدا کیا اور میری رہنمائی کرتا رہتا ہے جو مجھے کھلاتا پلاتا ہے اور جب میں بیمار ہو جاتا ہوں تو مجھے شفا دیتا ہے جو مجھے موت دے گا پھر زندگی دے گا اور جس سے مجھے توقع ہے کہ قیامت کے دن میرے گناہ معاف کرے گا۔“

”اے میرے رب! مجھے حکمت عطا فرما اور نیک لوگوں سے ملا۔ اور بعد میں آنے والوں میں میرا ذکر خیر برقرار رکھ۔ مجھے نعمتوں والی جنت کا وارث بنا۔ میرے باپ کو بخش دے بلاشبہ وہ گمراہ تھا۔ جس دن لوگ قبروں سے اٹھیں گے مجھے رسوا نہ کرنا جس دن مال اور بیٹے کچھ فائدہ نہ دیں گے مگر اس شخص کو جو اللہ تعالیٰ کے پاس قلب سلیم لے کر جائے گا۔“ (الشعراء: 69/26... 89)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هَذَا الْبَلَدَ آمِنًا وَاجْنُبْنِي وَبَنِيَّ أَنْ نَعْبُدَ الْأَصْنَامَ ۖ رَبِّ إِنَّهُمْ أَضَلُّونَ كَثِيرًا ۚ مِّنَ النَّاسِ ۚ فَمَنْ تَبِعْنِي فَإِنَّهُ مِنِّي ۚ وَمَنْ عَصَانِي فَإِنَّكَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۖ رَبَّنَا إِنِّي أَصْبَحْتُ بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِندَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ ۖ رَبَّنَا لِيُقِيمُوا الصَّلَاةَ فَاجْعَلْ أَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِي إِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الشَّجَرِ ۚ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُونَ ۖ رَبَّنَا إِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِي ۚ وَمَا نُعْلِنُ ۚ وَمَا يَخْفَىٰ عَلَى اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ ۖ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي وَهَبَ لِي عَلَى الْكِبَرِ إِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ ۚ إِنَّ رَبِّي لَسَمِيعٌ الدُّعَاءِ ۙ رَبِّ اجْعَلْنِي مُقِيمَ الصَّلَاةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي ۖ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَاءِ ۙ رَبَّنَا اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِينَ يَوْمَ يَقُومُ الْحِسَابُ ۚ

”تصور کیجیے جب ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی: ”اے میرے پروردگار! اس شہر (مکہ) کو امن کا گہوارہ بنانا۔ مجھے اور میری اولاد کو بتوں کی پوجا سے محفوظ رکھنا۔ اے میرے پروردگار! بتوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا ہے لہذا جو شخص میری پیروی کرے گا تو یقیناً وہ مجھ سے تعلق رکھے گا اور جو میری نافرمانی کرے گا (وہ تیرے سپرد ہوگا اور) تو بہت معاف کرنے والا نہایت رحم کرنے والا ہے۔ اے ہمارے پالنہار! میں نے اپنی اولاد میں سے ایک بیٹے کو تیرے قابل احترام گھر کے پاس ایک بے آب و گیاہ وادی میں لٹھیرایا ہے تاکہ وہ (اور اس کی نسل) اقامتِ صلوٰۃ کا فریضہ سرانجام دیں لہذا لوگوں کے دل ان کی طرف مائل فرمادے اور ان کو پھلوں والا رزق عطا فرماتا کہ وہ شکر گزار بنیں۔ اے ہمارے پروردگار! تو جانتا ہے جو بھی ہم چھپائیں یا ظاہر کریں اور حقیقت یہ ہے کہ آسمان وزمین کی کوئی چیز اللہ پر مخفی نہیں۔ اللہ کا شکر ہے جس نے مجھے اس بڑھاپے میں اسماعیل اور اسحاق عطا فرمائے۔ بلاشبہ میرا رب خوب دعائیں سننے والا ہے۔ اے میرے رب کریم! مجھے نماز کا پابند بنا اور میری اولاد کو بھی۔ اے ہمارے پروردگار! میری دعائیں قبول فرما۔ اے ہمارے پالنہار! جس دن حساب کتاب ہوگا مجھے میرے ماں باپ اور ایمان لانے والوں کو معاف فرمادینا۔“ (ابراہیم: 35/14... 41)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَقَدْ جَاءَتْ رُسُلُنَا إِبْرَاهِيمَ بِالْبُشْرَى قَالُوا سَلَامًا قَالِ سَلَامٌ فَمَا لَبِثَ أَنْ جَاءَ بِعِجْلٍ حَنِيذٍ ۝
فَلَمَّا رَأَىٰ أَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ إِلَيْهِ نَكِرَهُمْ وَأَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيفَةً قَالُوا لَا تَخَفْ إِنَّا أُرْسِلْنَا إِلَىٰ قَوْمٍ لُّوطٍ ۝
وَأَمْرَأَتُهُ قَائِمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنَاهَا بِإِسْحَقَ وَمِنْ وَرَاءِ إِسْحَقَ يَعْقُوبَ ۝ قَالَتْ يَوُاسُّنِي ۚ أَلِدُ وَأَنَا
عَجُوزٌ وَهَذَا بَعْلِي شَيْخًا إِنَّ هَذَا لَشَيْءٌ عَجِيبٌ ۝ قَالُوا أَتَعْجَبِينَ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ رَحِمْتُ اللَّهُ وَبَرَكْتُهُ عَلَيْكُمْ
أَهْلَ الْبَيْتِ إِنَّهُ حَمِيدٌ مَجِيدٌ ۝ فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ إِبْرَاهِيمَ الرَّوْعُ وَجَاءَتْهُ الْبُشْرَى يُجَادِلُنَا فِي قَوْمِ
لُّوطٍ ۝ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَحَلِيمٌ أَوَّاهٌ مُنِيبٌ ۝ يَا إِبْرَاهِيمُ أَعْرِضْ عَنْ هَذَا إِنَّهُ قَدْ جَاءَ أَمْرُ رَبِّكَ وَإِنَّهُمْ
لِآتِيهِمْ عَذَابٌ غَيْرُ مَرْدُودٍ ۝

”بلاشبہ ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے ابراہیم کے پاس خوشخبری لے کر آئے اور سلام کہا۔ ابراہیم نے جوابی سلام کہا اور تھوڑی دیر بعد ایک بھنا ہوا پگھڑا لے آیا لیکن جب دیکھا کہ ان کے ہاتھ کھانے کی طرف نہیں بڑھ رہے تو انہیں دشمن سمجھا اور خوف زدہ ہوا۔ وہ کہنے لگے: ”مت گھبرائیے۔ ہمیں تو حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کو ہلاک کرنے کے لیے بھیجا گیا ہے۔“ ابراہیم علیہ السلام کی بیوی (پاس) کھڑی تھی وہ ہنس دی۔ ہم نے (ہمارے فرشتوں نے) اسے اسحاق اور اس کے بعد یعقوب کی خوشخبری دی۔

وہ کہنے لگی: ”ہائے افسوس! کیا میں اس بڑھاپے میں بچہ جنوں گی جبکہ میرا یہ خاوند بھی بوڑھا ہو چکا ہے؟ بلاشبہ یہ عجیب بات ہوگی۔“ فرشتے کہنے لگے: ”کیا تو اللہ کے فیصلے پر تعجب کرتی ہے؟“
نبی کے گھر والو! ”تم پر اللہ تعالیٰ کی رحمت اور برکتیں ہوں۔ بلاشبہ وہ قابل تعریف اور بڑی شان والا ہے۔“ جب ابراہیم سے گھبراہٹ دور ہوئی اور خوشخبری سن چکا تو قوم لوط کے بارے میں فرشتوں سے بحث کرنے لگا۔ بلاشبہ ابراہیم بہت نرم دل اللہ کے ڈر سے رونے والا اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والا تھا۔ (فرشتوں نے کہا) جناب ابراہیم! اس بحث کو چھوڑیے آپ کے رب کا حکم آچکا ہے۔ ان پر بہر صورت عذاب آکر رہے گا رکے گا نہیں۔“
(ہود: 69/11...76)

حضرت ابراہیم علیہ السلام جنوبی عراق میں پیدا ہوئے اور کلدانی شہر اور میں رہے۔ آپ کے والد کا نام آزر بن ناحور تھا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ دراصل آپ کا چچا تھا اور عرب لوگ چچا کو باپ کہہ لیا کرتے تھے۔ کوفے کے علاقے کی ایک بستی کٹوئی سے تعلق رکھتے تھے۔ کٹوئی، بابل یا وریکا میں پیدا ہوئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں جلانے کا واقعہ کٹوئی ہی میں ہوا۔ اس جلانے والے ہنگامہ کے فرو ہونے کے بعد جزیرہ کے شمالی علاقے حوران میں چلے گئے پھر وہاں سے فلسطین چلے گئے۔ آپ کے ساتھ آپ کی بیوی سارہ اور بھتیجا لوط علیہ السلام بھی تھے۔ حضرت لوط علیہ السلام کے ساتھ ان کی بیوی بھی تھیں۔ پھر قحط سالی کی بنا پر چرواہے بادشاہوں (ہیکسوس) کے دور میں مصر منتقل ہو گئے۔

پھر حضرت لوط علیہ السلام کے ساتھ جنوبی فلسطین میں لوٹ آئے اور محبت اور رشتہ داری قائم رکھتے ہوئے الگ الگ رہائش رکھی تاکہ ہر ایک کو اپنے مویشیوں کے لیے گھاس اور پانی مل سکے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام برصغیر میں اور حضرت لوط علیہ السلام بحیرہ مردار کے جنوب میں رہنے لگے جسے بحیرہ لوط کہا جاتا ہے۔

پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی دوسری زوجہ محترمہ ہاجرہ کے ساتھ مکہ مکرمہ گئے۔ ان کے ساتھ ان کے شیر خوار حضرت اسماعیل علیہ السلام بھی تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام تو ان دونوں کو اس بے آب و گیاہ وادی میں ٹھہرا کر واپس چلے گئے۔ پھر وہاں زمزم کا چشمہ پھوٹ پڑا اور کداء کے راستے سے بنو جرہم آکر وہاں آباد ہو گئے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام فلسطین کے شہر الخلیل (حبرون) میں فوت ہوئے اور وہیں دفن ہوئے۔
مؤرخین نے عربوں کو دو بڑی قسموں میں تقسیم کیا ہے:

عرب بائکہ: یہ وہ ہیں جو کینتاتباہ و برباد ہو گئے اور ان کے نشانات تک مٹ گئے۔ مثلاً: عاد، ثمود، جدیس، اور اولین جرہم۔
عرب باقیہ: غلطی سے مؤرخین نے ان کی دو بڑی شاخیں بنائی ہیں:

① ”عرب عاربہ“ یہ خطائی ہیں ان کا اصلی وطن علاقہ یمن تھا۔ ان کے مشہور قبیلے دو تھے۔ جرہم اور یعرُب۔ یعرُب سے بے شمار قبیلے اور خاندان پھیلے جن کی دو بڑی نسلیں تھیں۔ کھلان اور حمیر۔ کھلان کے مشہور قبیلے ازد..... اوس اور خزرج ان میں سے ہیں..... اولاد جفہ..... جنہیں غسانی کہا جاتا تھا..... طسی، مذحج، نضع، عنس، ہمدان، کندہ اور لخم ہیں۔ حمیر کے مشہور قبیلے قضاغہ..... بللی اور جُھینہ اسی قبیلے کی شاخیں ہیں..... کلب اور بھراء ہیں۔

② عرب مُستعربہ (یامتعربہ): یہ عدنان کی نسل سے ہیں۔ بعض مؤرخین نے کہا ہے کہ ان کو مستعربہ اس لیے کہا گیا کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام سریانی زبان بولتے تھے..... جب بنو جرہم جو کہ خطائی تھے مکہ مکرمہ آکر ان کے ساتھ رہنے لگے تو حضرت اسماعیل کی شادی ان کی کسی عورت کے ساتھ ہوئی اور حضرت اسماعیل اور ان کے بیٹوں نے عربی زبان سیکھ لی اس لیے ان کو عرب مستعربہ (بعد میں عرب بننے والے) کہا گیا جبکہ عرب عاربہ کا معنی اصل عرب ہے۔ اکثر عرب اسی قسم میں شامل ہیں۔ شہری بھی اور بدوی بھی جو شہ جزیرہ عرب اور حجاز و شام کے علاقوں میں رہتے ہیں۔ مآرب کا بند ٹوٹنے کے بعد یمن کے عرب بھی آخر کار انہی کے ساتھ خلط ملط ہو گئے۔

عدنان کی اولاد میں اہم شخصیت معدّ کی ہے۔ انہی سے عدنان کی پوری نسل چلی۔ معدّ کے چار بیٹے تھے ایاد، نزار، قصص اور انمار۔ عرب کے دو بڑے قبیلے ربیعہ اور مضر نزار کی نسل سے ہیں۔ قبیلہ ربیعہ کی رہائش نجد کے علاقوں سے لے کر تہامہ کے نشیبی علاقوں تک تھی اور قبیلہ مضر حجاز میں پھیل گیا۔ اس کی نسل بہت بڑھی اور پھیلی پھولی حتیٰ کہ انہوں نے نجد وغیرہ کے بہت سے علاقوں پر بھی قبضہ کر لیا اور آخر کار مکہ مکرمہ میں حرم کی سیادت کا شرف انہیں ہی حاصل ہوا۔

مضر کی دو بڑی شاخیں بنیں، قیس عیلان اور الیاس۔ قیس عیلان کے قبائل ہوازن، سُلمیہ اور ثقیف ہیں۔ الیاس کے

تین بیٹے تھے جن سے کثیر قبائل بنے مثلاً: اسلم، خزاعہ، مُزنیہ، تمیم، خزیمہ، ہون، اسد اور کنانہ۔ کنانہ کی اولاد میں نصر اہم شخصیت ہیں اور نصر کی اولاد میں سے مالک اور مالک کی اولاد میں سے فہر اہمیت رکھتے ہیں۔ فہر ہی کو قریش کہا گیا ہے عرب مستعربہ ایک خود ساختہ کہانی ہے جسے بعض مؤرخین نے ذکر کیا ہے اس لیے میں نے بھی ذکر کر دی۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ حضرت ابراہیم اور ان کے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کا دور خالص عربی دور ہے جو عربیت میں کسی کا محتاج نہیں تھا۔ اور اس کا سُریان یا یہود سے کوئی تعلق نہ تھا۔ اور وہ اب بھی علمی لحاظ سے ابراہیم علیہ السلام کی قوم اور یعقوب (اسرائیل) علیہ السلام کی قوم موسیٰ علیہ السلام کی قوم یہود اور عبرانیوں میں ممتاز ہے۔ چونکہ یہ ایک اہم بات ہے اس لیے ہم اس کی تفصیل بیان کرتے ہیں۔ عبری یا عبرانی کی اصطلاح کا اطلاق دوسری ہزاری قبل مسیح کے زمانے میں جزیرہ عرب کے شمالی علاقے اور صحرائے شام میں رہنے والے عربی قبائل اور اس علاقے کی دوسری عربی اقوام پر کیا جاتا تھا، حتیٰ کہ لفظ ”عبری“ صحرائی اور بدوی کا ہم معنی بن چکا تھا۔ فرعون اور مسماری نوشتوں میں ”اِسْری“ ”ہیسری“ ”خبیرو“ اور ”عبیرو“ کے الفاظ بھی اسی معنی میں استعمال کیے گئے ہیں۔ اس وقت اسرائیلیوں، موسویوں یا یہودیوں کا وجود تک نہ تھا۔

عبری یا عبرانی کا لفظ قرآن مجید میں ایک دفعہ بھی نہیں آیا۔ قرآن مجید میں تو بنی اسرائیل، قوم موسیٰ، یہود یا اَلَّذِیْنَ هَادُوا کے الفاظ آئے ہیں۔ یہودیوں کے لیے ”عبری“ یا عبرانی کی اصطلاح بہت عرصہ بعد حاخاموں نے فلسطین میں استعمال کی۔

آثار قدیمہ کے آخری انکشافات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ”اسرائیل“ فلسطین میں ایک مقام کا نام تھا اور یہ کنعانی نام ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ سے پہلے کے فرعون نوشتوں میں یہ لفظ (اسرائیل) اسی معنی میں استعمال ہوا ہے جیسا کہ انہی نوشتوں میں ابرام (ابراہیم) یعقوب اور یوسف کا بھی ذکر ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اسرائیل کا لفظ بھی کنعانی ہے۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ فلسطین حضرت ابراہیم، ان کے بیٹے اسحاق اور ان کے پوتے یعقوب (اسرائیل) علیہ السلام کا اصل وطن نہیں بلکہ وہ وہاں اجنبی تھے۔ تو رات بھی اس بات کو صراحتاً بیان کرتی ہے۔ کیونکہ یہ حضرات فلسطین کے اصلی باشندوں کنعانیوں کے ساتھ اجنبی کی حیثیت سے رہتے تھے۔ خصوصاً بنو اسرائیل تو سب کے سب حِـرَّان میں پیدا ہوئے اور وہیں پلے بڑھے۔ اور یہ دور اس وقت ختم ہوا جب حضرت یعقوب علیہ السلام کا خاندان ہجرت کر کے مصر چلا گیا اور حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ رہنے لگا۔ حتیٰ کہ مصری ماحول میں گھل مل گیا۔

غرض لفظ ”اسرائیل“ سے مراد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پوتے حضرت یعقوب علیہ السلام اور ان کی نسل ہے۔ ان کا اصلی وطن علاقہ ”حِـرَّان“ ہے جہاں وہ پیدا ہوئے اور بڑھے پھولے۔ باقی رہا فلسطین! تو وہ ان کے لیے اجنبی علاقہ تھا۔ بنو اسرائیل کا وجود سترہویں (۱۷) صدی قبل مسیح میں ہوا۔ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دور تھا۔ اس وقت اس علاقہ میں ایک ہی زبان رائج تھی یعنی ”اصلی زبان“۔ اور یہ وہی زبان تھی جو جزیرہ عرب کے لوگ بولتے تھے۔ اس وقت تک ابھی کنعانی، آرامی اور عَمُورِی لہجے وجود میں نہیں آئے تھے۔ اسی طرح آرامی قبائل کی زبان بھی تھی جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف منسوب تھی اور

فلسطین میں کنعانی اور عموری یہی زبان بولتے تھے اور یہ ”اصلی زبان“ سے انتہائی قریب تھی۔

باقی رہی ”قوم موسیٰ!“ تو..... رائج احتمال کے مطابق..... یہ بھاگے ہوئے لوگ تھے۔ ان کے ساتھ چرواہے بادشاہوں (ہیکسوس) کی باقی ماندہ نسل کے بہت سے لوگ تھے۔ یہ تیرھویں صدی قبل مسیح کی بات ہے۔ یہ لوگ توحید خالص کے قائل و عامل تھے جب کہ یہود کا دین اس سے مختلف ہے، کیونکہ وہ تو اپنے ایک خاص معبود ”یہوہ“ کی عبادت کے داعی ہیں اور اپنے آپ کو ”اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ قوم“ سمجھتے ہیں۔

موسیٰ علیہ السلام کی شریعت اور تعلیم ”ہیروغلوئی“ زبان میں لکھی گئی تھی۔ آج اس زبان کا کوئی پتہ نہیں چلتا۔ پھر ان ”موسویوں“ نے کنعان کی زبان اور ثقافت اپنائی اور موسیٰ علیہ السلام کی شریعت اور تعلیم کو چھوڑ دیا۔ انہی لوگوں کو بعد میں ”یہودی“ کہا گیا۔

یہود کا لفظ یہوذا کی باقی ماندہ نسل پر بولا گیا جن کو بخت نصر گرفتار کر کے 586 ق۔م میں بابل لے گیا۔ ان کا یہ نام یہوذا کی تباہ شدہ حکومت کی مناسبت سے رکھا گیا۔ ان لوگوں نے قید ہونے سے پہلے آرامی لہجہ اختیار کر لیا تھا اور ہمارے سامنے جو موجودہ تورات ہے وہ انہوں نے بابل کی قید کے دوران میں اسی زبان میں لکھی اور مدون کی تھی۔ اور یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے آٹھ سو سال بعد کی بات ہے۔ اسی لیے اس لہجہ کو ”تورات کی آرامی زبان“ کا نام دیا گیا۔ اس کے لیے انہوں نے قدیم آرامی خط استعمال کیا جسے خط ربیع کہا جاتا تھا۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ یہ وہ شریعت نہیں تھی جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل کی گئی، بلکہ اسے ”تورات موسیٰ“ کے مقابلہ میں ”تورات یہود“ کہا جاسکتا ہے۔

ان یہودیوں نے جب تورات کو مدون کیا تو ان کے دو بنیادی مقصد تھے۔ پہلا مقصد تو یہ تھا کہ اپنی تاریخ کو بزرگی کا لبادہ پہنایا جائے اور اپنے آپ کو تمام انسانی نسلوں میں سے بہترین اور اعلیٰ نسل ثابت کیا جائے جسے اللہ تعالیٰ نے بھی باقی قوموں کی بجائے منتخب فرمایا تھا اسی لیے وہ اپنے آپ کو ”شعب مختار“ (اللہ کی پسندیدہ قوم) کہتے تھے۔ اس کے لیے ضروری تھا کہ وہ اپنے آپ کو کسی قدیم مقدس شخصیت کی طرف منسوب کریں اور وہ شخصیت حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے جن کی شہرت ان دنوں چار داگ عالم میں پھیلی ہوئی تھی لہذا یہودیوں نے بڑی مہارت کے ساتھ اپنی تاریخ اپنی خواہشات کے مطابق جوڑی اور اس کو دینی رنگ میں رنگ دیا تاکہ اسے قابل قبول بنایا جاسکے۔ اس طرح انہوں نے اپنی تاریخ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے پوتے حضرت یعقوب علیہ السلام کے ساتھ جوڑ لی اور قوم موسیٰ کی بجائے اپنا نام بنی اسرائیل رکھ لیا حالانکہ وہ حضرت اسرائیل علیہ السلام سے تقریباً چھ سو سال بعد ظہور پذیر ہوئے۔

ان کا دوسرا مقصد یہ تھا کہ فلسطین کو اپنا اصلی وطن ظاہر کیا جائے حالانکہ تورات اس بات کی بتا کید صراحت کرتی ہے کہ فلسطین حضرت ابراہیم، اسحاق اور یعقوب علیہ السلام اور ان کے بیٹوں کا اصلی وطن نہیں بلکہ وہ وہاں اجنبی تھے، خصوصاً حضرت یعقوب (اسرائیل) کے بیٹے تو پیدا ہی ”حز ان“ میں ہوئے اور ان کی نشوونما وہیں ہوئی۔

ثابت ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام عربی آرامی قبائل کی طرف منسوب ہیں اور ان

قبائل کا وجود اسرائیلیوں، موسویوں اور یہودیوں سے کئی صدیاں پہلے کا تھا، لہذا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا زمانہ خالص عربی زمانہ تھا جس کا یہودیوں کے زمانے سے کوئی تعلق نہیں۔ قرآن مجید نے بھی اس طرف توجہ دلائی ہے۔ **ارشاد باری تعالیٰ ہے:**

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تُحَاجُّونَ فِيْ اِبْرٰهِيْمَ وَمَا اُنْزِلَتْ التَّوْرَةُ وَالْاِنْجِيْلُ اِلَّا مِنْ بَعْدِ هٰذَا اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝۵۰
هَآ اَنْتُمْ هَؤُلَاءِ حَاجَجْتُمْ فِيْمَا لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَاجُّوْنَ فِيْمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۵۱ مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا وَلٰكِنْ كَانَ حَنِيفًا مُّسْلِمًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝۵۲

”اے اہل کتاب! تم ابراہیم کا نام لے کر کیوں جھگڑتے ہو؟ جبکہ تورات و انجیل تو اس کے بہت بعد نازل ہوئی ہیں۔ کیا تمہیں عقل نہیں؟ تم عجیب لوگ ہو! اس چیز کے بارے میں تو جھگڑتے ہی رہتے ہو جس کا تمہیں علم ہے اس چیز کے بارے میں کیوں جھگڑتے ہو جس کا تمہیں سرے سے علم ہی نہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے تم نہیں جانتے۔ سنو! ابراہیم یہودی تھا نہ عیسائی، بلکہ وہ تو خالص مسلمان تھا۔ وہ مشرک بھی نہیں تھا۔“ (آل عمران: 65/3.....67)

باقی رہا سامی اور غیر سامی! تو یہ صرف فرضی نام ہیں۔ اس کی تاریخی لحاظ سے کوئی حقیقت نہیں۔ یہ لفظ ایک جرمن مستشرق اے۔ ایل۔ شلوتس نے گھڑا اور اسے اپنی تصنیف ”فہرس الأدب التوراتی والشرقی“ میں ذکر کیا۔ یہ 1781ء کی بات ہے۔ اس نام کو قبول کرنا یا اس پر خاموشی اختیار کرنا گمراہی اور جہالت ہے اور جھوٹے صہیونی دعووں کی تصدیق کرنے کے مترادف ہے۔ یہودیوں کے تو مخصوص مقاصد ہیں جو اہل علم پر مخفی نہیں۔ نیز ہم ان کا مشاہدہ فی الوقت مغرب (یورپ) میں خصوصاً اور ساری دنیا میں عموماً کرتے رہتے ہیں۔



❁ قصص الأنبياء، الطبري: 134

❁ قصص الأنبياء، النجار: 70

❁ المعجم المفهرس لألفاظ القرآن الكريم: 1

❁ قصص الأنبياء، ابن كثير: 117

❁ قصص الأنبياء، الثعلبي: 74

❁ بلوغ الأرب في معرفة أحوال العرب: 8/1

❁ تاريخ الإسلام: 8/1

❁ دائرة المعارف البريطانية: 379/11 (طبعة 1965م)

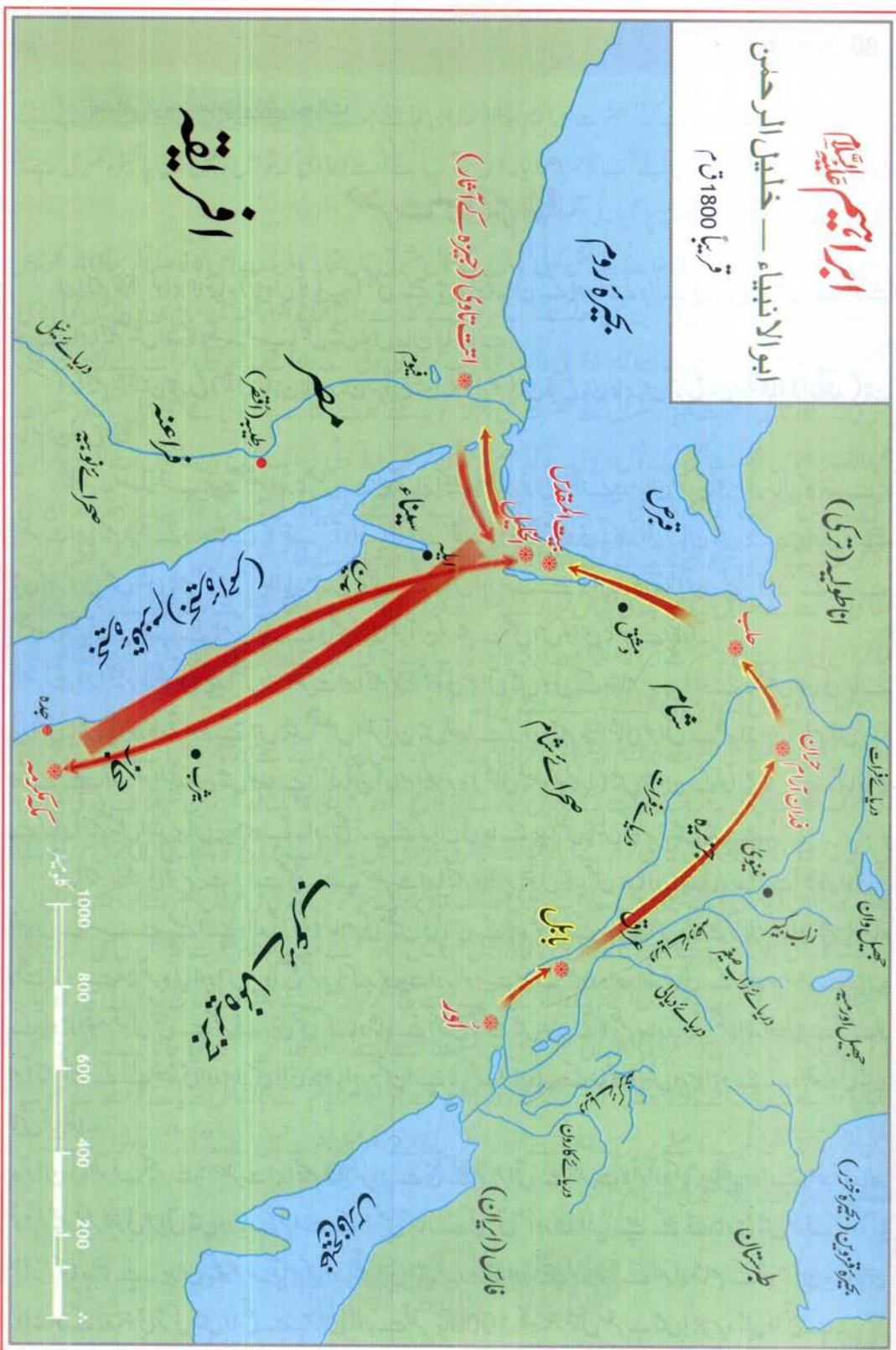
❁ المعجم المفهرس لمعاني القرآن العظيم: 59

❁ مفصل العرب واليهود في التاريخ: 86 وما بعدها

ابراہیم علیہ السلام

ابو الانبیاء — خلیل الرحمن

قریباً 1800 ق م



حضرت ابراہیم علیہ السلام

ابراہیم علیہ السلام کو ابوالانبیاء (نبیوں کا باپ) بھی کہتے ہیں کیونکہ ان کے بعد آنے والے نبی انہی کی نسل سے مبعوث ہوئے۔ ابراہیم خلیل اللہ کا سلسلہ نسب بائبل میں یوں بیان کیا گیا ہے:

ابراہیم علیہ السلام بن تارخ (آزر) بن ناحور بن سروج بن رعو (ارغو) بن فالج بن عابر بن شالح بن ارفکشاڈ (ارفشد) بن سام بن نوح علیہ السلام

لیکن یہ سلسلہ نسب بہت مختصر اور نامکمل ہے کیونکہ ابراہیم علیہ السلام اور نوح علیہ السلام کے درمیان تقریباً 3 ہزار سال کا بعد ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد تارخ کا لقب ”آدار“ یا ”آزر“ تھا۔ ”آدار“ کالدی یا کلدانی زبان میں بڑے پجاری کو کہتے ہیں اور عربی میں یہی نام ”آزر“ کہلایا۔ تارخ چونکہ بت تراش اور سب سے بڑا پجاری تھا اس لیے ”آزر“ کے نام سے مشہور ہو گیا۔ اس لقب نے نام کی جگہ لے لی تھی لہذا قرآن کریم نے بھی اس کو اسی نام سے پکارا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیدائش: حضرت ابراہیم علیہ السلام جنوبی عراق میں کوئی کے مقام پر پیدا ہوئے۔ بعض ان کی جائے پیدائش بابل یا الوركاء قرار دیتے ہیں جبکہ قصص القرآن میں لکھا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام شمالی عراق کے شہر فدان آرام میں پیدا ہوئے تھے۔ اور مجمع البلدان میں لکھا ہے: ”فدان آرام الجزیرہ (شمالی میسوپوٹیمیا) میں حران کے نواح میں ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ابراہیم خلیل اللہ یہاں پیدا ہوئے۔ اور صحیح تریہ ہے کہ ان کی جائے پیدائش بابل کی سرزمین میں ہے۔“

ابراہیم علیہ السلام کی قوم بت پرست تھی۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام پر بتوں کا باطل ہونا اور اللہ کی وحدانیت آشکار ہو گئی تو انہوں نے سب سے پہلے اپنے والد آزر کو اسلام کی تلقین کی اس کے بعد عوام کے سامنے اس دعوت کو عام کیا اور پھر بادشاہ وقت نمرود سے مناظرہ کیا اور اس پر واضح کر دیا کہ ربوبیت اور الوہیت صرف معبود واحد اللہ تعالیٰ کے لیے سزاوار ہے۔ اس کے باوجود قوم قبول حق سے منحرف رہی حتیٰ کہ بادشاہ نے انہیں آگ میں جلانے کا حکم صادر کر دیا مگر اللہ تعالیٰ نے آگ کو ابراہیم علیہ السلام کے لیے ٹھنڈی اور سلامتی والی بنادیا اور دشمن اپنے ناپاک ارادوں کے ساتھ ذلیل و رسوا ہوئے۔ یہ واقعہ کوئی میں پیش آیا تھا۔

حاران کی طرف ہجرت: حضرت ابراہیم علیہ السلام نمرود سے بچ نکلے تو عراق سے ہجرت کا ارادہ کیا چنانچہ وہ اپنے والد آزر اور قوم کو چھوڑ کر جنوبی عراق میں دریائے فرات کے دائیں کنارے کی بستی ”اورکلدانیہ“ چلے گئے جسے تارخ میں صرف ”اور“ یا ”آر“ کہا جاتا ہے۔ یہاں کچھ عرصہ قیام کیا اور پھر اپنی اہلیہ سارہ علیہا اور بھتیجے لوط علیہ السلام کے ہمراہ شام کے شہر حران یا حاران روانہ ہو گئے جو جنوبی ترکی میں واقع ہے۔ حران اور سے تقریباً 1000 کلومیٹر شمال مغرب میں الجزیرہ میں واقع ہے۔

ابن عیینہ سے روایت ہے کہ ”حضرت ابراہیم علیہ السلام (حاران جاتے ہوئے) قادسیہ سے گزرے اور اسے شاداب پایا۔ یہاں انہیں ایک بڑھیا ملی جس نے آپ کا سر دھو دیا۔ اس پر آپ نے اسے دعا دی کہ تو اس زمین میں پاکیزہ ٹھہری ہے۔ اسی وجہ سے اس قبے کا نام قادسیہ پڑ گیا۔ (معجم البلدان جلد 4)

کوٹی: حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جائے پیدائش کوٹی، بابل کے شمال مشرق میں تھا۔ بابل سے اس کا فاصلہ تقریباً 40 کلومیٹر بنتا ہے۔ معجم البلدان میں کوٹی کی ذیل میں لکھا ہے: ”یہ نہر کوٹی کے کنارے واقع تھا جو بنو ارفخشہ بن سام بن نوح میں کوٹی نامی شخص سے موسوم تھی۔ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی والدہ بونا بنت کرنبا بن کوٹی کے دادا تھے۔ نہر کوٹی فرات سے نکالی گئی پہلی نہر تھی۔ مشہور تابعی حضرت عبیدہ سلمانی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ”ہم کوٹی کے نبی ہیں۔“ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی ایک قول مروی ہے کہ ”ہم خاندان قریش، نبط کوٹی کی ایک شاخ ہیں۔“ اس سے ان کی مراد یہ تھی کہ قریش، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے ہیں جو کہ کوٹی کے نبی تھے۔ عہد فاروقی میں فتح قادسیہ کے بعد سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے حکم پر زہرہ بن جویہ نے کوٹی کے تاریخی شہر پر حملہ کیا اور وہاں کے حاکم شہر یار کو قتل کر کے شہر پر قبضہ کر لیا۔ مقامی روایت کے مطابق یہ وہی جگہ تھی جہاں عمرو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو قید کیا تھا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے بابل سے کوٹی جا کر اس کی زیارت کی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر درود بھیجا اور پھر یہ آیت پڑھی: ﴿وَتِلْكَ الْأَيَّامُ نَدَاؤُهَا بَيْنَ النَّاسِ﴾ ”ہم زمانے کو لوگوں کے درمیان ادلتے بدلتے رہتے ہیں۔“

اور: بابل کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام جنوبی عراق کے شہر ”اور“ میں پیدا ہوئے تھے اور پھر وہیں سے آپ نے حاران کی طرف ہجرت کی تھی۔ دریائے فرات کے دائیں کنارے پر واقع ”اور“ عراق کا ایک قدیم ترین شہر تھا جسے چوتھی ہزاری ق م (4000 B.C.) میں سیمیری قوم نے آباد کیا تھا۔ تیسری ہزاری میں یہ شہر اپنے عروج کو پہنچا۔ 2000 ق م کے لگ بھگ خوزستان (فارس) کے عیلامیوں نے اسے بڑی حد تک تباہ کر دیا۔ سترھویں صدی ق م میں حضرت ابراہیم علیہ السلام یہاں آئے۔ کلدانی بادشاہوں کے عہد (626 ق م تا 539 ق م) میں ”اور“ نے ایک بار پھر شہرت حاصل کی حتیٰ کہ ایرانی شہنشاہ کوروش کبیر (خوس یا سارس اعظم یا ذوالقرنین) نے اسے فتح کر لیا۔ اس کے بعد اور بتدریج زوال کی نذر ہو گیا۔ (آکسفورڈ انگلش ریفرنس ڈکشنری) کلدانی حکمرانوں کی نسبت سے اسے ”اور کلدانیہ“ بھی کہا جاتا ہے۔ انگریز محقق لیونارڈ وولے نے 1922-34ء میں ”اور“ کے کھنڈر دریافت کیے جو الاناصریہ شہر کے بالمقابل دریائے فرات کے جنوب میں تقریباً بیس کلومیٹر کے فاصلے پر ہیں۔ بابل سے ”اور“ تقریباً 225 کلومیٹر جنوب میں ہے۔ ”اور“ ان دنوں قسطنطنیہ کے مَقَرِّ کہلاتا ہے۔ (المعجم فی الاعلام)



حضرت ابراہیم علیہ السلام کا سفر ہجرت اور مقامات

بابل: یہ تاریخی شہر وسطی عراق میں دریائے فرات کے مشرقی کنارے پر آباد تھا۔ اس کے کھنڈر الحلہ نامی شہر کے شمال میں ملتے ہیں۔ اسے سمری قوم نے آباد کیا تھا۔ 2000 ق م کے لگ بھگ بابل کی پہلی سلطنت پھلی پھولی۔ یہیں نمرود رملیس حکمران تھا جس کے حکم پر ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا۔ حمورابی (1711 تا 1669 ق م) بابل کا عظیم حکمران تھا جس نے تاریخ میں پہلی بار ایک باقاعدہ آئین نافذ کیا۔ بابل کی کلدانی سلطنت 626 تا 539 ق م کے دوران پروان چڑھی جس کا مشہور ترین بادشاہ بخت نصر تھا جس نے 586 ق م میں ہیکل سلیمانی مسمار کیا تھا۔ اس سے پہلے سخراب اشوری نے 689 ق م میں بابل کو تباہ کیا تھا۔ شاہ فارس کوروش کبیر (ذوالقرنین) نے 539 ق م میں بابل پر قبضہ کیا۔ اور سکندر اعظم یونانی نے 331 ق م میں بابل فتح کیا اور یہیں 323 ق م میں سکندر کی وفات ہوئی۔

بابل قدیم زمانے کا غالباً واحد شہر ہے جسے ہو بہو از سر نو تعمیر کیا گیا ہے۔ شہر کی فیصل بنا کر اس کے وسط میں عشتار گیٹ بنایا گیا ہے۔ یہاں تیس چالیس فٹ لگی کے دونوں طرف تین چار منزلہ مکانات تعمیر کیے گئے ہیں اور ایسے معلوم ہوتا ہے جیسے ایک مکعب کمرے کے اوپر دوسرا مکعب کمرہ رکھا ہوا ہو۔ گویا ملک سبا کی طرح بابل کے مکانات بھی مکعب شکل کے ہوتے تھے، یعنی ان کی لمبائی، چوڑائی اور اونچائی برابر ہوتی تھی۔ بابل میں بخت نصر نے 600 ق م کے لگ بھگ معلق باغات تعمیر کیے تھے جو قدیم دنیا کے سات عجائبات میں شمار ہوتے ہیں۔

حاران: یہ شہر جنوبی ترکی میں شام کی سرحد کے قریب بلخ دریا پر واقع ہے جو دریائے فرات کا معاون ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور سے ہجرت کر کے حران (یا حاران) چلے آئے تھے۔ حضرت سارہ اور حضرت لوط علیہ السلام اور ان کی اہلیہ ابراہیم علیہ السلام کے ہمراہ تھے اور ایک مدت یہاں قیام کے بعد انہوں نے حلب کی راہ لی تھی۔ عہد فاروقی میں عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں حران فتح ہوا۔ مشہور طبیب ثابت بن قرہ اور مفسر قرآن ابو جعفر الخازن کا تعلق حران سے تھا۔ آج کل حران کی آبادی دس بارہ ہزار ہے۔ جغرافیائی لحاظ سے حران، الجوزیرہ (دجلہ و فرات کا درمیانی علاقہ) میں واقع ہے۔ اس کا نام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھائی ہاران (حاران) کے نام پر رکھا گیا تھا جس نے اس کی بنیاد رکھی تھی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ طوفان نوح کے بعد سب سے پہلے جو شہر بسا وہ حران تھا۔ (معجم البلدان)

حلب: شمالی شام کا یہ تاریخی شہر یورپی زبانوں میں الیپو (Aleppo) کہلاتا ہے۔ یہ حران سے تقریباً 300 کلومیٹر کے فاصلے پر دمشق جانے والی شاہراہ پر واقع ہے۔ اس کی آبادی 13 لاکھ سے زائد ہے۔ معجم البلدان کے مطابق ”اس کا نام حلب (دودھ) اس لیے رکھا گیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام یہاں قیام کے دوران بھیڑ بکریاں دوہا کرتے اور دودھ فقیروں میں

بانٹ دیتے تھے تب فقراء ”حلب“ حلب کے قلعے میں آج بھی دو مقامات حضرت ابراہیم علیہ السلام سے منسوب ہیں جن کی زیارت کی جاتی ہے۔ قلعہ حلب میں ایک صندوق میں حضرت یحییٰ بن زکریا علیہ السلام کے سر کا ایک حصہ دفن ہے۔ حلب حضرت عیاض بن غنم فہری رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں فتح ہوا۔ باب الجنان کے پاس مبینہ طور پر مشہد علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہے جس کی نشاندہی کسی کو خواب میں کرائی گئی تھی۔ باب الیہود کے پاس ایک پتھر ہے جو مسلمانوں، یہودیوں اور عیسائیوں سب کے لیے زیارت گاہ ہے اور کہا جاتا ہے کہ اس کے نیچے بعض انبیاء کی قبریں ہیں۔“

فلسطین: اس خطہ زمین کے شمال میں لبنان، شمال مشرق میں شام، مشرق میں اردن اور بحیرہ مردار، مغرب میں بحیرہ روم، جنوب میں خلیج عقبہ اور جنوب مغرب میں صحرائے سیناء (مصر) واقع ہیں۔ دریائے اردن فلسطین اور اردن کے مابین حد فاصل ہے۔ ماضی میں فلسطین شام کا ایک حصہ ہوتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اس کا نام فلسطین بن سام بن ارم بن سام بن نوح علیہ السلام کے نام پر رکھا گیا۔ (مجم البلدان) جبکہ کتاب ابن الفقیہ میں لکھا ہے کہ یہ فلسطین بن کسلوخم بن صدیق بن کنعان بن حام بن نوح علیہ السلام کے نام سے موسوم ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ فلسطی قوم 13 ویں صدی ق م میں اناطولیہ یا جزیرہ کریٹ سے آکر بحیرہ روم کے ساحل پر عسقلان اور غزہ کے درمیان آباد ہوئی۔ انہوں نے کنعانیوں کو نکال باہر کیا جو 3000 ق م سے یہاں آباد تھے۔ فلسطینیوں کے نام پر اس علاقے کو فلسطین کہا جانے لگا جبکہ پہلے یہ کنعان کہلاتا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام 1800 ق م کے لگ بھگ فلسطین میں وارد ہوئے۔

فلسطین کا زیادہ تر علاقہ پہاڑی ہے اور میدانی کم۔ اس کے ساحلی شہروں میں عکا، حیفا، قیساریہ اور تل ایبیب یا فافا شامل ہیں۔ ماضی کے فلسطینی شہر یا فافا کا نام اب تل ایبیب یا فافا ہے۔ بیت المقدس یا القدس فلسطین کے وسط میں واقع ہے جو مسلمانوں، عیسائیوں اور یہودیوں تینوں کے نزدیک مقدس ہے۔ دیگر مشہور شہر الخلیل، نابلس، جنین، رام اللہ، رملہ، ناصرہ، لد، اریحا، بیت اللحم، بر سبع، غزہ، بیت جبرین، خان یولس اور عسقلان ہیں۔ عسقلان حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کا شہر ہے۔ بیت اللحم میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تھے اور اریحا (جریکو) کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ دنیا کا قدیم ترین مسلسل آباد شہر ہے جو تقریباً سات ہزار سال سے آباد ہے۔

فلسطین کا علاقہ زیادہ تر پہاڑی ہے، ان میں جبال الخلیل، جبال کرمل، جبال نابلس اور جبال الجلیل مشہور ہیں۔ یہاں رومی خطے کے پھل بکثرت ہوتے ہیں۔ جنوب کے علاقے میں صحرائے نقب ہے۔ فلسطین کا جنوبی گوشہ خلیج عقبہ سے جا لگتا ہے جہاں اسرائیلی بندرگاہ ایلات اردنی بندرگاہ عقبہ کے بالمقابل واقع ہے۔ بحیرہ مردار (میت) دنیا کا پست ترین مقام ہے جو عالمی سطح سمندر سے 1200 فٹ نیچے ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام حاران سے حلب کے راستے فلسطین پہنچے تھے۔ یہاں وہ جبل بیت المقدس پر مقیم رہے۔ پھر مصر تشریف لے گئے تھے اور ایک عرصے بعد فلسطین لوٹ آئے اور بر سبع میں قیام فرمایا۔ اس ہجرت کے دوران میں حضرت لوط علیہ السلام بھی ان کے ہمراہ تھے۔ تاریخی طور پر اردن کا دار الحکومت عمان بھی فلسطین میں شمار ہوتا ہے۔

فلسطین میں دسویں صدی قبل مسیح میں حضرت داود اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی سلطنت قائم ہوئی تھی جو 930 ق م میں ”اسرائیل“ اور ”یہودیہ“ دو سلطنتوں میں بٹ گئی۔ ”اسرائیل“ کو 721 ق م میں اشوریوں نے اور یہودیہ کو 586 ق م میں بخت نصر نے تباہ کر دیا۔ یوں مختلف زمانوں میں فلسطین پر مصری، اشوری، کلدانی (بابلی)، ایرانی، یونانی اور رومی حکمران رہے حتیٰ کہ 634ء میں خلیفہ ثانی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں مسلمانوں نے حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کی قیادت میں فلسطین فتح کر لیا۔ 1197-1098ء کے دوران یورپی صلیبی فلسطین پر قابض رہے۔ 1516ء سے 1918ء تک فلسطین عثمانی ترک سلطنت میں شامل رہا۔ پہلی جنگ عظیم کے دوران برطانویوں نے اس پر تسلط جمالیایا اور پھر ایک سازش کے تحت یہودیوں کو غاصبانہ طور پر یہاں لایا جن کے آباؤ اجداد کو 1780 سال پہلے بت پرست رومی شہنشاہ ہیڈرین نے جلاوطن کر دیا تھا۔ آخر کار برطانوی اور امریکی سرپرستی میں صہیونی یہودی مئی 1948ء میں فلسطین میں اسرائیل کے نام سے اپنی مملکت قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ اس سے پہلے اقوام متحدہ نے دھاندلی سے کام لیتے ہوئے فلسطین کو مسلمانوں اور یہودیوں میں تقسیم کر دیا تھا مگر اسرائیلیوں نے تین چار جنگوں میں اسرائیل کو وسعت دے کر پورے فلسطین پر تسلط جمالیایا جبکہ 40 لاکھ سے زائد مسلمان جنہیں یہودیوں نے دہشت گردی کے ذریعے سے ان کے گھروں سے نکال دیا، کیمپوں میں تکلیف دہ زندگی بسر کرنے پر مجبور ہیں۔

فلسطین کا رقبہ 27 ہزار مربع کلومیٹر ہے۔ اقوام متحدہ نے نومبر 1947ء میں فلسطین کا 55 فیصد علاقہ سوا چھ لاکھ یہودیوں کو دے دیا جبکہ 45 فیصد رقبہ ساڑھے بارہ لاکھ فلسطینیوں کے لیے چھوڑا گیا مگر اسرائیل نے 1948ء کی جنگ میں اپنا زیر قبضہ علاقہ 78 فیصد تک بڑھالیا اور بقیہ 22 فیصد (غرب اردن، مشرقی بیت المقدس اور غزہ کی پٹی) جون 1967ء کی جنگ میں ہتھیالیا۔ یوں اب پورا فلسطین یہود کے غاصبانہ تسلط میں ہے۔ 1948ء میں اسرائیل نے تل ابیب (یافا) کو دارالحکومت بنایا تھا مگر اب بیت المقدس (یروشلم) کو دارالحکومت بنا رکھا ہے۔

بیت المقدس: بیت المقدس یا بیت المقدس کو القدس بھی کہتے ہیں۔ یہاں مسلمانوں کا قبلہ اول مسجد اقصیٰ اور قبۃ الصخرہ واقع ہیں۔ اسے یورپی زبانوں میں Jerusalem (یروشلم) اور عبرانی میں اور شلیم کہتے ہیں۔ ”بیت المقدس“ سے مراد ”مبارک گھر“ یا ایسا گھر ہے جس کے ذریعے گناہوں سے پاک ہوا جاتا ہے۔ پہلی صدی ق م میں جب رومیوں نے یروشلم پر قبضہ کیا تو انہوں نے اسے ایلیا کا نام دیا تھا۔ مکہ مکرمہ سے بیت المقدس کا فاصلہ تقریباً 1300 کلومیٹر ہے۔ شہر بیت المقدس 31 درجے 45 دقیقے عرض بلد شمالی اور 35 درجے 13 دقیقے طول بلد مشرقی پر واقع ہے۔ بیت اللحم اور الخلیل اس کے جنوب میں ہیں اور رام اللہ شمال میں ہے۔ بیت المقدس پہاڑوں پر آباد ہے، چنانچہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام یہاں تشریف لائے تو انہوں نے ایک پہاڑی (جبل بیت المقدس) پر قیام کیا تھا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے یہاں مسجد تعمیر کی اور اس جگہ کا نام بیت ایل رکھا جواب بیت المقدس کہلاتا ہے۔ سلیمان علیہ السلام نے مسجد اور شہر کی تعمیر نو کی اس لیے یہودی اس مسجد کو ہیکل سلیمانی کہتے تھے۔ بیت المقدس کی انہیں پہاڑیوں میں سے ایک کا نام کوہ صہیون (Zion) ہے جس کے نام پر

یہودیوں کی عالمی تحریک ”صہیونیت“ کا آغاز ہوا۔ 620ء میں نبی کریم ﷺ حضرت جبریل علیہ السلام کی رہنمائی میں مکہ مکرمہ سے بیت المقدس پہنچے اور پھر معراج آسمانی کے لیے تشریف لے گئے۔ حلب سے القدس تک تقریباً 600 کلومیٹر کا فاصلہ ہے۔ 1187ء-1099ء کے دوران بیت المقدس پر یورپی صلیبیوں کا قبضہ رہا حتیٰ کہ سلطان صلاح الدین ایوبی نے انہیں نکال باہر کیا۔ پہلی جنگ عظیم کے دوران دسمبر 1917ء میں اس پر برطانوی مسلط ہو گئے اور جون 1967ء سے اسرائیلی اس پر قابض ہیں۔

الخلیل: اسے عبرانی اور انگریزی میں حبرون (Hebron) کہتے ہیں۔ الخلیل، بیت المقدس سے 35 کلومیٹر جنوب میں ہے۔ یہ اس وقت بھی آباد تھا جب چار ہزار سال پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام یہاں آئے تھے اور انہی کے لقب الخلیل سے موسوم ہے۔ یہاں ایک غار میں حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسحاق علیہ السلام، حضرت یعقوب علیہ السلام اور حضرت یوسف علیہ السلام کی قبریں ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی قبر بھی اسی غار میں ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے وحی الہی کے مطابق ان انبیائے کرام کی قبروں پر قبہ نما چھت بنا دی۔ حضرت سارہ زوجہ ابراہیم علیہ السلام، ربقہ زوجہ اسحاق علیہ السلام اور ایلیا زوجہ یعقوب علیہ السلام کی قبریں بھی اسی غار کے اندر ہیں۔ تورات میں ہے کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے عفرون بن صوحا حیثی سے زمین کا ایک ٹکڑا چار سو نقرتی درہموں میں خریدا تھا اور اس میں سارہ کو دفن کیا۔ (معجم البلدان)

مصر: شمال مشرقی افریقہ کا یہ ملک بحیرہ روم اور بحیرہ قلزم کے ساحلوں پر واقع ہے۔ مصر کی تقریباً 6 کروڑ آبادی میں سے زیادہ تر وادی نیل میں مرکز ہے۔ مصر کی تاریخ 5000 سال سے زیادہ عرصے پر محیط ہے۔ 3100 ق م کے لگ بھگ بالائی اور زیریں مصر کی بادشاہتیں شاہ مینس کے تحت متحد ہو گئیں جو مصر کے 31 شاہی خاندانوں میں سے پہلے خاندان کا بانی ٹھہرا۔ معجم البلدان کے مطابق مصر کا نام مصر بن مصر ایم بن حام بن نوح علیہ السلام کے نام پر رکھا گیا۔ مصر کی قدیم بادشاہت 2575 تا 2134 ق م میں ابرام تعمیر ہوئے۔ اس کا دار الحکومت ممفس تھا۔ وسطی بادشاہت (2040 تا 1640 ق م) کے زمانے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام مصر گئے تھے۔ پھر ہکسوس (چرواہے) بادشاہوں کے دور میں بنی اسرائیل (یوسف اور ان کے بھائی) مصر پہنچے۔ نئی بادشاہت (1550 تا 1070 ق م) کا دار الحکومت تھیس تھا جہاں تیرہویں صدی ق م میں فرعون (بادشاہ) رمسیس ثانی کے گھر میں حضرت موسیٰ نے پرورش پائی اور اس کے بیٹے فرعون منفتاح نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت کو ٹھکرایا۔ آخر کار منفتاح بحیرہ قلزم میں غرق ہوا اور حضرت موسیٰ بنی اسرائیل کو واپس فلسطین لے آئے۔ مصر پر چوتھی صدی ق م سے یونانی اور پہلی صدی ق م سے رومی حکمران رہے۔ رومی عیسائیوں سے 642ء میں مسلمانوں نے مصر چھین لیا۔ فاتح مصر حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ تھے۔ 969ء سے 1071ء تک مصر فاطمی (عبیدی) خلفاء کے تسلط میں رہا۔ 1517ء میں یہ عثمانی سلطنت کا حصہ بن گیا۔ 1869ء میں نہر سوئز جاری کی گئی جس نے بحیرہ قلزم کو بحیرہ روم سے ملا دیا۔ 1882ء سے 1936ء تک مصر پر برطانیہ کا تسلط رہا حتیٰ کہ اسے آزادی مل گئی۔

ممفس: مصر کا قدیم دار الحکومت ممفس (بابلون) تھا جسے شاہ مینس نے 3100 ق م کے لگ بھگ دار الحکومت بنایا تھا

اگرچہ اس سے بہت پہلے حضرت ادریس علیہ السلام نے اسے بابلین کا نام دیا تھا۔ ممفس کو منف بھی کہتے ہیں۔ یہ مصر کے صوبہ جیزہ میں دریائے نیل کے مغربی کنارے پر واقع ہے اور قاہرہ سے 30 کلومیٹر جنوب میں ہے۔ 1550 ق م میں نئی بادشاہت کا دارالحکومت اگرچہ بالائی مصر میں طیبہ یا تھیس (قاہرہ سے 675 کلومیٹر جنوب میں) منتقل ہو گیا مگر مدتوں ممفس کی مذہبی تجارتی اور جنگی اہمیت برقرار رہی۔ ممفس کے شمال میں جیزہ کے اہرام اور جنوب میں سقارہ کے اہرام الیستادہ ہیں۔

جیزہ: یہ قاہرہ (فسطاط) کے بالمقابل دریائے نیل کے مغربی کنارے پر ممفس کے شمال میں واقع ہے۔ اس کے مغرب میں کچھ فاصلے پر فراعنہ مصر کے مخروطی مقابر (اہرام) اور ابوالہول واقع ہیں۔ جیزہ صوبائی صدر مقام ہے اور اس کی آبادی 13 لاکھ سے زائد ہے۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے فتح اسکندریہ سے واپس آ کر لشکر کا ایک حصہ جیزہ میں تعینات کیا تھا اور پھر اس کے بالمقابل دریا پار فسطاط شہر آباد کیا تھا۔

مصر اور مصر المجدیدہ: مصر اگرچہ بطور ملک ہی مشہور رہا ہے مگر مشہور مستشرق بلگر کی رائے میں کم از کم رومی شہنشاہ ڈائمیو کلیٹین (284ء تا 305ء) کے عہد میں دریائے نیل کے دائیں کنارے پر بعد کے بابلین کے جنوب میں ”مصر“ نامی شہر آباد تھا تاہم مسلمانوں کی فتح مصر کے وقت کسی شہر کا نام مصر نہ تھا اگرچہ ساتویں صدی عیسوی کے آخری حصے میں بابلین اور حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے بنا کردہ شہر فسطاط میں سے کسی ایک یا دونوں پر مصر (شہر) کا اطلاق ہونے لگا حتیٰ کہ دسویں صدی عیسوی میں جب قاہرہ آباد ہوا تو اسے مصر القاہرہ کہنے لگے اور فسطاط کو مصر القدیمہ کہا جانے لگا۔ مقریزی اور مسعودی نے فسطاط مصر (شہر) کو ارض مصر (ملک) سے ممتاز کیا ہے۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد 21)

جہاں آج قاہرہ ہے وہاں عہد اسلام سے پہلے دریائے نیل کے مشرقی کنارے پر اُمّ دُنین نامی قلعہ اور شہر تھا۔ یہی بعد میں مقس کہلایا۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے 20ھ میں اسے فتح کر کے قلعے کے باہر جہاں اپنا خیمہ (فسطاط) نصب کیا تھا وہیں فسطاط نامی شہر آباد کر کے اسے خلافت اسلامیہ کے صوبے مصر کا دارالحکومت بنایا۔ فسطاط ان دنوں قاہرہ کے اندر واقع ہے جہاں مسجد عمرو موجود ہے۔ یاد رہے مقس، فسطاط اور قاہرہ نیل کے بائیں یعنی مشرقی کنارے پر آباد ہوئے جبکہ بابلین یا جیزہ دریا کے دائیں یعنی مغربی کنارے پر آباد تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام جب مصر گئے ان دنوں بابلین ہی مصر کا دارالحکومت تھا۔

مصر المجدیدہ قاہرہ سے آٹھ دس کلومیٹر شمال مشرق میں واقع ہے جہاں سے دریائے نیل کا ڈیلٹا شروع ہوتا ہے۔ ماضی قدیم میں اسے ہیلیو پولس کہا جاتا تھا۔ یہ یونانی نام ہے جس کے معنی ہیں ”سورج کا شہر“ کیونکہ یہاں ”سورج دیوتا“ کا مندر تھا۔ ہیلیو پولس کو اب عین شمس کہا جاتا ہے اور یہ مصر المجدیدہ کا ایک حصہ ہے۔ یہاں قدیم دور کے ستون ہیں جنہیں ”قلو پطرہ کی سونیاں“ کہا جاتا ہے۔ بیت المقدس سے عین الشمس کا فاصلہ تقریباً 450 کلومیٹر بنتا ہے۔ مصر المجدیدہ کی آبادی 5 لاکھ سے زیادہ ہے۔

بئر سبع: مصر سے واپس آ کر حضرت ابراہیم علیہ السلام جنوبی فلسطین کے شہر بئر سبع میں مقیم رہے جو غزہ کے پٹی کی شہر رخ سے

پچاس کلومیٹر مشرق میں واقع ہے۔ الخلیل سے اس کا فاصلہ تقریباً 50 کلومیٹر اور القدس سے 75 کلومیٹر ہے۔ یہاں سات کنویں تھے لہذا یہ نام رکھا گیا۔ ابن اعرابی کے قول کے مطابق اس جگہ روز قیامت حشر برپا ہوگا۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ مصر کی حکومت سے واپس آ کر یہاں مقیم رہے اور کہا جاتا ہے کہ عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے یہیں وفات پائی۔ ان دنوں برصغیر اسرائیل کا اہم فوجی مرکز ہے اور اسے انگریزی میں بیرشبیہ (Beersheba) لکھا جاتا ہے۔

بحیرہ میت: عربی میں البحر المیت اور اسے اردو میں بحیرہ مردار کہا جاتا ہے۔ یہ دراصل نمکین پانی کی جھیل ہے۔ اس کے مشرق میں اردن ہے اور مغرب میں غرب اردن اور اسرائیل واقع ہیں۔ لبنان کے پہاڑوں سے آنے والے دریائے اردن اور اس کے معاونوں دریائے یرموک اور دریائے زرقاء کا پانی بحیرہ مردار میں گرتا ہے۔ وادی العربیہ وادی الحما وادی الموجب اور وادی زرقا معین نامی ندیاں جنوب اور مشرق سے آ کر اس میں گرتی ہیں۔ اس کا رقبہ 1000 مربع کلومیٹر اور زیادہ سے زیادہ گہرائی 40 میٹر ہے۔ بحیرہ میت چونکہ ایک بند جھیل ہے لہذا ان دریاؤں اور ندیوں کے ساتھ آنے والے نمک کے باعث اس کی نمکینی بہت بڑھی ہوئی ہے چنانچہ کوئی جاندار اس بحیرے کے پانی میں زندہ نہیں رہ سکتا۔ بحیرہ میت کی ایک خاص بات یہ ہے کہ یہ سطح ارض پر سب سے زیادہ نشیب میں واقع ہے اور اس کی سطح عالمی سمندر کی سطح سے 400 میٹر نیچے ہے۔ یاد رہے دنیا کے تمام سمندر ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں اور یوں اس عالمی سمندر کی سطح کو سطح سمندر کہا جاتا ہے۔

قوم لوط اور شہر سدوم: حضرت لوط علیہ السلام مصر سے واپس آ کر بحیرہ میت کے جنوب میں سدوم شہر میں مقیم ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اہل سدوم کی طرف نبی مبعوث کیا مگر وہ قوم اپنی مخصوص علت ”اغلام بازی“ سے باز نہ آئی اور پھر اس پر پتھروں کا عذاب نازل ہوا اور وہ تباہ ہو گئی۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی تفہیم القرآن جلد دوم میں لکھتے ہیں: ”یہ قوم اس علاقے میں رہتی تھی جسے آج شرق اردن (موجودہ اردن) کہا جاتا ہے اور عراق و فلسطین کے درمیان واقع ہے۔ بابل میں اس قوم کے صدر مقام کا نام سدوم بتایا گیا ہے جو یا تو بحیرہ مردار کے قریب کسی جگہ واقع تھا یا اس میں غرق ہو چکا ہے۔ تلمود میں لکھا ہے کہ ان کے چار بڑے شہر اور بھی تھے..... اب صرف بحیرہ مردار ہی اس قوم کی ایک یادگار باقی رہ گیا ہے جسے آج تک بحیرہ لوط کہا جاتا ہے۔“

مکہ مکرمہ: یہ حجاز (سعودی عرب) میں واقع ہے اور بیت اللہ کے حوالے سے مسلمانوں کا مقدس ترین مقام ہے۔ بقول سید سلیمان ندوی یہ مقدس شہر ایک مرد ضعیف (ابراہیم علیہ السلام) کا بنا کردہ ایک نوجوان پیغمبر (اسماعیل علیہ السلام) کی ہجرت گاہ اور ایک یتیم نبی (محمد ﷺ) کی جائے ولادت ہے۔ ”مکہ سطح سمندر سے تقریباً 330 میٹر بلند ہے۔ ابتداء شہر شرقاً غرباً تقریباً 3 کلومیٹر لمبا اور شمالاً جنوباً ڈیڑھ کلومیٹر چوڑا تھا۔ شہر مکہ کو اس لحاظ سے حرم کہتے ہیں کہ یہ حرمت اور عزت والا مقام ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ڈھائی ہزار برس پہلے یہ مقام تجارتی قافلوں کی ایک منزل گاہ تھا۔ سترھویں صدی ق م میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اہلیہ ہاجرہ اور اپنے فرزند اسماعیل علیہ السلام کو حکم ربی سے یہاں لا کر آباد کیا۔ باپ بیٹے نے اللہ

کے نام پر یہاں ایک عبادت گاہ بنائی جسے کعبہ کہا جانے لگا کیونکہ اس مقدس عمارت کی ساخت مکعب نما ہے۔ عربی میں چھ یکساں پہلوؤں والا پانسا مکعب یا کعبہ کہلاتا ہے۔ فرزند ان اسماعیل علیہ السلام کی اولاد ایک مدت یہاں بالا دست رہی۔ کعبہ کی تولیت انہی کے پاس تھی۔ اس کے بعد قحطانی قبیلے بنو جرہم نے غلبہ حاصل کر لیا اور بنو اسماعیل کو مکہ سے نکال دیا کیونکہ انہوں نے ابھی تک بت پرستی میں بنو جرہم کا ساتھ نہیں دیا تھا۔ پھر صدیوں بعد 440ء میں قُصَی نے جو بنو اسماعیل میں سے عدنان کی پندرہویں پشت میں تھے دوبارہ مکہ پر قبضہ حاصل کر لیا۔ انہوں نے یہاں مشترکہ حکومت کی بنیاد رکھی اور درج ذیل عہدے قائم کیے: (1) رفادہ (2) سقایہ (3) حجابہ (غلاف کعبہ) (4) قیادہ (5) قومی نشان لواء (پرچم) کو بلند رکھنا (6) قومی مجلس جسے ندوہ یا دار الندوہ کہتے تھے۔ (رحمۃ اللعالمین از قاضی محمد سلیمان منصور پوری)

امور مملکت اور حکومتی عہدے ایک ایک شیخ خاندان کے سپرد کیے گئے۔ شہر کے علاوہ بنو اسماعیل شہر کے آس پاس بھی آباد تھے۔ مکہ کے جنوب کی پہاڑیاں قبیلہ ہذیل کا مسکن تھیں۔ جنوب کی طرف وادی القریٰ قدیم قبائل کا مسکن تھی۔ اس کے اطراف میں قبائل کنانہ رہتے تھے۔ مکہ کے پاس جبل حبشی کے دامن میں حبشی قبائل آباد تھے۔

مکہ مکرمہ کے حدود: مکہ کا قدیم اور اصلی نام مکہ ہے جیسا کہ سورہ آل عمران آیت نمبر 96 میں ارشاد باری ہے: ”پہلا متبرک گھر جو لوگوں کے لیے بنایا گیا وہ مکہ میں تھا۔“ یہ شہر تہامہ کے مشرق میں جدہ سے تقریباً 64 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ مکہ مکرمہ کو بلد الامین، ام القریٰ، بیت العتیق اور بیت الحرام بھی کہا جاتا ہے۔ ام القریٰ کی نسبت سے یہاں جامعہ ام القریٰ قائم کی گئی ہے۔ یاقوت حموی ”معجم البلدان“ میں لکھتے ہیں کہ ابتدا میں حرم کعبہ کا نام مکہ تھا بعد میں پورے شہر کو مکہ کہا جانے لگا۔ مکہ معظمہ جغرافیائی لحاظ سے 21 درجہ 38 دقیقہ عرض بلد شمالی اور 40 درجہ 9 دقیقہ طول بلد مشرقی پر واقع ہے۔ سطح سمندر سے اس کی بلندی تقریباً 330 میٹر ہے۔ مکہ وادی ابراہیم میں ہے جو دو پہاڑی سلسلوں کے درمیان ہے۔ شمال میں جبل قُحَیْقَان اور شعب بنی عامر ہیں جنوب میں جبل حدیدہ اور جنوب مغرب میں جبل عمر ہے۔ جنوب میں غار ثور کی سمت جبل کدی ہے۔ مشرق میں شعب ابی طالب اور جبل حرا ہیں جبکہ مشرق میں جبل خندمہ اور شمال مشرق میں جبل ابی قتیس واقع ہیں۔ مکہ معظمہ کا وسط بیت اللہ یعنی خانہ کعبہ ہے اور القشاشیہ، شعب علی (شعب ابی طالب)، الشامیہ اور الشبکیہ کی پہاڑیوں کے درمیان تقریباً 200 میٹر مربع وادی ہے جس کے چاروں جانب اونچے پہاڑ ہیں جن میں اونچے اونچے مکانات ہیں۔

مکہ شہر کے وہ علاقے جو بیت اللہ سے بھی نشیب (گہرائی) میں ہیں، مسفلہ (نشیبی) کہلاتے ہیں اور بلندی والے علاقوں کو المعلیٰ (اونچے) کہا جاتا ہے۔ المعلیٰ کی طرف ہی الحُجُون کا علاقہ ہے۔ 622ء میں جب نبی کریم ﷺ مکہ چھوڑ کر جانے لگے تھے تو آپ ﷺ نے شہر کی جانب رخ کر کے فرمایا تھا: ”اے مکہ! مجھے تمام شہروں سے بڑھ کر تجھ سے محبت ہے مگر تیرے بیٹے مجھے یہاں رہنے نہیں دیتے۔“ اس کے آٹھ سال بعد نبی کریم ﷺ جب فاتحانہ مکہ میں داخل ہوئے تو آپ المعلیٰ (جبل کداء) کی جانب سے آئے تھے۔

کعبہ کی بنیاد حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے فرزند حضرت اسماعیل علیہ السلام نے رکھی تھی۔ اللہ تعالیٰ کا یہ گھر ایسا سادہ تعمیر ہوا

تھا کہ اس کی نہ چھت تھی نہ کواڑ اور نہ چوکھٹ تھی۔ جب قصی بن کلاب کو کعبہ کی تولیت حاصل ہوئی تو انہوں نے قدیم عمارت گرا کر نئے سرے سے تعمیر کی اور کھجور کے تنخوں کی چھت ڈالی۔ تعمیر کعبہ کے بعد سب سے پہلے یہاں قبیلہ جرہم آکر آباد ہوا اور بنو جرہم ہی میں حضرت اسمعیل علیہ السلام کی شادی ہوئی تھی۔

حرم کعبہ پر سب سے پہلے جس نے غلاف چڑھایا وہ یمن کا حمیری بادشاہ اسعد تبع تھا۔ نبی کریم ﷺ کی عمر جب 35 برس تھی اور سیلاب سے کعبہ کی عمارت کو نقصان پہنچا تھا، قریش نے اسے گرا کر دوبارہ تعمیر کیا۔ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے کعبہ کو ابراہیمی بنیادوں پر از سر نو تعمیر کیا لیکن دس سال بعد 74ھ میں حجاج بن یوسف نے پھر اسے قریش کی بنیادوں پر تعمیر کر دیا۔ شعبان 1039ھ میں موسلا دھار بارش سے کعبہ زمین بوس ہو گیا تو عثمانی خلیفہ مراد چہارم نے اسے نئے سرے سے تعمیر کرایا، چنانچہ کعبہ کی موجودہ عمارت عثمانی تعمیر ہے۔ اس کی اونچائی 15 میٹر، لمبائی تقریباً 12 میٹر اور چوڑائی تقریباً 11 میٹر ہے۔

صفا اور مروہ: یہ وہ دو پہاڑیاں ہیں جن کے درمیان حضرت اسمعیل علیہ السلام کی والدہ ہاجرہ پانی کی تلاش میں سعی (بھاگ دوڑ) کرتی رہی تھیں اور انہی کی یاد تازہ کرنے کے لیے حاجی ان دونوں کے درمیان سعی کرتے ہیں۔



حضرت اسحاق اور حضرت اسماعیل علیہما السلام

حضرت اسحاق علیہ السلام کا نام قرآن مجید میں سترہ دفعہ مذکور ہے۔ تفصیل یہ ہے:

سورت	سورت نمبر	آیات نمبر	سورت	سورت نمبر	آیات نمبر
البقرة	2	133، 136، 140	ابراهيم	14	39
آل عمران	3	84	مریم	19	49
النساء	4	163	الانبیاء	21	72
الانعام	6	84	العنکبوت	29	27
هود	11	71 (دو دفعہ)	الصافات	37	112، 113
یوسف	12	6، 38	ص	38	48

چند متعلقہ آیات

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ كُلًّا هَدَيْنَا وَنُوحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِ دَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ وَأَيُّوبَ وَيُوسُفَ وَمُوسَى وَهَارُونَ وَكَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ﴿٨٥﴾

”ہم نے ابراہیم کو اسحاق اور یعقوب عطا فرمائے اور ہر ایک کو ہدایت بخشی۔ ہم نے اس سے قبل نوح کو ہدایت دی اور یعقوب کی اولاد میں سے داؤد، سلیمان، ایوب، یوسف، موسیٰ اور ہارون (علیہم السلام) کو بھی ہدایت دی اور ہم نیک لوگوں کو اسی طرح اچھا بدلہ دیتے ہیں۔“ (الانعام: 84/6)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَأَمْرَأَتُهُ قَابِلَةُ فَضَحِكْتُ فَبَشَّرْنَاهَا بِإِسْحَاقَ ۖ وَمِنْ وَرَاءِ إِسْحَاقَ يَعْقُوبَ ﴿٤١﴾

”اس کی عورت (پاس) کھڑی تھی وہ ہنس دی تو ہم نے اسے اسحاق اور اس کے بعد یعقوب کی خوشخبری دی۔“ (ہود: 71/11)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَكَذَلِكَ يَجْتَبِيكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ وَيُتِمُّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَعَلَىٰ آلِ يَعْقُوبَ
كَمَا أَتَتْهَا عَلَىٰ أَبِيكَ مِنْ قَبْلُ ۖ اِبْرَاهِيمَ ۖ وَسَخَقَ طِرَانُ رَبَّكَ عَلَيْكَ حَكِيمٌ ①

”اسی طرح تیرا رب تجھے (نبوت کے لیے) منتخب فرمائے گا اور تجھے خوابوں کی تعبیر سکھائے گا۔ نیز تجھ پر اور آل یعقوب پر اپنی نعمت مکمل فرمائے گا جیسا کہ اس نے اس سے پہلے تیرے بزرگوں ابراہیم اور اسحاق پر اپنی نعمت پوری کی۔ بلاشبہ تیرا رب بہت علم و حکمت والا ہے۔“ (یوسف: 6/12)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي وَهَبَ لِي عَلَى الْكِبَرِ إِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ طِرَانُ رَبِّي لَسَمِيعُ الدُّعَاءِ ②

”اللہ کا شکر ہے جس نے مجھے اس بڑھاپے میں اسماعیل اور اسحاق عطا فرمائے۔ بلاشبہ میرا رب خوب دعائیں سننے والا ہے۔“ (ابراہیم: 39/14)

حضرت اسحاق علیہ السلام اپنے والد بزرگوار حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ہی رہے۔ بعض تاریخی کتب سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی بیوی کا تعلق شمالی عراق کے ایک شہر ”فَدَّانِ آرام“ سے تھا۔

حضرت اسحاق علیہ السلام ”الخلیل“ یعنی جبرون شہر میں فوت ہوئے اور وہیں ”مکفیلہ“ غار میں دفن ہوئے۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کا نام قرآن مجید میں بارہ دفعہ مذکور ہے۔ اور وہ مقامات یہ ہیں:

سورت	سورت نمبر	آیات نمبر	سورت	سورت نمبر	آیات نمبر
البقرة	2	125، 127، 133، 136، 140	ابراہیم	14	39
آل عمران	3	84	مریم	19	54
النساء	4	163	الأنبياء	21	85
الأنعام	6	86	ص	38	48

چند متعلقہ آیات

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَأَرَادُوا بِهِ كَيْدًا فَجَعَلْنَاهُمُ الْأَسْفَلِينَ ③ وَقَالَ إِنِّي ذَاهِبٌ إِلَىٰ رَبِّي سَيَهْدِينِ ④ رَبِّ هَبْ لِي مِنْ الصَّالِحِينَ ⑤ فَبَشِّرْنَاهُ بِعِلْمٍ حَلِيمٍ ⑥ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يَبْنَئِي إِنِّي فِي الْمَنَامِ إِنِّي أَذْبَحُكَ فَأَنْظُرْ مَاذَا تَرَىٰ قَالَ يَكَبَّتْ أَفْعَلُ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِي إِنْ شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّابِرِينَ ⑦ فَلَمَّا أَسْلَمَا وَتَلَّهُ

لِّلْجَبِينِ ۖ وَكَادَيْتُهُ أَنْ يَأْبُرَهِيمَ ۖ قَدْ صَدَّقَتِ الرُّؤْيَا ۖ إِنَّا كَذَلِكْ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ۝ (۱۳) إِنَّ هَذَا لَهُوَ الْبَلَاءُ الْمُبِينُ ۝ وَكَادَيْتُهُ بِذُبُحٍ عَظِيمٍ ۝ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ ۝ سَلَّمَ عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ ۝ (۱۴) كَذَلِكْ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ۝ (۱۵)

”کافروں نے ابراہیم کے خلاف بڑی سازشیں کی لیکن ہم نے ان (کافروں) کو ذلیل و خوار کیا۔ ابراہیم نے کہا: ”میں اپنے پروردگار کی طرف جا رہا ہوں۔ ان شاء اللہ وہ مجھے راہ راست پر چلائے گا۔ اے میرے رب! مجھے نیک اولاد عطا فرما۔“

ہم نے اسے ایک بردبار بیٹے کی خوشخبری دی۔ پھر جب وہ بیٹا اس کے ساتھ کام کاج کرنے اور دوڑنے بھاگنے کے قابل ہو گیا تو ابراہیم نے کہا: ”اے بیٹا! میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ تجھے ذبح کر رہا ہوں بتا تیرا کیا خیال ہے؟“ بیٹے نے کہا: ”ابا جان! جو آپ کو حکم دیا گیا ہے اسے کر گزریں۔ ان شاء اللہ مجھے صابر پائیں گے۔“

پھر جب وہ دونوں (باپ بیٹا) اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے فرماں بردار ہو گئے اور باپ نے بیٹے کو پہلو کے بل لٹالیا تو ہم نے پکارا: ”ابراہیم! تو نے واقعتاً خواب سچا کر دکھایا۔“ ہم نیک لوگوں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں۔ یقیناً یہ بہت بڑی آزمائش تھی۔ ہم نے اسماعیل کی جان بچالی اور اس کی یادگار کے طور پر عظیم قربانی رائج کی اور بعد میں آنے والوں کی زبان پر اس کی اچھی تعریف جاری کی۔ ابراہیم پر سلام ہو۔ ہم نیکی کرنے والوں کو ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں۔“

(الصافات: 98/37... 110)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَأَمْنًا ۚ وَاتَّخِذُوا مِن مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّٰی ۖ وَعَهْدَنَا إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ ۚ أَن طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْعَاكِفِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ ۖ (۱۶) وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هَذَا بَلَدًا آمِنًا ۖ وَارْزُقْ أَهْلَهُ مِنَ الثَّمَرَاتِ ۖ مَنْ آمَنَ مِنْهُمْ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۖ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَأُمَتِّعُهُ قَلِيلًا ثُمَّ أَضْطَرُّهُ إِلَىٰ عَذَابِ النَّارِ ۖ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ۖ (۱۷) وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمَاعِيلُ ۖ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ۖ إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۖ (۱۸) رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِن ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۖ وَارِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۖ إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ۖ (۱۹)

”ہم نے بیت اللہ کو لوگوں کے لیے مرکز اور گہوارہ امن بنایا۔ تم مقام ابراہیم کے پاس نماز پڑھا کرو۔ ہم نے ابراہیم اور اسماعیل کو تاکید کی کہ میرے گھر کو طواف کرنے والوں، اعتکاف بیٹھنے والوں اور رکوع و سجدہ میں مشغول رہنے والوں کے لیے پاک صاف رکھا کرو۔

ذرا تصور کیجیے جب ابراہیم نے دعا کی تھی ”اے میرے پروردگار! اس جگہ کو پر امن شہر بنادینا اور یہاں رہنے والوں کو

پھلوں کا رزق عطا فرمانا، خصوصاً جو لوگ اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہوں۔“ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”اور جو شخص کفر کرے گا میں اسے بھی کچھ دیر کے لیے یہ فائدہ عطا کروں گا، پھر اسے (موت کے بعد) آگ کے عذاب کی طرف بھیج لاؤں گا۔ اور یہ بدترین ٹھکانا ہے۔“ اس وقت کو یاد کیجیے جب ابراہیم اور اسماعیل بیت اللہ کی بنیادیں اٹھا رہے تھے (اور ساتھ ساتھ دعا کرتے تھے): ”اے ہمارے پروردگار! ہم سے یہ کام قبول فرما۔ بلاشبہ تو ہی خوب سننے جاننے والا ہے۔ اے ہمارے رب! ہمیں اپنا فرماں بردار بنا اور ہماری اولاد میں سے ایک ”اُمّتِ مُسَلِمَہ“ پیدا فرما اور ہمیں مناسک حج سکھا اور ہماری توبہ قبول فرما۔ بلاشبہ تو ہی بہت توبہ قبول فرمانے والا نہایت رحم کرنے والا ہے۔“ (البقرہ: 125/2...128)

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی زندگی کے واقعات اپنے والد محترم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی کے ساتھ منسلک رہے ہیں مثلاً: ذبح وغیرہ کے واقعات جن کی بنا پر آپ ”ذبح“ کے لقب سے مشہور ہیں۔ اسی طرح آپ کا اپنے والد محترم اور والدہ محترمہ حضرت ہاجرہ کے ساتھ مکہ کا سفر۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام مکہ مکرمہ میں کئی بار تشریف لائے۔ ایک دفعہ جب وہ آئے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو بیت اللہ تعمیر کرنے کا حکم دیا۔ انہوں نے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے کعبہ تعمیر کیا۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام مکہ مکرمہ میں فوت ہوئے اور وہیں دفن ہوئے۔ عام خیال یہ ہے کہ وہ اور ان کی والدہ محترمہ بیت اللہ کے ساتھ حجر (حطیم) میں مدفون ہیں۔ واللہ اعلم۔



❁ المعجم المفهرس لألفاظ القرآن الكريم : 33، 347

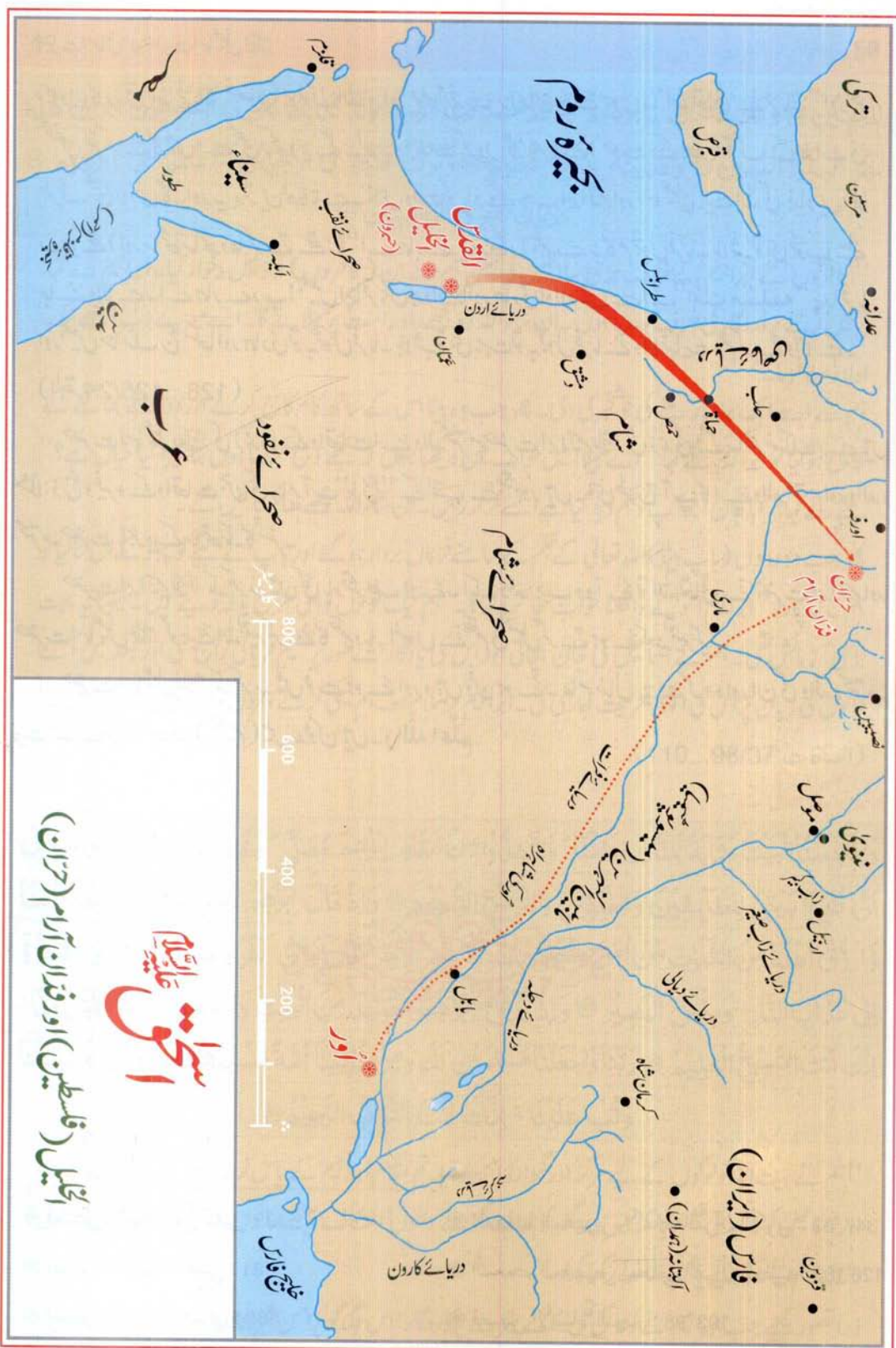
❁ المعجم المفهرس لمعاني القرآن العظيم : 103، 126

❁ قصص الأنبياء، النجار : 98، 103

❁ قصص الأنبياء، ابن كثير : 133

❁ قصص الأنبياء، الثعلبي : 81

❁ قصص الأنبياء، الطبري : 168





بیت اللہ میں مقام ابراہیم





الجليل شہر (فلسطين)

حضرت اسحاق علیہ السلام

حضرت اسحاق علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام اور سارہ کے فرزند تھے۔ اسحاق اصل عبرانی تلفظ کے لحاظ سے ”یصحق“ ہے جس کا عربی ترجمہ یضحک (وہ ہنستا ہے) بنتا ہے۔ عربی قاعدے کے مطابق ”یصحق“ مضارع کا صیغہ ہے جو اہل عرب کے دستور کے مطابق بطور نام استعمال ہوا ہے۔ اسے انگریزی میں آئزک (Issac) کہتے ہیں۔ حضرت اسحاق علیہ السلام حضرت اسمعیل علیہ السلام سے 13 برس چھوٹے تھے۔

حضرت اسحاق علیہ السلام فلسطین میں الخلیل (حبرون) کے مقام پر پیدا ہوئے تھے۔ ان کی زوجہ ربقہ کا تعلق فدّان آرام سے تھا۔ اس طرح ربقہ بنو اسرائیل کی جدہ ماجدہ تھی۔ حضرت اسحاق اور ربقہ کی قبریں بھی حبرون میں غار کے اندر حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت یعقوب علیہ السلام کی قبروں کے ساتھ موجود ہیں۔

فدّان آرام: یہ نواح حران میں واقع تھا اور انتظامی طور پر سلطنت بابل میں شامل تھا۔ فدّان آرام کا نام بنو ارم بن سام بن نوح علیہ السلام کے باعث پڑا۔ ارم کی جمع آرام ہے۔ اسی سے آرامی زبان مشہور ہوئی۔

ماری: شام میں دریائے فرات کے مغربی کنارے پر واقع سُمیری شہر ماری ان دنوں ’نسل الحُریری‘ کہلاتا ہے۔ یہ دوسری تیسری ہزاری ق م میں ایک رستابستا شہر تھا۔ اب اس کے کھنڈر ہی موجود ہیں۔ ماری بابل سے حران جانے والے راستے پر دریائے خابور اور دریائے فرات کے سنگم کے قریب واقع تھا۔ حران سے ماری کا فاصلہ اڑھائی تین سو کلومیٹر جبکہ بابل سے ماری سات آٹھ سو کلومیٹر دور تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام، سارہ اور حضرت لوط علیہ السلام ”اور“ اور بابل سے حران جاتے ہوئے ماری سے گزرے تھے۔

حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد: بابل کے مطابق حضرت اسحاق علیہ السلام 180 برس کی عمر میں فوت ہوئے، ان کے دو بیٹے تھے: عیسو اور یعقوب۔ عیسو کی تین بیویوں سے الفیر، رعویل، یعوس، یعلام اور قورح پیدا ہوئے۔ رعویل کی ماں بشامہ حضرت اسمعیل علیہ السلام کی صاحبزادی تھیں (عہد نامہ عتیق، پیدائش)۔

عیسو اور اس کے بیٹے فلسطین سے ترک وطن کر کے کوہ شعیر (جنوبی اردن) کے علاقے میں جا آباد ہوئے۔ یہ علاقہ بحیرہ مردار کے جنوب میں ہے۔ چونکہ عیسو کا ایک نام ادوم بھی تھا، اس لیے کوہ شعیر کا علاقہ بھی ادوم کہلایا۔ بابل کے مطابق بالغ بن بعور ادوم میں ایک بادشاہ تھا اور اس کے شہر کا نام دنہا تھا۔ حضرت اسحاق علیہ السلام کے دوسرے بیٹے یعقوب علیہ السلام نبی تھے اور ان کی اولاد بنی اسرائیل کہلائی۔ ان کے بڑے بیٹے کے نام یہودا کی نسبت سے بنی اسرائیل کو یہود بھی کہا جاتا ہے۔ ”یہود“ کا واحد ”یہودی“ ہے۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام

بائبل کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر 86 برس تھی جب ان کی دوسری بیوی حضرت ہاجرہ کے بطن سے حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے۔ یہ ابراہیم علیہ السلام کے پہلے بیٹے تھے کیونکہ اسحاق علیہ السلام نے بعد میں سارہ کے بطن سے جنم لیا۔ بشری تقاضے سے سارہ کو اپنی لونڈی ہاجرہ کے حاملہ ہونے پر رشک ہوا تو ہاجرہ مجبوراً حبرون سے صور (لبنان کی بندرگاہ) کی طرف چلی گئیں اور وہاں ایک چشمے پر اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے اور انہوں نے فرشتے کی بشارت کے مطابق بیٹے کا نام اسماعیل رکھا۔ یہ ”اسماع“ اور ”ایل“ سے مرکب نام ہے۔ ”ایل“ عبرانی میں ”اللہ“ کے مترادف ہے اور عربی کے ”اسمع“ اور عبرانی کے ”شماع“ کے معنی ہیں ”سن“۔ چونکہ ان کی ولادت کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کی دعا سن لی اس لیے یہ نام رکھا گیا۔ انگریزی میں اسے اسمائیل (Ishmael) لکھتے ہیں۔

اسماعیل علیہ السلام کی پیدائش پر ان کی سوتیلی ماں سارہ دونوں ماں بیٹے کو کسی اور جگہ چھوڑ کر آنے کا تقاضا کرنے لگیں تو حکم الہی کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام ان دونوں کو وادی غیر ذی زرع (سرزمین مکہ) میں چھوڑ گئے جہاں ننھے اسماعیل کے اڑیاں رگڑنے سے زمزم کا چشمہ جاری ہوا۔ یہ فاران کا بیابان تھا۔ وہیں بعد میں قبیلہ بنی جرہم آ بسا اور اسماعیل علیہ السلام کے بڑے ہونے پر بنو جرہم میں ان کی شادی ہوئی۔ مکہ ہی میں اسماعیل علیہ السلام کے لڑکپن میں ذبح اسماعیل علیہ السلام کا واقعہ پیش آیا جب حکم الہی کے مطابق ان کی جگہ دنبہ ذبح کیا گیا۔ یہ واقعہ منیٰ کے قریب پیش آیا تھا۔ اسی لیے اسماعیل علیہ السلام کو ”ذبح اللہ“ کہا جاتا ہے۔ پھر حکم الہی کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام نے کعبہ تعمیر کیا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی کی روایت کے مطابق کعبہ کی سب سے پہلی بنیاد حضرت آدم علیہ السلام کے ہاتھوں رکھی گئی تھی مگر پھر مرور ایام سے وہ بے نشان ہو گیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام نے وحی الہی سے اس جگہ کو کھودا تو سابق تعمیر کی بنیادیں نظر آئیں اور انہی پر بیت اللہ کی تعمیر نو کی گئی۔ جس پتھر پر چڑھ کر ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ کی دیوار کو بلند کیا وہ مقام ابراہیم ہے۔ جبریل علیہ السلام کی رہنمائی میں حجر اسود کو ایک پہاڑی سے نکال کر کعبہ کی دیوار میں نصب کیا گیا۔

اسماعیل علیہ السلام کی اولاد: ذبح اللہ کے بارہ بیٹے اور ایک بیٹی بشامہ یا محلہ تھی۔ بیٹوں کے نام نابت یا نباوت، قیدار، اوبیل، ہشام، شمع، رومہ، منشا، عدا، تیتا، بطور، نافیش اور قیدما تھے۔ بائبل کے مطابق یہ اپنی امتوں کے بارہ رئیس تھے۔ ان میں نابت اور قیدار بہت مشہور ہوئے۔ نابت کی اولاد اصحاب الحجر کہلائی اور قیدار کی نسل اصحاب الرس کے نام سے مشہور ہوئی (قصص القرآن)۔ رحمۃ اللہ علیہم کے مصنف نے قریش مکہ کو عدنان کے واسطے سے قیدار بن اسماعیل کی اولاد بتایا ہے جبکہ امام بخاری تاریخ الکبیر میں عدنان کو نابت کی اولاد بتاتے ہیں۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی عمر 136 سال تھی جب ان کا انتقال ہوا۔ اس وقت ان کی نسل حجاز، شام، عراق، فلسطین اور مصر تک پھیل چکی تھی۔ بائبل کے مطابق اسماعیل علیہ السلام کی قبر فلسطین میں ہے جبکہ عرب مؤرخین کہتے ہیں کہ وہ اوران کی والدہ ہاجرہ دونوں بیت اللہ کے قریب حرم کے اندر مدفون ہیں۔ (تاریخ طبری)

صور: جنوبی لبنان کی بندرگاہ صور اسماعیل علیہ السلام کی جائے پیدائش ساحل بحیرہ روم پر واقع ہے۔ یہ جبرون (الخلیل) سے تقریباً اڑھائی سو کلومیٹر شمال میں ہے۔ یورپی زبانوں میں اسے Tyre (طائر) لکھا جاتا ہے۔ لبنانی بندرگاہ صیدا (Sidon) صور کے شمال میں ہے اور عکا (اسرائیل) کی بندرگاہ صور کے جنوب میں ہے۔ صور کی آبادی 40 ہزار سے زائد ہے۔ اس کی بنیاد فیثقیوں نے تیسری ہزاری میں رکھی تھی۔ یہاں کا بادشاہ حیرام اول سلیمان علیہ السلام کا ہم عصر تھا۔ صور کی ملکہ دیدون نے افریقہ جا کر 813 ق م میں شہر قرطاجہ (Carthage) آباد کیا جس کے کھنڈرتونس میں ہیں۔ 8 ویں صدی ق م میں آشوریوں نے 573 ق م میں بخت نصر نے اور 332 ق م میں اسکندر اعظم نے صور پر حملہ کیا۔ صلیبی جنگوں کے دوران عیسائی اس پر قابض رہے۔

بیت اللہ: مسلمانوں کے قبلہ کو بیت اللہ یا کعبہ کہتے ہیں جو مکہ مکرمہ میں واقع ہے۔ مروہ پہاڑی کعبہ کے شمال میں ہے جبکہ صفا کعبہ کے جنوب میں ہے۔ صفا اور مروہ کے درمیان المسعی یعنی سعی کا راستہ ہے جو قدرے جنوب مشرق سے شمال کو چلا گیا ہے۔ ہلکے نیلے رنگ کے سخت پتھر سے بنے ہوئے بیت اللہ کو کعبہ اس لیے کہتے ہیں کہ اس کی شکل مکعب ہے۔ بظاہر اس کی لمبائی، چوڑائی اور اونچائی برابر ہیں مگر غور سے دیکھیں تو ایسا نہیں۔ بیت اللہ زمین سے پندرہ میٹر (49 فٹ 3 انچ) بلند ہے۔ حطیم کی جانب اور اس کے مقابل کی دیواریں 35 فٹ لمبی ہیں جبکہ دروازے والی اور اس کے مقابل کی غربی دیواریں چالیس چالیس فٹ کی ہیں۔ دروازہ فرش مطاف سے چھ فٹ بلند ہے۔ خود دروازے کی بلندی ساڑھے چھ فٹ ہے اور اس کے بائیں ہاتھ زمین سے تقریباً پانچ فٹ بلندی پر حجر اسود ہے ("حرم کعبہ" از پروفیسر عبدالرحمن عبد)۔ کعبہ کا دروازہ مشرقی جانب ہے۔ اس کے مشرقی گوشے میں حجر اسود ہے اور جنوبی گوشہ رکن یمانی کہلاتا ہے۔

بیت اللہ کے ارد گرد مسجد حرام واقع ہے جس میں کئی دروازے ہیں مثلاً باب فتح (مسیح کی جانب) باب عمرہ (مغرب میں) باب عبدالعزیز (جنوب میں) باب الصفا (جنوب مشرق میں) باب الفتح (شمال مغرب میں) اور باب السلام (مشرق میں)۔ باب کعبہ کے دائیں ہاتھ مقام ابراہیم ہے جو شیشے کے خول میں بند اور قابل دید ہے۔ کعبہ کے مشرق میں تھوڑے فاصلے پر چاہ زمزم ہے۔

منی: مکہ سے منی کا فاصلہ سات آٹھ کلومیٹر ہے اگرچہ گنبد صفا کے قریب اور کوہ ابوقیس کے نیچے بنی ہوئی سرگنوں میں سے جائیں تو یہ فاصلہ تین ساڑھے تین کلومیٹر رہ جاتا ہے۔ مکہ سے منی کے نیم دائرے کے راستے میں محلہ شعب ابی طالب (شعب علی) میں نبی اکرم ﷺ کا مولد مبارک مسجد جن محلہ شعب بنی عامر محلہ الجعفریہ الروضہ خنساء کوہ حرا کو جانے والی سڑک فیصلیہ دائیں ہاتھ جدید آبادی العزیز یہ اور آگے وہ سڑک ہے جو منی میں سیدھی قربان گاہ پہنچتی ہے اسی لیے اس

کا نام مجر الکلبش ہے۔ منیٰ میں دائیں بائیں پہاڑیوں کے سلسلے ہیں جس کی آغوش میں ایک ڈیڑھ کلومیٹر چوڑی وادی ہے۔ منیٰ میں بائیں ہاتھ تین جمرات ہیں جہاں ابلیس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بیٹا ذبح کرنے کے ارادے سے بہکانے کی کوشش کی تھی اور خلیل اللہ نے اسے کنکریاں مار کر بھگادیا تھا چنانچہ حجاج جمرات پر کنکریاں مار کر وہی سنت ابراہیمی ادا کرتے ہیں۔

جمرات سے آگے مسجد خیف ہے جس میں ایک بڑے گنبد والی بارہ دری ہے جہاں حجۃ الوداع کے موقع پر نبی کریم ﷺ خیمہ زن ہوئے تھے۔ وادی منیٰ کی گزرگاہ کے عین درمیان دس بارہ فٹ اونچی اور چھ فٹ چوڑی وہ دیوار ہے جو اصحاب الفیل کے واقعے کی نشاندہی کے لیے بنائی گئی ہے۔ قریباً سو میٹر آگے ایسی ہی ایک اور دیوار کھڑی ہے۔ ان دونوں نشانات کے درمیان وادی محسر ہے۔ یہیں ہاتھی والوں کا واقعہ پیش آیا تھا۔



حضرت لوط علیہ السلام

حضرت لوط علیہ السلام کا نام قرآن مجید میں ستائیس دفعہ مذکور ہے:

سورت	سورت نمبر	آیات نمبر	سورت	سورت نمبر	آیات نمبر
الأنعام	6	86	النمل	27	54'56
الأعراف	7	80	العنكبوت	29	26'28'32'33
هود	11	70'74'77'81'89	الصافات	37	133
الحجر	15	59'61	ص	38	13
الأنبياء	21	71'74	ق	50	13
الحج	22	43	القمر	54	33'34
الشعراء	26	160'161'167	التحریم	66	10

چند متعلقہ آیات

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلُوطًا إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ أَتَأْتُونَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ أَحَدٍ مِنَ الْعَالَمِينَ ﴿٨٦﴾ إِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ
الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُونِ النِّسَاءِ ۖ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُونَ ﴿٨٧﴾ وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَنْ قَالُوا
أَخْرِجُوهُمْ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۖ إِنَّهُمْ أَنَاسٌ يَّتَطَهَّرُونَ ﴿٨٨﴾ فَانْجَيْنَاهُ وَأَهْلَهُ إِلَّا امْرَأَتَهُ ۖ كَانَتْ مِنَ
الْغَابِرِينَ ﴿٨٩﴾ وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَطَرًا ۖ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِينَ ﴿٩٠﴾

” (حضرت) لوط (علیہ السلام) کا تذکرہ کیجیے۔ اس نے اپنی قوم سے کہا: ”کیا تم ایسی بے حیائی کا ارتکاب کرتے ہو جو تم سے پہلے (کسی دور میں) کسی شخص نے نہیں کی؟ تم عورتوں کی بجائے مردوں سے شہوت رانی کرتے ہو۔ تم تو حد سے گزر جانے والے لوگ ہو۔“ اس کی قوم کا جواب ایک ہی تھا کہ ”ان کو اپنی بستی سے نکال دو۔ یہ لوگ بڑے پاکباز بننے میں۔“

پھر ہم نے اس کو اور اس کے گھر والوں کو نجات دے دی لیکن اس کی بیوی انہی میں رہ گئی۔ پھر ہم نے ان پر پتھروں کی بارش برسائی۔ دیکھو! ان مجرموں کا انجام کیسا ہوا؟“ (الأعراف: 80/7...84)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قَالُوا يَلُوطُ إِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَنْ يَصِلُوا إِلَيْكَ فَأَسْرِ بِأَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِنَ اللَّيْلِ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ أَحَدٌ إِلَّا أَمْرَاتَكَ إِنَّهُ مُصِيبُهَا مَا أَصَابَهُمْ ط إِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ ط أَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيبٍ ۝۸۱
فَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا جَعَلْنَا عَلَىٰهَا سَافِلَهَا وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّن سِجِّيلٍ ط مَنصُودٍ ۝۸۲ مُّسَوِّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ ط وَمَا هِيَ مِنَ الظَّالِمِينَ بِبَعِيدٍ ۝۸۳

”فرشتوں نے کہا: ”اے لوط! ہم تیرے رب تعالیٰ کی طرف سے بھیجے ہوئے ہیں۔ یہ لوگ ہرگز تجھ تک نہیں پہنچ سکیں گے۔ تو اپنے گھر والوں کو لے کر رات کے کسی حصے میں نکل جا اور تم سے کوئی شخص پیچھے مڑ کر نہ دیکھے۔ البتہ تیری بیوی کو وہی عذاب پہنچے گا جو ان کیلئے مقدر ہو چکا۔ ان کے عذاب کیلئے صبح کا وقت مقرر ہو چکا ہے۔ کیا صبح قریب نہیں؟ پھر جب ہمارا عذاب آگیا ہم نے ان کی بستی الٹ دی اور اس پر تہ بہ تہ کھنگر کے پتھروں کی بارش برسا دی جن پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نشان لگے ہوئے تھے۔ یہ تباہ شدہ بستی ان ظالموں (مشرکین مکہ) کے راستے سے کوئی زیادہ دور نہیں۔“ (ہود: 81/11... 83) **ارشاد باری تعالیٰ ہے:**

فَلَمَّا جَاءَ آلَ لُوطٍ الْمُرْسَلُونَ ۝۸۱ قَالَ إِنَّكُمْ قَوْمٌ مُّنْكَرُونَ ۝۸۲ قَالُوا بَلْ جِئْنَاكَ بَسًا كَانُوا فِيهِ يَمْتَرُونَ ۝۸۳ وَآتَيْنَاكَ بِالْحَقِّ وَإِنَّا لَصَادِقُونَ ۝۸۴ فَأَسْرِ بِأَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِنَ اللَّيْلِ وَاتَّبِعْ أَدْبَارَهُمْ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ أَحَدٌ وَامْضُوا حَيْثُ تُؤْمَرُونَ ۝۸۵ وَقَضَيْنَا إِلَيْهِ ذَٰلِكَ الْأَمْرَ أَنَّ دَابِرَ هَٰؤُلَاءِ مَقْطُوعٌ مُّصْحِحِينَ ۝۸۶ وَجَاءَ أَهْلُ الْمَدِينَةِ يَسْتَبْشِرُونَ ۝۸۷ قَالَ إِنَّ هَٰؤُلَاءِ ضَيْفِي فَلَا تَفْضَحُون ۝۸۸ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَلَا تُخْرَؤُن ۝۸۹ قَالُوا أَوَلَمْ نَنْهَكَ عَنِ الْعَالَمِينَ ۝۹۰ قَالَ هَٰؤُلَاءِ بِلَتِي إِن كُنْتُمْ فَعِلِينَ ۝۹۱ لَعَبْرَكَ إِنَّهُمْ لَفِي سَكْرَتِهِمْ يَعْبَهُونَ ۝۹۲ فَأَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُشْرِقِينَ ۝۹۳ فَجَعَلْنَا عَلَىٰهَا سَافِلَهَا وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّن سِجِّيلٍ ط إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِينَ ۝۹۴ وَإِنَّهَا لَبِسَبِيلٍ مُّقِيمٍ ۝۹۵ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّلْمُؤْمِنِينَ ۝۹۶

”جب ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے آل لوط کے پاس پہنچے تو لوط نے کہا: ”تم اجنبی لوگ ہو۔“ وہ کہنے لگے: ”ہم تو وہ (عذاب) لے کر آئے ہیں جس میں یہ لوگ شک کرتے تھے۔ ہم تیرے پاس حق لے کر آئے ہیں اور بالکل سچ کہتے ہیں۔ رات کو کسی وقت اپنے گھر والوں کو لے کر نکل جانا اور خود سب سے پیچھے رہنا اور کوئی آدمی پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھے اور وہاں چلے جانا جہاں تمہیں جانے کا حکم دیا گیا ہے۔“ ہم نے اسے صاف صاف بتا دیا کہ صبح ان کی جڑ تک کٹ جائیگی۔ شہر والے لوگ بڑے خوش خوش آئے (تاکہ اجنبی لوگوں سے بدکاری کریں۔) لوط نے کہا: ”یہ لوگ میرے مہمان ہیں تم مجھے رسوا نہ کرو۔ اللہ سے ڈرو اور مجھے بے آبرو نہ کرو۔“ وہ کہنے لگے: ”کیا ہم نے تجھے ہر ایرے غیرے کو مہمان

بنانے سے روکا نہیں ہوا؟“ لوط کہنے لگے: ”اگر تم نے ایسا کرنا ہی ہے تو تمہارے پاس میری بیٹیاں (تمہاری بیویاں) موجود ہیں۔“ تیری زندگی کی قسم! وہ لوگ اپنے نشے میں مدہوش تھے اس لیے پو پھٹے ہی ان کو ایک زبردست چنگھاڑنے اپنی گرفت میں لے لیا، پھر ہم نے اس بستی کو تپٹ کر دیا اور ان پر کھنگروں کی بارش برسائی۔ بلاشبہ اس واقعہ میں سمجھدار لوگوں کے لیے عبرت کا سامان ہے۔ یہ بستی تو معروف تجارتی راستے کے عین اوپر واقع ہے۔ بلاشبہ اس میں صاحب ایمان لوگوں کے لیے عظیم نشانی ہے۔“ (الحجر: 61/15... 77)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوطٍ الْمُرْسَلِينَ ۚ إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ لُوطُ أَلَا تَتَّقُونَ ۚ (۱۶) إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ۚ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا أَمْرًا ۚ وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ ۚ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى رَبِّ الْعَالَمِينَ ۚ (۱۷) أَتَأْتُونَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعَالَمِينَ ۚ وَتَذَرُونَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ ۚ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ عَادُونَ ۚ (۱۸) قَالُوا لَئِنْ لَمْ تَنْتَهِ يَلُوطُ لَتَكُونَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِينَ ۚ (۱۹) قَالَ إِنِّي لَعَلَّكُمْ مِنَ الْفَالِقِينَ ۚ (۲۰) رَبِّ نَجِّنِي وَأَهْلِي مِمَّا يَعْبُدُونَ ۚ (۲۱) فَجَعَلْنَاهُ وَأَهْلَهُ أَجْمَعِينَ ۚ (۲۲) إِلَّا عَجُوزًا فِي الْغَابِرِينَ ۚ (۲۳) ثُمَّ دَمَرْنَا الْأَخْرُسِينَ ۚ (۲۴) وَآمَطْنَا عَلَيْهِمْ مَطَرًا ۚ فَسَاءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِينَ ۚ (۲۵) إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً ۚ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِينَ ۚ (۲۶) وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ۚ (۲۷)

”قوم لوط نے پیغمبروں کو جھٹلایا۔ جب ان کے (ہم نسب) بھائی لوط نے ان سے کہا: ”کیا تم اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتے؟ بلاشبہ میں تمہاری طرف امانتدار رسول ہوں اس لیے اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ میں تم سے اجرت نہیں مانگتا۔ میرا ثواب تو اللہ رب العالمین کے ہاں مقرر ہے۔ کیا عالم میں سے صرف تم ہی مردوں سے شہوت رانی کرتے ہو اور تمہارے رب نے تمہارے لیے جو بیویاں پیدا کی ہیں انہیں چھوڑے رکھتے ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ تم حد سے نکل گئے ہو۔“ وہ کہنے لگے: ”اے لوط! اگر تو ایسی باتوں سے باز نہ آیا تو تجھے بستی سے نکال دیا جائے گا۔“ لوط نے کہا: ”کوئی شک نہیں مجھے تمہارے اس کام سے شدید نفرت ہے۔ اے میرے پروردگار! مجھے اور میرے گھر والوں کو ان کی بدکرداریوں سے نجات دے۔“ ہم نے اسے اور اس کے گھر والوں کو نجات دے دی، لیکن اس کی بوڑھی بیوی انہی میں رہ گئی۔ پھر ہم نے اس کی قوم کو تباہ و برباد کر دیا اور ان پر عجیب بارش برسائی جو یقیناً بہت بری بارش تھی۔ بلاشبہ اس واقعہ میں عبرت ہے لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔ بلاشبہ تیرا رب بہت قوت اور غلبے والا ہے اور رحم بھی وہی کرتا ہے۔“ (الشعراء: 160/26... 175)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلُوطًا إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ إِنَّكُمْ لَأَتَأْتُونَ الْفَاحِشَةَ ۚ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ أَحَدٍ مِنَ الْعَالَمِينَ ۚ (۲۸) إِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ الرِّجَالَ وَتَقَاطِعُونَ السَّبِيلَ ۚ وَتَأْتُونَ فِي نَادِيَكُمُ الْمُنْكَرَ ۚ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَنْ قَالُوا اقْتُبْنَا بِعَذَابِ اللَّهِ إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ۚ (۲۹) قَالَ رَبِّ انصُرْنِي عَلَى الْقَوْمِ الْمُفْسِدِينَ ۚ (۳۰) وَلَمَّا

جَاءَتْ رُسُلُنَا إِبْرَاهِيمَ بِالْبُشْرَىٰ ۖ قَالُوا إِنَّا مُهْلِكُوا أَهْلَ هَذِهِ الْقَرْيَةِ ۚ إِنَّ أَهْلَهَا كَانُوا ظَالِمِينَ ﴿٣١﴾
 قَالَ إِنَّ فِيهَا لُوطًا قَالُوا نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَنْ فِيهَا ۖ لَنُنَجِّيَنَّهُ وَأَهْلَهُ إِلَّا امْرَأَتَهُ ۖ كَانَتْ مِنَ الْغَابِرِينَ ﴿٣٢﴾
 وَلَمَّا أَنْ جَاءَتْ رُسُلُنَا لُوطًا سِيقًا بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَقَالُوا لَا تَخَفْ وَلَا تَحْزَنْ ۖ إِنَّا مُنْجِيُونَ ﴿٣٣﴾
 وَأَهْلَكَ إِلَّا امْرَأَتَكَ ۖ كَانَتْ مِنَ الْغَابِرِينَ ﴿٣٤﴾ إِنَّا مُنْزِلُونَ عَلَىٰ أَهْلِ هَذِهِ الْقَرْيَةِ رِجْزًا مِّنَ السَّمَاءِ
 بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ﴿٣٥﴾ وَلَقَدْ تَرَكْنَا مِنْهَا آيَةً بَيِّنَةً لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ﴿٣٦﴾

”اور لوط کا تذکرہ کیجیے جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا: ”تم ایسی بے حیائی کا ارتکاب کرتے ہو جو تم سے پہلے دنیا والوں میں سے کسی شخص نے نہیں کی۔ تم مردوں سے شہوت پوری کرتے ہو، ڈاکے ڈالتے ہو، اور اپنی مجالس میں بہت برے کام کرتے ہو۔“ لیکن اس کی قوم کا بس ایک ہی جواب تھا: ”اگر تو سچا ہے تو ہم پر اللہ کا عذاب لے آ۔“ لوط نے کہا: ”اے میرے پروردگار! ان فساد یوں کے خلاف میری مدد فرما۔“ پھر جب ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے ابراہیم کے پاس (بیٹے کی) خوشخبری لے کر آئے تو (ساتھ ہی) کہنے لگے: ”ہم اس بستی والوں کو ہلاک کرنے آئے ہیں۔ بلاشبہ اس میں رہنے والے ظالم لوگ ہیں۔“ ابراہیم کہنے لگے: ”اس بستی میں تو لوط بھی ہے۔“ انہوں نے کہا: ”ہم وہاں کے رہنے والوں کو بخوبی جانتے ہیں۔ ہم لوط اور اس کے گھر والوں کو نجات دیں گے، لیکن اس کی بیوی عذاب میں پھنس جانے والوں میں شامل ہے۔“ پھر جب ہمارے فرشتے لوط کے پاس آئے تو انہیں دیکھ کر اسے دکھ ہوا، بلکہ دل میں گھٹن پیدا ہو گئی۔ فرشتے کہنے لگے: ”نہ ڈر نہ غمگین ہو، ہم تجھے اور تیرے گھر والوں کو بچالیں گے، لیکن تیری بیوی پیچھے رہ جائے گی۔ ہم اس بستی والوں پر آسمان سے عذاب اتارنے والے ہیں کیونکہ یہ فاسق لوگ ہیں۔“ ہم نے اس بستی کو تباہ کر کے عقلمند لوگوں کے لیے واضح عبرت بنادیا۔“ (العنکبوت: 28/29... 35)

حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ایمان لائے تھے اور انہی کے ساتھ رہے۔ البتہ مصر سے واپسی کے بعد باہمی رضامندی سے الگ ہو گئے کیونکہ ایک محدود علاقہ ان دونوں کے جانوروں کے لیے کافی نہ تھا، لہذا وہ بحیرہ مردار (بحیرہ لوط) کے انتہائی جنوب میں فروکش ہوئے جہاں سدوم اور عامورہ بستیاں آباد تھیں۔ یہی دو بستیاں زلزلے کے ساتھ ایسی تباہ ہوئیں کہ تلیث ہو گئیں۔ البتہ صوغر بستی کو کوئی نقصان نہ پہنچا جہاں حضرت لوط علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں نے پناہ حاصل کی تھی۔

❁ المعجم المفہرس لألفاظ القرآن الکریم: 654

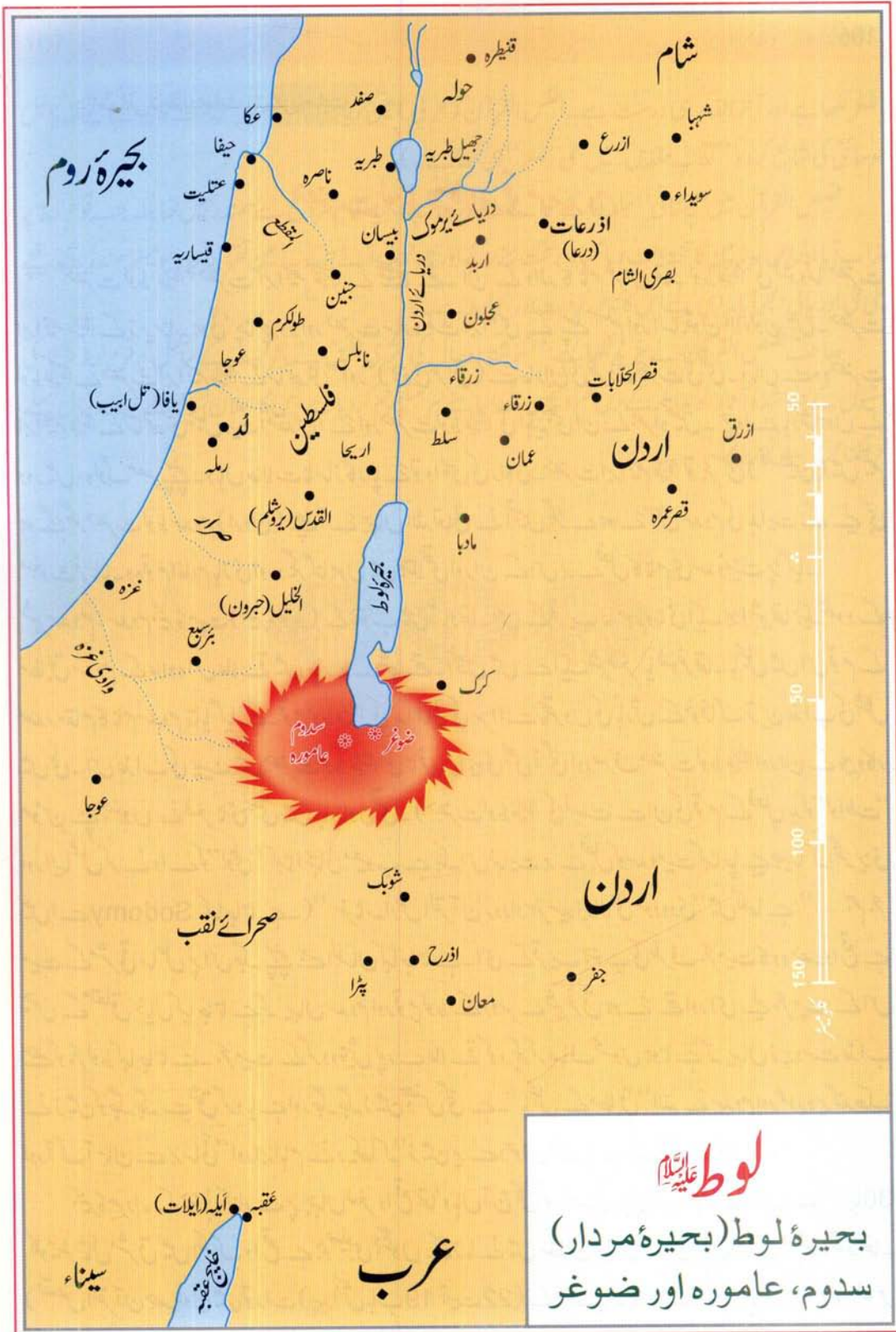
❁ قصص الأنبياء، ابن کثیر: 132

❁ قصص الأنبياء، الطبري: 186

❁ قصص الأنبياء، الثعلبي: 105

❁ قصص الأنبياء، النجار: 112

❁ المعجم المفہرس لمعاني القرآن العظيم: 1047



حضرت لوط علیہ السلام اور قوم سدوم

حضرت لوط علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے۔ ان کے والد کا نام عمران تھا۔ لوط علیہ السلام کی نشوونما حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زیر سایہ ہوئی، چنانچہ وہ اور حضرت سارہ ملت ابراہیمی کے پہلے مسلم اور السابقون الاولون ہیں۔ حضرت لوط علیہ السلام نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ہی ”اوز“ (جنوبی عراق) سے حاران کی طرف ہجرت کی تھی۔ وہاں سے وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ہی جبل بیت المقدس آئے اور حضرت لوط علیہ السلام کی اہلیہ بھی ان کے ہمراہ تھیں۔ چرواہے بادشاہوں کے دور میں وہ لوگ مصر پہنچے۔ وہاں حالات ناسازگار پائے تو واپسی کی راہ لی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام تو بزرگ (فلسطین) میں مقیم ہو گئے مگر حضرت لوط سدوم (اردن) چلے آئے جہاں اللہ تعالیٰ نے انہیں بگڑے ہوئے اہل سدوم کی ہدایت کے لیے نبی مبعوث فرمایا۔ وہ قوم اغلام بازی اور دیگر گناہوں میں مبتلا تھی اور ان کے اس برے فعل کا نام ہی سدومیت پڑ گیا۔

شہر سدوم: سدوم بحیرہ میت (بحیرہ لوط) کے جنوب میں آباد تھا۔ اس کے قریب عامورہ نامی ایک بڑا شہر تھا جبکہ تلمود کے مطابق سدوم کے علاوہ اس علاقے میں چار بڑے شہر تھے۔ انہیں میں سے ایک شہر ضغر یا ضوغر تھا۔ بابل میں اس قوم کے صدر مقام کا نام سدوم بتایا گیا ہے۔ قوم لوط علیہ السلام کی بد اعمالی کی سزا اسے پتھروں کی بارش کے خوفناک ترین عذاب کی شکل میں ملی۔ اس عذاب کی لپیٹ میں حضرت لوط علیہ السلام کی نافرمان بیوی بھی آگئی اور صرف حضرت لوط علیہ السلام اور ان کے پیروکار مومن بچے جنہوں نے ضغر نامی بستی میں جا پناہ لی تھی۔ (حضرت لوط علیہ السلام کی نسبت سے ان کی قوم کے فعل بد کو ”لواطت“ اور ایسا عمل کرنے والے کو ”لوطی“ کہنا انتہائی معیوب ہے بلکہ اس نہایت برے فعل کو سدومیت کہنا چاہیے جیسا کہ انگریزی میں اسے Sodomy کہا جاتا ہے۔) ”سفر نامہ ارض القرآن“ رواد سفر سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ میں لکھا ہے: ”..... ہم بحر میت کے مشرقی ساحل پر اس جگہ پہنچے جسے اللسان کہا جاتا ہے۔ اسی کے قریب جنوب کی طرف بحر میت کا وہ حصہ واقع ہے جس کے متعلق خیال کیا جاتا ہے کہ یہاں سدوم اور قوم لوط کے دوسرے شہر غرق ہوئے تھے اور اسی لیے بحر میت کے اس حصے کو بحر لوط کہا جاتا ہے۔ بحر میت کے گرد و پیش پورے علاقے کو دیکھ کر صاف محسوس ہوتا ہے کہ یہاں زبردست عذاب نے زمین کو جگہ جگہ سے شق کر دیا ہے اور جگہ جگہ زمین دھنس گئی ہے۔“ بابل کے مطابق ”اللہ نے سدوم اور عمورہ پر گندھک اور آگ آسمان سے برسائی“ اور ابراہام نے دیکھا کہ ”زمین پر سے دھواں اٹھ رہا ہے جیسے بھٹی کا دھواں۔“

بحیرہ مردار کے جنوبی کنارے پر جہاں ضغر واقع تھا، وہاں آج کل غور الصافی نامی قصبہ آباد ہے۔ اس سے تقریباً 30 کلومیٹر شمال مشرق میں الکرك واقع ہے جو صلیبی جنگوں کے زمانے میں سلطان صلاح الدین ایوبی کا ایک مضبوط قلعہ تھا۔ (فصل القرآن حصہ اول میں تورات (پیدائش باب 19 آیت 22) کے حوالے سے حضرت لوط کی جائے پناہ کا نام ضوعر

یا ضغر لکھا ہے اور آخر الذکر ہی درست ہے۔ اطلس القرآن (عربی) میں دیا ہوا نام ”صوغر“ درست نہیں ہے کیونکہ بائبل سوسائٹی کی شائع کردہ ”کتاب مقدس“ میں بھی ”ضغر“ ہی لکھا ہے۔

قصص القرآن میں ”بستانی“ جلد 9 کے حوالے سے درج ہے: ”یہ مقام شروع سے سمندر نہیں تھا بلکہ جب قوم لوط پر عذاب آیا اور اس سرزمین کا تختہ الٹ دیا گیا اور سخت زلزلے اور بھونچال آئے تب یہ زمین تقریباً چار سو میٹر سمندر کے نیچے چلی گئی اور پانی ابھر آیا۔ اسی لیے اس کا نام بحر میت اور بحر لوط ہے۔“

صاحب قصص القرآن نے مزید لکھا ہے: ”گزشتہ دو سال کی اثری تحقیق نے بحر میت کے ساحل پر قوم لوط علیہ السلام کی بستیوں کے تباہ شدہ آثار ہویدا کر کے اس علم و یقین کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا ہے جس کا اعلان ساڑھے تیرہ سو سال پہلے قرآن عزیز نے کر دیا تھا۔“



حضرت یعقوب علیہ السلام

حضرت یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہم السلام کا نام قرآن مجید میں ان سولہ مقامات پر مذکور ہے:

سورت	سورت نمبر	آیات نمبر	سورت	سورت نمبر	آیات نمبر
البقرة	2	132، 133، 136، 140	یوسف	12	6، 38، 68
آل عمران	3	84	مریم	19	6، 49
النساء	4	163	الأنبياء	21	72
الأنعام	6	84	العنكبوت	29	27
هود	11	71	ص	38	45

چند متعلقہ آیات

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَوَحَّيْنَا إِلَيْهِمْ بِرَبِّهِمْ وَيَعْقُوبُ ط يَبْنِي إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ لَكُمُ الدِّينَ فَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنتُمْ مُسْلِمُونَ ط
أَمْ كُنْتُمْ شُهَدَاءَ إِذْ حَضَرَ يَعْقُوبُ الْمَوْتَ ۖ إِذْ قَالَ لِبَنِيهِ مَا تَعْبُدُونَ مِن بَعْدِي ط قَالُوا نَعْبُدُ إِلَهَكَ
وَالِلَّهِ أَبَائُكَ ۖ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ إِلَهًا وَاحِدًا ط وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ٢٣

”ابراہیم اور یعقوب نے اپنے اپنے بیٹوں کو اسی دین کی وصیت کی۔ ”اے میرے بیٹو! بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے یہ دین منتخب فرمایا، لہذا تمہیں جب بھی موت آئے اسلام پر آئے۔

(اے یہودیو!) کیا تم اس وقت حاضر تھے جب یعقوب کو موت آئی اور اس نے اپنے بیٹوں سے کہا تھا: ”تم میرے بعد کس کی عبادت کرو گے؟“ ان سب نے بیک زبان کہا: ”ہم اس ایک معبود کی عبادت کریں گے جو آپ کا معبود ہے اور آپ کے آباء و اجداد ابراہیم اسماعیل اور اسحاق کا بھی معبود ہے۔ یقیناً ہم اس کے فرمانبردار رہیں گے۔“
(البقرة: 132/2)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَتِلْكَ حُجَّتُنَا آتَيْنَاهَا إِبْرَاهِيمَ عَلَىٰ قَوْمِهِ ط نُرْفِعُ دَرَجَتِكَ مَنِ نَشَاءُ ط إِنَّ رَبَّكَ حَكِيمٌ عَلِيمٌ ٢٤ وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ

وَيَعْقُوبُ طُكَّلاً هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِ دَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ وَأَيُّوبَ وَيُوسُفَ وَمُوسَى وَهَارُونَ ط
وَكَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ﴿٨٦﴾ وَذَكَرْنَا وَيْحَ يَحْيَى وَعِيسَى وَإِلْيَاسَ ط كُلٌّ مِنَ الصَّالِحِينَ ﴿٨٧﴾ وَإِسْمَاعِيلَ وَالْيَسَعَ وَيُوسُفَ
وَلُوطًا وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعَالَمِينَ ﴿٨٨﴾

”یہ ہماری طرف سے ایک جنت تھی جو ہم نے ابراہیم کو اس کی قوم کے خلاف بھائی تھی۔ ہم جس کے چاہیں درجات بلند کرتے ہیں۔ بلاشبہ تیرا پروردگار بہت حکمت و علم والا ہے۔ پھر ہم نے اسے اسحاق (بیٹا) اور یعقوب (پوتا) عنایت فرمائے۔ ہم نے ان سب کو ہدایت بخشی اور اس سے قبل ہم نے نوح کو بھی ہدایت عطا کی تھی۔ نیز ابراہیم کی اولاد میں سے داؤد، سلیمان، ایوب، یوسف، موسیٰ اور ہارون کو بھی ہدایت بخشی۔ ہم نیکوکار لوگوں کو اسی طرح جزائے خیر عطا فرماتے ہیں۔ اور (ان کے بعد ہم نے) زکریا، یحییٰ، عیسیٰ اور الیاس کو بھی ہدایت سے سرفراز فرمایا۔ یہ سب نیک لوگ تھے۔ ان کے علاوہ ہم نے اسماعیل، یسع، یونس اور لوط کو بھی نور ہدایت بخشا اور ان سب کو ہم نے (اپنے اپنے دور میں) دنیا جہان پر فضیلت عطا فرمائی۔“ (الانعام: 83/6...86)

حضرت یعقوب علیہ السلام پہلے شمالی عراق کے شہر ”فدان آرام“ گئے۔ پھر واپس فلسطین لوٹ آئے۔ پھر مصر منتقل ہوئے اور وہیں فوت ہوئے۔ لیکن ان کے جسد مبارک کو محفوظ رکھا گیا اور عرصہ دراز کے بعد فلسطین لا کر ان کی وصیت کے مطابق شہر ”الخلیل“ (حبرون) میں ”مکفیلہ“ غار کے اندر دفن کیا گیا جہاں ان کے والد محو آرام تھے۔



❁ المعجم المفهرس لألفاظ القرآن الكريم : 773

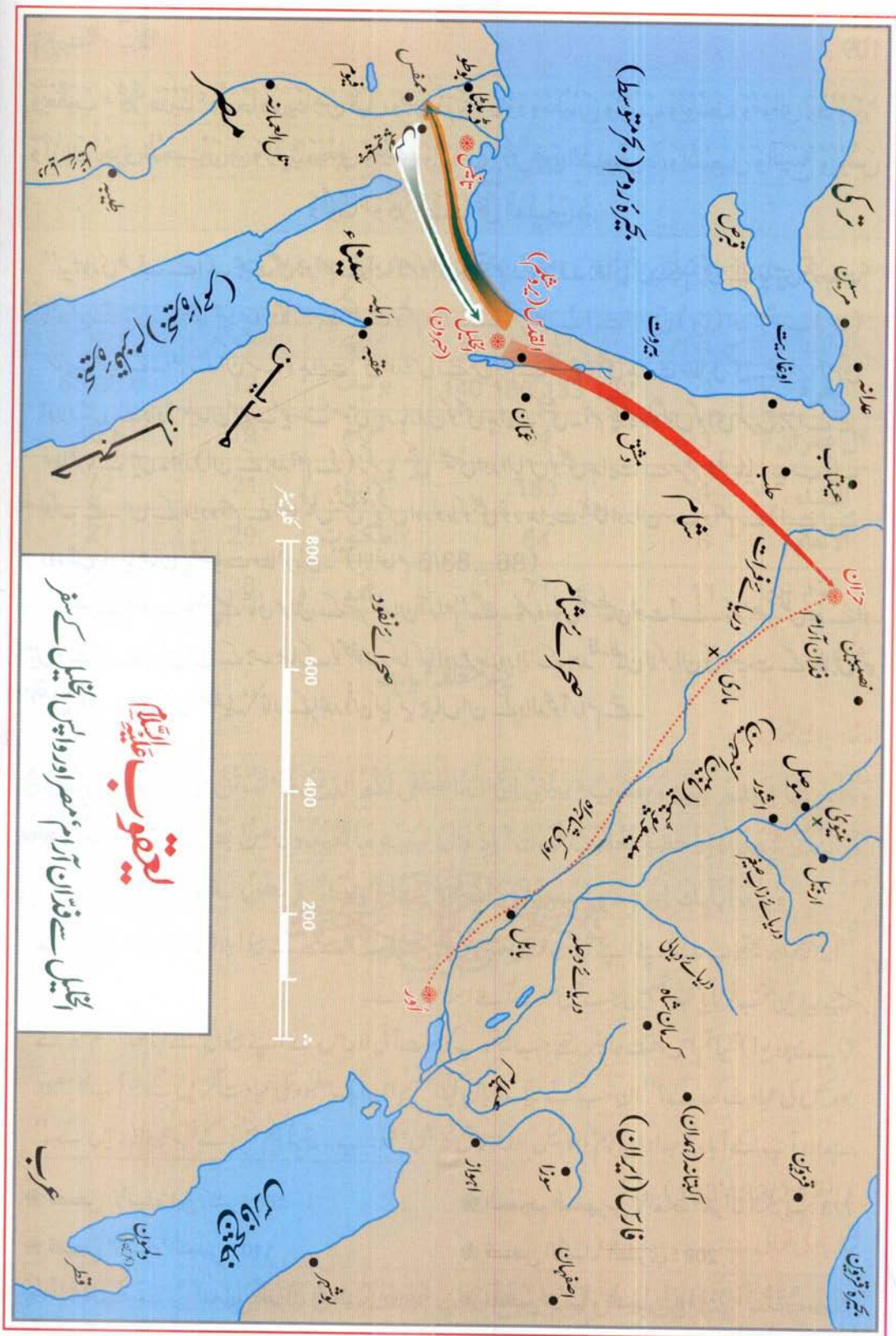
❁ قصص الأنبياء، ابن كثير : 188

❁ قصص الأنبياء، الطبري : 209

❁ قصص الأنبياء، الثعلبي : 110

❁ قصص الأنبياء، النجار : 119

❁ المعجم المفهرس لمعاني القرآن العظيم : 1332



حضرت یعقوب علیہ السلام

حضرت یعقوب علیہ السلام، حضرت اسحاق علیہ السلام کے بیٹے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پوتے تھے۔ ان کی والدہ ربیعہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے بیتوئیل کی بیٹی تھیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام اور عیسو دونوں حقیقی بھائی تھے۔ دونوں بھائیوں میں کشیدگی کے باعث حضرت یعقوب علیہ السلام اپنی والدہ کے اشارے پر بڑے سے فدان آرام (شمالی عراق) چلے گئے۔ وہاں انہوں نے سات سال اپنے ماموں لابان کی بکریاں چرائیں تو ماموں نے اپنی بڑی بیٹی لیاہ سے ان کا نکاح کر دیا اور مزید سات برس بکریاں چرانے کی شرط پر راحیل بھی ان کے نکاح میں دے دی۔ (اس زمانے میں دو بہنوں کا ایک نکاح میں جمع ہونا شرعاً ممنوع نہ تھا) بلکہ لیاہ کی خانہ زاد زلفا اور راحیل کی خانہ زاد بلہا بھی ان کی زوجیت کے رشتے میں منسلک ہو گئیں اور ان سب سے اولاد بھی ہوئی۔ بنیامین کے سوا یعقوب علیہ السلام کی تمام اولاد اس وقت پیدا ہوئی جب وہ اپنے ماموں کے ہاں مقیم تھے۔ 20 سال وہاں رہ کر حضرت یعقوب فلسطین چلے آئے اور حبرون میں مقیم ہو گئے۔ ان کی اولاد کی تفصیل یوں ہے:

لیاہ بنت لابان سے: (1) روبن (2) شمعون (3) لاوی (4) یہودا (5) اشکار (6) زبولون۔

راحیل بنت لابان سے: یوسف اور بنیامین۔

بلہا جاریہ راحیل سے: دان اور نفتالی۔

زلفا جاریہ لیاہ سے: جاد اور آشیر۔

جب حضرت یعقوب علیہ السلام حاران سے کنعان (فلسطین) پہنچے تو ان کی اہلیہ راحیل دوسرے بیٹے بنیامین کو جنم دینے کے بعد فوت ہو گئیں اور انہیں بیت اللحم میں دفن کیا گیا۔

حبرون سے مصر تک: حضرت یعقوب علیہ السلام نے کنعان میں عمر کا بڑا حصہ گزارا اور حبرون سے مصر اس وقت منتقل ہوئے جب ان کے بیٹے حضرت یوسف علیہ السلام مصر میں برسر اقتدار تھے۔ ان کے باقی بیٹے بھی ساتھ گئے۔ اس وقت چرواہے بادشاہوں کے خانوادے کا بادشاہ اوفیس ملک کا حکمران تھا۔ اس نے حضرت یوسف علیہ السلام کی انتظامی لیاقت بھانپ کر عملاً اپنے تمام اختیارات انہیں سونپ دیے تھے۔ چنانچہ حضرت یوسف کی حیثیت ریجنٹ (نائب بادشاہ) کی تھی۔ چرواہے بادشاہوں کا دار الحکومت نیل کے ڈیلٹا میں بحیرہ منزلہ کے قریب افارس نامی شہر تھا جو اب صان الحجر کہلاتا ہے۔ چرواہے بادشاہ چونکہ شام سے آئے تھے اور اپنے دیوتا بھی وہیں سے لائے تھے لہذا مصر کی مذہبی اصطلاح کے مطابق وہ ”فرعون“ نہیں تھے۔ اسی لیے اوفیس کو قرآن پاک میں ”ملک“ کہا گیا ہے، ”فرعون“ نہیں۔ (تفہیم القرآن)

جشن: حضرت یوسف علیہ السلام نے حضرت یعقوب علیہ السلام اور ان کے خاندان کو اس علاقے میں آباد کیا جو دمياط، بحیرہ منزلہ اور

قاہرہ کے درمیان ہے۔ بائبل میں اس علاقے کو جشن یا گوشن بتایا گیا ہے۔ فلسطین میں حضرت یعقوب علیہ السلام کی جائے قیام حبرون (الخلیل) کی وادی میں تھی جہاں ان کے والد حضرت اسحاق علیہ السلام اور ان سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام رہا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی کچھ زمین سکم (موجودہ نابلس) میں بھی تھی۔

سکم یا نابلس: بائبل میں ہے کہ ”حضرت یعقوب علیہ السلام نے فدان آرام سے آکر ملک کنعان کے ایک شہر سکم کے سامنے ڈیرے لگائے۔“ اور المنجد میں لکھا ہے: ”غرب اردن کے اس شہر کا قدیم نام سامرہ ہے۔ اس کے قریب بئر یعقوب اور یوسف علیہ السلام کی قبر ہے۔ نابلس کی آبادی 75 ہزار ہے۔“ درست بات یہی ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی قبر مغارہ مکفیلہ، الخلیل میں ہے جبکہ نابلس میں محض ان کی یادگار ہے۔

مجمع البلدان کے مطابق اس کا نام ”نابلس“ اس لیے پڑا کہ اس وادی میں ایک بہت بڑا سانپ (لس) تھا۔ لوگوں نے اسے مار کر اس کا دانت نکال کر شہر کے دروازے پر لٹکا دیا۔ یوں شہر کا نام ہی نابلس (اثر دے کا دانت) یا نابلس پڑ گیا۔ اس کے باہر ایک پہاڑ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہاں حضرت آدم علیہ السلام نے سجدہ کیا تھا۔ اور یہاں ایک اور پہاڑ کے بارے میں یہود کا عقیدہ ہے کہ اس جگہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو ذبح کیا تھا اور وہ غلط طور پر حضرت اسحاق علیہ السلام کو ذبح قرار دیتے ہیں حالانکہ ذبح اللہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔ نابلس میں امام دارقطنی رحمہ اللہ کے استاد محمد بن احمد بن سہل بن نصر ابو بکر الرملی عرف نابلسی مشہور ہوئے جنہیں 363ھ میں مصر کے فاطمی خلیفہ نے اس طرح شہید کیا کہ ان کی کھال اتار کر اس میں بھس بھرا اور اسے سولی پر لٹکا دیا گیا۔

بنی اسرائیل: حضرت یعقوب علیہ السلام کا عبرانی نام اسرائیل ہے۔ یہ اسرا (بندہ) اور ایل (اللہ) سے مرکب ہے یعنی ”اسرائیل“ اور ”عبداللہ“ باہم مترادف ہیں۔ اسی لیے بنو اسحاق میں سے حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد بنی اسرائیل کہلاتی ہے۔ بائبل میں لکھا ہے: ”فدان آرام سے آنے کے بعد خدا نے یعقوب سے کہا تیرا نام آگے کو یعقوب نہ کہلائے گا بلکہ تیرا نام اسرائیل ہوگا۔ سو اس نے اس کا نام اسرائیل رکھا۔“ (پیدائش: باب 35 آیت 10)

حضرت یعقوب علیہ السلام کی وفات: یعقوب علیہ السلام مصر میں ستر برس اور جیسے اس طرح ان کی کل عمر 147 برس ہوئی۔ انہوں نے وفات سے پہلے یوسف علیہ السلام کو وصیت کی کہ مجھے مصر میں دفن نہ کرنا بلکہ کنعان میں میرے باپ دادا کے پاس اس مغارہ میں جو میرے کے سامنے مکفیلہ کے کھیت میں ہے دفن کرنا۔ یہ کھیت حضرت ابراہیم نے عفرون حبشی سے مول لیا تھا۔ اسی مغارہ یعنی غار میں ابراہیم علیہ السلام اور ان کی اہلیہ سارہ علیہ السلام اور ان کی بیوی ربتہ اور یعقوب علیہ السلام اور کی بیوی لیاہ کو دفن کیا گیا تھا۔ چنانچہ جب یعقوب علیہ السلام فوت ہو گئے تو اہل مصر کے طریق پر ان کے جسد کو چالیس دن تک خوشبوؤں اور مسالوں سے محفوظ کر لیا۔ پھر یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائی اور مصر کے مشائخ یعقوب علیہ السلام کی لاش رتھ پر رکھ کر کنعان لے گئے اور وہاں حبرون میں مکفیلہ کے کھیت کے غار میں ان کی تدفین عمل میں آئی۔ (کتاب مقدس۔ پیدائش باب 50)

حضرت یوسف علیہ السلام

حضرت یوسف علیہ السلام کا نام قرآن مجید میں مندرجہ ذیل 27 مقامات پر مذکور ہے:

سورت	سورت نمبر	آیات نمبر
الأنعام	6	84
یوسف	12	4'7'8'9'10'11'17'21'29'46'51'56'58'69'76'77'80' 84'85'87'89'90 (دو دفعہ) 94'99
المؤمن	40	34

چند متعلقہ آیات

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِذْ قَالَ يُوسُفُ لِأَبِيهِ يَا أَبَتِ إِنِّي رَأَيْتُ أَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَأَيْتُهُمْ لِي سَاجِدِينَ ④ قَالَ يَبْنَئِي لَا تَقْصُصْ رُءْيَاكَ عَلَى إِخْوَتِكَ فَيَكِيدُوا لَكَ كَيْدًا إِنَّ الشَّيْطَانَ لِلْإِنْسَانِ عَدُوٌّ مُبِينٌ ⑤ وَكَذَلِكَ يَجْتَبِيكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ وَيُتِمُّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَعَلَىٰ آلِ يَعْقُوبَ كَمَا أَتَتْهَا عَلَىٰ أَبِيكَ مِنْ قَبْلُ أِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ إِنَّ رَبَّكَ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ⑥

”جب یوسف نے اپنے باپ سے کہا: ”ابا جان! میں نے خواب میں گیارہ ستارے، سورج اور چاند کو دیکھا ہے کہ وہ مجھے سجدہ کر رہے ہیں۔“ باپ نے کہا: ”پیارے بیٹے! اپنا یہ خواب اپنے بھائیوں کو نہ بتانا ورنہ وہ تیرے ساتھ کوئی نہ کوئی سازش کریں گے۔ کیونکہ شیطان انسان کا واضح دشمن ہے۔ تیرا پروردگار اسی طرح (خواب کے مطابق) تجھے (دین کے لیے) منتخب فرمائے گا۔ اور تجھے خوابوں کی تعبیر سکھائے گا اور تجھ پر اور یعقوب کی نسل پر اپنی نعمت مکمل فرمائے گا جیسا کہ اس نے اس سے پہلے تیرے دادا اسحاق اور ابراہیم پر اپنی نعمت مکمل فرمائی۔ بلاشبہ تیرا رب بہت علم و حکمت والا ہے۔“ (یوسف: 4/12...6)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَجَاءَتْ سَيَّارَةٌ فَأَرْسَلُوا وَارِدَهُمْ فَأَدْلَىٰ دَلْوَةً قَالَ لِبُشَيْرِي هَذَا غُلْمٌ وَأَسْرَوْهُ بِضَاعَةً وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِمَا يَعْمَلُونَ ⑧ وَشَرَّوهُ بِشَيْنٍ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُودَةٍ ⑨ وَكَانُوا فِيهِ مِنَ الزَّاهِدِينَ ⑩

”پھر ایک قافلہ آیا جس نے اپنا پانی لانے والا بھیجا۔ اس نے اپنا ڈول کنویں میں ڈالا تو کہنے لگا: ”واہ خوشخبری! یہ تو ایک لڑکا ہے۔“ پھر انہوں نے اسے تجارت کے نقطہ نظر سے (بکا و مال سمجھ کر) چھپا لیا۔ اللہ تعالیٰ ان کے اس کام سے بخوبی واقف تھا۔ پھر انہوں نے اسے معمولی قیمت یعنی چند درہم میں فروخت کر دیا کیونکہ وہ اس کی حقیقت جاننے میں دلچسپی نہ رکھتے تھے۔“ (یوسف: 19/12، 20)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَاسْتَجَابَ لَهُ رَبُّهُ فَصَرَفَ عَنْهُ كَيْدَهُنَّ ۖ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿٢٣﴾ ثُمَّ بَدَأَ لَهُمْ مِنْ بَعْدِ مَا دَاوُوا الْآلِيَةَ لَيَسْجُنَنَّهُ حَتَّىٰ حِينٍ ﴿٢٤﴾

”اس کے رب نے اس کی دعا قبول کر لی اور ان (عورتوں) کی سازش سے اس (یوسف) کو محفوظ رکھا۔ بلاشبہ وہی سب کچھ سننے والا خوب جاننے والا ہے۔ حقیقت حال اچھی طرح جان لینے کے باوجود انہوں نے یہی بہتر سمجھا کہ اسے کچھ دیر کے لیے قید میں ڈال دیں۔“ (یوسف: 34/12، 35)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يُوسُفُ أَيُّهَا الصِّدِّيقُ أَفْتِنَا فِي سَبْعِ بَقَرَاتٍ سَوِيٍّ يَأْكُلْنَ سَبْعَ عَجَافٍ وَ سَبْعِ سُنبُلَاتٍ خُضِرٍ وَأُخْرٍ يُبَسِّتُ ۖ لَعَلِّي أَرْجِعَ إِلَى النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿٢٥﴾ قَالَ تَزِدُّونَ سَبْعَ سِنِينَ دَابَّاءَ فَمَا حَصَدْتُمْ فَذَرُوهُ فِي سُنبُلِهِ إِلَّا قَلِيلًا مِمَّا تَأْكُلُونَ ﴿٢٦﴾ ثُمَّ يَأْتِي مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ يَأْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ إِلَّا قَلِيلًا مِمَّا تَحْصِنُونَ ﴿٢٧﴾ ثُمَّ يَأْتِي مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ عَامٌ فِيهِ يُغَاثُ النَّاسُ وَفِيهِ يَعَصِرُونَ ﴿٢٨﴾

”جناب یوسف صدیق! ہمیں تعبیر بتائیے کہ ”سات موٹی گائیں ہیں جنہیں سات کمزور گائیں کھا رہی ہیں۔ اور سات سبز خوشے ہیں جن پر سات خشک خوشے لپٹے ہوئے ہیں۔ بتا دیجیے تاکہ میں لوگوں کے پاس جا کر انہیں بتا دوں اور وہ حقیقت حال جان لیں۔“ یوسف (فی البدیہ) کہنے لگے: ”تم سات سال خوب کاشتکاری کرو گے لیکن جو فصل کاٹو اسے خوشے ہی میں رہنے دینا البتہ جو تھوڑی بہت کھانی ہو وہ نکال لینا۔ پھر اس کے بعد سات سال بڑے سخت آئیں گے جن میں وہ تمام غلہ ختم ہو جائے گا جو تم نے محفوظ رکھا ہوگا اور قلیل ہی بچے گا (جسے تم بچ وغیرہ کے لیے استعمال کر سکو گے۔) پھر ایک سال ایسا آئے گا جس میں خوب بارشیں ہوں گی اور لوگ خوب رس نچوڑیں گے۔“ (یوسف: 46/12...49)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُونِي بِهِ ۖ اسْتَخْلَصْهُ لِنَفْسِي ۖ فَلَبَّا كَلِمَهُ قَالَ إِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِينٌ أَمِينٌ ﴿٢٩﴾ قَالَ اجْعَلْنِي عَلَىٰ خَزَائِنِ الْأَرْضِ ۖ إِنِّي حَفِيظٌ عَلَيْمُ ﴿٣٠﴾

”بادشاہ نے کہا اس (لائق اور معصوم شخص) کو میرے پاس لاؤ میں اسے اپنا خصوصی وزیر مقرر کروں گا۔ پھر جب بادشاہ نے اس سے بات چیت کی تو (بہت متاثر ہوا اور) کہنے لگا: ”آپ ہمارے نزدیک انتہائی معتبر امانت دار شخصیت ہیں۔ یوسف نے کہا: ”پھر مجھے ملک کے خزانوں کا نگران مقرر کر دیجیے میں خوب حفاظت کروں گا اور میں علم بھی رکھتا ہوں۔“ (یوسف: 54/12، 55)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قَالَ هَلْ عَلِمْتُمْ مَآ فَعَلْتُمْ بِيُوسُفَ وَأَخِيهِ إِذْ أَنْتُمْ جَاهِلُونَ ﴿٨٩﴾ قَالُوا ءَاثَاكَ لَا نَتَّيْسُفُ قَالَ أَنَا يُوسُفُ وَهَذَا أَخِي نَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَيْنَا إِنَّهُ مَنْ يَتَّقِ وَيَصْبِرْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ﴿٩٠﴾ قَالُوا تَاللَّهِ لَقَدْ أَثَرَكُمُ اللَّهُ عَلَيْنَا وَإِنْ كُنَّا لَخَطِئِينَ ﴿٩١﴾ قَالَ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يُغْفِرُ اللَّهُ لَكُمْ وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ ﴿٩٢﴾ إِذْ هَبُوا بَقِيصَیْهِ هَذَا فَالْقُوْهُ عَلَى وَجْهِ ابْنِ یَاتِ بَصِیْرًا ۖ وَاتُّوْا بِأَهْلِكُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٩٣﴾

”یوسف نے کہا: ”تم جانتے ہو تم یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا کیا سلوک کرتے رہے ہو جبکہ تم جاہل تھے؟“ وہ (چونک کر) کہنے لگے: ”کہیں آپ یوسف ہی تو نہیں؟“ اس نے کہا ہاں! میں ہی یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہم پر عظیم احسان کیا ہے۔ بلاشبہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے اور (مشکل حالات میں) صبر سے کام لے تو اللہ تعالیٰ ایسے محسنین کا اجر ضائع نہیں کرتا۔“ وہ کہنے لگے: ”اللہ کی قسم! یہ قطعی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہم پر فضیلت بخشی ہے۔ بلاشبہ ہم ہی قصور وار ہیں۔“ یوسف نے کہا: ”آج میں تمہیں ذرہ بھر ملامت نہیں کروں گا۔ اللہ تعالیٰ تمہیں معاف فرمائے۔ وہ سب سے بڑھ کر رحم فرمانے والا ہے۔ میری یہ قمیص لے جاؤ اور اسے میرے ابا جان کے چہرے پر ڈال دو وہ پھر سے دیکھنے لگیں گے اور اپنے سب گھر بار والے یہاں میرے پاس لے آؤ۔“ (یوسف: 89/12...93)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَلَمَّا دَخَلُوا عَلَى يُوسُفَ أَوَىٰ إِلَيْهِ أَبَوَاهُ وَقَالَ ادْخُلُوا مِصْرَ إِن شَاءَ اللَّهُ آمِنِينَ ﴿٩٤﴾ وَرَفَعَ أَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ وَخَرُّوا لَهُ سُجَّدًا ۖ وَقَالَ يَا أَبَتِ هَذَا تَأْوِيلُ رُءْيَايَ مِنْ قَبْلُ ۖ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّي حَقًّا وَقَدْ أَحْسَنَ بِي إِذْ أَخْرَجَنِي مِنَ السِّجْنِ وَجَاءَ بِكُم مِّنَ الْبَدْوِ مِن بَعْدِ ۚ إِنَّ نَزْعَ الشَّيْطَانِ بَيْنِي وَبَيْنَ إِخْوَتِي ط إِنَّ رَبِّي لَطِيفٌ لِّمَا يَشَاءُ إِنَّهُ هُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ﴿٩٥﴾

”پھر جب وہ یوسف کے پاس پہنچے تو یوسف نے اپنے والدین (کا استقبال کیا اور ان) کو اپنے پاس بٹھایا اور کہا:

”اللہ چاہے تو تم بے خوف ہو کر مصر میں آؤ۔“ پھر اپنے والدین کو اپنے ساتھ تخت پر بٹھایا اور سب بھائی اس کے سامنے سجدہ ریز ہو گئے۔ یوسف کہنے لگا: ”ابا جان! یہ ہے تعبیر اس خواب کی جو میں نے اس سے قبل دیکھا تھا۔ میرے پروردگار نے اسے سچا کر دکھایا۔ اس نے اس وقت بھی مجھ پر بہت بڑا احسان فرمایا جب مجھے جیل سے نکالا اور اس وقت بھی جب آپ سب کو دیہات سے یہاں لایا جبکہ شیطان نے میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان غلط فہمیاں پیدا کر دی تھیں۔ بلاشبہ میرا رب جو چاہتا ہے اسے بہترین تدبیر کے ساتھ پورا کرتا ہے۔ بلاشبہ وہی خوب علم و حکمت والا ہے۔“ (یوسف: 99/12، 100)

حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ مشہور و معروف ہے۔ علاقہ بیت المقدس کے ایک کنویں میں ان کو ڈالا گیا، پھر ان کو مصر لے جانے کے بعد دارالحکومت افاریس میں فروخت کر دیا گیا۔ اسے آج کل صان الحجر کہا جاتا ہے اور یہ جگہ ”بحیرۃ منزلة“ کے قریب ہے۔ مصائب سے بھرپور زندگی گزارنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے انہیں مصر میں حکومت عطا فرمائی۔ پھر انہوں نے اپنے والد محترم حضرت یعقوب علیہ السلام اور بھائیوں کو ”بلبیس“ جسے آج کل ”سقط الحنہ“ کہا جاتا ہے کے شمال میں جشن یا جاشان کے علاقے میں آباد کیا۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام فوت ہو گئے تو انہیں الخلیل (حبرون) منتقل کیا گیا اور مکفیلہ غار میں دفن کیا گیا۔ ان کی ایک یادگار نابلس (سکم) میں ہے اور دوسری یادگار ملک شام کے قصبہ ”قلمون“ کی قریبی بستی ”نبک“ میں ہے۔



❁ المعجم المفہرس لألفاظ القرآن الکریم : 773

❁ المعجم المفہرس لمعانی القرآن العظیم : 1355

❁ قصص الأنبياء، النجار : 120

❁ قصص الأنبياء، ابن کثیر : 185

❁ قصص الأنبياء، الثعلبي : 110

❁ قصص الأنبياء، الطبري : 228



یوسف علیہ السلام

حضرت یوسف علیہ السلام، حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹے، حضرت اسحاق علیہ السلام کے پوتے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پڑپوتے ہیں۔ آپ حاران میں پیدا ہوئے۔ آپ کی والدہ راحیل بنت لابان تھیں۔ آپ کے ماں کی طرف سے سگے بھائی بنیامین بن یعقوب تھے۔ آپ سے ایک خواب سن کر آپ کے سوتیلے بھائیوں نے حسد کیا اور بہانے سے انہیں دو تن کے مقام پر لے گئے جہاں ان کو ایک کنویں میں پھینک دیا۔ جلعاد (اردن) سے آنے والا ایک قافلہ ادھر سے گزرا تو وہ لوگ یوسف علیہ السلام کو کنویں سے نکال کر مصر لے گئے۔ اس وقت حضرت یوسف علیہ السلام 18 سال کے تھے۔

بائبل کے علماء کی تحقیق کے مطابق حضرت یوسف 1906 ق م کے لگ بھگ پیدا ہوئے تھے اور 1890 ق م کے قریب حضرت یوسف علیہ السلام کے خواب دیکھنے اور کنویں میں پھینکے جانے کا واقعہ پیش آیا۔ لیکن سنوں کا یہ تعین غالباً درست نہیں کیونکہ اکثر محققین حضرت ابراہیم علیہ السلام کی فلسطین کی طرف ہجرت کا زمانہ 1800 ق م کے لگ بھگ بتاتے ہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام جب مصر لے جائے گئے اس زمانے میں مصر پر چرواہے بادشاہ (بکسوس) حکمران تھے جنہوں نے 1650 یا 1640 ق م کے لگ بھگ مصر پر حملہ کیا تھا، لہذا یوسف علیہ السلام کا زمانہ محققین کے مطابق سترہویں صدی ق م کا ہو سکتا ہے جب وہاں اپوفیس نامی بادشاہ حکمران تھا۔

مصر میں حضرت یوسف کو ”عزیز“، فوطیفار یا فوطیفرح نے خرید لیا۔ عزیز حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کے مطابق شاہی خزانے کا افسر تھا۔ پھر فوطیفار کی بیوی زلیخا کی طرف سے حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ جو معاملہ ہوا اس کے نتیجے میں یوسف علیہ السلام کو نو دس سال قید بھگتنی پڑی۔ قید خانے میں انہوں نے دو قیدیوں کے خوابوں کی تعبیر بتائی۔ ان دونوں میں سے جو شخص قید سے چھوٹ گیا وہ بادشاہ مصر اپوفیس کے ساقیوں کا سردار تھا، اس نے کئی سال بعد بادشاہ کا خواب سن کر اور بادشاہ کی اجازت سے جیل آ کر یوسف علیہ السلام سے شاہی خواب کی تعبیر پوچھی۔ یوسف کی بتائی ہوئی تعبیر جب بادشاہ نے سنی تو اس نے یوسف علیہ السلام کو دربار میں بلا بھیجا اور پھر انہیں نائب السلطنت کے منصب پر فائز کر دیا۔ سورہ یوسف میں برسر اقتدار حضرت یوسف علیہ السلام کے لیے مَلِک اور عَزِیز دونوں الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ ”عزیز“ مصر میں کسی خاص منصب کا نام نہ تھا بلکہ محض ”صاحب اقتدار“ کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے جیسے ہمارے ہاں لفظ ”سرکار“ بولا جاتا ہے۔ لفظ مَلِک (بادشاہ) سے اندازہ ہوتا ہے کہ یوسف علیہ السلام کو نائب السلطنت یا رومی اصطلاح میں ڈکٹیٹر بنایا گیا تھا جیسا کہ یوسف علیہ السلام نے ﴿اجْعَلْنِي عَلَى خَزَائِنِ الْأَرْضِ﴾ (ملکی خزانوں پر مامور) کیے جانے کا تقاضا کیا تھا۔ (تفہیم القرآن جلد 2) یوسف علیہ السلام جب مصر کے نائب السلطنت بن گئے تو انہوں نے شاہی خواب کے مطابق آنے والے قحط کے پیش نظر

بہترین انتظامات کیے حتیٰ کہ ان کے سوتیلے بھائی کنعان سے غلہ لینے مصر آئے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی خواہش پر اگلے سال وہ بنیامین کو بھی ساتھ لائے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے ایک عذر کے باعث بنیامین وہیں یوسف علیہ السلام کے پاس رہے۔ اور جب حضرت یوسف علیہ السلام کے علاقائی بھائی تیسری بار مصر آئے تب حضرت یوسف نے بھائیوں کے سامنے اپنے آپ کا انکشاف کیا اور وہ برسرِ اقتدار بھائی کو دیکھ کر اپنے سابقہ رویے پر نادم ہوئے۔ پھر یوسف علیہ السلام نے اپنے والد حضرت یعقوب علیہ السلام کو بھی مصر بلوایا۔ بائبل کے مطابق بنی اسرائیل جو مصر آئے وہ یہوؤں کو چھوڑ کر شمار میں 66 تھے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے دو بیٹے تھے: منسی اور افرائیم اور یوسف علیہ السلام کے بھائی بنیامین (بن یمن) کے دس بیٹے ہوئے۔
دوتن: حضرت یوسف علیہ السلام سترہ برس کی عمر میں جس کنویں میں پھینکے گئے وہ بائبل اور تلمود کی روایات کے مطابق سکم (نابلس) کے شمال میں دوتن کے قریب واقع تھا جسے آج کل دُتان کہا جاتا ہے۔ سکم یا سکیم بیت ایل (بیت المقدس) سے تقریباً پچاس کلومیٹر شمال میں تھا اور دوتن سکم سے پندرہ بیس کلومیٹر شمال میں موجودہ طوباس اور جنین کے قریب واقع تھا۔
سکیم: حضرت یعقوب علیہ السلام نے حاران سے آکر کنعان کے شہر سکم کے سامنے ڈیرے لگائے تھے جسے آج کل نابلس کہا جاتا ہے۔ غرب اردن (West Bank) کے اس شہر کا قدیم نام سامرہ ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کی کچھ زمین سکم میں تھی۔ جب بنی اسرائیل مصر سے واپس آئے تو انہوں نے یوسف علیہ السلام کا جسد حسب وصیت کنعان لا کر سکم کے ایک گاؤں بلاطہ میں دفن کیا۔

جشن: حضرت یوسف علیہ السلام نے حضرت یعقوب علیہ السلام اور بنی اسرائیل کو اس زرخیز خطے میں آباد کیا جو دریائے نیل کے ڈیلٹا میں دمیاط اور قاہرہ کے درمیان بحیرہ منزلہ کے جنوب میں اور بلیمس کے شمال میں واقع ہے۔ بائبل میں اس علاقے کو جشن یا گوشن بتایا گیا ہے۔ یوسف علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو شاہ مصر اپوفیس کے حکم کے مطابق اعمیس کا علاقہ جاگیر میں دیا جو ملک کا نہایت زرخیز خطہ تھا۔ جشن (یا جاشان) کا دارالحکومت افالیں تھا جسے تانیس بھی کہا جاتا ہے۔ آج کل اسے صان الحجر کہتے ہیں اور یہ محافظہ شرقیہ (مشرقی صوبہ) میں برکہ کے جنوب میں واقع ہے۔ تانیس چرواہے بادشاہوں اور اکیسویں تا چوبیسویں خاندانوں کا دارالحکومت تھا۔ ان دنوں محافظہ شرقیہ کا دارالحکومت زقازیق ہے۔

ہیلیو پولس: قاہرہ کے مشرق میں سات آٹھ کلومیٹر پر عین شمس یا ہیلیو پولس واقع تھا جسے اب مصر الحدیدہ کہا جاتا ہے۔ یونانی نام ہیلیو پولس کے معنی ہیں ”سورج کا شہر“ کیونکہ یہاں سورج دیوتا کی پوجا ہوتی تھی۔ اسی جگہ وہ دوستون تھے جنہیں قلوپٹرہ کی سوئیاں کہا جاتا ہے۔ سنگ خارا کے یہ ستون تو تھموس سوم نے 1475 ق م کے لگ بھگ نصب کیے تھے۔ 12 ق م میں رومیوں نے انہیں سکندریہ میں لے جا گاڑا۔ 1878ء میں ایک بار پھر انہیں اکھاڑا گیا اور اب ان میں سے ایک لندن میں دریائے ٹیمز کے کنارے ایستادہ ہے اور دوسرا نیویارک میں۔

”عین شمس“ کے بارے میں یاقوت حموی لکھتے ہیں: ”یہ مصر میں فرعون موسیٰ کا شہر تھا۔ فسطاط اور عین شمس کے مابین 3 فرسخ (یعنی 9 میل) کا فاصلہ ہے۔ شام کی طرف سے آئیں تو یہ پلیمس اور فسطاط کے مابین مَطَرِیہ کے قریب واقع ہے (جبکہ مطریہ عین شمس کے جنوب میں ہے) اور یہ نیل کے کنارے واقع نہیں۔ یہیں زلیخا نے یوسف علیہ السلام کی قمیص چاک کی تھی۔“

گویا یا قوت کے بقول عین شمس حضرت یوسف اور حضرت موسیٰ علیہ السلام دونوں کے زمانے میں مصر کا دارالحکومت تھا مگر جدید تحقیق کے مطابق یوسف علیہ السلام کے زمانے میں شاہ مصر کا دارالحکومت نیل کے ڈیلٹا میں تانیس (صان الحجر) نامی شہر تھا جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عہد سے پہلے دارالحکومت بالائی مصر میں ”تھیسس“ یا ”طیبہ“ کے مقام پر منتقل ہو گیا جسے اب ”الاقصر“ کہا جاتا ہے۔

ہلیکس: یہ قاہرہ (فسطاط) سے تقریباً 50 کلومیٹر شمال مشرق میں محافظہ شرقیہ (مشرقی صوبے) میں واقع ہے جو عہد یوسفی میں جشن کہلاتا تھا۔ اسے 18ھ میں عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے فتح کیا۔

مصر کے چرواہے بادشاہ (Hyksos Kings)

یہ سامی النسل قوم تھی جس نے مصر پر 1640 ق م کے لگ بھگ حملہ کیا اور نیل کے ڈیلٹا میں آباد ہو گئی۔ مصری تاریخ کے پندرہویں اور سولہویں خانوادے کے حکمران ہیکسوس یا چرواہے بادشاہ ہی تھے جنہوں نے مصر کے بڑے حصے پر حکومت کی حتیٰ کہ 1532 ق م کے لگ بھگ انہیں مصریوں نے نکال باہر کیا۔ لفظ ہیکسوس (Hyksos) یونانی زبان کے لفظ Hukosos سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں ”چرواہے بادشاہ“ لیکن ایک توجیہ اس طرح ہے کہ یہ نام قدیم مصری الفاظ Heqa khoswe سے مرکب ہے اور اس کے معنی ہیں ”غیر ملکی حکمران“ (آکسفورڈ انگلش ریفرنس ڈکشنری) ہیکسوس قوم کو مصر سے نکال باہر کرنے والے بالائی مصر کے اُمراء تھے۔ ان میں سے آئیس اول نے طیبہ (Thebes) کو دارالحکومت بنایا اور سترہویں شاہی خانوادے کی بنیاد ڈالی۔ طیبہ یا تھیسس دریائے نیل کے مشرقی کنارے پر اس جگہ آباد تھا جہاں آج شہر الاقصر (Luxor) واقع ہے۔

سید ابوالاعلیٰ مودودی سورۃ یوسف کے ”تاریخی و جغرافیائی حالات“ کی ذیل میں لکھتے ہیں:

”مصر پر اس زمانہ میں پندرہویں خاندان کی حکومت تھی جو مصری تاریخ میں چرواہے بادشاہوں کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ لوگ عربی النسل تھے اور فلسطین و شام سے مصر جا کر دو ہزار برس قبل مسیح کے لگ بھگ سلطنت مصر پر قابض ہو گئے تھے۔ عرب مؤرخین ان کے لیے ”عمالیق“ کا نام استعمال کرتے ہیں..... ان کی حکومت میں حضرت یوسف علیہ السلام کو عروج حاصل کرنے کا موقع ملا اور پھر بنی اسرائیل وہاں ہاتھوں ہاتھوں لیے گئے..... پندرہویں صدی قبل مسیح (سولہویں صدی کہنا درست ہوگا) کے اواخر تک یہ لوگ مصر پر قابض رہے اور ان کے زمانے میں ملک کا سارا اقتدار عملاً بنی اسرائیل کے ہاتھ میں رہا..... اس کے بعد ملک میں ایک زبردست قوم پرستانہ تحریک اٹھی جس نے ہیکسوس اقتدار کا تختہ الٹ دیا۔ ڈھائی لاکھ کی تعداد میں عمالقہ مصر سے نکال دیے گئے اور ایک نہایت متعصب قبطی النسل خاندان برسر اقتدار آ گیا اور اس نے بنی اسرائیل پر ان مظالم کا سلسلہ شروع کیا جن کا ذکر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصے میں آتا ہے۔“

یوسف علیہ السلام کی تدفین: بائبل کے مطابق حضرت یوسف علیہ السلام نے 110 سال کی عمر میں وفات پائی اور انتقال کے وقت بنی اسرائیل کو وصیت کی کہ جب تم اس ملک سے نکلو تو میری ہڈیاں اپنے ساتھ لے کر جانا۔ چنانچہ توراۃ میں لکھا ہے: ”یوسف (علیہ السلام) نے افرائیم کی اولاد تیسری پشت تک دیکھی اور منسی کے بیٹے مکیہ کی اولاد کو بھی یوسف نے اپنے گھٹنوں پر کھلایا۔ اور یوسف (علیہ السلام) نے اپنے بھائیوں سے کہا کہ میں مرتا ہوں اور خدا یقیناً تم کو یاد کرے گا اور تم کو اس ملک سے نکال کر اس ملک میں پہنچائے گا جس کے دینے کی قسم اس نے ابراہام اور اسحاق اور یعقوب سے کھائی تھی اور یوسف نے بنی اسرائیل سے قسم لے کر کہا خدا یقیناً تم کو یاد کرے گا۔ سو تم ضرور میری ہڈیوں کو یہاں سے لے جانا اور یوسف نے ایک سو دس برس کا ہو کر وفات پائی۔ اور انہوں نے اس کی لاش میں خوشبو بھری (اسے حنوط کیا) اور اسے مصر میں صندوق میں رکھا۔ (پیدائش باب: 50)

حضرت یوسف علیہ السلام کو بحیرہ منزلہ کے پاس جشن کے علاقے میں دفن کیا گیا تھا، چنانچہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو مصر سے فلسطین لے چلے تو انہوں نے یوسف علیہ السلام کا تابوت جس میں ان کا حنوط شدہ جسم تھا، ساتھ لے لیا اور انہیں فلسطین لے جا کر دفنایا۔ یا قوت حموی لکھتے ہیں: یوسف علیہ السلام کی قبر بلاط میں ہے جو فلسطین کے علاقہ نائلس کا ایک گاؤں ہے۔ ان کی قبر ایک درخت کے نیچے ہے۔“

حضرت یوسف علیہ السلام کا جسد مبارک فلسطین لے جانے کا حوالہ ایک حدیث میں بھی ملتا ہے حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ”نبی ﷺ ایک اعرابی (دیہاتی) کے پاس گئے۔ اس دیہاتی نے آپ ﷺ کی خدمت کی تو آپ نے اس سے کہا: ہمارے پاس بھی آنا۔ ایک دن وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم اپنی کسی حاجت کا سوال کر سکتے ہو؟ وہ کہنے لگا: ”ایک اونٹنی کجاوے کے ساتھ اور دودھ والی بکریاں جنہیں میرے گھر والے دوہتے رہیں۔“ تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”کیا تم اس بات سے بھی عاجز ہو کہ بنی اسرائیل کی بڑھیا جیسے ہو جاؤ؟“ صحابہ نے عرض کی: ”اللہ کے رسول! بنی اسرائیل کی اس بڑھیا کا کیا قصہ ہے؟“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”حضرت موسیٰ علیہ السلام جب قوم بنی اسرائیل کو مصر سے لے کر چلے، تو وہ راستہ بھول گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: یہ کیا ہوا؟ ان کے علماء کہنے لگے ہم آپ کو اس کے بارے میں بتاتے ہیں: جب یوسف علیہ السلام کی موت کا وقت قریب ہوا تو انہوں نے ہم (بنی اسرائیل) سے عہد لیا تھا کہ جب تم مصر سے جانے لگو تو میرا وجود بھی ساتھ ہی لے جانا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا: آپ کی قبر کا کسی کو علم ہے؟ علماء نے جواب دیا ہمیں تو اس کا علم نہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی قبر کہاں ہے؟ البتہ بنی اسرائیل میں سے ایک بڑھیا جانتی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے بلا بھیجا، وہ آپ کے پاس آئی تو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: یوسف علیہ السلام کی قبر کی طرف ہماری رہنمائی کرو، وہ کہنے لگی: اللہ کی قسم! انہیں ایسے نہیں بتاؤں گی حتیٰ کہ تم میرا مطالبہ پورا کرو۔ آپ نے پوچھا: تیرا مطالبہ کیا ہے؟ وہ کہنے لگی: میں جنت میں آپ کے ساتھ جاؤں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس مطالبے کو اچھا نہ سمجھا، پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی کی کہ اس کے مطالبے کے مطابق ہاں کر دو۔ چنانچہ وہ آپ کو ایک بحیرہ (پانی کی جگہ) پر لے گئی، جہاں اکثر پانی جمع رہتا تھا، وہ کہنے لگی اس

پانی کو سوتو۔ لوگوں نے اس پانی کو سوت ڈالا پھر کہنے لگی (اس جگہ کو کھود کر) حضرت یوسف علیہ السلام کا بدن نکال لو جب انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کے جسد کو اٹھا کر زمین سے (باہر) نکالا تو راستہ روز روشن کی طرح واضح ہو گیا۔“ (سلسلۃ الأحادیث الصحیحہ: 1/622، حدیث: 313)

مصری محقق احمد یوسف احمد آفندی ایک مضمون میں لکھتے ہیں: یہ بات پایہ تحقیق کو پہنچ چکی ہے کہ یوسف علیہ السلام جب مصر میں داخل ہوئے تو یہ فرعون کے سولہویں خاندان کا زمانہ تھا اور اس فرعون کا نام ابابی الاول تھا۔ میں نے اس کی شہادت اس حجری کتبے سے حاصل کی ہے جو عزیز مصر فوتی فارع (فوطیفار) کے مقبرے میں پایا گیا اور سترہویں خاندان کے بعض آثار سے یہ بھی ثابت ہو چکا ہے کہ اس سے پہلے قریب کے زمانے میں مصر میں ہولناک قحط پڑ چکا تھا لہذا یہ کہا جاسکتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا داخلہ مصر ابابی الاول کے زمانہ تقریباً 1600 ق م میں ہوا..... اور بنی اسرائیل تقریباً 27 سال بعد مصر میں داخل ہوئے۔ (بحوالہ قصص القرآن از مولانا سیوہاروی)

اہل حبرون (اخلیل کے لوگ) یہ کہتے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام حبرون میں مدفون ہیں اور حرم خلیلی میں مکفیلہ کے قریب ایک محفوظ تابوت کے متعلق ان کا دعویٰ ہے کہ یہی تابوت یوسف ہے مگر درست یہی ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی ضریح مبارک نابلس میں ہے جیسا کہ تورات کہتی ہے کہ ”یوسف علیہ السلام ارض افرانیم میں دفن ہوئے اور نابلس ارض افرانیم میں ہے جسے قدیم زمانے میں شکم کہتے تھے۔“



حضرت شعیب علیہ السلام

حضرت شعیب علیہ السلام کا نام نامی قرآن مجید میں گیارہ دفعہ مذکور ہے تفصیل یہ ہے:

سورت	سورت نمبر	آیات نمبر	سورت	سورت نمبر	آیات نمبر
الأعراف	7	85'88'90'92 (دودفعہ)	الشعراء	26	177
ہود	11	84'87'91'94	العنکبوت	29	36

چند متعلقہ آیات

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَالِی مَدَیْنَ اَحَاهُمْ شُعَیْبًا قَالَ یَقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهُ قَدْ جَاءَتْكُمْ بَیِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَافْوَکِیْلَ وَالْیَزَانَ وَلَا تَبْخُسُوا النَّاسَ اَشْیَاءَ هُمْ وَلَا تُفْسِدُوا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا ذٰلِکُمْ خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۝۸۵ وَلَا تَقْعُدُوا بِکُلِّ صِرَاطٍ تُوعِدُوْنَ وَتَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِهٖ وَتَبْغُوْهَا عَوْجًا ۝۸۶ وَاذْکُرُوْا اِذْ کُنْتُمْ قَلِیْلًا فَکَثَرْتُمْ ۝۸۷ وَاَنْظُرُوْا کَیْفَ کَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِیْنَ ۝۸۸ وَاِنْ کَانَ طَایِفَةٌ مِّنْکُمْ اٰمَنُوْا بِالَّذِیْ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَطَایِفَةٌ لَّمْ یُؤْمِنُوْا فَاصْبِرُوْا حَتّٰی یَحْکُمَ اللّٰهُ بَیْنَنَا ۝۸۹ وَهُوَ خَیْرُ الْحٰکِمِیْنَ ۝۹۰ قَالَ الْهٰلَا الَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَنُخْرِجَنَّکَ یٰشُعَیْبُ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَکَ مِنْ قَرِیْنَتَا اَوْ لَتَعُوْدَنَّ فِیْ مَلَّتِنَا قَالَ اَوْ لَوْ کُنَّا کَرِہِیْنَ ۝۹۱ قَدْ افْتَرٰیْنَا عَلٰی اللّٰهِ کَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِیْ مَلَّتِکُمْ بَعْدَ اِذْ نَجَّیْنَا اللّٰهَ مِنْهَا وَمَا یَکُوْنُ لَنَا اَنْ نَّعُوْدَ فِیْهَا اِلَّا اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّنَا وَسِعَ رَبُّنَا کُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا عَلٰی اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا رَبَّنَا افْتَحْ بَیْنَنَا وَبَیْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَیْرُ الْفَاتِحِیْنَ ۝۹۲ وَقَالَ الْهٰلَا الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَیْنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَیْبًا اِنَّکُمْ اِذَا لَخِیْرُوْنَ ۝۹۳ فَاکْخِذْهُمْ الرَّجْفَةَ فَاصْبَحُوْا فِیْ دَارِهِمْ جَثِیْمِیْنَ ۝۹۴ الَّذِیْنَ کَذَّبُوْا شُعَیْبًا کَانَ لَمْ یَغْنَوْا فِیْهَا ۝۹۵ الَّذِیْنَ کَذَّبُوْا شُعَیْبًا کَانُوْا هُمُ الْخٰسِرِیْنَ ۝۹۶ فَتَوَلّٰی عَنْهُمْ وَقَالَ یَقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُکُمْ رِّسٰلَتِ رَبِّیْ وَنَصَحْتُ لَکُمْ فَکَیْفَ اَسٰی عَلٰی قَوْمٍ کٰفِرِیْنَ ۝۹۷

”ہم نے مدین کی طرف ان کے (ہم نسب) بھائی شعیب کو بھیجا۔ اس نے کہا: ”اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو

کیونکہ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ پھر تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے واضح دلیل آچکی ہے۔ لہذا ماپ تول پورا رکھو اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم کر کے نہ دیا کرو اور زمین کی اصلاح کے بعد اس میں خرابی پیدا نہ کرو۔ یہ بات تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم ایمان لے آؤ۔ اور ایسا نہ کرو کہ ہر راستے پر بیٹھ کر لوگوں کو ڈراؤ دھمکاؤ اور ایمان لانے والوں کو اللہ کے راستے سے روکو بلکہ اسے کج کرنا چاہو۔ اور یاد کرو کہ تم کسی وقت تھوڑے تھے پھر اس نے تم کو زیادہ کر دیا۔ یہ بھی نظر میں رکھو کہ پہلے فساد یوں کا انجام کیا ہوا؟ اگر تم میں سے کچھ لوگ میرے پیغام پر ایمان لے آئے ہیں اور بہت سے لوگ ایمان نہیں لائے تو کچھ دیر صبر کر لو حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ خود ہی ہمارے درمیان فیصلہ فرما دے گا اور وہی بہترین فیصلہ فرمانے والا ہے۔“ اس کی قوم کے متکبر سردار کہنے لگے: ”اے شعیب! ہم تجھے اور تجھ پر ایمان لانے والوں کو اپنی بستی سے نکال دیں گے ورنہ تمہیں پرانے دین میں واپس آنا ہوگا۔“ شعیب نے کہا: ”خواہ ہم تمہارے دین کو ناپسند ہی کریں؟ اگر ہم تمہارے دین میں واپس آجائیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کا نام لے کر جھوٹ گھڑا ہے؟ خصوصاً جبکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں تمہارے دین سے نجات دے دی ہے۔ اب یہ تو ہو ہی نہیں سکتا کہ ہم تمہارے دین میں واپس آجائیں۔ ہاں! اللہ تعالیٰ کی مشیت ہی یہ ہو تو الگ بات ہے۔ اللہ تعالیٰ کا علم ہر چیز پر حاوی ہے۔ ہمارا بھروسہ اللہ ہی پر ہے۔ اے ہمارے پروردگار! ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان صحیح فیصلہ فرما۔ یقیناً تو بہترین فیصلہ فرمانے والا ہے۔“ اس کی قوم کے کافر سردار کہنے لگے: ”اگر تم لوگ شعیب کے پیچھے لگ گئے تو تمہیں بہت گھانا برداشت کرنا پڑے گا۔“

آخر کار ان کو ایک زبردست زلزلے نے آلیا اور وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔ شعیب کو جھٹلانے والوں کا حال یہ ہوا کہ گویا وہ کبھی اس بستی میں رہے نہ تھے اور شعیب کو جھٹلانے والے ہی سراسر گھٹائے میں رہے۔ شعیب افسوس کرتے ہوئے ان کو چھوڑ گئے اور کہہ رہے تھے: ”اے میری قوم! میں نے تم تک اپنے رب کریم کے پیغامات پہنچا دیے اور تم سے بھرپور خیر خواہی کی۔ اب میں اس کا فرق تم پر کیا افسوس کروں؟“ (الاعراف: 85/7... 93)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَإِلَىٰ مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا قَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنِّ إِلَهٍ غَيْرُهُ وَلَا تَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْبِيزَانَ إِنِّي أَرَاكُمْ بِخَيْرٍ وَإِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيطٍ ۝۷۶ وَيَقَوْمِ أَوفُوا الْمِكْيَالَ وَالْبِيزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخُسُوا النَّاسَ أَمْثِلًا هُمْ وَلَا تَعْثُوا فِي الْأَرْضِ مُمْسِدِينَ ۝۷۷ بَقِيَّتُ اللَّهِ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ ۝۷۸ وَمَا أَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيظٍ ۝۷۹ قَالُوا يَشْعِبُ أَسْلُوكَ تَأْمُرُكَ أَنْ تَتْرُكَ مَا يَعْبُدُ آبَاؤُنَا أَوْ أَنْ تَفْعَلَ فِي أَمْوَالِنَا مَا نَشَاءُ إِنَّكَ لَأَنْتَ الْحَلِيمُ الرَّشِيدُ ۝۸۰ قَالَ لِقَوْمِهِ ارْءَيْكُمْ إِن كُنْتُمْ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّي وَرَزَقْنِي مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا وَمَا أُرِيدُ أَنْ أَمْلِكُمْ عَنْهُ إِن أُرِيدُ إِلَّا الْإِصْلَاحَ

مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ ۝ وَلَيَقُولُنَّ لَا يَجِرُ مَنَّكُمْ شِقَاقِي أَنْ يُصِيبَكُمْ مِثْلُ مَا أَصَابَ قَوْمَ نُوحٍ أَوْ قَوْمَ هُودٍ أَوْ قَوْمَ صَالِحٍ ۚ وَمَا قَوْمُ لُوطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِيدٍ ۝ وَأَسْتَغْفِرُوا رَبَّهُمْ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ إِنَّ رَبِّي رَحِيمٌ وَدُودٌ ۝ قَالُوا يَشْعِيبُ مَا نَفَقَهُ كَثِيرًا مِّمَّا تَقُولُ وَإِنَّا لَنَرَاكَ فِينَا ضَعِيفًا وَلَوْ لَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنَاكَ وَمَا أَنْتَ عَلَيْنَا بِعَزِيزٍ ۝ قَالَ يَقَوْمِ اأَرْهَطِي أَعَزُّ عَلَيْكُمْ مِنَ اللَّهِ ۚ وَاتَّخَذْتُمُوهُ وَرَاءَكُمْ ظَهْرِيَّ إِنَّ رَبِّي بِمَا تَعْمَلُونَ مُحِيطٌ ۝ وَلَيَقُولُنَّ أَعْمَلُوا عَلَىٰ مَكَانَتِكُمْ إِنِّي عَامِلٌ ۚ سَوْفَ تَعْلَمُونَ ۚ مَنْ يَأْتِيهِ عَذَابٌ يُخْزِيهِ وَمَنْ هُوَ كَاذِبٌ ۚ وَارْتَقِبُوا إِنِّي مَعَكُمْ رَقِيبٌ ۝ وَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا نَجَّيْنَا شُعَيْبًا ۖ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ بِرَحْمَةٍ مِنَّا ۚ وَآخَذَتِ الَّذِينَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةَ فَأَصْبَحُوا فِي دِيَارِهِمْ جُثَثِينَ ۝ كَانُوا لَمْ يَعْنُوا فِيهَا ۚ إِلَّا بُعْدًا لِّلَّذِينَ كَمَا بَعَدَتْ ثَمُودُ ۝

”اور ہم نے دین والوں کی طرف ان کے ایک بھائی شعیب کو بھیجا۔ اس نے کہا: ”اے میری قوم! اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ نیز ناپ تول میں کمی نہ کرو۔ میں تمہیں خوشحال دیکھ رہا ہوں، مجھے تو خطرہ ہے کہ تمہیں گھیرنے والا عذاب آ لے گا۔ اور اے میری قوم! انصاف کے ساتھ ماپ تول پورا کرو۔ اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم کر کے نہ دیا کرو اور زمین میں فساد کرتے نہ پھرو۔ اگر تم ایمان لے آؤ تو اللہ کی دی ہوئی بچت ہی تمہارے لیے بہتر ہے۔ ویسے میں تم پر نگران نہیں ہوں۔“

وہ کہنے لگے: ”اے شعیب! کیا تیری نماز تجھے تلقین کرتی ہے کہ ہم ان معبودوں کو چھوڑ دیں جن کی عبادت ہمارے آباء و اجداد کرتے رہے یا ہم اپنے مال میں اپنی مرضی کے مطابق تصرف نہ کریں؟ واقعاً تو بڑا عقل مند سمجھدار ہے۔ شعیب نے کہا: ”میرے بھائیو! تم بتاؤ اگر میں اپنے رب کی طرف سے واضح دلیل پر ہوں اور اس نے مجھے اپنی طرف سے حلال رزق عطا فرمایا ہے۔ (تو میں پھر بھی تمہاری پیروی کروں؟) میں یہ نہیں کر سکتا کہ جس کام سے تمہیں روکوں اسے خود کرنا شروع کر دوں۔ میری نیت تو صرف اصلاح کی ہے۔ اور وہ بھی اپنی طاقت کے مطابق۔ کیونکہ توفیق تو اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ملتی ہے۔ اسی پر میرا بھروسہ ہے اور اسی کی طرف میں متوجہ ہوتا ہوں۔ میری قوم کے لوگو! میری مخالفت تمہیں اس حد تک نہ لے جائے کہ تمہیں بھی اس قسم کا عذاب پہنچے جو نوح، ہود یا صالح (علیہم السلام) کی قوموں پر نازل ہوا۔ اور قوم لوط کی بستی تو تم سے کچھ زیادہ دور نہیں۔ اپنے رب سے بخشش طلب کرو اور اس کے سامنے توبہ کر لو بلاشبہ میرا رب نہایت رحم کرنے والا بہت زیادہ محبت کرنے والا ہے۔“

وہ کہنے لگے: ”اے شعیب! ہمیں تیری اکثر باتیں سمجھ ہی میں نہیں آتیں، ویسے بھی ہم تجھے اپنے مقابلے میں کمزور دیکھ رہے ہیں۔ اگر تیرا قبیلہ نہ ہوتا تو ہم تجھے پتھر مار مار کر ختم کر دیتے تو ہم سے قوی نہیں۔“ شعیب نے کہا: ”اے میری قوم! کیا میرا قبیلہ تمہیں اللہ سے بڑھ کر عزیز ہے کہ تم نے اسے پس پشت ڈال رکھا ہے؟ بلاشبہ میرا رب

تمہارے اعمال کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ اے میری قوم! تم اپنی جگہ عمل کرتے رہو۔ میں اپنی جگہ کام کرتا رہوں گا۔ عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ کس پر رسوا کن عذاب نازل ہوتا ہے اور کون جھوٹا ثابت ہوتا ہے۔ تم بھی انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کر رہا ہوں۔“

”پھر جب ہمارے عذاب کا وقت آ گیا تو ہم نے شعیب اور اس پر ایمان لانے والوں کو اپنی رحمت کے ساتھ نجات دی اور ان ظالموں کو زبردست چنگھاڑنے آ لیا اور وہ اپنے گھروں میں اوندھے منہ پڑے کے پڑے رہ گئے۔ ایسے محسوس ہو رہا تھا کہ وہ کبھی وہاں رہے ہی نہیں۔ خبردار! مدین والے بھی دفع دور ہو گئے جس طرح شمود دفع دور ہوئے۔“ (ہود: 84/11... 95)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَالِیْ مَدَیْنٍ اَخَاهُمْ شُعَیْبًا ۖ فَقَالَ یَقُوْمُ اَعْبُدُوا اللّٰهَ وَارْجُوا یَوْمَ الْاٰخِرِ وَلَا تَعْتَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ ۝ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَتْهُمْ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِیْ دَارِهِمْ جَثِیْمَیْنَ ۝

”اور ہم نے مدین والوں کی طرف ان کے بھائی شعیب کو بھیجا۔ انہوں نے کہا: ”اے میری قوم! تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور یوم آخرت کی توقع رکھو اور زمین میں فساد کرتے نہ پھرو۔“ مگر انہوں نے اس کی تکذیب کی نتیجتاً ان کو زلزلے نے آ لیا اور وہ اپنے گھروں میں اوندھے منہ پڑے رہ گئے۔“ (العنکبوت: 29/36، 37)

اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیب علیہ السلام کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے مدین کی قوم کی طرف بھیجا۔ یہ لوگ حجاز کے علاقے میں خلیج عقبہ کے مشرق میں رہتے تھے۔

”ایکھ“ درختوں کے جھنڈ کو کہتے ہیں۔ یہ مقام بھی مدین ہی کے قریب ہے۔ اور ایک قول کے مطابق اس سے شہر ”تبوک“ مراد ہے جو جسمی اور شروزی پہاڑوں کے درمیان واقع ہے۔



✽ المعجم المفهرس لألفاظ القرآن الكريم : 383

✽ المعجم المفهرس لمعاني القرآن العظيم : 633

✽ قصص الأنبياء، النجار : 145

✽ قصص الأنبياء، ابن كثير : 239

✽ قصص الأنبياء، الثعلبي : 167

✽ قصص الأنبياء، الطبري : 285



حضرت شعیب علیہ السلام

حضرت شعیب علیہ السلام کی بعثت مدین یا مدیان میں ہوئی تھی۔ مدین دراصل ایک قبیلہ کا نام ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے مدین کی نسل سے تھا۔ مدین یا مدیان ابراہیم علیہ السلام کی تیسری بیوی قطورا سے پیدا ہوئے اس لیے ان کا خاندان بنی قطورا کہلاتا ہے۔

مدین: مدین کا قبیلہ بحیرہ قلزم کے مشرقی ساحل کے ساتھ عرب کے شمال مغرب میں اور خلیج عقبہ کے مشرقی ساحل پر اسی نام کی بستی کے آس پاس آباد تھا۔ یہ جگہ شام (اردن) کے متصل حجاز کا آخری حصہ تھی اور عہد نبوی میں حجاز والوں کو شام، فلسطین بلکہ مصر تک جانے میں مدین کے کھنڈر راہ میں پڑتے تھے۔ مدین کا علاقہ تبوک کے بالمقابل واقع ہے۔ قرآن مجید میں مدین سے گزرنے والے اہل حجاز کے تجارتی راستے کو ”امام مبین“ (کھلی اور صاف شاہراہ) قرار دیا گیا ہے جو قوم لوط اور اہل مدین دونوں کے علاقوں سے گزرتی تھی۔ اہل مدین کی بستیاں خلیج عقبہ کی بندرگاہ ایلہ کے جنوب میں خلیج عقبہ اور بحیرہ قلزم کے ساتھ ساتھ اور مشرق میں تبوک تک واقع تھیں۔ مدین کے علاقے میں ان دنوں الحمیدہ، مقنا، الخریبہ، تریم، المویلع اور ضبانا می بستیاں آباد ہیں۔ مدین کا خلیج عقبہ کے اسرائیلی شہر ایلہ سے فاصلہ سو سو کلومیٹر ہے۔

اصحاب ایکہ: بعض مفسرین کے نزدیک مدین اور اصحاب ایکہ ایک ہی قبیلہ کے دو نام ہیں جبکہ دوسروں کے خیال میں یہ دونوں جدا جدا قبیلے ہیں۔ ان میں مدین متمدن اور شہری تھے جبکہ اصحاب ایکہ (جنگل والے) دیہاتی اور بدوی تھے جو مدین کے مشرق میں تبوک کے علاقے میں آباد تھے چنانچہ ان کے نزدیک موجودہ تبوک ہی مقام ایکہ ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ آیت ﴿اِنَّهُمْ لِبِأَمَامٍ مُّبِينٍ﴾ میں ضمیر تنثیہ ”ھما“ سے مدین اور اصحاب ایکہ ہی مراد ہیں نہ کہ مدین اور قوم لوط۔

اس کے برعکس حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اور دیگر مفسرین کہتے ہیں کہ مدین اور اصحاب ایکہ ایک ہی قبیلہ ہے جو باپ کی نسبت سے مدین کہلایا اور زمین کی طبعی و جغرافیائی حیثیت سے اصحاب ایکہ کے لقب سے مشہور ہوا اور رائج بات بھی یہی ہے۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کے نزدیک ایکہ نامی ایک درخت تھا۔ اہل قبیلہ اس کی پرستش کرتے تھے لہذا اس کی نسبت سے قبیلہ ”مدین“ کو ”اصحاب ایکہ“ کہا گیا۔ (قصص القرآن)

حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم بت پرستی اور مشرکانہ عقائد پر کاربند ہونے کے علاوہ ناپ تول میں کئی معاملات میں کھوٹ اور ڈاکہ زنی کی علتوں میں گرفتار تھے۔ ان گناہوں کی پاداش میں اس قوم کو دو قسم کے عذابوں نے آگھیرا۔ ایک زلزلے کا عذاب اور دوسرا آگ کا عذاب..... یعنی جب وہ اپنے گھروں میں سو رہے تھے تو یک بیک ایک ہولناک زلزلہ آیا اور اس کے ساتھ ہی اوپر سے آگ برسنے لگی جس نے سرکشوں کو جھلسا کے رکھ دیا۔

مغایر شعیب: سید ابوالاعلیٰ مودودی کی روداد سفر (سفرنامہ ارض القرآن) میں لکھا ہے:

”ہم تبوک سے مغایر شعیب کے لیے روانہ ہوئے جو تبوک سے 207 کلومیٹر کے فاصلے پر مغرب کی جانب خلیج عقبہ کے ساحل سے متصل ہے..... راستے میں ہم الفوہ، بنی مر، بیض، الشرف اور شمال وغیرہ وادیوں سے گزرے۔ وادی بنی مر میں بالکل اسی طرح کے پہاڑ نظر آئے جس طرح کے العلماء اور مدائن صالح میں پائے جاتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ مدائن صالح کے زلزلے کا اثر یہاں تک پہنچا تھا۔

مفرق سے راستہ جنوب کی سمت مغایر شعیب کو جاتا ہے۔ راستے میں البدع ایک چھوٹی سی جگہ ہے..... مغایر شعیب یہاں سے تین کلومیٹر ہے۔ مغایر شعیب وہی جگہ ہے جہاں حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم آباد تھی۔ اگرچہ حضرت شعیب علیہ السلام کی بعثت اس علاقے کے علاوہ تبوک کے علاقے کے لیے بھی تھی اور بہت سے مفسرین نے تبوک کو ایک قرار دیا ہے جس کے رہنے والوں کا قرآن حکیم میں اصحاب الایکہ کے نام سے ذکر کیا گیا ہے لیکن حضرت شعیب علیہ السلام کی دعوت کا مرکز یہی تھا..... مغایر شعیب (مدین) ایک سرسبز و شاداب اور وسیع وادی ہے اور اس کے پہاڑوں میں بھی اسی طرح کے مکانات پائے جاتے ہیں جس طرح کے مکانات مدائن صالح میں دیکھے تھے۔“

تبوک: یہ شمالی حجاز میں دمشق سے مدینہ جانے والے راستے پر ایک بڑا شہر ہے۔ یہاں ایک فوجی چھاؤنی ہے۔ تبوک مدینہ منورہ سے تقریباً 600 کلومیٹر شمال میں ہے اور دمشق سے بھی تقریباً اتنے ہی فاصلے پر ہے۔ سن 9ھ/630ء میں نبی کریم ﷺ کی قیادت میں اسلامی لشکر یہاں ٹھہرا تھا اور ارد گرد کے علاقے فتح ہونے سے رومیوں پر مسلمانوں کی دھاک بیٹھ گئی تھی۔ تبوک کی آبادی ایک لاکھ کے قریب ہے۔ تبوک سے 20 کلومیٹر جنوب میں القلیہ کے مقام پر حجاز، عراق، تبوک اور القریات سے آنے والے چار راستے ملتے ہیں۔



حضرت موسیٰ علیہ السلام

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نام قرآن مجید میں ایک سو چھتیس ۳۶ دفعہ آیا ہے۔ تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

سورت	سورت نمبر	آیات نمبر	سورت	سورت نمبر	آیات نمبر
البقرہ	2	51'53'54'55'60'61'67'248'246'136'108'92'87	الشعراء	62	10'43'45'48'52'61'65'63
آل عمران	3	84	النمل	27	7'9'10
النساء	4	153 (دو دفعہ) 164	القصص	28	3'7'10'15'18'19'20'29'30'31'36'37'38'43'44'48 (دو دفعہ) 76
المائدہ	5	20'22'24	العنکبوت	29	39
الأنعام	6	84'91'154	السجدة	32	23
الأعراف	7	103'104'115'117'122'127'128'131'134'138'142 (دو دفعہ) 143 (دو دفعہ) 144'148'150'154'155'160'159	الأحزاب	33	7'69
یونس	10	75'77'80'81'83'84'87'88	الصافات	37	114'120
ہود	11	17'96'110	المؤمن	40	23'26'27'37'53
إبراهيم	14	5'6'8	حم السجدة	41	45
الإسراء	17	2'101 (دو دفعہ)	الشوری	42	13
الکہف	18	60'66	الزحرف	43	46
مریم	19	51	الأحقاف	46	12'30
طہ	20	9'11'17'19'36'40'49'57'61'65'67'70'77'83'86'88'91	الذاریات	51	38

سورت	سورت نمبر	آیات نمبر	سورت	سورت نمبر	آیات نمبر
الانبیاء	21	48	النجم	53	36
الحج	22	44	الصّف	61	5
المؤمنون	23	49، 45	النّازعات	79	15
الفرقان	25	35	الأعلى	87	19

چند متعلقہ آیات

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَهَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ مُوسَى ۖ إِذْ رَأَىٰ نَارًا فَقَالَ لِأَهْلِهِ امْكُثُوا إِنِّي آنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّي آتِيكُمْ مِنْهَا بِخَبَرٍ أَوْ بَصُورٍ ۚ فَلَمَّا كَانَتْهَا نُودِيَ يَسْمُوعِيلُ ۖ إِنَّنِي أَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ ۚ إِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ۝ (ط: 9...12)

”کیا تیرے پاس موسیٰ کا واقعہ پہنچا ہے۔ جب اس نے آگ دیکھی تو اپنی بیوی سے کہا: ”ذرا ٹھہرو۔ میں نے آگ دیکھی ہے۔ امید ہے میں تمہارے پاس وہاں سے کوئی انگارا لاؤں گا یا آگ پر کسی واقف راہ سے مل کر راستہ معلوم کروں گا۔“ جب وہ آگ کے پاس آیا تو آواز آئی: ”اے موسیٰ! میں تیرا رب ہوں۔ تو اپنے جوتے اتار دے کیونکہ تو وادی مقدس طویٰ میں کھڑا ہے۔“ (ط: 9...12) ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَا تِلْكَ يَسِيرُكَ يَسْمُوعِيلُ ۖ قَالَ هِيَ عَصَايَ أَتَوَكَّوْا عَلَيْهَا وَاهْتَسَبْتُمْ بِهَا عَلَىٰ غَيْبِي ۖ وَلِي فِيهَا مَارِبٌ أُخْرَىٰ ۚ قَالَ أَفَلَيْهَا يُوسُفُ ۖ قَالَ لَيْسَ بِهَا شَيْءٌ تَسْغَىٰ ۚ قَالَ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ ۖ فَنفَخَ سُلَيْمَانُ فِيهَا سِيرَتَهَا الْأُولَىٰ ۚ وَاضْمُمْ يَدَكَ إِلَىٰ جَنَاحِكَ تَخْرُجْ بَيْضَاءَ مِنْ غَيْرِ سُوءٍ ۚ آيَةٌ أُخْرَىٰ ۚ لِئَلْيَكُ مِنَ الْإِتِّبَانِ الْكَبِيرِ ۚ إِذْ هَبَّ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغَىٰ ۚ قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي ۚ وَيَسِّرْ لِي أَمْرِي ۚ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِنْ لِسَانِي ۚ يَفْقَهُوا قَوْلِي ۚ وَاجْعَلْ لِي وَزِيرًا مِنْ أَهْلِي ۚ هُروَنَ أَخِي ۚ اشدُّ بِهِ أَرْزِي ۚ وَاشْرِكُهُ فِي أَمْرِي ۚ كَيْ نَسْبَحَكَ كَثِيرًا ۚ وَنَذْكُرَكَ كَثِيرًا ۚ إِنَّكَ كُنْتَ بِنَا بَصِيرًا ۚ قَالَ قَدْ أُوتِيتَ سُؤْلَكَ يَمُوسَىٰ ۚ وَلَقَدْ مَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً أُخْرَىٰ ۚ إِذْ أَوْحَيْنَا إِلَىٰ أُمِّكَ مَا يُوحَىٰ ۚ أَنْ اقْضِي فِيهِ فِي الثَّابُوتِ فَأَقْضِي فِيهِ فِي الْيَمِّ ۚ فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ يَأْخُذْهُ عَدُوٌّ لِي وَعَدُوٌّ لَهُ ۚ وَالْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةٌ مِمَّنِي ۚ وَلِيُصْنَعَ عَلَىٰ عَيْنِي ۚ إِذْ تَبَشَّرْتَ أَخْثَاكَ فَتَقُولُ هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ مَن يَكْفُلُهُ ۚ فَرَجَعْنَاكَ إِلَىٰ أُمِّكَ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ ۚ وَوَقَّلتُ لَفَسًا فَجَعَلْتُكَ مِنَ الْغَمِّ ۚ وَفَعَلْتُكَ فُتُونًا ۚ فَلَمَّا بَلَغْتُ مِنْ سِنِينَ فِي أَهْلِ مَدْيَنَ ۚ ثُمَّ جِئْتُ عَلَىٰ قَدَرٍ يَمُوسَىٰ ۚ وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِي ۚ إِذْ هَبَّ أَنْتَ وَأَخُوكَ بِآيَتِي وَلَا تَنِيَا فِي ذِكْرِي ۚ إِذْ هَبَّا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغَىٰ ۚ فَقُولَا لَهُ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهُ يَتَذَكَّرُ أَوْ يَخْشَىٰ ۚ

قَالَ رَبَّنَا إِنَّا نَخَافُ أَنْ يُفْرِطَ عَلَيْنَا أَوْ أَنْ يَطْغَى ۖ قَالَ لَا تَخَافَا إِنِّي مَعَكُمَا أَسْبَعُ وَأَزَى ۖ فَأَتِيهِ فَقُولَا إِنَّا رَسُولَا رَبِّكَ فَأَرْسِلْ مَعَنَا بَنِي إِسْرَءِيلَ وَلَا تَحْبُذْ بِهِمْ ۚ قَدْ جُتِلَكَ بِآيَةِ مَنْ رَّبِّكَ ط وَالسَّلَامُ عَلَىٰ مَنْ اتَّبَعَ الْهُدَى ۖ

”اے موسیٰ! تیرے دائیں ہاتھ میں یہ کیا ہے؟ اس نے کہا: ”یہ میری لاٹھی ہے“ میں اس پر ٹیک لگاتا اور سہارا لیتا ہوں اور اپنی بکریوں کے لیے اس کے ساتھ پتے جھاڑتا ہوں۔ اس میں میرے لیے اس قسم کے اور بھی کئی فوائد ہیں۔“ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”موسیٰ! اس کو نیچے پھینکو۔“ موسیٰ نے نیچے پھینکا تو یکدم وہ سانپ بن کر بھاگنے لگا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”اسے پکڑ لو۔ ڈرو نہیں۔ ہم اسے اس کی پہلی حالت میں واپس لے آئیں گے۔ اور اپنا ہاتھ اپنی بغل میں دباؤ وہ بغیر کسی تکلیف کے چمکتا ہوا نکلے گا۔ یہ ایک اور نشانی ہے۔ یہ مشق اس لیے کرائی گئی کہ ہم نے تجھے بڑے بڑے معجزے دکھانے ہیں۔ فرعون کے پاس جاؤ وہ بہت سرکش ہو چکا ہے۔“

موسیٰ نے درخواست کی: ”اے میرے پروردگار! میرے لیے میرا سینہ کھول دے اور میرا کام میرے لیے آسان فرمادے میری زبان کی گرہ کھول دے تاکہ لوگ میری بات اچھی طرح سمجھ سکیں۔ نیز میرے گھر والوں میں سے میرے بھائی ہارون کو میرا معاون بنادے۔ اس کے ساتھ مجھے طاقت عطا فرما اور اسے بھی امر نبوت اور تبلیغ میں میرا شریک بنادے تاکہ ہم مل کر کثرت سے تیری تسبیح و ذکر کریں۔ بلاشبہ تو ہم کو بخوبی دیکھنے والا ہے۔“

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”موسیٰ! تیرا مطالبہ منظور ہے۔ ہم نے اس سے قبل بھی تجھ پر عظیم احسان کیا ہے۔ جب ہم نے تیری والدہ کے دل میں یہ بات ڈالی کہ اس بچے کو تابوت میں رکھ کر دریا میں ڈال دے۔ دریا اسے کنارے پر ڈال دے گا اور اسے میرا اور اس کا دشمن اٹھالے گا۔ پھر میں نے اپنی رحمت سے تجھ پر محبت ڈال دی تاکہ میری نگرانی میں تیری پرورش ہو۔ تیری بہن بھی چلتے چلتے وہاں پہنچ گئی اور کہنے لگی: ”کیا میں تمہیں ایسی عورت کا پتہ بتاؤں جو اس بچے کی (بہترین) پرورش کر سکے گی؟“ اس طریقے سے ہم نے تجھے تیری والدہ کے پاس دوبارہ پہنچا دیا تاکہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور وہ غمگین نہ ہو۔ پھر تو ایک شخص مار بیٹھا ہم نے تجھے اس پریشانی سے نجات دی۔ اور تجھے کئی طرح سے آزمایا۔ پھر تو مدین والوں کے پاس کئی سال ٹھہرا۔ پھر وقت مقررہ پر واپس آیا۔ میں نے تجھے اپنے لیے منتخب فرمایا ہے لہذا تو اور تیرا بھائی دونوں میرے دیے ہوئے معجزات کے ساتھ جاؤ اور میرے ذکر میں سستی نہ کرنا۔ دونوں فرعون کے پاس جاؤ کہ وہ بہت سرکش ہو چکا ہے۔ اس کے ساتھ نرمی سے بات کرنا شاید وہ نصیحت حاصل کر لے یا وہ ڈرجائے۔“ وہ دونوں کہنے لگے: ”پروردگار! ہمیں خطرہ ہے کہ وہ ہم سے زیادتی کرے گا اور مزید سرکش ہو جائے گا۔“ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”تم نہ ڈرو۔ میں تمہارے ساتھ ہوں ہر چیز سننا دیکھتا ہوں۔ تم اس کے پاس جاؤ اور کہو: ”ہم تیرے پروردگار کی طرف سے بھیجے گئے ہیں لہذا ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دے اور ان کو عذاب کا

نشانہ نہ بنا۔ ہم تیرے پاس تیرے رب کی طرف سے عظیم نشانی لے کر آئے ہیں۔ اس شخص پر سلامتی نازل ہوگی جو اللہ تعالیٰ کی ہدایت کی پیروی کرے گا۔“ (ط: 17/20... 47)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَلَمَّا أَنْ أَرَادَ أَنْ يَبْطِشَ بِالَّذِي هُوَ عَدُوٌّ لَّهُمَا ۖ قَالَ يَمْوَسَىٰ أَخَرِيدُ أَنْ تَمُوتُنِي كَمَا قَتَلْتَ نَفْسًا بِالْأَمْسِ ۚ إِنَّ تَرِيدُ إِلَّا أَنْ تَكُونَ جَبَّارًا فِي الْأَرْضِ وَمَا تَرِيدُ أَنْ تَكُونَ مِنَ الْمَصْلُحِينَ ۝ ١٩ وَجَاءَ رَجُلٌ مِّنْ أَقْصَا الْمَدِينَةِ يَسْعَىٰ ۚ قَالَ يَمْوَسَىٰ إِنَّ الْمَلَكَ يَأْتِيكَ بِكَ لِيَقْتُلُوكَ فَأَخْرَجَ إِنِّي لَكَ مِنَ النَّصِيحِينَ ۝ ٢٠ فَخَرَجَ مِنْهَا خَائِفًا يَتَرَقَّبُ ۚ قَالَ رَبِّ نَجِّنِي مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ۝ ٢١ وَلَمَّا تَوَجَّهَ تَلْقَاءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسَىٰ رَبِّي أَنْ يَهْدِيَنِي سَوَاءَ السَّبِيلِ ۝ ٢٢ وَلَمَّا وَرَدَ مَاءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ أُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُونَ ۚ وَوَجَدَ مِنْ دُونِهِمُ امْرَأَتَيْنِ تَذُودَانِ ۚ قَالَ مَا خَطْبُكُمَا قَالَتَا لَا نَسْقِي حَتَّىٰ يُصْدِرَ الرِّعَاءُ ۚ وَأَبُونَا شَيْخٌ كَبِيرٌ ۝ ٢٣ فَسَقَىٰ لَهُمَا ثُمَّ تَوَلَّىٰ إِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ إِنِّي لَمَّا أَنزَلْتَ إِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيرٌ ۝ ٢٤ فَجَاءَتْهُ إِحْدَاهُمَا تَمْشِي عَلَىٰ اسْتِحْيَاءٍ ۖ قَالَتْ إِنَّ إِلَيْنَا يَدْعُونَ لِيُجْزِيَكَ أَجْرَ مَا سَقَيْتَ لَنَا ۖ فَلَمَّا جَاءَهُ وَقَصَّ عَلَيْهِ الْقَصَصَ ۖ قَالَ لَا تَخَفْ ۚ إِنَّهُ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ۝ ٢٥ قَالَتْ إِحْدَاهُمَا يَأَبَتِ اسْتَأْجَرَهُ ۖ إِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَأْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْأَمِينُ ۝ ٢٦ قَالَ إِنِّي أُرِيدُ أَنْ أُنكِحَكَ إِحْدَى ابْنَتَي هَاتَيْنِ عَلَىٰ أَنْ تَأْجُرَنِي ثَمَنِي ۚ حَبْجٍ ۚ فَإِنْ أَتَيْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ ۚ وَمَا أُرِيدُ أَنْ أَمْلِكَ عَلَيْكَ ۖ سَتَجِدُنِي إِنْ شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّادِقِينَ ۝ ٢٧ قَالَ ذَلِكَ بَيْنِي وَبَيْنَكَ ۖ أَيُّهَا الْاِجْلَيْنِ قَضَيْتُ فَلَا عُدْوَانَ عَلَيَّ ۖ وَاللَّهُ عَلَىٰ مَا نَقُولُ وَكِيلٌ ۝ ٢٨ فَلَمَّا قَضَىٰ مُوسَى الْأَجَلَ وَسَارَ بِأَهْلِهِ آنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّورِ نَارًا ۚ قَالَ لِأَهْلِهِ امْكُثُوا ۖ إِنِّي آنَسْتُ نَارًا ۚ لَعَلِّي آتِيكُمْ مِنْهَا بِخَبَرٍ أَوْ جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُونَ ۝ ٢٩ فَلَمَّا أَتَاهَا نُودِيَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْأَيْمَنِ فِي الْبُقْعَةِ الْمُبَارَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ أَنْ يَمْوَسَىٰ إِنِّي أَنَا اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ ۝ ٣٠

”جب موسیٰ نے ارادہ کیا کہ اس شخص کو پکڑ لے جو دونوں کا دشمن تھا تو وہ (موسیٰ کا ساتھی) کہنے لگا: ”اے موسیٰ! کیا تو مجھے بھی قتل کرنا چاہتا ہے جس طرح تو نے کل ایک آدمی مار دیا تھا۔ تو چاہتا ہے کہ زمین میں زبردست بن کر رہے اور تو نہیں چاہتا کہ صلح کروائے۔ (قتل کا معاملہ فاش ہو گیا تو) شہر کے آخری کونے سے ایک آدمی بھاگتا ہوا آیا اور کہنے لگا: ”موسیٰ! حکام تجھے قتل کرنے کے مشورے کر رہے ہیں اس لیے شہر سے باہر چلا جا بلاشبہ میں تیرا خیر خواہ ہوں۔“ موسیٰ ڈرتا گھبراتا شہر سے نکل گیا اور عرض پرداز ہوا: ”میرے پروردگار! مجھے ان ظالموں سے بچالے۔“ پھر جب وہ مدین کے رخ پر چل پڑا تو کہنے لگا: ”مجھے قوی امید ہے کہ میرا رب مجھے سیدھے راستے پر رکھے گا۔“ پھر جب وہ

مدین کے کنویں پر پہنچ گیا تو دیکھا کہ بہت سے لوگ اپنے جانوروں کو پانی پلا رہے ہیں۔ مگر ان سے کچھ فاصلے پر دو عورتیں اپنے جانوروں کو روکے کھڑی ہیں۔ موسیٰ ان سے کہنے لگے: ”بیبیو! تمہارا کیا معاملہ ہے؟“ وہ کہنے لگیں: ”ہم اس وقت تک پانی نہیں پلا سکتیں جب تک یہ (غیر محرم) چرواہے اپنے جانور واپس نہیں لے جاتے۔ ہماری مجبوری یہ ہے کہ ہمارا والد انتہائی بوڑھا ہے۔“ موسیٰ نے ان کے جانوروں کو پانی پلا دیا اور پھر ایک طرف سائے میں جا بیٹھا اور کہنے لگا: ”میرے پروردگار! جو بھلائی بھی تو مجھ پر نازل فرمائے، میں اس کا محتاج ہوں۔“

کچھ دیر کے بعد ان میں سے ایک بی بی بڑی شرم و حیا کے ساتھ چلتی ہوئی اس کے پاس آئی اور کہنے لگی: ”میرے والد آپ کو بلاتے ہیں تاکہ آپ کو اس کا صلہ دیں جو آپ نے ہمارے جانوروں کو پانی پلایا ہے۔“ جب موسیٰ اس بزرگ کے پاس پہنچا اور پورا واقعہ سنایا تو بزرگ نے کہا: ”اب کوئی خوف نہ رکھ تو ان ظالم لوگوں سے بچ گیا ہے۔“ ان میں سے ایک کہنے لگی: ”ابا جان! ان کو ملازم رکھ لیجیے کیونکہ بہترین ملازم وہ ہوتا ہے جو طاقت و ربہی ہو اور امانت دار بھی۔ (اور یہ دونوں اوصاف ان میں پائے جاتے ہیں۔) بزرگ کہنے لگا: ”جوان! میرا ارادہ ہے کہ میں تجھ سے اپنی ان دو بیٹیوں میں سے ایک کا نکاح کر دوں بشرطیکہ تو آٹھ سال میری ملازمت کرے۔ اور اگر تو دس سال پورے کرے تو یہ تیری مرضی پر منحصر ہے۔ میں تجھ پر مشقت نہیں ڈالنا چاہتا۔ ان شاء اللہ تو مجھے حسن سلوک کرنے والا پائے گا۔“ موسیٰ نے کہا: ”یہ معاہدہ مجھے منظور ہے۔ میں جو بھی مدت پوری کروں مجھ پر کوئی زیادتی نہیں ہونی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ہماری ان باتوں پر ضامن ہے۔“

پھر جب موسیٰ نے مدت مکمل کر لی اور اپنے اہل خانہ کو لے کر چل دیے تو راستے میں طور پہاڑ کی طرف سے آگ دیکھی تو اپنی اہلیہ سے کہنے لگے: ”تم یہیں ٹھہرو میں نے آگ دیکھی ہے، امید ہے میں وہاں سے تمہارے لیے راستے کا اتا پتہ یا آگ کا کوئی انگارہ ہی لے آؤں گا تاکہ تم آگ تپ سکو۔“ جب موسیٰ آگ پر پہنچے تو اس مبارک علاقے کی وادی کے دائیں کنارے کے ایک درخت سے آواز آئی: ”موسیٰ! میں اللہ ہوں سب جہانوں کا پالنے والا۔“ (القصص: 19/28... 30)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَإِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَأَنْجَيْنَاكُمْ وَأَغْرَقْنَا آلَ فِرْعَوْنَ وَأَنْتُمْ تَنْظُرُونَ ﴿٥٠﴾ وَإِذْ وَعَدْنَا مُوسَىٰ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْ بَعْدِهِ وَأَنْتُمْ ظَالِمُونَ ﴿٥١﴾

”اور تم یہ احسان یاد کرو کہ ہم نے تمہارے سامنے سمندر کو پھاڑ کر تمہیں بچا لیا اور فرعونین کو غرق کر دیا۔ اور تم (یہ منظر اپنی آنکھوں سے) دیکھ رہے تھے۔ پھر ہم نے موسیٰ سے چالیس راتوں (کے اعتداف) کا وعدہ لیا لیکن تم نے اس کے جانے کے بعد بچھڑا بنا لیا۔ اور فی الواقع تم ظالم تھے۔“ (البقرہ: 50/2، 51)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ يُقَوْمُوا إِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ أَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوبُوا إِلَىٰ بَارِيكُمْ فَاقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ ۚ ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِيكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ ۚ إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿٥٧﴾ وَإِذْ قُلْتُمْ يَبُوسَىٰ لَنْ نُؤْمِنَ لَكَ حَتَّىٰ نَرَىٰ اللَّهَ جَهْدَةً فَأَخَذَتْكُمُ الصَّعْقَةُ ۚ وَأَنْتُمْ تُنْظَرُونَ ﴿٥٨﴾ ثُمَّ بَعَثْنَاكَ مِنْ بَعْدِ مَوْتِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿٥٩﴾ وَظَلَلْنَا عَلَيْهِمُ الْعَصَامَ ۚ وَأَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّاءَ وَالسَّلْوى ۚ كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ ۚ وَمَا ظَلَمُونَا وَلَكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿٦٠﴾ وَإِذْ قُلْنَا ادْخُلُوا هَذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا ۚ وَادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَقُولُوا حِطَّةٌ نَغْفِرْ لَكُمْ ۚ خَطِيئَتُكُمْ ۚ وَسَيَزِيدُ الْمُحْسِنِينَ ﴿٦١﴾ فَبَدَّلَ الَّذِينَ ظَلَمُوا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِي قِيلَ لَهُمْ فَأَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا رِجْزًا مِنَ السَّمَاءِ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ﴿٦٢﴾ وَإِذْ اسْتَسْقَىٰ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِعَصَاكَ الْحَجَرَ ۚ فَانفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ۚ قَدْ عَلِمَ كُلُّ أُنَاسٍ مَشْرِبَهُمْ ۚ كُلُوا وَاشْرَبُوا مِنْ رِزْقِ اللَّهِ وَلَا تَعْتُوا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ﴿٦٣﴾ وَإِذْ قُلْتُمْ يَبُوسَىٰ لَنْ نَصْبِرَ عَلَىٰ طَعَامٍ وَاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُثْبِتُ الْأَرْضُ مِنْ بَقْلِهَا وَقِثَّائِهَا وَفُومِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصِلَهَا ۚ قَالَ اتَّبِعُوا لَوْ أَنَّ الَّذِي هُوَ آدِي بِالَّذِي هُوَ خَيْرٌ ۚ اهِبْطُوا مِصْرًا فَإِنَّ لَكُمْ مَآسَا لَكُمْ ۚ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمُسْكِنَةُ ۚ وَبَاءَؤُا بِغَضَبٍ مِنَ اللَّهِ ۚ ذَلِكُمْ بِأَنَّهُمْ كَانُوا يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ النَّبِيَّيْنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۚ ذَلِكُمْ بِمَا عَصَوْا وَكَانُوا يَعْتَدُونَ ﴿٦٤﴾

”جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا: ”اے میری قوم! یقیناً تم نے کچھ اپنا کر اپنے آپ پر ظلم عظیم کیا ہے اس لیے اپنے خالق کے سامنے توبہ کرو اور اپنے آپ کو قتل کرو۔ یہ سزا تمہارے خالق کے ہاں تمہارے لیے بہتر ہے۔“ پھر اللہ تعالیٰ نے تمہاری توبہ قبول کر لی۔ بلاشبہ وہ بہت توبہ قبول کرنے والا نہایت رحم کرنے والا ہے۔ ذرا سوچو جب تم نے موسیٰ سے کہا: ”ہم ہرگز تیری بات نہیں مانیں گے جب تک ہم اللہ کو اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ لیتے۔“ پھر ایک زبردست کڑک نے تمہارے دیکھتے دیکھتے تمہیں اپنی گرفت میں لے لیا۔ پھر ہم نے تمہیں مرجانے کے بعد دوبارہ زندہ کیا کہ شاید تم شکر ادا کرو۔ ہم نے تم پر بادل کو سائبان کی طرح تان دیا اور تم پر من و سلویٰ نازل فرمایا کہ تم ہمارا دیا ہوا پاک و طیب رزق کھاؤ، لیکن (تمہارے آباء و اجداد نے ان نعمتوں کی قدر نہ کی اس طرح) انہوں نے ہمارا کوئی نقصان نہیں کیا بلکہ وہ اپنے آپ پر ظلم کر رہے تھے۔ پھر جب ہم نے کہا: ”اس بستی میں داخل ہو جاؤ اور جہاں سے چاہو کھلے بندوں کھاؤ البتہ داخل ہوتے وقت دروازے پر سجدہ کر کے داخل ہونا اور زبان سے معافی مانگنا۔ ہم تمہاری خطائیں معاف کر دیں گے بلکہ نیکی کرنے والوں کو اور بہت کچھ دیں گے۔“ لیکن ان ظالموں نے اللہ تعالیٰ کے فرمائے ہوئے حکم کو بدل دیا تو ہم نے ان ظالموں پر ان کی نافرمانی کی بنا پر آسمان سے عذاب اتارا۔ پھر جب موسیٰ نے اپنی قوم کے لیے پانی طلب کیا تو ہم نے فرمایا: ”اپنی لاٹھی پتھر پر مارو۔“ چنانچہ (فوراً) پتھر سے بارہ چشمے پھوٹ

پڑے اور ہر قبیلے نے اپنے اپنے گھاٹ جان لیے۔ (ہم نے انہیں کہہ دیا) اللہ کا دیا ہوا کھانا پھونک کر زمین میں فساد کرتے نہ پھرو۔ پھر جب تم نے کہا: ”اے موسیٰ! ہم ہرگز ایک جیسے کھانے پر صبر نہیں کر سکتے۔ اپنے رب سے دعا کرو کہ ہمارے لیے زمین سے اگنے والی چیزیں ساگ، ترکاریاں، غلے، دالیں اور مسالے پیدا فرمائے۔“ موسیٰ نے کہا: ”کیا تم بہترین خوراک کی بجائے گھٹیا درجے کی خوراک طلب کرتے ہو؟ اچھا! تم کسی آبادی میں چلے جاؤ وہاں تمہاری مانگی ہوئی چیزیں تمہیں مل جائیں گی۔“ اس طرح ان پر ذلت اور مسکینی مسلط کر دی گئی اور وہ اللہ تعالیٰ کے غضب کا شکار ہو گئے۔ وجہ یہ تھی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کرتے تھے اور انبیاء کو ناحق قتل کرتے تھے، نافرمانی کرتے تھے اور حد سے بڑھ جاتے تھے۔“ (البقرہ: 54/2... 61)

حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر کے فرعونی دار الحکومت طیبہ (الاقصر) سے مدین کے علاقہ میں صحرائے سیناء کے راستے گئے تھے اور جب اپنی بیوی کے ساتھ واپس مصر آرہے تھے تو طور کے مقام پر اللہ تعالیٰ نے ان سے کلام فرمایا، پھر وہ چلتے چلتے مصر پہنچے جہاں فرعون ”منفتاح“ کی حکومت تھی۔ اس فرعون نے 1230 ق۔م سے 1215 ق۔م تک حکومت کی۔ سمندر کے عبور کا واقعہ خلیج سویز (سولیس) کے شمال میں ”عیون موسیٰ“ کے مقام پر پیش آیا۔ یا کھارے پانی کی کھاڑیوں (بحیرات مرہ) میں یہ حادثہ ظہور پذیر ہوا۔ وہاں منفتاح فرعون غرق ہوا جس کے بارے میں قرآن مجید یوں فرماتا ہے۔ **ارشاد باری تعالیٰ ہے:**

فَالْيَوْمَ نَنْفِخُكَ بِبَدَنِكَ لَتَبُكَ لِمَنْ خَلَقَكَ آيَةً ط وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ آيَاتِنَا لَغَفُلُونَ ﴿٩٦﴾

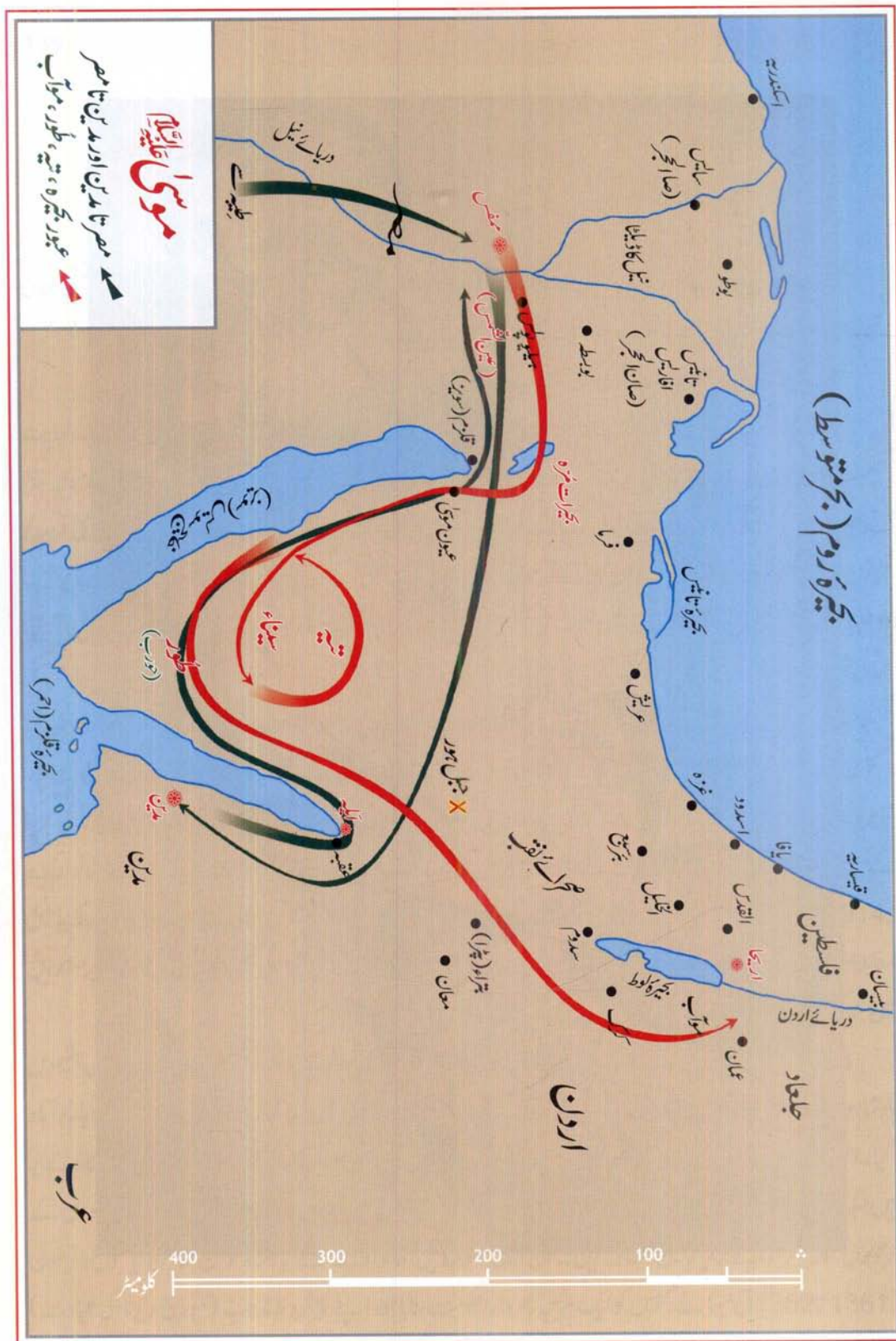
”آج ہم تیری لاش کو سمندر سے باہر پھینک دیں گے تاکہ تو بعد میں آنے والوں کے لیے عبرت کا نشان بن جائے۔

اگرچہ اکثر لوگ ہماری نشانیوں سے غافل رہتے ہیں۔“ (یونس: 92/10)

طور پہاڑ سیناء کے علاقے میں حورب پہاڑ کو کہا جاتا ہے۔ سیناء کا میدان تیہ جہاں اسرائیلی پھرتے رہے صحرائے تیہ کہلاتا ہے۔ دریائے اردن کو جس جگہ سے عبور کیا گیا تھا وہ اریحا کے قریب تھا۔

حضرت خضر علیہ السلام کے ساتھ مجمع البحرین کا مقام منسلک نقشہ میں وضاحت سے دکھایا گیا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام فوت ہوئے تو انہیں ”نبو پہاڑ“ پر دفن کیا گیا جسے احادیث میں ”سرخ ٹیلہ“ کہا گیا ہے۔ یہ پہاڑ بحیرہ مردار (بحیرہ لوط) کے مشرق میں ”مواب“ کے مقام پر واقع ہے۔





موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں غرق ہونے والے فرعون "منقح" کی مومی



﴿فَالْيَوْمَ نَنْجِيكَ بِيَدِنَا فَتَكُونُ لِمَنْ خَلْفَكَ آيَةً
وَإِنْ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ عَنِ آيَاتِنَا يُغَافِلُونَ﴾
(يونس ٩٢/١٠)

حضرت موسیٰ علیہ السلام

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے والد کا نام عمران اور والدہ کا نام یوکا بد تھا۔ حضرت ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حقیقی بھائی تھے۔ ان کا سلسلہ نسب حضرت یعقوب علیہ السلام تک پہنچتا ہے جو یوں ہے:

موسیٰ بن عمران بن قاہت بن لاوی بن یعقوب علیہ السلام۔

آپ بالائی مصر (جنوبی مصر) میں دار الحکومت طیبہ (تھیس) میں پیدا ہوئے۔ یہ وہ دور تھا جب مصر میں ایک نہایت متعصب قبطی النسل خاندان برسر اقتدار تھا جس نے بنی اسرائیل پر مظالم توڑنے کا سلسلہ شروع کر رکھا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے طیبہ (موجودہ الاقصر) میں رحمت الہی کے تحت فرعون رمیس ثانی کے محل میں پرورش پائی۔ رمیس کی بیوی آسیہ کو قرآن میں مومنہ قرار دیا گیا ہے۔ جوان ہوئے تو موسیٰ کے ہاتھوں ایک قبطی کے قتل بالخطا پر انہیں مصر سے ہجرت کرنا پڑی۔ وہ طیبہ سے ساڑھے چھ سو کلومیٹر شمال میں منف (ممفس) پہنچے اور پھر صحرائے سیناء اور ایلہ سے ہوتے ہوئے مدین آئے جہاں شعیب علیہ السلام نے ان کی میزبانی کی۔

طیبہ یا ثیبہ (Thebes): قدیم مصر کی نئی بادشاہت کے اٹھارہویں اور انیسویں خانوادوں کا دار الحکومت طیبہ یا تھیس اب الہ قصر (Luxor) کہلاتا ہے۔ یہ بالائی مصر کے صوبہ قنا میں دریائے نیل کے مشرقی کنارے پر واقع ہے اور قاہرہ سے 675 کلومیٹر جنوب میں ہے۔ تھیس گیارہویں مصری خانوادے کے دور میں آباد ہوا تھا اور آمون دیوتا کی پوجا کے لیے مشہور ہوا۔ اٹھارویں خانوادے نے 1550 ق م کے لگ بھگ اسے ملک کا دار الحکومت بنایا۔ انیسویں خانوادے (1314 تا 1198 ق م) کے زمانے میں بھی تھیس (طیبہ) دار الحکومت تھا اور رمیس ثانی نے طیبہ، نوبیہ اور کرنک میں معابد اور محلات تعمیر کرائے۔ کرنک، اقصر کے شمال میں ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو شیر خوارگی میں طیبہ ہی کے مقام پر صندوق میں بند کر کے نیل میں ڈالا گیا تھا اور یوں وہ شاہی محل میں پہنچے تھے۔

663 ق م میں ایرانیوں نے تھیس پر قبضہ کر لیا۔ چوتھی صدی ق م کے اواخر میں سکندر اعظم یونانی کے جانشین بطلمیوس بادشاہوں کا دور آیا تو انہوں نے اسے تباہ و برباد کر دیا۔ ابتدائی عیسوی صدیوں میں نساک بادشاہوں نے اسے دوبارہ آباد کیا۔ اس کے تاریخی آثار دریائے نیل کے دونوں کناروں پر واقع ہیں۔ الاقصر اور کرنک کے آثار دریا کے مشرقی کنارے پر ہیں جبکہ مغربی کنارے پر مدینہ ہو (Necropolis) اور دیر البحری واقع ہیں جہاں وادی ملوک میں آخری خانوادوں کے فرعونوں اور امراء کے زیر زمین مقابر ہیں۔ ان میں اٹھارویں خانوادے کے بادشاہ توتن خامن یا توتخ آمون (1361 تا 1352 ق م) نے تھیس کو ایک مرتبہ پھر دار الحکومت بنایا اور اپنے پیشرو کا مذہب (سورج دیوتا کی عبادت)

چھوڑ کر ایک بار پھر آمون کی پوجا کو رواج دیا۔ آمون کی پوجا مصر سے نکل کر یونان اور روم تک پھیل گئی۔ یونان میں آمون دیوتا کو زیوس کہا گیا جس کا مجسمہ 7 قدیم عجائبات عالم میں شمار ہوتا ہے اور روم میں وہ جو پیٹر امون (مشرقی دیوتا) مشہور ہوا۔ عین جوانی میں فوت ہونے والے توتخ آمون کے مقبرے کی 1922ء میں کھدائی کی گئی تو اس میں پوری ایک دیوار سونے کی ملی۔

سید ابوالاعلیٰ مودودی نے تفہیم القرآن میں لکھا ہے کہ ”مفسر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں مصر کا دارالحکومت تھا“، لیکن محققین کا اتفاق اس پر ہے کہ اٹھارہویں خانوادے اور انیسویں خانوادے کا دارالحکومت جنوبی مصر میں تھیس تھا اور پہلے فرعون موسیٰ رعمیس ثانی (1290 تا 1235 ق م) کے عہد میں یہی دارالحکومت تھا۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام تھیس (طیبہ) ہی سے فرار ہو کر مدین پہنچے تھے البتہ جب آپ نبوت سے سرفراز ہو کر واپس مصر آئے تو اس دوران دارالحکومت پھر زیریں مصر میں منتقل ہو چکا تھا۔ فرعون رعمیس ثانی نے بنی اسرائیل سے دوشہر تعمیر کرائے تھے: برعمیس اور برتوم یا پتھوم یا فثوم۔ آثار کی کھدائی میں جشن کے وسط میں جو مقام اب تل منوطہ کے نام سے مشہور ہے یہیں فثوم کی آبادی تھی اور جس جگہ قنیر یا خنت نصر واقع ہے اس مقام پر برعمیس (یا رعمیس) آباد تھا۔ ”برعمیس“ کے معنی ہیں ”قصر رعمیس“۔ چنانچہ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے تفہیم القرآن جلد دوم میں ”نقشہ خروج بنی اسرائیل“ میں خروج بحیرہ منزلہ کے جنوب مغرب میں واقع شہر رعمیس سے دکھایا ہے۔ مولانا حفظ الرحمن سیوہاری نے ”نقص القرآن“ حصہ اول صفحہ 470 پر رعمیس کا تعین قاہرہ سے تیس بیسٹیس کلومیٹر شمال میں کیا ہے۔ پتھوم اور بحیرہ تمساح کے وسط میں سگات واقع تھا جبکہ بابل کے مطابق بنی اسرائیل نے رعمیس سے چل کر سگات ایلام مجدال اور فی ہجروت کے مقابل بعل صفوان سے گزر کر سمندر کو پار کیا تھا۔ یوں رعمیس سے ہجرات مرہ کا فاصلہ تقریباً سو کلومیٹر ہے۔ اگر خروج مفسر سے تسلیم کیا جائے تو فاصلہ 125 کلومیٹر کے لگ بھگ بنتا ہے۔

مدین: یہ پہاڑی سلسلہ شمال مغربی سعودی عرب میں بحیرہ احمر اور خلیج عقبہ کے ساتھ ساتھ واقع ہے اور دراصل جبال شراۃ کا تسلسل ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عہد میں یہ پہاڑی وادی سرسبز و شاداب تھی اور یہاں مدین اور دیگر بستیوں آباد تھیں۔ سفرنامہ ارض القرآن میں لکھا ہے: ”مغایر شعیب کے قریب دو کنوئیں ایک دوسرے سے متصل واقع ہیں جن کے متعلق وہاں کے عام لوگوں کا خیال ہے کہ شاید انہی میں سے ایک کنواں وہ ہو جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر میں ایک قبیلے کو قتل کرنے کے بعد پہنچے تھے۔ ان کا فاصلہ مغایر شعیب کے آثار سے تقریباً ایک میل اور البدع کی ہستی سے ڈیڑھ دو میل ہے۔ ان کے قریب شمال کی طرف ایک پرانے قلعے اور جنوب مغرب کی طرف ایک پرانے برکہ (تالاب) کے آثار بھی ہیں۔“

اس زمانے میں مصر کی حکومت جزیرہ نمائے سیناء کے مغربی اور جنوبی علاقے تک محدود تھی۔ خلیج عقبہ کے مشرقی اور مغربی سواحل جن پر بنی مدیان آباد تھے مصری اثر و اقتدار سے آزاد تھے..... وہ مقام (کنواں) جہاں مصر سے آ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام پہنچے تھے عربی روایات کے مطابق خلیج عقبہ کے مغربی (دراصل مشرقی) ساحل پر مرقنا سے چند میل بجانب شمال واقع

تھا۔ آج کل اسے البدع کہتے ہیں اور وہاں ایک چھوٹا سا قصبہ آباد ہے۔ 1959ء میں تبوک سے عقبہ جاتے ہوئے مجھے مقامی باشندوں نے بتایا کہ ہم باپ دادا سے یہی سنتے آئے ہیں کہ مدین اسی جگہ واقع تھا۔ اس کے قریب تھوڑے فاصلے پر وہ جگہ ہے جسے مغایر شعیب یا مغارات شعیب کہا جاتا ہے۔ اس جگہ شمودی طرز کی کچھ عمارات موجود ہیں۔ اس سے میل ڈیڑھ میل کے فاصلے پر کچھ کھنڈر ہیں جن میں دو اندھے کنویں ہم نے دیکھے۔ مقامی باشندوں کی روایات یہی ہیں کہ ان میں سے ایک کنواں وہ ہے جس پر موسیٰ علیہ السلام نے بکریوں کو پانی پلایا تھا۔ یہی بات ابوالفداء نے تقویم البلدان اور یاقوت نے معجم البلدان میں لکھی ہے۔ (تفہیم القرآن جلد سوم حاشیہ سورہ قصص)

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دس برس حضرت شعیب علیہ السلام کی ملازمت میں ان کی بھیڑ بکریاں چرائیں تو انہوں نے اپنی صاحبزادی صفوراء سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نکاح کر دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام دس برس وہاں مزید قیام کے بعد اپنی اہلیہ کے ساتھ وادی سیناء میں جا رہے تھے کہ کوہ طور پر روشنی دیکھ کر آگ لینے گئے مگر پیغمبری مل گئی۔ اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہمکلام ہوا اور انہیں اور ان کے بھائی ہارون کو حکم دیا گیا کہ فرعون کو حق کی دعوت دیں اور بنی اسرائیل کو فرعون اور قبطیوں کی غلامی سے چھڑالائیں۔ حضرت ہارون علیہ السلام مصر ہی میں موجود تھے۔

وادی سیناء: سیناء ایک صحرائی جزیرہ نما ہے جو مصر میں ایشیا اور افریقہ کے سنگم پر واقع ہے۔ اس کے شمال میں بحیرہ روم مغرب میں نہر سویز اور خلیج سویز جنوب میں بحیرہ احمر اور جنوب مشرق میں خلیج عقبہ واقع ہے، یوں تین طرف پانی ہونے کے باعث اسے جزیرہ نما کہا جاتا ہے۔ صرف مشرق میں سیناء فلسطین (اسرائیل) سے متصل ہے۔ صحرائے سیناء کا رقبہ 60,088 مربع کلومیٹر ہے اور آبادی ڈیڑھ لاکھ سے زائد ہے۔ سیناء کا دار الحکومت العریش ہے جو شمال مشرق میں بحیرہ روم کی طرف واقع ہے۔ سیناء کا وسطی حصہ دشت تینہ ہے جس میں بنی اسرائیل چالیس سال سرگرداں رہے تھے۔

کوہ طور: سیناء کے جنوب میں کوہ طور ہے جس کی اہم ترین چوٹی جبل موسیٰ 2285 میٹر بلند ہے۔ یہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا جلوہ نظر آیا تھا اور پھر نبوت عطا ہوئی تھی۔ اس کے قریب سینٹ کیتھرائن کی چوٹی ہے جو 2637 میٹر اونچی ہے اور یہ مصر کا بلند ترین پہاڑ ہے اس پر ایک خانقاہ اور ایک گرجا ہے جسے قیصر جسٹینین نے 527ء میں تعمیر کرایا تھا (المجد) خلیج سویز کے مشرقی ساحل پر الطور نامی بندرگاہ ہے جو جزیرہ نما سیناء کے جنوب مغربی گوشے میں واقع ہے۔ قرآن مجید میں طور کو طور سیناء اور طور سینین بھی کہا گیا ہے جبکہ بائبل میں اسے حورب کا پہاڑ لکھا ہے۔

سید ابوالاعلیٰ مودودی تفہیم القرآن میں سورہ طور کے حاشیے میں لکھتے ہیں: ”طور کے اصل معنی پہاڑ کے ہیں۔ اور الطور سے مراد وہ خاص پہاڑ ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو نبوت سے سرفراز فرمایا تھا۔“ سید ابوالاعلیٰ مودودی سورہ نمل کی آیت 7 کے حاشیے میں لکھتے ہیں:

”یہ مقام جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جھاڑی میں آگ لگی ہوئی دیکھی تھی کوہ طور کے دامن میں سطح سمندر سے تقریباً 5 ہزار فٹ کی بلندی پر واقع ہے۔ یہاں رومی سلطنت کے پہلے عیسائی بادشاہ قسطنطین نے 365ء کے لگ بھگ اس مقام پر

ایک کنیسہ تعمیر کر دیا تھا جہاں یہ واقعہ پیش آیا تھا۔ اس کے دوسو برس بعد قیصر جسطینین نے یہاں ایک دیر (خانقاہ) تعمیر کرایا جس کے اندر قسطنطین کے بنائے ہوئے کنیسہ کو بھی شامل کر لیا۔ یہ دیر اور کنیسہ دونوں آج تک موجود ہیں اور یونانی کلیسا کے راہبوں کا ان پر قبضہ ہے۔ (تفہیم القرآن جلد سوم)

نوٹ: کوہ طور کی بلندی 5 ہزار فٹ نہیں بلکہ المنجد فی الاعلام کے مطابق 2285 میٹر (7496 فٹ) ہے جبکہ تفہیم القرآن جلد دوم صفحہ 76 پر اس کی بلندی 7359 فٹ لکھی گئی ہے۔

خروج بنی اسرائیل: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے دربار میں پہنچ کر اسے توحید کی دعوت دی مگر اس نے انکار کر دیا اور بنی اسرائیل کو غلامی سے رہا کرنے پر بھی آمادہ نہ ہوا۔ موسیٰ علیہ السلام نے معجزے بھی دکھائے اور جادو گروں کی جادوگری کا نقش بھی جم نہ سکا اور وہ توحید و رسالت کی دعوت پر ایمان لے آئے، پھر بھی فرعون کا غرور آڑے آیا اور اس نے دعوت حق قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ آخر کار موسیٰ علیہ السلام تھبیس سے اپنی قوم کو ساتھ لے کر چل دیے۔ راستے میں بنی اسرائیل ہر طرف سے سمٹ کر ان سے ملتے چلے گئے۔ غالباً فرعون کے تعاقب نے انہیں بل صفون کے قریب لا پہنچایا جو بحیرات مرہ کے قریب واقع تھا۔ یہاں غالباً انہوں نے بحیرات مرہ کو کسی مقام سے پار کیا اور ان کے تعاقب میں نکلا ہوا فرعون انہیں کڑوے پانی کی جھیلوں میں سے کسی ایک میں غرق ہو گیا۔ یہ واقعہ 1824 ق م میں پیش آیا۔

بحیرات مرہ: کڑوے (نمکین) پانی کی یہ جھیلیں کسی زمانے میں خلیج سویز سے متصل تھیں۔ بعد میں جغرافیائی تبدیلیوں سے یہ جھیلیں بحیرہ قلزم (خلیج سویز) سے منقطع ہو گئیں۔ صدیوں بعد 1869ء میں نہر سویز کا افتتاح ہوا تو بحیرات مرہ اس نہر کے ذریعے ایک بار پھر بحیرہ قلزم سے مل گئیں۔

بنی اسرائیل صحرائے سیناء میں: بحیرات مرہ پار کر کے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل جنوب کو ہو لیے اور عیون موسیٰ مارہ، ایلیم، المرخہ اور فاران رفیدیم کے راستے اس مقام تک پہنچے جسے آج کل جبل موسیٰ کہتے ہیں اور جس کا قدیم نام سیناء ہے۔ اسی کا نام کوہ طور (یا صرف طور) ہے اس کے جنوب مغرب میں طور نامی بندرگاہ ہے۔ قرآن کریم میں طور کی وادی کو ”وادی مقدس طوی“ کہا گیا ہے۔

عیون موسیٰ: محمد رفعت کے اطلس (اٹلس) کے مطابق بنی اسرائیل کا عبور سویز اور بحیرات مرہ کے درمیان ہوا ہے اور عیون موسیٰ علیہ السلام بھی یہیں خلیج سویز کے شمال میں واقع ہے۔ (قصص الانبیاء جلد اول حاشیہ صفحہ: 473)

عبدالوہاب نجار نے قصص الانبیاء میں لکھا ہے کہ پانی کے وہ چشمے جن کا ذکر بنی اسرائیل کے واقعات میں آیا ہے، بحر احمر کے مشرقی بیابان میں سویز سے زیادہ دور نہیں اور عیون موسیٰ علیہ السلام کے نام سے مشہور ہیں۔ ان چشموں کا پانی اب بہت کچھ سوکھ گیا ہے اور بعض کے تو آثار بھی معدوم ہو چکے ہیں مگر کہیں کہیں ان چشموں پر اب کھجور کے باغات نظر آتے ہیں۔

فرعون موسیٰ علیہ السلام: عام طور پر فرعون موسیٰ کے بارے میں غلط فہمی پائی جاتی ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ فرعون موسیٰ دو ہیں۔ ایک فرعون رعمیس ثانی جس کے گھر میں موسیٰ علیہ السلام نے پرورش پائی اور دوسرا اس کا بیٹا منفتاح تھا جو غرقاب ہوا۔ اس سلسلے میں سید

ابوالاعلیٰ مودودی تفہیم القرآن جلد 2 میں لکھتے ہیں:

”لفظ فرعون کے معنی ہیں ”سورج دیوتا کی اولاد“ قدیم اہل مصر سورج کو جو ان کا مہادیو یا رب اعلیٰ تھا، رُغ کہتے تھے اور فرعون اسی کی طرف منسوب تھا۔ اہل مصر کے اعتقاد کی رو سے کسی فرماں روا کی حاکمیت کے لیے اس کے سوا کوئی بنیاد نہیں ہو سکتی تھی کہ وہ رُغ کا جسمانی مظہر اور اس کا ارضی نمائندہ ہو اسی لیے ہر شاہی خاندان جو مصر میں برسرِ اقتدار آتا تھا، اپنے آپ کو سورج بنی بنا کر پیش کرتا، اور فرماں روا جو تخت نشین ہوتا، ”فرعون“ کا لقب اختیار کر کے باشندگانِ ملک کو یقین دلاتا کہ تمہارا رب اعلیٰ یا مہادیو میں ہوں۔

”یہاں یہ بات اور جان لینی چاہیے کہ قرآن مجید میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصے کے سلسلہ میں دو فرعونوں کا ذکر آتا ہے۔ ایک وہ جس کے زمانہ میں آپ پیدا ہوئے اور جس کے گھر میں آپ نے پرورش پائی۔ دوسرا وہ جس کے پاس آپ اسلام کی دعوت اور بنی اسرائیل کی رہائی کا مطالبہ لے کر پہنچے اور جو بالآخر غرق ہوا۔ موجودہ زمانہ کے محققین کا عام میلان اس طرف ہے کہ پہلا فرعون رعمیس دوم تھا جس کا زمانہ حکومت 1292 سے 1235 قبل مسیح تک رہا۔ اور دوسرا فرعون منفطہ یا منتفاح تھا جو اپنے باپ رعمیس دوم کی زندگی ہی میں شریک حکومت ہو چکا تھا اور اس کے مرنے کے بعد سلطنت کا مالک ہوا۔ یہ قیاس بظاہر اس لحاظ سے مشتبہ معلوم ہوتا ہے کہ اسرائیلی تاریخ کے حساب سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سن وفات 1272 قبل مسیح ہے۔ لیکن بہر حال یہ تاریخی قیاسات ہی ہیں اور مصری، اسرائیلی اور عیسوی جنتریوں کے مطابق بالکل صحیح تاریخوں کا حساب لگانا مشکل ہے۔“

اس سلسلے میں مولانا حافظ الرحمن سیوہاروی لکھتے ہیں:

ریمیس (درست نام رعمیس..... م ف) دوم نے اپنے زندگی ہی میں اپنے بڑے بیٹے منتفاح کو شریک حکومت کر لیا تھا۔ ریمیس کی ڈیڑھ سو اولادوں میں سے یہ تیر ہواں لڑکا تھا، لہذا منتفاح ہی وہ فرعون ہے جس کو حضرت موسیٰ و ہارون علیہ السلام نے دعوت دی اور بنی اسرائیل کی رہائی کا مطالبہ کیا اور یہی غرق دریا ہوا..... تو رات میں ہے کہ خروج سے پہلے مصر کے بادشاہ کا انتقال ہو گیا، اس سے مراد وہی ریمیس دوم ہے جو منتفاح کا باپ تھا۔ (قصص القرآن، حصہ اول)

میدان الراحہ اور جبل ہارون: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ارشاد باری کی تعمیل میں تیس دن کے لیے کوہ سیناء کو جاتے ہوئے بنی اسرائیل کو اس مقام پر چھوڑا جو آج کل نبی صالح اور کوہ سیناء کے درمیان وادی شیخ کے نام سے موسوم ہے۔ اس وادی کا وہ حصہ جہاں بنی اسرائیل نے پڑاؤ ڈالا تھا آج کل میدان الراحہ کہلاتا ہے۔ وادی کے ایک سرے پر وہ پہاڑی واقع ہے جہاں مقامی روایت کے مطابق حضرت صالح علیہ السلام شمود کے علاقے سے ہجرت کر کے تشریف لے آئے تھے۔ آج وہاں ان کی یاد میں ایک مسجد (نبی صالح) بنی ہوئی ہے۔ دوسری طرف ایک اور پہاڑی جبل ہارون ہے جہاں کہا جاتا ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام بنی اسرائیل کی چٹھڑے کی پوجا سے ناراض ہو کر جا بیٹھے تھے۔ تیسری طرف سیناء (طور) کا بلند پہاڑ ہے جس کا بالائی حصہ اکثر بادلوں سے ڈھکا رہتا ہے اور جس کی بلندی 7359 فٹ ہے۔ اس پہاڑ کی چوٹی پر آج تک وہ کھوہ زیارت

گاہ عام بنی ہوئی ہے جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے چلہ کیا تھا۔ اس کے قریب مسلمانوں کی ایک مسجد اور عیسائیوں کا ایک گرجا ہے اور پہاڑی کے دامن میں رومی قیصر جٹینین کے زمانے کی ایک خانقاہ آج تک موجود ہے۔ (تفہیم القرآن جلد دوم حاشیہ سورہ اعراف)

عبرت نامہ فرعون: مصری دستور کے مطابق ہر بادشاہ کا مقبرہ جدا ہوتا تھا جس میں اس کے تمام حالات کندہ کیے جاتے اور اس کی بعض اشیاء اور جواہرات اس کی قبر کے ساتھ ہی محفوظ رکھے جاتے لیکن مفتاح کا الگ مقبرہ نہ بنایا گیا بلکہ اسے عجلت سے انخوب (1400 تا 1370 ق م) کے مقبرے ہی میں دفن کر دیا گیا اور یوں اٹھارہویں اور انیسویں خانوادوں کے دو فرعونوں کی نعشیں ایک ہی مقبرے میں جمع ہو گئیں۔ مفتاح کی لاش مصری عجائب خانہ (قاہرہ) میں آج بھی محفوظ ہے۔ محمد احمد عدوی ”دعوة الرسل الى الله“ میں لکھتے ہیں کہ اس نعش کی ناک کے سامنے کا حصہ ندارد ہے جیسے کسی حیوان نے کھالیا ہو غالباً سمندری مچھلی نے اس پر منہ مارا تھا پھر اس کی لاش اُلوی فیصلے کے مطابق کنارے پر پھینک دی گئی تاکہ دنیا کے لیے عبرت ہو۔

جبل فرعون: یہ وہ جگہ ہے جس کے متعلق مقامی لوگوں میں یہ روایت پائی جاتی ہے کہ اس جگہ فرعون کی لاش پانی میں تیرتی ملی تھی۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی سورہ یونس کے حاشیہ 92 میں لکھتے ہیں: ”جزیرہ نمائے سیناء کے مغربی ساحل پر اس مقام کو موجودہ زمانے میں جبل فرعون کہتے ہیں اور اس کے قریب ایک گرم چشمہ ہے جو حمام فرعون کے نام سے موسوم ہے۔ اس کی جائے وقوع ابوزنیمہ سے چند میل اوپر شمال کی جانب ہے..... اگر یہ ڈوبنے والا فرعون منفیہ ہے جس کو زمانہ حال کی تحقیق نے فرعون موسیٰ قرار دیا ہے تو اس کی لاش آج تک قاہرہ کے عجائب خانے میں موجود ہے۔ 1907ء میں سرگرافٹن ایلٹ سمٹھ نے اس کی مومی (مومیایا) پر سے جب پٹیاں کھولی تھیں تو اس کی لاش پر نمک کی ایک تہ جمی پائی گئی تھی جو کھاری پانی میں اس کی غرقابی کی کھلی علامت تھی۔“ (تفہیم القرآن جلد دوم)

کوہ طور پر تجلی ذات کوہ طور (حورب): پر جب تمیں اور مزید دس راتوں کا میقات یعنی چالیس راتیں پوری ہو گئی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خواہش پر انہیں تجلی ذات کا مشاہدہ کرایا گیا جس کی وہ تاب نہ لا کر بے ہوش ہو گئے۔ پھر انہیں تورات عطا کی گئی۔ اس دوران بنی اسرائیل جو پہاڑ کے نیچے میدان الراحہ میں مقیم تھے انہوں نے سامری کے فریب میں آکر کچھڑے کی پوجا شروع کر دی اور حضرت ہارون علیہ السلام کے روکنے سے بھی نہ رکے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کوہ طور سے واپسی پر بنی اسرائیل کو اس ارتداد (گوسالہ پرستی) کی سزا دی گئی کہ لوگوں نے شرک میں مبتلا اپنے رشتے داروں کو اپنے ہاتھوں سے قتل کیا۔ اس طرح تورات کے مطابق تین ہزار بنی اسرائیل قتل ہوئے۔ اس کے بعد بنی اسرائیل کے 70 نمائندے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کوہ طور پر گئے تاکہ کچھڑے کی پوجا کے جرم کی معافی مانگیں اور از سر نو اطاعت الہی کا اقرار کریں۔ وہاں انہوں نے اللہ تعالیٰ کو بے حجاب دیکھنے پر اصرار کیا تو انہیں زلزلے کے عذاب نے موت کی نیند سلا دیا اور پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا پر ان کو نئی زندگی بخشی گئی۔

اتنے بڑے معجزے کے باوجود جب بنی اسرائیل نے تورات کے احکام قبول کرنے میں پس و پیش سے کام لیا تو اللہ نے ان کے سروں پر طور پہاڑ کو بلند کر دیا جیسے وہ ان کے اوپر گرنے والا ہو۔ اس طرح آیت الہی کے مظاہرے نے انہیں قبول تورات پر آمادہ کیا۔

اب حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے ہمراہ حورب سے روانہ ہوئے اور کوہ شعیر کی راہ سے قادس برنج پہنچے۔ وہاں سے انہوں نے یوشع بن نون کی قیادت میں بارہ افراد تفتیش کے لیے ارض مقدس (کنعان یا فلسطین) بھیجے۔ وہ فلسطین کے شہر اریحا گئے اور تمام حالات بغور دیکھ کر لوٹے۔ واپسی پر بیشتر نے کنعانیوں کے ناقابل تسخیر ہونے کی باتیں کیں۔ صرف یوشع بن نون اور کالب بن یفثہ نے قوم کو ہمت دلائی، چنانچہ سورہ مائدہ کے رکوع 4 میں انہی دو آدمیوں کا ذکر ہے۔ جب بنی اسرائیل نے ارض مقدس میں داخل ہونے سے انکار کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے یہ سزا مقرر کر دی کہ وہ چالیس برس دشت تینہ میں بھٹکتے پھریں گے۔

دشت تینہ: بنی اسرائیل کی دشت نوردی کا علاقہ ”تینہ“ کہلاتا ہے۔ دشت تینہ (سیناء) وہ علاقہ ہے جسے بائبل میں ”بیابان سین“ کہا گیا ہے۔ یہ کوہ طور کے شمال میں صحرائے سیناء کا جنوبی حصہ ہے۔ تینہ کے معنی بھٹکنے کے ہیں جیسا کہ سورہ مائدہ آیت 26 میں آتا ہے: ﴿وَأَنهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ أَرْبَعِينَ سَنَةً يَكْتَلِبُ فِي الْأَرْضِ﴾ ”بلاشبہ وہ ارض فلسطین ان کے لیے 40 سال تک ممنوع ہے۔ وہ اسی دشت میں بھٹکتے پھریں گے۔“ جب بنی اسرائیل وادی سیناء میں داخل ہوئے تھے تو اسی دشت میں ان کے بارہ قبیلوں کے لیے بارہ چشمے جاری ہوئے تھے اور پھر یہیں ان پر من و سلویٰ نازل ہوا تھا۔ اسی دشت میں بنی اسرائیل کا ایک شخص قتل ہو گیا، قاتل کا پتہ نہ چلا اور بنی اسرائیل نے پے در پے جیل و حجت کی تو ایک خاص رنگ اور خاص عمر کی بے داغ اور ان جوتی گائے ذبح کرنے کے احکام یکے بعد دیگرے نازل ہوئے۔ اس گائے کے گوشت کے ٹکڑے سے مقتول کی لاش پر ضرب لگانے سے مقتول بول پڑا اور اس نے اپنے قاتل کا نام بتا دیا جسے شریعت الہی کے مطابق سزا دی گئی۔ یہیں بنی اسرائیل کے ایک متکبر مالدار شخص قارون کے اپنے خزانوں سمیت زمین میں دھنس جانے کا واقعہ پیش آیا اگرچہ اس میں اختلاف ہے کہ قارون کا واقعہ غرق فرعون سے پہلے پیش آیا تھا یا غرق ہونے کے بعد تینہ میں۔ حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ اگر یہ واقعہ قبل غرق کا ہے تو ﴿فَخَسَفْنَا بِهِ وَبِإِذِهِ الْأَرْضُ﴾ (القصاص: 28/81) میں دار (گھر) اپنے حقیقی معنی میں ہے اور اگر دشت تینہ کا واقعہ ہے تو ”دار“ سے خیمہ و خراگہ مراد ہے۔ مولانا سیوہاروی مصنف قصص القرآن کے نزدیک یہ واقعہ میدان تینہ کا ہے اس لیے کہ قرآن نے اسے غرق فرعون سے متعلق واقعات کے بعد بیان کیا ہے۔

تینہ کی دشت نوردی کے زمانے ہی میں حضرت ہارون علیہ السلام نے رحلت فرمائی۔ بائبل کے مطابق ”بنی اسرائیل قادس برنج سے چلے تو کوہ ہور کے پاس جو ملک ادوم کی سرحد ہے خیمہ زن ہوئے۔ حضرت ہارون علیہ السلام نے کوہ ہور پر بنی اسرائیل کے مصر سے نکلنے کے چالیسیویں برس کے پانچویں مہینے کی پہلی تاریخ کو وفات پائی۔ اس وقت ان کی عمر 123 برس تھی۔“ بنی اسرائیل کوہ ہور سے کوچ کر کے ایلہ اور عصیون جابر سے گزرے۔ اس دوران انہوں نے اموری بادشاہوں سیمون

اور عوج کے علاقوں پر قبضہ کر لیا مگر انہوں نے عار اور بنی عمون کے علاقے چھوڑ دیے جو بنولوط کے لیے مخصوص تھے پھر موآب کی سرحد پر ڈیرے ڈالے جو بحیرہ لوط (بحیرہ مردار) کے مشرق کا علاقہ تھا۔ آخر کار وہ موآب کے میدانوں میں جو دریائے اردن کے کنارے پر واقع ہیں، ریکو کے مقابل خیمہ زن ہوئے۔

ریکو یا اریحا (Jericho): بائبل میں اس شہر کو ریکو لکھا گیا ہے جبکہ اس کا عربی نام اریحا اور انگریزی نام جریکو ہے۔ اریحا 7000 ق م میں آباد ہوا تھا اور اس لحاظ سے دنیا کا قدیم ترین شہر ہے کہ یہ پچھلے 9000 سال سے مسلسل آباد چلا آ رہا ہے۔ یہ دریائے اردن سے آٹھ دس کلومیٹر مغرب میں ہے جبکہ بیت المقدس اریحا سے تقریباً 30 کلومیٹر کے فاصلے پر جنوب مغرب میں ہے۔ بحیرہ مردار سے اریحا تقریباً 12 کلومیٹر دور ہے۔ یہ شہر سطح سمندر سے 260 میٹر نیچے ہے۔ اس کی آبادی ایک لاکھ کے قریب ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس کا نام اریحا بن مالک بن ارشد بن سام بن نوح علیہ السلام کے نام پر رکھا گیا تھا۔ یہاں تل السلطان میں تاریخی آثار ملتے ہیں۔ 1948ء تا 1967ء اریحا مملکت اردن میں شامل رہا حتیٰ کہ اسرائیل نے پورے غرب اردن پر غاصبانہ قبضہ کر لیا۔ تب سے اریحا اسرائیلی تسلط میں ہے اگرچہ 1994ء سے اس پر نام نہاد سلطہ فلسطینیہ کو برائے نام کنٹرول حاصل ہے۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مرقد اریحا میں ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات: بنی اسرائیل کی مصر سے روانگی، تہ میں دشت نوردی اور ادوم کے پہاڑوں اور موآب کے میدانوں میں مسلسل تبلیغ دین کا فریضہ ادا کرتے آئے تھے نیز تورات نازل ہو چکی تھی۔ اب داعی اجل کو لبیک کہنے کا وقت آ پہنچا۔ بائبل کی کتاب استثناء باب 34 میں لکھا ہے: ”موسیٰ علیہ السلام کوہ نبو کے اوپر پسگہ کی چوٹی پر چڑھ گیا اور خداوند نے جلعاد کا سارا ملک دان تک اور نفتالی کا سارا ملک اور افرا نیم اور منسی کا ملک اور یہوداہ کا سارا ملک پچھلے سمندر (بحیرہ روم) تک اور جنوب کا ملک اور وادی ریکو جو کھجوروں کا شہر ہے، میدان صغر تک اسے دکھایا۔ اور خداوند نے اس سے کہا: ”یہی وہ ملک ہے جس کی بابت میں نے ابراہام اور اسحاق اور یعقوب سے قسم کھا کر کہا تھا کہ اسے میں تمہاری نسل کو دوں گا۔ سو میں نے ایسا کیا، تو اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ لے، پر تو اس پار وہاں جانے نہ پائے گا“ پس خداوند کے بندہ موسیٰ علیہ السلام نے وہیں موآب کے ملک میں وفات پائی اور اس نے اسے موآب کی ایک وادی میں بیت فغور کے مقابل دفن کیا، پر آج تک کسی آدمی کو اس کی قبر معلوم نہیں۔ اور موسیٰ علیہ السلام اپنی وفات کے وقت 120 برس کا تھا۔“

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اگر میں اس جگہ ہوتا تو تمہیں موسیٰ علیہ السلام کی قبر کا نشان دکھاتا کہ وہ سرخ ٹیلہ (کٹیہ احمر) کے قریب دفن ہیں۔ اریحا میں سرخ ٹیلہ کے قریب ایک قبر کو موسیٰ علیہ السلام کی قبر بتایا جاتا ہے۔ فتح الباری کے مطابق یہ قول صحیح ہے۔ (قصص القرآن جلد اول)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد یوشع بن نون کی قیادت میں بنی اسرائیل نے دریائے اردن پار کر کے پہلے اریحا فتح کیا اور پھر بتدریج پورے کنعان (فلسطین) پر قبضہ کر لیا۔ یوشع حضرت یوسف علیہ السلام کے فرزند افرا نیم کی اولاد سے تھے۔ ان کا اصل نام ہوسیع تھا مگر موسیٰ علیہ السلام نے ان کا نام یوشع یا یوشع رکھا تھا۔

موآب: یہ مملکت اردن کے اندر بحیرہ مردار اور دریائے اردن کے مشرق میں واقع پہاڑی سلسلہ ہے جو شمال میں وادی زرقا سے جنوب میں وادی الحساء تک پھیلا ہوا ہے۔ اس میں اردن کا دارالحکومت عمان (رومی عہد کا فلاڈلفیا)، القسطل، الکرك، ذبیان، مادبا، ناعور، وادی السیر، السلط، المزع، الصبیحی وغیرہ شہر اور قصبے واقع ہیں۔ یہاں مشرق سے مغرب کی طرف وادی شعیب، وادی زرقاء معین، وادی الموجب، وادی الیابس اور وادی الحساء نامی ندیاں بہتی ہیں۔ وادی شعیب دریائے اردن میں اور باقی ندیاں بحیرہ مردار میں گرتی ہیں۔ موآب کو موآب بن لوط علیہ السلام سے موسوم کیا گیا تھا جو موآبیوں کے جدِ امجد تھے۔ حضرت لوط علیہ السلام کے دوسرے بیٹے بن عمی کی اولاد بنو عمون کہلاتی تھی۔ موآبیوں اور بنو عمون کا شہر ”ربہ موآب“ (یا صرف ربہ) بحیرہ مردار کے مشرق میں آباد تھا۔ بخت نصر ثانی نے 582 ق م میں اسے فتح کیا، پھر اسے انحطاط نے آلیا۔ اس کے بعد پہلی صدی عیسوی میں نبطیوں کے عہد میں اس نے دوبارہ ترقی کی۔

جلعاد: دریائے اردن اور مشرق اور موآب کے شمال میں دریائے یرموک تک جلعاد کا علاقہ تھا جہاں سے اسمعیلی عربوں کا وہ قافلہ آیا تھا جس نے دو تن کے کنوئیں سے حضرت یوسف کو نکال کر مصر لے جا کر بیچا تھا۔ جلعاد حضرت یوسف علیہ السلام کے پڑپوتے کا نام بھی تھا، یعنی جلعاد بن مکیر بن منسی بن یوسف علیہ السلام۔

ادوم: حضرت اسحاق علیہ السلام کے بڑے بیٹے عیسو کا دوسرا نام ادوم تھا۔ جب حضرت یعقوب علیہ السلام فدان آرام سے واپس کنعان (فلسطین) چلے آئے تو کچھ عرصہ بعد ان کے بھائی عیسو کوہ شعیر (جنوبی فلسطین) میں جا کر رہنے لگے۔ ان کے نام پر اس علاقے کا نام ہی ادوم پڑ گیا۔ ادوم کا علاقہ بحیرہ لوط کے جنوب میں واقع تھا۔



حضرت ہارون علیہ السلام

حضرت ہارون علیہ السلام کی زندگی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی کے ساتھ مربوط ہے۔ ان کا نام نامی قرآن مجید میں بیس دفعہ مذکور ہے۔ تفصیل یہ ہے:

سورت	سورت نمبر	آیات نمبر	سورت	سورت نمبر	آیات نمبر
البقرہ	2	248	الانبیاء	21	48
النساء	4	163	المؤمنون	23	45
الأنعام	6	84	الفرقان	25	35
الأعراف	7	142'122	الشعراء	26	48'13
یونس	10	75	القصص	28	34
مریم	19	53'28	الصافات	37	120'114
طہ	20	92'90'70'30			

چند متعلقہ آیات

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَوَعَدْنَا مُوسَىٰ ثَلَاثِينَ لَيْلَةً وَأَتَمَمْنَاهَا بِعَشْرِ فِتْنَةٍ مُبَيَّنَاتٍ رَبِّهِ ۖ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً ۖ وَقَالَ مُوسَىٰ لِأَخِيهِ هَارُونَ اخْلُفْنِي فِي قَوْمِي وَأَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيلَ الْمُفْسِدِينَ ﴿١٧﴾

”ہم نے موسیٰ سے تیس راتوں (کے اعتکاف) کا وعدہ لیا، پھر ہم نے دس راتیں اور ملا دیں اس طرح اللہ تعالیٰ کی مقررہ مدت چالیس راتیں پوری ہو گئیں۔ موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون سے کہا: ”میرے بعد میری قوم کا خیال رکھنا۔ اصلاح احوال کرنا اور مفسدین کی راہ پر نہ چلنا۔“ (الأعراف: 142/7) قرآن مجید میں ہے:

قَالَ فَإِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْ بَعْدِكَ وَأَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ ﴿١٨﴾ فَرَجَعَ مُوسَىٰ إِلَىٰ قَوْمِهِ غَضْبَانَ أَسِفًا ۚ قَالَ يَقَوْمِ أَلَمْ يَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ وَعَدًّا حَسَنًا أَفَطَالَ عَلَيْكُمُ الْعَهْدُ أَمْ أَرَدْتُمْ أَنْ يَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبٌ مِنْ رَبِّكُمْ فَأَخْلَفْتُم مَّوْعِدِي ﴿١٩﴾ قَالُوا مَا أَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ بِمَلِكِنَا وَلَكِنَّا حُبَلْنَا أَوْزَارًا مِنْ زِينَةِ الْقَوْمِ فَقَذَفْنَاهَا فَكَذَلِكَ أَلْقَى السَّامِرِيُّ ﴿٢٠﴾ فَأَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا جَسَدًا لَهُ خُورٌ فَقَالُوا هَذَا إِلَهُكُمْ وَإِلَهُ مُوسَىٰ هَٰ فَنَسِيَ ﴿٢١﴾ أَفَلَا يَرَوْنَ أَنَّهُ يَرْجِعُ إِلَيْهِمْ قَوْلًا ۖ وَلَا يَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَلَا

نَفْعًا ۙ وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هَارُونُ مِنْ قَبْلُ يَقَوْمُ إِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهِ وَإِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمَنُ فَاتَّبِعُونِي وَأَطِيعُوا
 أَمْرِي ۙ قَالُوا لَنْ نَبْرَحَ عَلَيْهِ عَافِيْنَ حَتَّىٰ يَرْجِعَ إِلَيْنَا مُوسَىٰ ۚ قَالَ يَهْرُونَ مَا مَنَعَكَ إِذْ رَأَيْتَهُمْ ضَلُّوْا ۙ
 أَلَا تَتَّبِعُنَّ أَفْهَمْتَ أَمْرِي ۚ قَالَ يَبْنَؤُمْ لَا تَأْخُذْ بِحَبِيبِي وَلَا بِرَأْسِي ۚ إِنِّي خَشِيتُ أَنْ تَقُولَ فَرَّقْتَ بَيْنَ
 بَنِي إِسْرَءِيلَ وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِي ۚ

”اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”ہم نے تیرے بعد تیری قوم کو آزمائش میں ڈال دیا اور ان کو سامری نے گمراہ کر دیا ہے۔“
 موسیٰ بڑے غصے اور افسوس کی حالت میں اپنی قوم کی طرف لوٹا اور کہنے لگا: ”اے میری قوم! کیا تم سے تمہارے رب
 نے اچھا وعدہ نہیں کیا تھا؟ کیا بہت زیادہ عرصہ گزر گیا تھا؟ یا تم چاہتے تھے کہ تم پر تمہارے رب تعالیٰ کا غصہ نازل
 ہو جائے جو تم نے میرے وعدے کی خلاف ورزی کی۔“

انہوں نے کہا: ”ہم نے اپنی مرضی سے آپ کے معاہدے کی خلاف ورزی نہیں کی بلکہ بات یہ ہوئی کہ ہمارے پاس
 فرعونوں کے جویزورات تھے ہم نے ان کو الگ جگہ اکٹھا کیا اور سامری نے بھی ان میں حصہ ڈالا اور ایک بچھڑا بنا ڈالا
 جو خالی جسم تھا اس سے ڈکارنے کی آواز نکلتی تھی۔ لوگ کہنے لگے: ”یہ ہے تمہارا اور موسیٰ کا معبود مگر موسیٰ راستہ بھول
 گیا۔“ کیا یہ لوگ دیکھتے نہیں تھے کہ وہ انہیں جواب تو دے نہیں سکتا تھا اور ان کے ذرہ بھر نفع و نقصان کا مالک نہیں تھا۔
 ویسے ہارون نے اس سے پہلے انہیں تنبیہ کی تھی: ”اے لوگو! تم اس بچھڑے کی بنا پر گمراہ ہو گئے ہو جبکہ تمہارا
 پروردگار تو رحمن ہے لہذا میرے پیچھے لگو اور میرے حکم کی اطاعت کرو۔“ لیکن وہ کہنے لگے: ”ہم موسیٰ کے واپس آنے تک
 اسی کی پوجا کریں گے۔“

موسیٰ نے کہا: ”ہارون! جب تو نے ان کو گمراہ ہوتے دیکھا تھا تو تجھے کیا رکاوٹ تھی کہ تو میرے پیچھے نہ آیا۔ کیا
 تو نے میرے حکم کی نافرمانی کی؟“ ہارون کہنے لگا: ”میرے بھائی! میری داڑھی اور میرے سر کے بال نہ پکڑ۔ مجھے
 خطرہ تھا کہ تو کہے گا کہ تو نے بنی اسرائیل میں تفرقہ ڈال دیا اور میری بات کا انتظار نہ کیا۔“ (طہ: 85... 94)

حضرت ہارون علیہ السلام اپنے بھائی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پہلے فوت ہوئے اور صحرائے سیناء کے پہاڑوں میں سے ایک
 پہاڑ جبل ”ہور“ میں دفن ہوئے۔

❁ المعجم المفهرس لألفاظ القرآن الكريم: 680، 736

❁ تاریخ الشرق الأدنى القديم: 62، 64

❁ المعجم المفهرس لمعاني القرآن العظيم: 1159، 1274

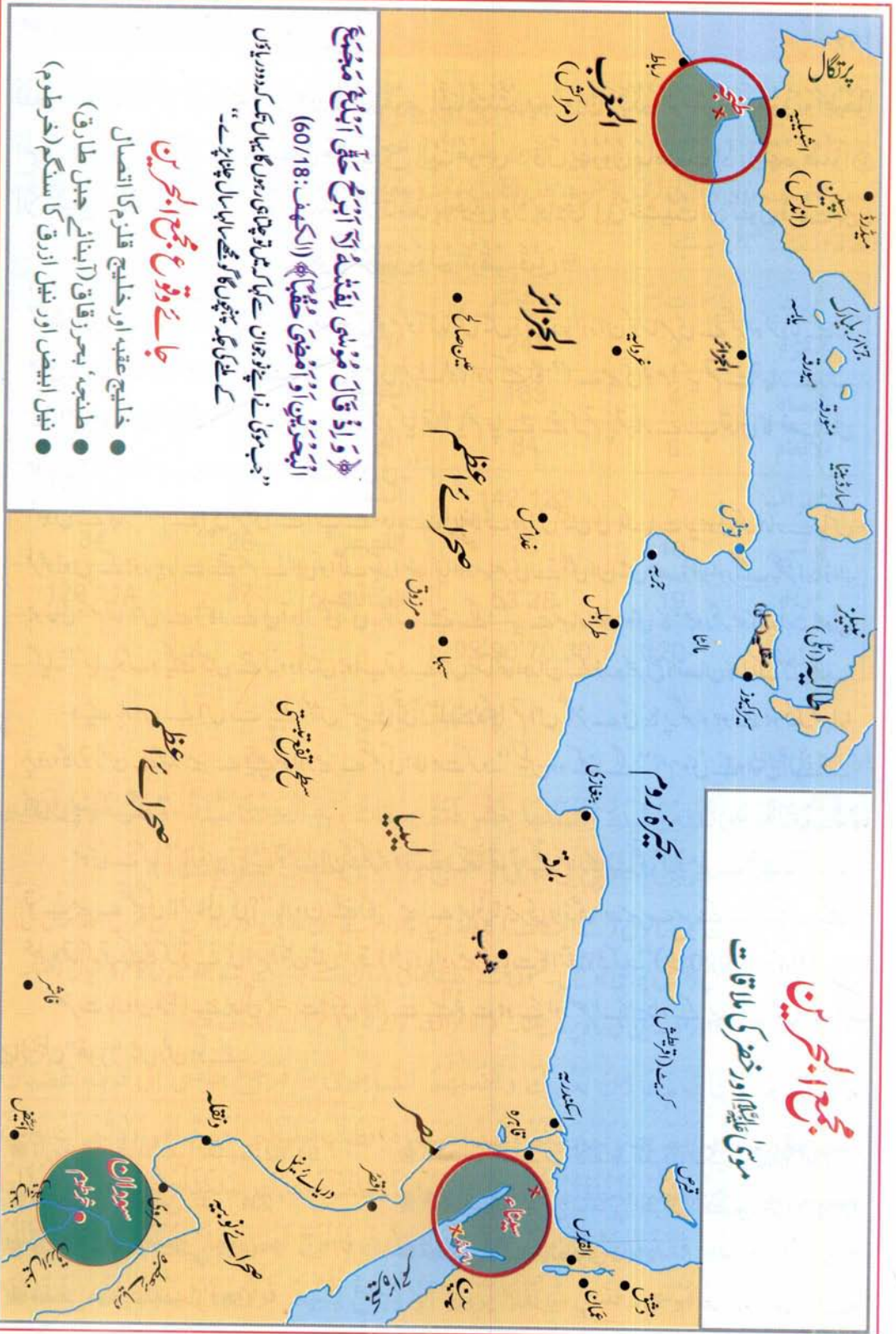
❁ قصص الأنبياء، ابن كثير: 231

❁ قصص الأنبياء، الطبري: 259

❁ قصص الأنبياء، الثعلبي: 168

❁ قصص الأنبياء، النجار: 155

مجمع البحرین موسیٰ علیہ السلام اور خضر کی ملاقات



﴿وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَدْسِهِ إِذْ أَبْتَلَىٰ أَخْبِيْعْ مَنبِيعَ الْبَحْرِ﴾ (الکہف: 60/18)

”جب موسیٰ نے اپنے چچا کو ان سے کہا کہ میں تو چٹائی رہوں گا یہاں تک کہ دریاؤں کے لئے کی جگہ پہنچوں گا تو مجھے ساہا ہا سال چلنا پڑے۔“

جائے وقوع مجمع البحرین

- خلیج عقبہ اور خلیج قلزم کا اتصال
- طنبجہ، بحر زقاق (ابنانے جبل طارق)
- نیل ابیض اور نیل ازرق کا سنگم (خرطوم)

صحرائے اعظم

سطح وقوع تبتی

لیبیا

مغرب

برقہ

بحیرہ روم

طرابلس

جرمہ

غدارش

صحرائے اعظم

تین صالح

الجزائر

المغرب (مراکش)

رباط

تونس

میدرڈ

ایبٹین (الکسندریہ)

سماذینا

سیریکیز

ایطالیہ (رمانی)

سیریکیز

سیریکیز

سیریکیز

سیریکیز

سیریکیز

سیریکیز

مجمع البحرین

(جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور خضر علیہ السلام کی ملاقات ہوئی)

قرآن مجید کی سورہ کہف میں اللہ کے ایک بندے ﴿عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَا﴾ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ملاقات کا واقعہ بیان ہوا ہے۔ صحیح بخاری میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ حدیث میں اس عبد صالح کا نام خضر بتایا گیا ہے جنہیں بعض اسرارِ تکوینیہ کا علم عطا ہوا تھا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نہیں دیا گیا تھا اگرچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شان حضرت خضر علیہ السلام سے کہیں زیادہ ہے۔ علامہ اقبال رحمہ اللہ نے بانگ درا کی طویل نظم ”خضر راہ“ میں موسیٰ علیہ السلام کے واقعے اور خضر علیہ السلام کے علم اسرارِ تکوینی کو مجمل طور پر ایک شعر میں یوں بیان کیا ہے۔

کشتی مسکین و جانِ پاک و دیوارِ یتیم
علم موسیٰ بھی ہے تیرے سامنے حیرت فروش

حضرت خضر علیہ السلام کا تذکرہ جس انداز سے قرآن کریم میں کیا گیا ہے اس سے یہی راجح نظر آتا ہے کہ وہ نبی تھے۔ ان کی حیات ابدی کے بارے میں جو تصوّر عوام و خواص میں پایا جاتا ہے اس کی کوئی شرعی اور تاریخی دلیل موجود نہیں لہذا حقیقت یہی ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام اپنی عمر طبعی کو پہنچ کر دنیا سے رحلت فرما گئے۔

موسیٰ و خضر علیہ السلام کی جائے ملاقات: قرآن مجید کی سورہ کہف میں موسیٰ علیہ السلام اور خضر علیہ السلام کی ملاقات کا مقام مجمع البحرین بتایا گیا ہے۔ مجمع البحرین دو دریاؤں یا دو سمندروں کے سنگم کو کہتے ہیں۔ سورہ کہف میں کون سے دو دریا اور ان کا سنگم مراد ہے؟ اس کے متعلق مختلف اقوال منقول ہیں۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی سورہ کہف کی تفسیر میں لکھتے ہیں: ”غالباً حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ سفر سوڈان کی جانب تھا اور مجمع البحرین سے مراد وہ مقام ہے جہاں موجودہ شہر خرطوم کے قریب دریائے نیل کی دو بڑی شاخیں البحر الابيض اور البحر الازرق آکر ملتی ہیں۔“ (تفہیم القرآن جلد سوم)

اور اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد 8 میں ”الخضر علیہ السلام“ کے زیر عنوان لکھا ہے:

”مستند اور صحیح روایات کے مطابق سورہ کہف کے بیان میں موسیٰ علیہ السلام سے مراد حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام ہیں جو بنی اسرائیل اور فرعون کی طرف بھیجے گئے تھے۔ فتیٰ (نوجوان) سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے شاگرد اور پہلے خلیفہ یوشع بن نون ہیں جو اپنے استاد کی خدمت بھی کرتے اور ان سے علم بھی حاصل کرتے تھے۔ ”ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ“ سے مراد حضرت خضر علیہ السلام ہیں۔ مجمع البحرین (دو سمندروں کا سنگم) کے بارے میں اختلاف رائے ہے۔ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اس سے مراد وہ جگہ ہے جہاں باب المندب کے پاس بحر ہند اور بحر احمر ملتے ہیں۔ بعض نے کہا کہ طنجہ کے قریب جہاں بحر

روم اور بحر اوقیانوس ملتے ہیں۔ بعض کے نزدیک جہاں بحیرہ قلزم اور بحیرہ اردن (خلیج عقبہ) ملتے ہیں وغیرہ۔“
اردو دائرہ معارف اسلامیہ کے مقالہ نگار کے مطابق ”اسرائیلی روایات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ایک سفر کا ذکر موجود ہے جو آپ نے حبشہ کی طرف کیا تھا (بائبل۔ العدد 21:) جیسا کہ مولانا مودودی مرحوم نے بھی اسی طرف دریائے نیل ابیض اور دریائے نیل ازرق کے سنگم ”خرطوم“ کو موسیٰ علیہ السلام و خضر علیہ السلام کی جائے ملاقات بتایا ہے لیکن دکتور شوقی ابوخلیل کے دیے ہوئے نقشے کے مطابق ان کی جائے ملاقات خلیج عقبہ اور خلیج سویز کا مقام اتصال ”راس محمد“ تھی جہاں یہ دونوں خلیجیں بحیرہ قلزم سے ملتی ہیں۔

”نقص القرآن“ میں مولانا سیوہاروی نے مجمع البحرین سے ”بحر روم اور بحر قلزم کا سنگم“ مراد لیا ہے لیکن یہ اس لیے ممکن نہیں کہ تاریخ ماضی قدیم میں کہیں ان دونوں سمندروں کے ”خط اتصال“ کا ذکر نہیں اور نہ 1869ء میں نہر سویز کے اجراء سے پہلے ان کے سنگم کا کوئی ثبوت ملتا ہے۔ اسی طرح علامہ انور شاہ کاشمیری کا یہ کہنا بھی ادھوری بات ہے کہ ”یہ مقام وہ ہے جو آج کل عقبہ کے نام سے مشہور ہے۔“

آبنائے جبل الطارق: اسے انگریزی میں جبرالٹر کہتے ہیں جو جبل الطارق سے بگڑ کر بنا۔ یہ آبنائے بحیرہ روم اور بحر اوقیانوس کو ملاتی ہے۔ عربی میں اسے بحر الرقاق بھی کہتے ہیں۔ اس کے شمال میں جبل الطارق (جبرالٹر) کی بندرگاہ ہے جو تین سو برس پہلے برطانیہ نے اسپین سے چھین لی تھی۔ آبنائے جبل الطارق کے جنوب میں سبتہ کی بندرگاہ ہے جو چند صدیوں سے اسپین کے تسلط میں ہے حالانکہ وہ مراکش (المغرب) کا جغرافیائی جزو ہے۔ 92ھ (712ء) میں طارق بن زیاد کا لشکر سبتہ (شمالی افریقہ) سے بحری کشتیوں میں سوار ہو کر اسپین (اندلس) کے ساحل پر اتر ا تھا۔ اسلامی فوج ایک ساحلی پہاڑی کے پاس اتری تھی جسے جبل الطارق کا نام دیا گیا۔ جن لوگوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور خضر علیہ السلام کی جائے ملاقات آبنائے جبرالٹر کا ساحل بتائی ہے ان کی یہ بات دور از قیاس ہے کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کبھی مصر اور افریقہ کے مغرب کی طرف اتنا طویل سفر کر کے جانے کا کوئی ثبوت نہیں۔

آبنائے جبل الطارق براعظم افریقہ کو براعظم یورپ سے الگ کرتی ہے۔ اس کی لمبائی 50 کلومیٹر اور چوڑائی 14 کلومیٹر ہے۔

خلیج عقبہ: یہ خلیج، بحیرہ احمر کے شمال میں اس کی دائیں شاخ ہے۔ اس کے مغرب میں جزیرہ نما سیناء، مشرق میں سعودی عرب اور شمال میں کچھ ساحل اردن اور فلسطین (اسرائیل کا مقبوضہ) کو لگتا ہے جہاں عقبہ (اردن) اور ایلات (فلسطین) کی بندرگاہیں واقع ہیں۔ خلیج عقبہ کے مشرق میں مدین کا علاقہ ہے۔ عہد موسوی میں خلیج عقبہ کے شمال کا علاقہ ادوم کہلاتا تھا۔ خلیج عقبہ کی لمبائی راس محمد (بحر احمر) سے لے کر عقبہ تک تقریباً 200 کلومیٹر ہے۔

خلیج سویز (السویس): یہ خلیج، بحیرہ احمر کے شمال میں اس کی بائیں شاخ ہے۔ اس کے مشرق میں جزیرہ نما سیناء (مصر) اور مغرب میں مصر کے صحرائے شرقیہ اور بنی سویف کے علاقے ہیں جبکہ شمال میں 168 کلومیٹر لمبی نہر سویز اسے بحیرہ روم

سے ملاتی ہے۔ نہر سویز کا اجراء 1869ء میں ہوا تھا۔ خلیج سویز کے شمالی سرے پر بور توفیق (بندرگاہ) اور اس کے چار پانچ کلومیٹر مغرب میں بندرگاہ سویس (سویز) آمنے سامنے واقع ہیں۔ سویز شہر ماضی میں ”قلزم“ کہلاتا تھا۔ خلیج سویز کے مشرقی ساحل پر طور اور مغربی ساحل پر راس غارب کی بندرگاہیں ہیں۔ سویز شہر کی آبادی تقریباً ساڑھے تین لاکھ ہے۔ یہ صوبائی دارالحکومت ہے۔

راس محمد: یہ جزیرہ نما سیناء کا جنوبی سرا ہے جو بحیرہ احمر (بحیرہ قلزم) کے اندر کو نکلا ہوا ہے۔ یہیں بحیرہ احمر کی دو خلیجوں خلیج عقبہ اور خلیج سویز کا اتصال ہوتا ہے اور غالباً یہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کی ملاقات کا واقعہ پیش آیا تھا۔

خرطوم: یہ دریائے نیل ابیض اور نیل ازرق کے سنگم پر واقع ہے اور سوڈان کا دارالحکومت ہے۔ یہاں چونکہ نیل کا بہاؤ ہاتھی کی سوئی (خرطوم) کی شکل اختیار کر جاتا ہے اس لیے اس مقام کو خرطوم کہتے ہیں۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی کے نزدیک موسیٰ و خضر علیہ السلام کی ملاقات یہیں ہوئی تھی۔ یہاں اب تین شہر واقع ہیں: دارالحکومت الخرطوم نیل ابیض کے مشرق میں اور دونوں دریاؤں کے سنگم کے جنوب میں واقع ہے جبکہ الخرطوم البحری بھی مشرقی جانب مگر سنگم کے شمال میں ہے۔ ان کے برعکس ام درمان نیل کے مغرب میں واقع ہے اور یہ 1884ء تا 1899ء محمد بن عبداللہ المعروف مہدی سوڈانی اور ان کے جانشینوں کی اسلامی حکومت کا صدر مقام تھا۔

باب المندب: یہ آبنائے بحیرہ احمر اور خلیج عدن کو ملاتی ہے۔ اس کے مشرق میں یمن کا ساحل ہے اور مغرب میں اریٹریا اور جہوتی کے ساحل ہیں۔ اسے باب المندب (آنسوؤں کا دروازہ) اس لیے کہا جاتا ہے کہ ماضی میں یہاں بحری جہاز ڈوب جاتے تھے۔ باب المندب کی لمبائی 50 کلومیٹر اور چوڑائی 26 کلومیٹر ہے۔ اس کے اندر جزیرہ پریم واقع ہے۔ طیاروں کے سفر سے پہلے پاک و ہند اور جنوب مشرقی ایشیا سے حجاج کرام کے بحری جہاز باب المندب سے گزر کر ہی جدہ پہنچتے تھے۔



حضرت الیاس اور یسوع علیہما السلام

حضرت الیاس علیہ السلام کا ذکر قرآن مجید میں دو مرتبہ آیا ہے:

سورت	سورت نمبر	آیات نمبر	سورت	سورت نمبر	آیات نمبر
الأنعام	6	85	الصافات	3	123

متعلقہ آیات

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَذَكَرْنَا يُوحْيٰى وَعِيسٰى وَإِلْيَاسَ كُلًّا مِّنَ الصَّالِحِينَ ﴿٨٥﴾

”اور ہم نے زکریا، یحییٰ، عیسیٰ اور الیاس کو (مختلف اوقات میں) بھیجا۔ یہ سب نیک لوگ تھے۔“ (الأنعام: 85/6)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَإِنَّ إِلْيَاسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ ﴿٣٧﴾

”بلاشبہ الیاس پیغمبروں میں سے تھا۔“ (الصافات: 123/37)

الیاسین کے نام کے ساتھ بھی قرآن مجید میں ایک دفعہ ذکر ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ ﴿٣٩﴾ سَلَّمَ عَلَىٰ إِبْرٰهٖمَ إِذْ يَكْسِيْنُ ﴿٤٠﴾

”ہم نے بعد میں آنے والوں میں ان کے لیے اچھی تعریف باقی رکھی۔ الیاسین پر سلام ہو۔“

(الصافات: 129/37، 130)

حضرت یسوع کا ذکر بھی قرآن مجید میں دو دفعہ آیا ہے:

سورت	سورت نمبر	آیات نمبر	سورت	سورت نمبر	آیات نمبر
الأنعام	6	86	ص	38	48

متعلقہ آیات

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَأِسْمَاعِيلَ وَالْيَسَعَ وَيُوشُوسَ وَلُوطَاطَ وَكَلاَّ فَضَّلْنَا عَلَى الْعَالَمِينَ ﴿٨٦﴾

”ہم نے اسماعیل، یسع، یونس اور لوط کو (مختلف اوقات میں) بھیجا۔ اور ان میں سے ہر ایک کو ہم نے اپنے اپنے دور کے لوگوں پر فضیلت دی۔“ (الانعام: 86/6)

وَاذْكُرْ إِسْمَاعِيلَ وَالْيَسَعَ وَذَا الْكِفْلِ وَكُلٌّ مِنَ الْأَخْيَارِ ﴿٨٧﴾

”اسماعیل، یسع اور ذوالکفل کا تذکرہ کیجیے۔ یہ سب بہترین لوگ تھے۔“ (ص: 48/38)

حضرت الیاس اور یسع علیہ السلام نے شہر بعلبک میں زندگی گزاری اور وہیں فوت ہوئے۔ بعلبک کا یونانی نام ہیلیوپولیس (سورج کا شہر) ہے۔ (یہ نام اس لیے تھا کہ وہاں سورج دیوتا کا مندر تھا اور بعلبک کے باشندے سورج کی پوجا کرتے تھے۔)



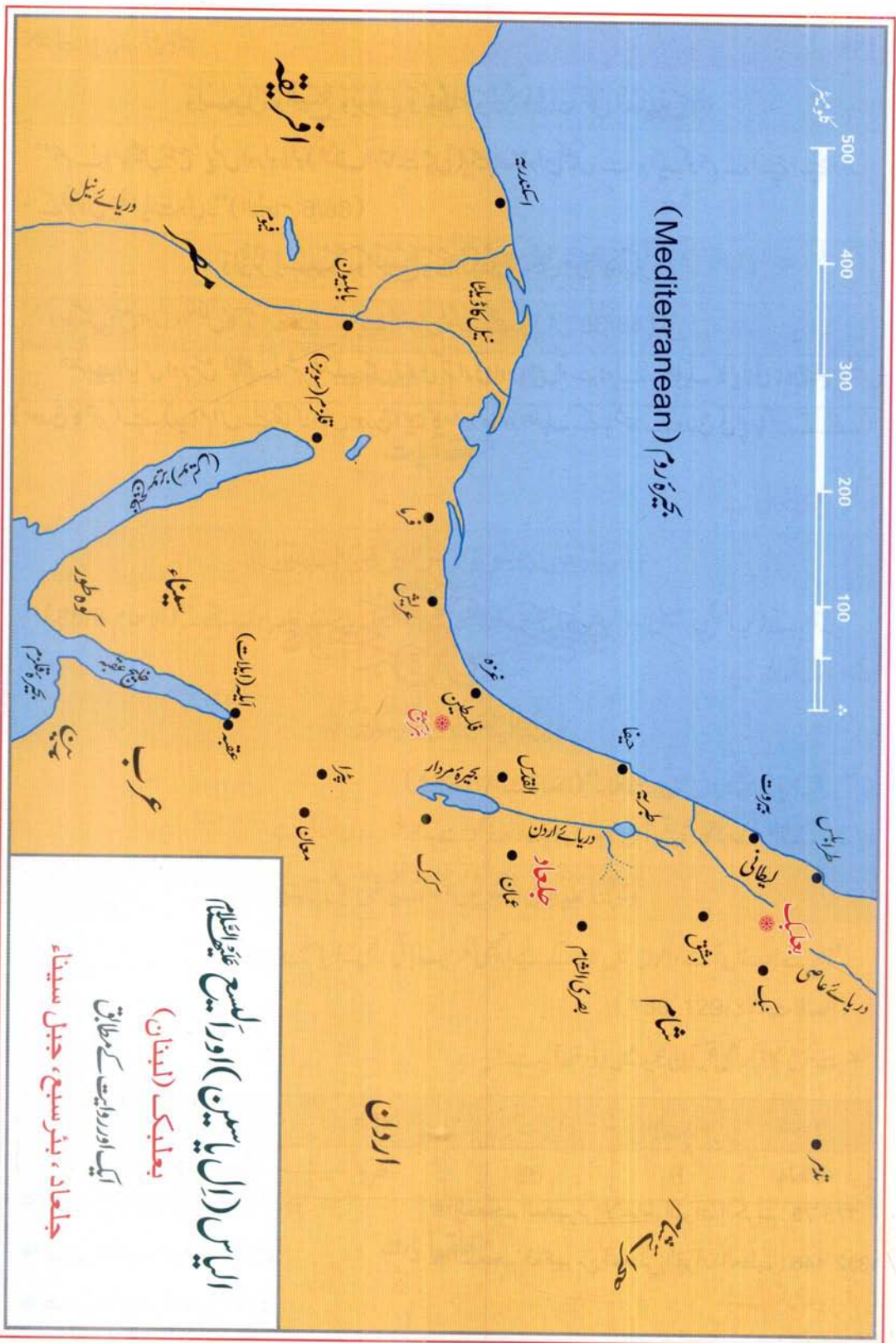
❁ المعجم المفهرس لألفاظ القرآن الكريم : 75، 773

❁ المعجم المفهرس لمعاني القرآن العظيم : 146، 1332

❁ القاموس الإسلامي : 169/1، 170

❁ قصص الأنبياء، ابن كثير : 353

❁ قصص الأنبياء، الثعلبي : 261



حضرت الیاس علیہ السلام

آپ اسرائیلی نبی ہیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد مبعوث ہوئے تھے چنانچہ طبری کہتے ہیں کہ یہ حضرت الیسع علیہ السلام کے چچازاد بھائی تھے اور یہ کہ ان کی بعثت حزقیل نبی (علیہ السلام) کے بعد ہوئی۔ قرآن مجید میں ان کا نام الیاس کے علاوہ ال یاسین (علیہ السلام) بھی آیا ہے اور انجیل یوحنا میں انہیں ایلیا نبی کہا گیا ہے۔ ان کا نسب نامہ یہ ہے:

الیاس بن یاسین بن فحاص بن یعزر بن ہارون علیہ السلام..... یا..... الیاس بن عازر بن یعزر بن ہارون علیہ السلام

حضرت الیاس علیہ السلام کی رسالت و ہدایت کا مرکز بعلبک کا مشہور شہر تھا جہاں دوسرے بتوں کے علاوہ بعل کے بت کی بالخصوص پوجا ہوتی تھی۔ ان کی قوم صنم پرستی اور ستارہ پرستی کی عادی تھی۔ وہ بعل دیوتا کو زحل یا مشتری کا شنی سمجھتی تھی۔ فینیقیوں اور کنعانیوں کے علاوہ موآبی اور مدیانی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عہد سے بعل کو پوجتے آرہے تھے۔ حضرت شعیب علیہ السلام کو بھی مدین میں اسی کے پرستاروں سے واسطہ پڑا تھا۔ مورخین کا خیال ہے کہ حجاز کا مشہور بت ہبل بھی یہی بعل تھا۔ تورات میں بعل کو بریث یا بعل فغور کے نام سے بھی یاد کیا گیا ہے۔ کلدانیوں کے ہاں اسے بعل (بیل) اور بعلوس (بیلوس) بھی کہتے تھے۔ سامی اور عبرانی زبانوں میں بعل کے معنی ”مالک“ ”سردار“ ”حاکم“ اور ”رب“ کے آتے ہیں۔ لیکن الف لام یا اضافت کے ساتھ اس کا مفہوم ”دیوتا اور معبود“ تھا۔ یہود یا مشرقی اسرائیلی بھی بعل کے پجاری تھے۔ بعل سونے کا تھا۔ اس کا قد ساٹھ فٹ تھا اس کے چار منہ تھے اور اس کی خدمت پر 400 سو خدام مقرر تھے۔ (قصص القرآن - حصہ دوم)

قرآن مجید کی سورۃ الصافات میں ”بعل“ کا ذکر یوں آیا ہے:

﴿إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ أَلَا تَتَّقُونَ ۝ أَدْعُونَ بَعْلًا وَتَذَرُونَ أَحْسَنَ الْخَالِقِينَ ۝ اللَّهُ رَبُّكُمْ وَرَبُّ آبَائِكُمُ

الْأُولَئِينَ ۝﴾ (124 ... 126)

یعنی ”جب اس (الیاس) نے اپنی قوم سے کہا: کیا تم (اللہ سے) نہیں ڈرتے؟ کیا تم بعل کو پکارتے ہو؟ اور سب سے بہتر خالق کو چھوڑے ہوئے ہو (جبکہ) اللہ ہی تمہارا اور تمہارے اگلے باپ دادوں کا رب ہے۔“

بعلبک: بعل دیوتا سے منسوب بعلبک ماضی میں شام کا اور آج کل لبنان کا تاریخی شہر ہے۔ یہ صوبہ بقاع کا دارالحکومت ہے۔ اس کے مشرق میں لبنان شام سرحد پر جبال لبنان الشرقیہ پھیلے ہوئے ہیں۔ یہ حمص (شام) سے شام کے دارالحکومت دمشق جانے والی شاہراہ پر واقع ہے۔ یونانی زبان میں اس کا نام ہیلیوپولس (مدینۃ الشمس) ہے جو کہ مصر کے قدیم شہر ہیلیوپولس (عین الشمس) سے مختلف ہے۔ دمشق سے بعلبک کا فاصلہ تقریباً 100 کلومیٹر ہے اور لبنان کا دارالحکومت بیروت بعلبک سے تقریباً 80 کلومیٹر دور ہے۔ سطح سمندر سے اس کی بلندی 1150 میٹر ہے جبکہ آبادی تقریباً نصف لاکھ

ہے۔ بعلبک فنیقی عہد میں آباد ہوا۔ سکندر اعظم کے جانشین سلیوکس نے اس کا نام ہیلیوپولس رکھا، پھر اس پر رومی قابض ہوئے۔ یہاں سنگ رخام کے چھ ستون مشہور ہیں جن کے بارے میں مجمع البلدان میں لکھا ہے کہ ”یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا قصر تھا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے بعلبک ملکہ بلقیس کو جہیز میں دیا تھا۔ ان سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام فلسطین جاتے ہوئے یہاں آئے تھے اور یہاں ان کی نسبت سے ”مقام ابراہیم علیہ السلام“ موجود ہے۔ بعلبک 14ھ میں حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں پر امن طور پر فتح ہوا تھا۔ یہاں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی بہن حفصہ دفن ہیں اور حضرت الیاس علیہ السلام کی قبر بھی یہیں ہے۔“

بعلبک کا عرض بلد 34 درجے شمالی ہے جو کہ اسلام آباد (پاکستان) کا عرض بلد بھی ہے۔



حضرت الیسع علیہ السلام

آپ حضرت الیاس علیہ السلام کے نائب اور خلیفہ تھے۔ حضرت الیاس علیہ السلام کے انتقال کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت الیسع علیہ السلام کو بنی اسرائیل کی رہنمائی کے لیے نبوت سے سرفراز فرمایا۔ ابن اسحاق کے مطابق ان کا نام الیسع بن خطوب ہے اور وہ حضرت الیاس علیہ السلام کے چچا زاد تھے۔ لیکن ابن عساکر نے ان کا نسب نامہ یوں نقل کیا ہے: الیسع بن عدی بن شوتم بن افرائیم بن یوسف علیہ السلام

اور اگر تورات کے یسعیاہ نبی اور حضرت الیسع علیہ السلام ایک ہی شخصیت ہیں تو تورات نے ان کو عموص کا بیٹا بتایا ہے۔
(قص القرآن از مولانا محمد حفظ الرحمن سیوہاروی)

حضرت الیسع علیہ السلام بعلبک (مشرقی لبنان) میں رہتے تھے اور وہیں فوت ہوئے۔

بعلبک: دیکھیے اضافی توضیحات و تشریحات باب ”الیاس علیہ السلام“



حضرت داود علیہ السلام

حضرت داود علیہ السلام کا نام قرآن مجید میں مندرجہ ذیل سولہ ۱۶ مقامات پر مذکور ہے:

سورت	سورت نمبر	آیات نمبر	سورت	سورت نمبر	آیات نمبر
البقرة	2	251	الأنبياء	21	78'79
النساء	4	163	النمل	27	15'16
المائدة	5	78	سبا	34	10'13
الأنعام	6	84	ص	38	17'22'24'26'30
الإسراء	17	55			

چند متعلقہ آیات

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَدَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ إِذْ يَحْكُمُونَ فِي الْحَرْثِ إِذْ نَفَشَتْ فِيهِ غَنَمُ الْقَوْمِ وَكُنَّا لِحَكْمِهِمْ شَاهِدِينَ ﴿٨٨﴾
فَفَهَّمْنَاهَا سُلَيْمَانَ وَكُلًّا آتَيْنَاهُ حُكْمًا وَعِلْمًا وَسَخَّرْنَا مَعَ دَاوُدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ وَكُنَّا فَاعِلِينَ ﴿٨٩﴾
وَعَلَّمْنَاهُ صَنْعَةَ لَبُوسٍ لَّكُمْ لِنُخْصِنَكُمْ مِنْ بَأْسِكُمْ فَهَلْ أَنْتُمْ شَاكِرُونَ ﴿٩٠﴾

”اور داود و سلیمان کا تذکرہ کیجیے جب وہ ایک کھیتی کے بارے میں فیصلہ کر رہے تھے جس میں کسی قوم کی بکریاں چر گئی تھیں۔ ہم ان کے فیصلے کے وقت موجود تھے۔ ہم نے سلیمان کو فیصلہ سمجھا دیا تھا۔ ویسے ہم نے دونوں کو علم و حکمت سے نوازا تھا۔ نیز ہم نے داود کے ساتھ پہاڑوں اور پرندوں کو تسبیح پر لگا رکھا تھا اور ہم جو چاہیں کر سکتے ہیں۔ علاوہ ازیں ہم نے اسے جنگی لباس (زرہیں) بنانے کا طریقہ سکھا دیا تھا تاکہ تم ان کے ذریعے حملے سے بچ سکو۔ کیا اس کا شکر ادا نہیں کرو گے؟“ (الانبیاء: 78/21... 80)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُدَ مِنَّْا فَضْلًا يُجِبَالُ أَوْبَىٰ مَعَهُ وَالطَّيْرَ ۚ وَآلَا لَهُ الْحَدِيدُ ﴿٩١﴾ إِنْ أَعْمَلَ سَبِيغًا وَقَدِيرًا
فِي السَّرْدِ ۖ وَاعْمَلُوا صَالِحًا ۚ إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿٩٢﴾

”ہم نے داود کو اپنی طرف سے فضیلت عطا فرمائی تھی۔ (اور پہاڑوں کو حکم دیا تھا کہ) اے پہاڑ واد پرندو! داود کے ساتھ تسبیح کیا کرو۔ نیز ہم نے اس کے لیے لوہا نرم کر دیا کہ اس سے کھلی (اور لمبی لمبی) زرہیں تیار کرو۔ اور اندازے کے مطابق کڑیاں جوڑو (کیل اور سوراخ کا حساب رکھو) اور نیک کام کرو۔ میں تمہارے اعمال کو بخوبی دیکھتا ہوں۔“ (سبا: 10/34)

حضرت داود علیہ السلام نے غزہ کے قریب اشدود کے مقام پر تورات والے تابوت کی مدد سے فلسطینیوں کے ساتھ جنگ کی۔ مگر شکست کھائی حتیٰ کہ فلسطینی ان سے تابوت چھین کر رملہ کے قریب ”بیت دجن“ میں لے گئے۔^(۱) پھر ان کی حکومت وسیع ہوئی حتیٰ کہ ایلہ (عقبہ) سے دریائے فرات تک پھیل گئی۔ ان کی قبر ایک پہاڑ پر ہے جو بیت المقدس سے رملہ جاتے ہوئے ابوغوش مقام سے کچھ آگے دائیں ہاتھ پڑتا ہے۔ آپ 963 ق۔م میں فوت ہوئے۔ یہاں پر یہ بات قابل ذکر ہے کہ کنعانی عرب 2500 ق۔م سے کنعان یعنی فلسطین میں رہائش پذیر ہیں۔ 1200 ق۔م کے گرد و پیش حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم نے کنعان کے علاقے کی طرف ہجرت کی۔ پھر حضرت یوشع بن نون نے کنعانیوں کی کمزوری اور باہمی آویزش سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی حکومت قائم کر لی۔ پھر حضرت طالوت (شاؤل) نے فلسطینیوں سے لڑنے کے لیے ایک لشکر تیار کیا۔ اس وقت فلسطینیوں کی قیادت جالوت کے ہاتھ میں تھی۔ چلتے وقت حضرت طالوت نے اپنے لشکر کو دریائے اردن سے پانی پینے سے روک دیا، لیکن سب نے ڈٹ کر پیا صرف چند سپاہیوں نے صبر سے کام لیا اور پانی نہ پیا۔ لیکن وہ اتنے تھوڑے تھے کہ کہنے لگے: ”ہمیں جالوت اور اس کے لشکروں سے مقابلے کی ہمت نہیں۔ خیر! مقابلہ ہوا تو جالوت نے مبارزت طلب کی۔ حضرت داود علیہ السلام اس کے مقابلے میں نکلے۔ اس وقت وہ طالوت کے لشکر میں ایک عام سپاہی کی حیثیت رکھتے تھے۔ انہوں نے جالوت کا نشانہ تاک کر پتھر پھینکا جو سیدھا اس کے ماتھے پر لگا۔ وہ چکر اگیا۔ انہوں نے جلدی سے اس کی تلوار چھین کر اس کا سراڑا دیا۔

اس طرح جالوت کی فوج شکست کھا گئی۔ حضرت طالوت نے حضرت داود علیہ السلام سے وعدہ کیا تھا کہ میں تجھے اپنی بیٹی میکال کا رشتہ دوں گا اور فوج کا سپہ سالار اور کمانڈر انچیف بنادوں گا، لیکن بعد میں انہوں نے وعدہ خلافی کرنے کی ٹھانی اور

(۱) مؤلف نے جو یہ لکھا ہے: ”حضرت داود علیہ السلام نے غزہ کے قریب اشدود کے مقام پر تورات والے تابوت (تابوت سکینہ) کی مدد سے فلسطینیوں کے ساتھ جنگ کی، مگر شکست کھائی حتیٰ کہ فلسطینی ان سے تابوت چھین کر رملہ کے قریب ”بیت دجن“ میں لے گئے۔“ اس کی کوئی اصل نہیں۔ قرآن کریم کے اسلوب بیان اور تاریخی حوالوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ تابوت کا بنی اسرائیل کے ہاتھ سے چھن جانے کا واقعہ حضرت طالوت کے بادشاہ بننے سے پہلے کا ہے۔ اس واقعے کے بعد شمویل نبی کے زمانے میں حضرت طالوت کو بنی اسرائیل کی حکومت تفویض ہوئی تھی، انہوں نے فلسطینی بادشاہ جالوت سے جنگ کی جس میں حضرت داود علیہ السلام نے جالوت کو قتل کیا تھا اور بنی اسرائیل کو فتح ہوئی تھی۔ اس فتح کے بعد تابوت سکینہ چھن جانے کی کوئی حقیقت نہیں۔ (محسن فارانی)

حضرت داود علیہ السلام کے خلاف ایک سازش تیار کی مگر حضرت داود فوج گئے، بلکہ یہ داود علیہ السلام کے غلبے اور ان کی اسرائیلی حکومت کا نقطہ آغاز ثابت ہوا۔

جاووت کا نام قرآن مقدس میں تین دفعہ آیا ہے اور تینوں بار سورہ بقرہ کی آیات نمبر 249، 250 اور 251 میں ہے اور حضرت طالوت کا نام دوبار آیا ہے اور وہ بھی سورہ بقرہ کی آیات نمبر 247 اور 249 میں ہے۔

حضرت داود علیہ السلام 1000 ق۔م میں بیت المقدس پر قابض ہوئے۔ کچھ کنعانی علاقہ بھی ان کے ہاتھ لگا۔ باقی کنعانیوں کے پاس رہا۔ 931 ق۔م میں عبرانیوں کی دو حکومتیں بن گئیں۔

۱۔ شمالی علاقہ میں ”سامرہ“: اس کا دارالحکومت سامرہ (سبسطیہ) تھا۔ لیکن 722 ق۔م میں آشوریوں نے سرگان ثانی کی قیادت میں یہ حکومت ختم کر دی۔

۲۔ جنوب میں ریاست ”یہودا“: اس کا دارالحکومت بیت المقدس تھا۔ اسے بھی 586 ق۔م میں کلدانیوں نے بخت نصر کی قیادت میں ختم کر دیا، بلکہ وہ بے شمار اسرائیلیوں کو قید کر کے باہر لے گیا۔ اس طرح ان دونوں حکومتوں کے آثار ختم ہو گئے۔

یہ سب کچھ ہوتا رہا مگر فلسطین کے اصل باسیوں نے فلسطین نہیں چھوڑا جیسا کہ تورات کی صریح عبارت سے واضح ہوتا ہے۔ بلکہ انہوں نے یہودیوں کی شہریت، زبان اور عادات پر زبردست اثرات ڈالے۔ لہذا کنعان یعنی فلسطین کے علاقے میں یہودی حکومت اس عربی سرزمین کی تاریخ میں ایک عارضی اور جزوی حکومت تھی۔



❁ قصص الأنبياء، النجار : 303، 305

❁ مفصل العرب واليهود في التاريخ : 565

❁ قصص الأنبياء، ابن كثير : 360

❁ المعجم المفهرس لألفاظ القرآن الكريم : 264

❁ المعجم المفهرس لمعاني القرآن العظيم : 417

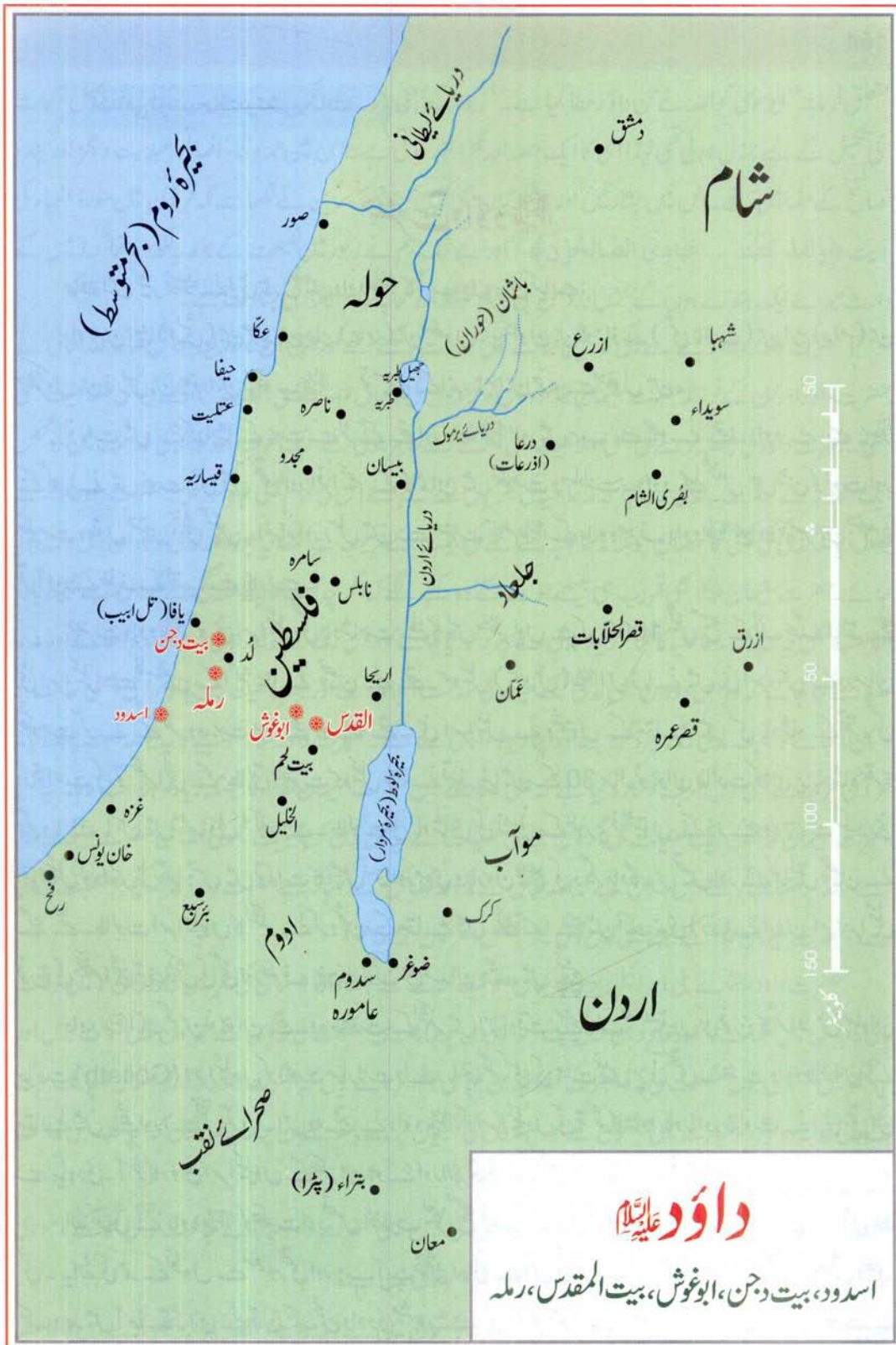
❁ تاريخ الشرق الأدنى القديم : 370

❁ القاموس الإسلامي : 1/557، 4/433

❁ قصص الأنبياء، الثعلبي : 272

❁ قصص الأنبياء، الثعلبي : 277

❁ قصص الأنبياء، الطبري : 353



حضرت داؤد علیہ السلام

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی تاریخ میں داؤد علیہ السلام کا نسب یوں بیان کیا ہے:

داؤد بن ایشا (ایشی) بن عوبد بن عابر (عابر) بن سلمون بن نحشون بن عونیا ذب (عمی ناذب) بن ارم (رام) بن

حصرون بن فارص بن یہودا بن یعقوب علیہ السلام..... تو سین کے اندر نام ابن جریر سے منقول ہیں۔

تورات میں ہے کہ ایشا کے بہت سے لڑکے تھے اور داؤد علیہ السلام ان میں سب سے چھوٹے تھے۔ داؤد سے پہلے یہودا کے گھرانے میں نبوت چلی آتی تھی اور افرائیم کے خاندان میں حکومت و سلطنت۔ داؤد پہلے شخص ہیں جن کو نبوت اور حکومت دونوں نعمتیں بخشی گئیں۔ انبیاء اور رسل میں سے حضرت آدم علیہ السلام کے علاوہ صرف داؤد علیہ السلام ہی وہ پیغمبر ہیں جنہیں قرآن نے خلیفہ کے لقب سے پکارا ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کو بنی اسرائیل کی بادشاہت ملنے کا پس منظر یوں ہے کہ 1000 قبل مسیح کے لگ بھگ عمالقہ نے بنی اسرائیل سے فلسطین کے اکثر علاقے چھین لیے تھے۔ سموئیل (شمویل) علیہ السلام اس زمانے میں بنی اسرائیل کے درمیان حکومت کرتے تھے مگر وہ بہت بوڑھے ہو چکے تھے۔ بنی اسرائیل نے دشمنوں کے مقابلے میں کسی بادشاہ کے تقرر کی درخواست کی تو حکم الہی کے مطابق حضرت سموئیل علیہ السلام نے قبیلہ بنیامین کے 30 سالہ نوجوان طالوت کو ان پر بادشاہ مقرر کر دیا جسے بائبل میں ”ساؤل“ لکھا ہے۔ طالوت کی بادشاہی کی نشانی کے طور پر فرشتوں کے ذریعے وہ تابوت سیکنہ بنی اسرائیل کو واپس مل گیا جس میں تورات کا اصل نسخہ اور موسیٰ و ہارون علیہ السلام کی دیگر یادگاریں تھیں اور جسے عمالیق چھین لے گئے تھے۔ طالوت اسرائیلیوں کا لشکر لے کر دشمن کے مقابلے میں نکلے۔ راستے میں ایک ندی (دریائے اردن) پر اسرائیلی فوج کی حکم الہی آزمائش کی گئی اور صرف پختہ کار لوگ ہی میدان جنگ میں پہنچے۔

داؤد علیہ السلام ایک کم سن نوجوان تھے۔ وہ طالوت کے لشکر میں اس وقت پہنچے جب فلسطینیوں کی فوج کا گرانڈیل پہلوان جالوت (Goliath) اسرائیلیوں کو دعوت مبارزت دے رہا تھا مگر کسی کی ہمت نہیں پڑتی تھی۔ حضرت داؤد علیہ السلام اس کے مقابلے میں نکلے اور اسے قتل کر دیا۔ اس واقعے نے داؤد علیہ السلام کو اسرائیلیوں کی آنکھ کا تارا بنا دیا اور طالوت نے اپنی بیٹی ان سے بیاہ دی۔ آخر کار وہی اسرائیلیوں کے حکمران ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں نبوت سے سرفراز کیا۔

اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کو حکمت اور فصل الخطاب یعنی صحیح فیصلہ کرنے کی قوت بھی بخشی تھی اور پھر انہیں زبور بھی عطا کی۔ یہ اللہ کی حمد کے نغموں سے معمور تھی اور جب آپ خوش الحانی سے اس کی تلاوت کرتے تو جن و انس حتیٰ کہ وحوش و طیور تک وجد میں آ جاتے۔ اسی لیے آج تک لحن داؤدی مشہور ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے حسن صوت کے

متعلق فرمایا: ”ابوموسیٰ! کو اللہ نے جن داؤد عطا کیا ہے۔“ زبور کے معنی پارے اور ٹکڑے کے ہیں۔ یہ کتاب دراصل تورات کی تکمیل کے لیے نازل ہوئی تھی لہذا اسی کا ایک حصہ اور ٹکڑا اشار ہوتی ہے۔ اس میں حمد و ثناء انسانی عبدیت و عجز اور پند و نصائح کے مضامین تھے۔ اس میں بشارتیں اور پیشگوئیاں بھی تھیں چنانچہ مفسرین نے لکھا ہے کہ قرآن میں سورہ انبیاء کی آیت ﴿وَلَقَدْ كَتَبْنَا..... عَبْدَی الصَّالِحُونَ﴾ ”اور بے شک ہم نے زبور میں نصیحت کے بعد یہ لکھ دیا تھا کہ زمین کے وارث میرے نیک بندے ہوں گے“ میں دراصل نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بشارت ہے۔

حضرت داود علیہ السلام لوہے سے ہلکی زر ہیں بنانے میں مہارت رکھتے تھے اور یہی ان کا ذریعہ معاش تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت داود اور ان کے فرزند حضرت سلیمان علیہ السلام دونوں کو پرندوں کی بولیاں (منطق الطیر) سمجھنے کی بھی صلاحیت بخشی تھی۔ حضرت داود کی فیصلہ کرنے کی اعلیٰ صلاحیت اس واقعے سے ظاہر ہوتی ہے: ایک مرتبہ داود علیہ السلام کی خدمت میں دو شخص ایک مقدمہ لے کر آئے۔ مدعی نے کہا کہ مدعا علیہ کی بکریوں کے گلے نے اس کی تمام کھیتی تباہ کر ڈالی۔ حضرت داود علیہ السلام نے فیصلہ دیا کہ مدعی کی کھیتی کا نقصان چونکہ مدعا علیہ کے گلے کی قیمت کے قریب ہے لہذا یہ پورا گلہ مدعی کو تاوان میں دے دیا جائے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام بھی قریب ہی بیٹھے ہوئے تھے وہ کہنے لگے کہ اگرچہ آپ کا یہ فیصلہ صحیح ہے مگر اس سے بھی زیادہ مناسب شکل یہ ہے کہ مدعا علیہ کا تمام ریوڑ مدعی کے سپرد کر دیا جائے، وہ اس کے دودھ اور اون سے فائدہ اٹھائے اور مدعا علیہ سے کہا جائے کہ وہ اس دوران میں مدعی کے کھیت کی خدمت انجام دے اور جب کھیت کی پیداوار اپنی اصلی حالت پر واپس آ جائے تو کھیت مدعی کے سپرد کر دے اور اپنا ریوڑ واپس لے لے۔ حضرت داود علیہ السلام کو بیٹے کا یہ فیصلہ بہت پسند آیا۔ قرآن عزیز نے بھی اس طرف اشارہ کیا ہے کہ اس معاملے میں حضرت سلیمان علیہ السلام کا فیصلہ زیادہ مناسب رہا۔ یہ گویا حضرت سلیمان علیہ السلام کی ایک فضیلت تھی مگر اس جزوی فضیلت کے یہ معنی نہیں کہ بحیثیت مجموعی فضائل حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے والد پر فضیلت رکھتے ہیں۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے مجموعہ فضائل کے اعتبار سے حضرت داود علیہ السلام کی جو منقبت فرمائی ہے وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے حصے میں نہیں آئی۔ (قصص القرآن 75/2)

حضرت داود علیہ السلام نے بنی اسرائیل پر 40 سال حکومت کرنے کے بعد 100 سال کی عمر میں 963 ق م میں وفات پائی۔ بائبل میں لکھا ہے: ”اور داود بن ایشی نے اسرائیلیوں پر 40 برس سلطنت کی۔ اس نے حبرون میں سات برس اور یروشلم میں تینتیس برس سلطنت کی۔“ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت داود علیہ السلام کا انتقال اچانک سبت کے دن ہوا۔ وہ مقررہ عبادت میں مشغول تھے اور پرندوں کی ٹکڑیاں پرے باندھے ان پر سایہ فگن تھیں کہ اچانک اسی حالت میں ان کا انتقال ہو گیا۔ (فیض الباری جلد 2 کتاب الانبیاء)

اسدود: یہاں بنی اسرائیل کی فلسطینیوں سے جنگ ہوئی تھی جس میں حضرت داود علیہ السلام نے جالوت کو قتل کر کے ناموری حاصل کی تھی۔ اسدو ساحل سمندر پر غزہ سے تقریباً 40 کلومیٹر شمال میں ہے۔

بیت دجن: یہ یافا (موجودہ تل ابیب یافو) سے 10 کلومیٹر مشرق میں ہے جبکہ بیت المقدس (یروشلم) سے اس کا فاصلہ

تقریباً 50 کلومیٹر ہے۔

ابی غوش: بیت المقدس سے رملہ کو جائیں تو ابو غوش کے بعد دائیں طرف حضرت داود علیہ السلام کی قبر ہے۔ ابو غوش بیت المقدس سے چار پانچ کلومیٹر دور ہے۔ بائبل کے مطابق داود علیہ السلام ”شہر داود“ میں دفن ہوئے۔



حضرت سلیمان علیہ السلام

حضرت سلیمان علیہ السلام کا نام قرآن مجید میں مندرجہ ذیل سترہ (17) مقامات پر آیا ہے:

سورت	سورت نمبر	آیات نمبر	سورت	سورت نمبر	آیات نمبر
البقرة	2	102 (دودفعہ)	النمل	27	15، 16، 17، 18، 30، 36، 44
النساء	4	163	سبا	34	12
الأنعام	6	84	ص	38	30، 34
الأنبياء	21	78، 79، 81			

چند متعلقہ آیات

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ عِلْمًا ۖ وَقَالَ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي فَضَّلَنَا عَلَى كَثِيرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِينَ ۝
وَوَرِثَ سُلَيْمَانُ دَاوُدَ وَقَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ عَلِمْنَا مَنَظِقَ الظَّيْرِ وَأَوْتَيْنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ ۖ إِنَّ هَذَا
لَهُوَ الْفَضْلُ الْهَبِيرُ ۝^{١٩} وَحُشِرَ لِسُلَيْمَانَ جُنُودُهُ مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ وَالظَّيْرِ فَهُمْ يُوزَعُونَ ۝^{٢٠} حَتَّى إِذَا
أَتَوْا عَلَى وَادِ النَّهْلِ ۖ قَالَتْ نَهْلُ يَأَيُّهَا النَّهْلُ ادْخُلُوا مَسْكِنُكُمْ لَا يَحْطَبُكُمْ سُلَيْمَانُ وَجُنُودُهُ ۖ وَهُمْ
لَا يَشْعُرُونَ ۝^{٢١} فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّن قَوْلِهَا وَقَالَ رَبِّ أَوْزِعْنِي أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِي أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَى
وَالِدَيَّ وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ وَأَدْخِلْنِي بِرَحْمَتِكَ فِي عِبَادِكَ الصَّالِحِينَ ۝^{٢٢} وَتَفَقَّدَ الظَّيْرِ فَقَالَ مَا لِيَ
لَا أَرَى الْهُدُودَ ۖ أَمْ كَانِ مِنَ الْغَائِبِينَ ۝^{٢٣} لَأُعَذِّبَنَّهُ عَذَابًا شَدِيدًا أَوْ لَأَذْبَحَنَّهُ أَوْ لَيَأْتِيَنِي بِسُلْطٰنٍ
مُّبِينٍ ۝^{٢٤} فَبَكَتْ غَيْرَ بَعِيدٍ فَقَالَ أَحَطْتُ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهِ وَجِئْتُكَ مِنْ سَبِيلٍ مِّنْ بَنِي إِقْرِينَ ۝^{٢٥} إِنِّي وَجَدْتُ
أَمْرًا كَ تَبْلِكُهُمْ وَأَوْتَيْتُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ وَلَهَا عَرْشٌ عَظِيمٌ ۝^{٢٦} وَجَدْتُهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُونَ لِلشَّيْءِ مِنْ دُونِ اللَّهِ
وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيلِ فَهُمْ لَا يَهْتَدُونَ ۝^{٢٧} أَلَا يَسْجُدُونَ لِلَّهِ الَّذِي يُخْرِجُ الْخَبْءَ
فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُخْفُونَ وَمَا تُعْلِنُونَ ۝^{٢٨} اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ۝^{٢٩} قَالَ سَنَنْظُرُ
أَصْدَقْتَ أَمْ كُنْتَ مِنَ الْكَاذِبِينَ ۝^{٣٠} إِذْ هَبَّ بِكَيْتَابِي هَذَا فَاَلْقَاهُ إِلَيْهِمْ ثُمَّ تَوَلَّى عَنْهُمْ فَانْظُرْ مَاذَا يَرْجِعُونَ ۝^{٣١}

قَالَتْ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ إِنِّي أُلْقِيَ إِلَيَّ كِتَابٌ كَرِيمٌ ۝ إِنَّهُ مِنْ سُلَيْمَانَ وَإِنَّهُ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝ أَلَا تَعْلَمُونَ ۝
 عَلَىٰ وَأَتُونِي مُسْلِمِينَ ۝ قَالَتْ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ أَفْتُونِي فِي أَمْرِي مَا كُنْتُ قَاطِعَةً أَمْرًا حَتَّىٰ تَشْهَدُونِ ۝ قَالُوا نَحْنُ
 أَوْلُو قُوَّةٍ وَأُولُوا بَأْسٍ شَدِيدٍ ۝ وَالْأَمْرُ إِلَيْكِ فَانْظُرِي مَاذَا تَأْمُرِينَ ۝ قَالَتْ إِنَّ الْمُلُوكَ إِذَا دَخَلُوا قَرْيَةً
 أَفْسَدُوهَا وَجَعَلُوا أَعِزَّةَ أَهْلِهَا أَذِلَّةً ۝ وَكَذَلِكَ يَفْعَلُونَ ۝ وَإِنِّي مُرْسِلَةٌ إِلَيْهِمْ بِهَدِيَّةٍ فَنْظُرَ بَعْضُهم يَرْجِعُ
 الْمُرْسَلُونَ ۝ فَلَمَّا جَاءَ سُلَيْمَانَ قَالَ أَتُمِدُّوُنَ بِمَالٍ إِنَّمَا اللَّهُ خَيْرٌ مِّمَّا أَتُكُم بَلْ أَنْتُمْ بِهَدِيَّتِكُمْ
 تَفْرَحُونَ ۝ ارْجِعْ إِلَيْهِمْ فَلَنَأْتِيَنَّهُمْ بِجُنُودٍ لَّا قَبْلَ لَهُمْ وَنَخْرِجُهُمْ مِّنْهَا أَذِلَّةً وَهُمْ صَاغِرُونَ ۝
 قَالَ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ أَيُّكُمْ يَأْتِينِي بِعَرْشِهَا قَبْلَ ۚ أَنْ يَأْتُونِي مُسْلِمِينَ ۝ قَالَ عِفْرِيْتُ مِّنَ الْجِنِّ أَنَا آتِيكَ
 بِهِ قَبْلَ أَنْ تَقُومَ مِنْ مَّقَامِكَ ۚ وَإِنِّي عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ أَمِينٌ ۝ قَالَ الَّذِي عِنْدَهُ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتَابِ أَنَا آتِيكَ
 بِهِ قَبْلَ أَنْ يَرْتَدَّ إِلَيْكَ طَرْفُكَ فَلَمَّا رَآهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهُ قَالَ هَذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّي لِيَبْلُوَنِي ۚ أَشْكُرُ أَمْ
 أَكْفُرُ ۚ وَمَنْ شَكَرَ فَإِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهِ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ رَبِّي غَنِيٌّ كَرِيمٌ ۝ قَالَ نَكُونُوا لَهَا عَرْشَهَا نَنْظُرْ أَتَهْتَدِي
 أَمْ تَكُونُ مِنَ الَّذِينَ لَا يَهْتَدُونَ ۝ فَلَمَّا جَاءَتْ قِيلَ أَهَكَذَا عَرْشُكِ قَالَتْ كَأَنَّهُ هُوَ ۚ وَأُوتِينَا الْعِلْمَ مِنْ
 قَبْلِهَا وَكُنَّا مُسْلِمِينَ ۝ وَصَدَّهَا مَا كَانَتْ تَعْبُدُ مِنْ دُونِ اللَّهِ إِنَّهَا كَانَتْ مِنْ قَوْمٍ كَافِرِينَ ۝ قِيلَ لَهَا
 ادْخُلِي الصَّرْحَ ۚ فَلَمَّا رَأَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً ۚ وَكَشَفَتْ عَنْ سَاقِهَا قَالِ إِنَّهُ صَرْحٌ مُّبَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِيرَ ۚ قَالَتْ
 رَبِّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي ۚ وَأَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمَانَ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝

”بلاشبہ ہم نے داود اور سلیمان کو علم نبوت عطا فرمایا تھا۔ انہوں نے کہا: ”شکر اللہ کا جس نے ہمیں اپنے بہت سے
 مومن بندوں پر فضیلت عطا فرمائی۔“ پھر سلیمان داود کے وارث بنے اور کہا: ”اے لوگو! ہمیں پرندوں کی زبان
 سمجھائی گئی ہے اور ہمیں ہر ضروری چیز عطا کی گئی ہے۔ بلاشبہ یہ اللہ تعالیٰ کا واضح فضل ہے۔“
 سلیمان کے پاس اس کے جنوں انسانوں اور پرندوں کے لشکر جمع کیے جاتے تھے اور ان کو ترتیب دی جاتی تھی حتیٰ کہ
 (ایک دفعہ) جب اس کے لشکر چیونٹیوں کے میدان میں پہنچے تو ایک چیونٹی کہنے لگی: ”اے چیونٹیو! اپنے اپنے بلوں
 میں داخل ہو جاؤ کہیں سلیمان اور ان کے لشکر تمہیں کچل نہ دیں اور ان کو پتہ نہ چلے۔“ سلیمان اس کی اس بات پر
 مسکرائے اور عرض پرداز ہوئے۔ ”اے پروردگار! مجھے توفیق عطا فرما کہ تیرے ان احسانات کا شکر ادا کروں جو تو نے
 مجھ پر اور میرے والدین پر کیے ہیں نیز میں نیک کام کروں جنہیں تو پسند کرے اور مجھے اپنی رحمت سے اپنے نیک
 بندوں میں شامل فرما۔ سلیمان نے پرندوں کی حاضری لی اور کہنے لگے کیا وجہ ہے؟ ہد نظر نہیں آرہا۔ وہ غائب ہے؟
 میں اسے سخت سزا دوں گا بلکہ اسے ذبح کر دوں گا الا یہ کہ وہ میرے پاس کوئی معقول دلیل (اور واضح عذر) پیش

کرے۔ تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ (بدبھد آ گیا اور) اس نے آ کر کہا: ”مجھے ایک ایسی بات کا پتہ چلا ہے جس کا آپ کو بھی علم نہیں۔ میں آپ کے پاس سبائستی کے بارے میں ایک یقینی خبر لے کر آیا ہوں۔ میں نے دیکھا ہے کہ ایک عورت ان پر حکومت کر رہی ہے اور اسے ہر چیز حاصل ہے اور اس کا تخت بھی عظیم الشان ہے۔ میں نے دیکھا کہ وہ (ملکہ) اور اس کی پوری قوم اللہ کو چھوڑ کر سورج کو سجدہ کرتے ہیں۔ شیطان نے ان کے لیے ان کے اعمال کو خوبصورت بنا رکھا ہے اور انہیں سیدھے راستے سے روک رکھا ہے اس لیے ان کو (راہ حق کی) سمجھ نہیں آتی کہ وہ صرف اللہ کو سجدہ کریں جو آسمانوں اور زمینوں کے خزانوں کو باہر نکالتا ہے اور ہر پوشیدہ اور ظاہر کو بخوبی جانتا ہے۔ وہ اللہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور وہ عرش عظیم کا مالک ہے۔“ سلیمان علیہ السلام کہنے لگے: ”ہم تحقیق کرتے ہیں کہ تو نے سچ بولا ہے یا جھوٹ۔“ میرا یہ خط لے جاؤ اور ان کو پہنچا دو پھر ایک طرف ہو کر دیکھو وہ کیا رد عمل ظاہر کرتے ہیں۔ ملکہ کہنے لگی: ”اے میرے وزیرو! مجھے ایک معزز خط پہنچایا گیا ہے جو سلیمان کی طرف سے آیا ہے اور اسے بسم اللہ الرحمن الرحیم سے شروع کیا گیا ہے۔ مضمون یہ ہے کہ میرے خلاف سرکشی نہ کرو اور فرمانبرداری کرتے ہوئے میری خدمت میں حاضری دو۔“ وہ مزید کہنے لگی: ”اے میرے وزیرو! مجھے میرے اس معاملے میں مشورہ دو کیونکہ میں تمہاری عدم موجودگی میں کوئی قطعی فیصلہ نہیں کرتی۔“ وہ کہنے لگے: ”ہم بہت زبردست جنگجو ہیں مگر فیصلہ آپ کے ہاتھ میں ہے۔ سوچ لیں کیا فیصلہ کرنا ہے؟ ملکہ کہنے لگی: ”بادشاہ جب کسی بستی میں (جبراً) داخل ہوتے ہیں تو اس میں تباہی برپا کرتے ہیں اور وہاں کے معززین کو ذلیل کرتے ہیں۔ میرا خیال ہے وہ بھی ایسے ہی کریں گے۔ فی الوقت میں ان کی طرف ایک تحفہ بھیجتی ہوں پھر دیکھتی ہوں قاصد کیا اطلاع دیتے ہیں۔“ جب وہ تحفہ سلیمان کے پاس پہنچا تو اس نے کہا: ”کیا تم مجھے مال دے کر خوش کرنا چاہتے ہو؟ جبکہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ مجھے دے رکھا ہے وہ بہت برتر ہے اس مال سے جو تم کو دے رکھا ہے۔ بلکہ تم خود ہی اپنے تحفے پر خوش رہو۔ واپس چلے جاؤ۔ ہم ایسے لشکر لے کر آئیں گے جن کا وہ مقابلہ نہ کر سکیں گے اور ہم ان کو ذلیل کر کے وہاں سے نکال دیں گے پھر انہیں اپنی اوقات معلوم ہو جائے گی۔“ پھر سلیمان (علیہ السلام) (اپنے درباریوں کی طرف متوجہ ہو کر) کہنے لگے: ”اے میرے وزیرو! تم میں سے کون ہے جو اس ملکہ کا تخت ان کے مسلمان ہو کر آنے سے پہلے میرے پاس لائے گا؟“ ایک قوی ہیکل جن کہنے لگا ”میں آپ کی مجلس درخواست ہونے سے پہلے اسے آپ کے پاس لا دیتا ہوں۔ بلاشبہ میں اس کام کی طاقت رکھتا ہوں اور امانت دار بھی ہوں۔“

ایک شخص جس کے پاس کتاب کا علم بھی تھا کہنے لگا: ”میں یہ تخت آپ کے پلک جھپکنے سے بھی پہلے آپ کے پاس لے آتا ہوں۔“ جب سلیمان نے اس تخت کو اپنے سامنے رکھا ہوا دیکھا تو پکار اٹھا: ”یہ میرے پروردگار کا مجھ پر فضل ہے تاکہ وہ میرا امتحان لے کہ میں شکر ادا کرتا ہوں یا ناشکری کرتا ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے تو اس کا فائدہ اسی کو ہوتا ہے اور جو ناشکری کرتا ہے تو میرا پروردگار لوگوں سے بے پروا عظیم المرتبت ہے۔“

سلیمان (علیہ السلام) نے کہا: ”اس کے تخت میں کچھ تبدیلی کر دو۔ ہم دیکھتے ہیں اس کو پتہ چلتا ہے یا وہ انجان رہتی ہے۔“ جب وہ آئی تو اسے کہا گیا: ”کیا تیرا تخت ایسا ہی ہے؟“ وہ کہنے لگی: ”یہ وہی لگتا ہے۔ ہمیں اس سے پہلے ہی حقیقت حال معلوم ہو چکی تھی اور ہم اسلام لا چکے تھے۔“ اور (اس سے پہلے) ملکہ کو غیر اللہ کی عبادت نے (ایمان سے) روک دیا تھا، کیونکہ وہ کافر قوم سے تھی۔ پھر اس (ملکہ) سے کہا گیا: ”محل میں داخل ہو جاؤ۔“ جب اس نے شیشے کا فرش دیکھا تو اس نے اسے پانی کا حوض سمجھا اور (پانی بچے اوپر کر لیے جس سے) پنڈلیاں نگی ہو گئیں۔ سلیمان (علیہ السلام) نے کہا یہ تو شیشہ لگا ہوا فرش ہے۔ وہ (کھسیانی ہو کر) کہنے لگی: ”میرے پروردگار! میں نے اس سے پہلے اپنے آپ پر ظلم کیا ہے۔ اب میں سلیمان کے ہاتھ پر اللہ رب العالمین کے لیے مطیع ہو چکی ہوں۔“ (انمل: 15/27... 44)

حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے تجارتی بحری جہازوں کی خاطر ہوا مسخر کر دی گئی تھی، حتیٰ کہ کہا گیا ہے: ”وہ صبح بیت المقدس سے نکلتے، دوپہر کا آرام اصطخر میں کرتے اور رات خراسان میں گزارتے۔“ لیکن اس قول کی کوئی حیثیت نہیں۔

وادی نمل اُسد وداور غزہ کے درمیان عسقلان کے مضافات میں واقع ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کا سبا (یمن) کی ملکہ (بلقیس) کے ساتھ واقعہ مشہور و معروف ہے۔ آپ 923 ق۔م کو بیت المقدس میں فوت ہوئے اور وہیں دفن ہوئے۔



❁ المعجم المفهرس لألفاظ القرآن الكريم : 357

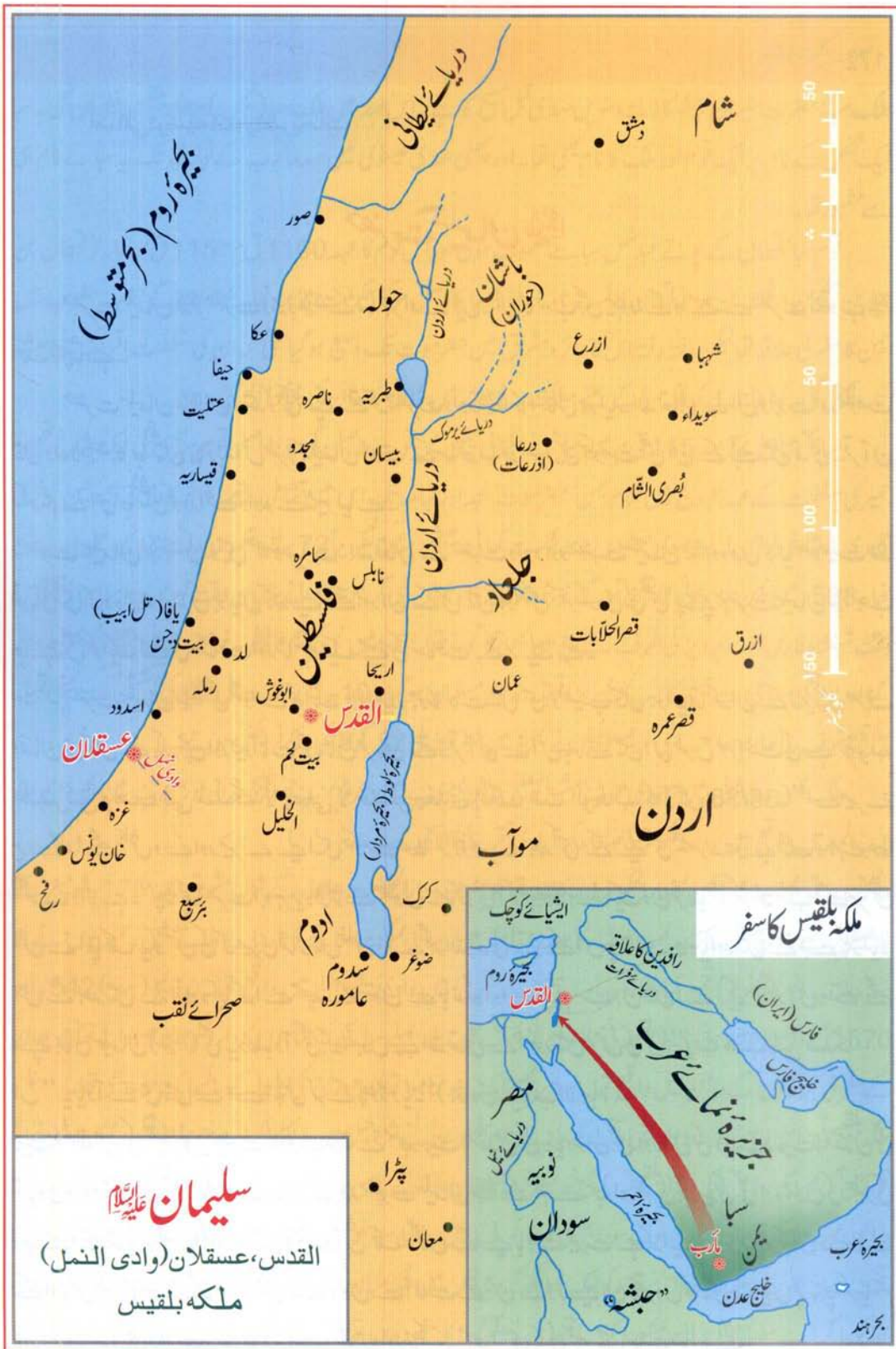
❁ المعجم المفهرس لمعاني القرآن العظيم : 583

❁ قصص الأنبياء النجار : 317

❁ قصص الأنبياء ابن كثير : 371

❁ قصص الأنبياء الثعلبي : 294

❁ قصص الأنبياء الطبري : 362



مآرب سے بیت المقدس تک سفر = اڑھائی ہزار کلومیٹر سے زائد

حضرت سلیمان علیہ السلام

حضرت سلیمان علیہ السلام حضرت داود علیہ السلام کے صاحبزادے ہیں۔ ان کا نسب بھی یہود کے واسطے سے حضرت یعقوب علیہ السلام تک پہنچتا ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام سن رشد کو پہنچ چکے تھے کہ حضرت داود علیہ السلام کا انتقال ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو نبوت اور حکومت میں داود علیہ السلام کا جانشین بنا دیا، اس طرح فیضان نبوت کے ساتھ ساتھ اسرائیلی حکومت بھی ان کے قبضے میں آ گئی۔ قرآن کریم نے اسی جانشینی کو وراثت داود سے تعبیر کیا ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی وہی خصوصیات: اللہ تعالیٰ نے حضرت داود اور حضرت سلیمان علیہ السلام دونوں کو یہ خصوصیت عطا فرمائی تھی کہ وہ چند پرند کی بولیاں سمجھ لیتے تھے اور ان کے حق میں ہوا بھی مسخر کر دی گئی تھی، چنانچہ حضرت سلیمان علیہ السلام جب چاہتے صبح کو ایک مہینے کی مسافت اور شام کو ایک مہینے کی مسافت طے کر لیتے تھے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی حکومت کا ایک بڑا امتیاز جو کائنات میں کسی کو نصیب نہیں ہوا یہ تھا کہ ان کے زیر نگیں صرف انسان ہی نہیں تھے بلکہ جن اور حیوانات بھی تابع فرمان تھے۔ قرآن نے اس بارے میں اس طرح صراحت کی ہے: ﴿رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَهَبْ لِيْ مُلْكًا لَا يَنْبَغِيْ لِأَحَدٍ مِّنْ بَعْدِيْ إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ﴾ (ص: 35/38) ”اے میرے پروردگار! مجھے بخش دے اور میرے لیے ایسی حکومت عطا کر جو میرے بعد کسی کے لیے بھی میسر نہ ہو، بے شک تو بہت عطا کرنے والا ہے۔“ چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک دن فرمایا: ”گزشتہ شب ایک سرکش جن نے اچانک یہ کوشش کی کہ میری نماز میں خلل ڈالے مگر اللہ تعالیٰ نے مجھے اس پر قابو دے دیا اور میں نے اسے پکڑ لیا۔ اس کے بعد میں نے ارادہ کیا کہ اسے مسجد کے ستون سے باندھ دوں تاکہ تم سب دن میں اسے دیکھ سکو مگر اس وقت مجھے اپنے بھائی سلیمان علیہ السلام کی یہ دعا یاد آ گئی کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حضور میں عرض کی تھی: ”رَبِّ هَبْ لِيْ مُلْكًا..... الْح“ یہ یاد آتے ہی میں نے اسے ذلیل کر کے چھوڑ دیا۔“ (بخاری۔ کتاب الانبیاء)

بیت المقدس کی تعمیر نو: حضرت یعقوب علیہ السلام نے مسجد بیت المقدس کی بنیاد ڈالی تھی اور اس کی وجہ سے بیت المقدس کی آبادی وجود میں آئی تھی۔ پھر عرصہ دراز کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام کے حکم سے مسجد اور شہر کی تجدید کی گئی اور جنوں کی تسخیر کی وجہ سے ایسی شاندار تعمیر عالم وجود میں آئی جو آج تک لوگوں کے لیے باعث حیرت ہے کہ ایسے دیوپیکر پتھر کہاں سے لائے گئے اور کس طرح لائے گئے اور جرثقیل کے وہ کون سے آلات تھے جن کے ذریعے ان پتھروں کو ایسی بلند یوں پر پہنچا کر باہم جوڑا گیا۔ اسرائیلی روایت کے مطابق بیت المقدس اور ہیکل (مسجد اقصیٰ) کی تعمیر میں سات سال لگے۔

ملک سبا: حضرت سلیمان علیہ السلام کا زمانہ دسویں صدی قبل مسیح کا ہے۔ اس عہد میں ملک سبا (یمن) پر ملکہ بلقیس حکمران تھی۔ سبا ایک شخص کے نام پر ایک قوم اور ملک کا نام بھی تھا۔ اور چھٹی صدی عیسوی میں سد مأرب کے ٹوٹنے تک یہ سبا کے نام ہی سے مشہور تھا۔

قوم سبا، قحطان کے پوتے عبد شمس سبا سے منسوب ہوئی اور اس قوم کا عہد 1100 ق م تا 115 ق م رہا۔ (قحطان بن عبر بن سلح بن ارغشد بن سام، قحطان کا نسب نامہ ہے) سبا کا اصل مرکز حکومت جزیرہ نمائے عرب کے جنوب مغرب میں یمن کا مغربی علاقہ تھا لیکن رفتہ رفتہ اس کا دائرہ مشرق میں حضرموت تک وسیع ہو گیا حتیٰ کہ ان کی سلطنت افریقہ میں حبشہ تک پھیل گئی۔ کہا جاتا ہے کہ ملکہ سبا کے بیٹے مینلک نے حبشہ میں شاہی خاندان کی بنیاد ڈالی تھی۔

سبا کی تباہی کے بعد 115 ق م میں حمیر نے مغربی یمن میں قوت حاصل کی جو دراصل قوم سبا ہی کی ایک شاخ تھی۔ حمیری سلطنت کے عہد عروج میں تمام یمن، حضرموت، نجد اور تہامہ تک اس میں شامل تھے۔ آخر کار 525ء میں آخری حمیری بادشاہ ذونواس نے اسکوئی حبشیوں سے شکست کھائی۔ حبشی یہاں تقریباً 72 سال حکمران رہے۔ انہی میں ابرہہ بھی تھا۔ 598ء میں یمن پر ایرانی قابض ہو گئے۔ 6ھ (628ء) میں نبی کریم ﷺ نے شاہان وقت کو دعوت اسلام دی تو اس وقت شہنشاہ فارس خسرو پرویز کی طرف سے باذان یمن کا گورنر تھا۔ 8ھ میں نبی کریم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یمن روانہ کیا اور ان کی مساعی سے یمن کا سب سے بڑا قبیلہ ہمدان مسلمان ہو گیا۔ 10ھ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کوشش سے یمنی قبیلہ مذحج مشرف بہ اسلام ہوا، تب نبی کریم ﷺ نے یمن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو قاضی کے فرائض سونپے۔

ملک یمن کے شمال میں سعودی عرب، مشرق میں عمان، جنوب میں بحیرہ عرب اور خلیج عدن اور مغرب میں بحیرہ احمر اور باب المندب واقع ہیں۔ دارالحکومت صنعاء کی آبادی تقریباً 6 لاکھ ہے۔

مأرب: قدیم عہد میں یمن کا دارالحکومت مأرب تھا جو موجودہ دارالحکومت صنعاء کے شمال مشرق میں 175 کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ آج کل مأرب صوبہ بیضاء کا صدر مقام ہے۔ یہاں مملکت سبا کے آثار پائے جاتے ہیں۔ حمیریوں نے جو سد مأرب (سد العرم) تعمیر کیا تھا، وہ مأرب شہر کے مشرق میں وادی شیوان میں واقع تھا۔ یہ ڈیم (سد) 542ء اور 570ء کے درمیان تباہ ہو گیا۔ (المجذ فی الاعلام) مأرب شہر سے پہلے سبا کے بادشاہوں کا دارالحکومت صراح تھا جو بیجان کے مغربی پہاڑوں کے دامن میں واقع تھا۔ یہاں بھی ایک بند بنا ہوا تھا اور سورج کی پوجا کے لیے ایک معبد بھی تھا۔

ملکہ بلقیس: اس ذہین اور دوراندیش ملکہ کے باپ کا نام مفسرین نے شراحیل بن مالک لکھا ہے جو سبا (یمن) کا بادشاہ تھا۔ قرآن کریم کے مطابق ملکہ سبا (بلقیس) کی خبر حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس پرندہ ہد ہد لے کر آیا اور اس نے بتایا کہ ملکہ سبا پر ایک عورت حکمران ہے اور وہ لوگ سورج کی پوجا کرتے ہیں۔ اہل سبا خوشحال ہیں اور ان کی ملکہ کے پاس ایک بہت بڑا تخت ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہد ہد کو ایک خط لکھ کر دیا جس میں ملکہ سبا اور اس کی قوم کو اسلام کی دعوت دی۔ ملکہ نے اس خط کو پا کر اپنے مصاحبوں سے مشورہ کیا۔ انہوں نے جنگ کا مشورہ دیا تو ملکہ نے جنگ کی تباہیوں کا ذکر کرتے ہوئے

پر امن طریقے سے معاملات طے کرنے کا عزم ظاہر کیا اور قیمتی تحائف حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس بھیجے جو آپ نے لوٹا دیے اور ساتھ ہی سپار فوجی یلغار کی دھمکی دی۔ پھر ملکہ بلقیس انظہار اطاعت کے لیے فلسطین روانہ ہوئی مگر اس سے پہلے اس کا تخت حضرت سلیمان علیہ السلام نے معجزانہ طور پر اپنے دربار میں منگوالیا اور بطور آزمائش تخت کی شکل میں کچھ تبدیلی کر دی۔ اور جب ملکہ دربار سلیمانی میں پہنچی تو اسے دیکھ کر حیران رہ گئی۔

ملکہ بلقیس نے حضرت سلیمان علیہ السلام سے کہا کہ ہم تو آپ کی عظمت اور دعوت توحید کو پہلے ہی معلوم کر کے مسلمان ہو چکے ہیں۔ یوں سورج کی پرستش کرنے والی قوم نے اسلام کی آغوش میں پناہ لے لی۔ اس دوران میں حضرت سلیمان علیہ السلام نے شیشے کا ایک محل بنوا کر ملکہ سبا کو مزید حیرت میں ڈال دیا۔ تب ملکہ نے رب تعالیٰ کے حضور اپنے سابقہ گناہوں کا اقرار کرتے ہوئے حضرت سلیمان علیہ السلام پر ایمان لانے اور اسلام قبول کرنے کا اعادہ کیا۔ بعض روایات کے مطابق حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملکہ بلقیس سے شادی کر لی اور اسے اس کے ملک پر بطور حکمران برقرار رکھا۔ آپ اس سے محبت کرتے اور ہر ماہ ایک بار اس سے ملنے جاتے۔ اس سے اولاد بھی ہوئی اور سلیمان علیہ السلام نے جنات کو حکم دے کر سیلحین اور غمدان کے محل نمائے بھی اس کے لیے تعمیر کرائے۔ مگر بعض روایات کی رو سے ملکہ کے حسب خواہش ہمدان کے بادشاہ کے ساتھ اس کا نکاح کر دیا تھا اور یمن کا اقتدار بھی اسی کو سونپ دیا تھا اور ایک زو بدنامی جن اس کی اطاعت میں دے دیا تھا (مخلص مقالہ ”بلقیس“ اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد 4)۔ محکم البلدان جلد اول میں لکھا ہے کہ حضرت سلیمان نے بعلبک شہر (لبنان) ملکہ بلقیس کو مہر میں دیا تھا..... واللہ اعلم بالصواب!

عسقلان اور وادی نمل: قرآن مجید کی سورۃ نمل میں جس وادی نمل (چیونٹیوں کی وادی) کا ذکر آیا ہے وہ فلسطین میں اسدود اور غزہ کے درمیان عسقلان کے قریب بتائی جاتی ہے۔ عسقلان بحیرہ روم کے ساحل پر واقع ہے۔ چونکہ ماضی میں فلسطین، شام کا حصہ شمار ہوتا تھا، اس لیے عسقلان کو عروس الشام (شام کی دلہن) کہا جاتا ہے (دمشق کو بھی عروس الشام کہتے ہیں)۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے خلافت فاروقی میں عسقلان فتح کر لیا۔ دوسری صلیبی جنگ میں 548ھ میں عیسائیوں نے عسقلان پر قبضہ کر لیا۔ پھر 583ھ میں سلطان صلاح الدین ایوبی نے اسے صلیبیوں کے پنجے سے چھڑایا۔ شارح بخاری حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کا تعلق عسقلان سے تھا۔ آج کل عسقلان کی آبادی پچیس تیس ہزار ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کا تخت رواں: حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے اللہ تعالیٰ نے ہوا کو مسخر کر دیا تھا حتیٰ کہ صبح کی منزل مہینہ بھر کی ہوتی اور شام کی بھی (سورۃ سبا آیت 12) یعنی آپ ہوا کے تخت پر بیٹھ کر ایک مہینے جتنی مسافت صبح سے دوپہر تک طے کر لیتے تھے اور پھر اسی طرح دوپہر سے رات تک ایک ماہ کی مسافت طے ہو جاتی۔ آپ اعیان حکومت کے ہمراہ صبح بیت المقدس سے چلتے تو دوپہر کو اصطخر میں ہوتے اور رات خراسان میں گزارتے۔

اصطخر: یہ شہر شیراز (ایران) کے مشرق میں 66 کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ اسے ہخامنشی خاندان کے دار الحکومت تخت جمشید (یونانی میں پرسپولس Persipolis) کی تباہی کے بعد اس کے کھنڈروں پر تعمیر کیا گیا۔ اصطخر کے بعد

دارالحکومت مدائن (طیسفون) قرار پایا جو عراق میں دریائے دجلہ کے کنارے واقع تھا۔ بیت المقدس سے اصطخر تک سیدھا فاصلہ 17 سو کلومیٹر سے زیادہ تھا۔ ان دنوں اصطخر بھی کھنڈروں کی شکل میں ہے۔

خراسان: یہ ایران کا مشرقی صوبہ ہے جس کی حدود ترکمانستان اور افغانستان سے ملحق ہیں۔ مشہد خراسان کا اہم شہر ہے جبکہ نیشاپور اس کا قدیم دارالحکومت ہے۔ قرون وسطیٰ میں خراسان کی حدود ہندوستان اور دریائے جیخوں تک وسیع تھیں اور اس میں سیستان، غزنہ، طخارستان، ہرات، بلخ، طالقان (افغانستان)، مرو اور سرخس (ترکمانستان) بھی شامل تھے۔ معجم البلدان کے مطابق ماہرین نسب کہتے ہیں کہ عالم بن سام بن نوح علیہ السلام کے دو بیٹوں کے نام خراسان اور ہیتل تھے۔ جہاں خراسان آباد ہوا وہ علاقہ خراسان کہلایا اور ہیتل دریائے جیخوں کے پار جابسا چنانچہ اس علاقے کا نام ہیتلہ پڑ گیا، خراسان عہد عثمانی میں 31ھ میں عبداللہ بن عامر بن کریم کی قیادت میں فتح ہوا۔ اصطخر سے خراسان کے مختلف شہروں تک فاصلہ ایک ہزار تا دو ہزار کلومیٹر بنتا ہے مثلاً: ہرات تقریباً 1000 کلومیٹر، مرو 1200 کلومیٹر اور بلخ تقریباً 1700 کلومیٹر کے فاصلے پر ہیں۔ معجم البلدان کے مطابق ”اصطخر کی بنیاد اصطخر بن طہمورث شاہ فارس نے رکھی تھی..... اور بعض روایات میں ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام صبح طبریہ سے چل کر سہ پہر کو اصطخر پہنچ جاتے تھے جہاں مسجد سلیمان معروف ہے۔“ پاکستان میں واقع کوہ سلیمان چونکہ سلطنت سلیمان علیہ السلام کے علاقہ خراسان کے جنوب مشرقی نواح میں تھا شاید اسی لیے اسے اس نام سے موسوم کیا گیا۔

بثنیہ: یہ شام کا ایک قدیم قصبہ ہے جو دمشق اور اذرعات کے درمیان واقع ہے۔ یا قوت حموی لکھتے ہیں کہ حضرت ایوب کا تعلق بثنیہ سے تھا۔ یہ دمشق سے تقریباً 100 کلومیٹر جنوب میں درعا جانے والی شاہراہ پر واقع ہے۔ بثنیہ کے علاقے میں اعلیٰ قسم کی گندم پیدا ہوتی ہے جو بثنیہ ہی کہلاتی ہے (معجم البلدان)

”بترا“ یا ”پترا“: اس تاریخی شہر کے آثار جنوبی اردن میں بحیرہ مردار اور خلیج عقبہ کے درمیان پائے جاتے ہیں۔ اس کا قدیم نام سلع ہے۔ یونانیوں نے اسے پٹرا (Petra) کا نام دیا تھا۔ پٹرا 312 ق م سے 63 ق م تک نبطیوں کا دارالحکومت رہا حتیٰ کہ اس پر رومی قابض ہو گئے۔ روداد سفر سید ابوالاعلیٰ مودودی میں لکھا ہے:

”وادی موسیٰ (اردن) میں بطرا (المجد کے مطابق بترا) کا مشہور تاریخی مقام بھی واقع ہے جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے دو سو سال قبل نبطیوں نے (جو عرب تھے) اپنا دارالحکومت قائم کیا تھا۔ یہ ویران شہر پہاڑوں کے اندر تراش تراش کر بنایا گیا ہے۔ گزشتہ صدی (انیسویں صدی عیسوی) کے وسط میں یہ دریافت ہوا اور اس کی کھدائی کی گئی..... یہ شہر تین چار میل لمبا ہے اور چوڑائی بعض جگہوں پر دس پندرہ گز ہو جاتی ہے لیکن اکثر جگہوں پر چند فٹ سے زیادہ نہیں۔ درمیان میں ایک وسیع میدان بھی آتا ہے۔ کہیں سفید اور کہیں سرخ پہاڑوں کو تراش کر بہت عمدہ مکان بنائے گئے ہیں۔ بعض مکان اتنے شاندار ہیں کہ دیکھنے پر بھی یقین نہیں آتا کہ یہ آج سے سوادو ہزار سال پہلے کے بنے ہوئے ہیں..... مدائن صالح میں بھی قوم شمود نے پہاڑ تراش کر مکانات بنا رکھے تھے مگر بطرا کی تراش و خوبصورتی کے مقابلے میں ان کی کوئی حیثیت نہیں۔ بعض باتوں میں مماثلت ضرور پائی جاتی ہے مگر اس سے (مستشرقین کا) یہ دعویٰ ثابت نہیں ہو جاتا کہ مدائن صالح کے مکانات بھی

نبطیوں ہی نے پہاڑوں کو تراش کر بنائے تھے۔ نبطی یوں بھی مدائن صالح کے علاقے میں بہت بعد میں گئے۔ پھر بطرا میں سنگ تراشی کے فن کو ترقی دے لینے کے بعد وہ اسے محض ابتدائی حالت میں کیوں رکھتے؟ یہ بات بعید از قیاس ہے۔ (سفر نامہ ارض القرآن ص: 232-235)



حضرت ایوب علیہ السلام

حضرت ایوب علیہ السلام کا نام نامی قرآن مجید میں چار دفعہ مذکور ہے:

سورت	سورت نمبر	آیات نمبر	سورت	سورت نمبر	آیات نمبر
النساء	4	163	الأنبياء	21	83
الأنعام	6	84	ص	38	4

چند متعلقہ آیات

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَإِيُوبَ إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ أَنِّي مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَأَنْتَ أَرْحَمُ الرَّحِيمِينَ ﴿٨٣﴾ فَاسْتَجَبْنَا لَهُ فَكَشَفْنَا مَا بِهِ مِنْ ضُرٍّ وَآتَيْنَاهُ أَهْلَهُ وَمِثْلَهُمْ مَعَهُمْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَذِكْرَىٰ لِلْعَبِيدِينَ ﴿٨٤﴾

”اور ایوب کا تذکرہ کیجیے جب اس نے اپنے رب کو پکارا: ”مولا! مجھے تکلیف پہنچی ہے اور تو سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔“ چنانچہ ہم نے اس کی دعا قبول کی اور اس کی تکلیف دور کر دی۔ ہم نے اسے اس کے اہل و عیال ہی نہیں دیے بلکہ ان کے ساتھ اتنے اور بھی دیے۔ یہ ہماری طرف سے خصوصی رحمت تھی اور عبادت گزاروں کے لیے سبق ہے۔“ (الانبیاء: 83/21، 84) ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاذْكُرْ عَبْدَنَا أَيُّوبَ إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ أَنِّي مَسَّنِيَ الشَّيْطَانُ بِنُصْبٍ وَعَذَابٍ ﴿٨٥﴾ اذْكُرْ بِرَجْلِكَ هَذَا مُغْتَسَلٌ بَارِدٌ وَشَرَابٌ ﴿٨٦﴾ وَوَهَبْنَا لَهُ أَهْلَهُ وَمِثْلَهُمْ مَعَهُمْ رَحْمَةً مِّنَّا وَذِكْرَىٰ لَأُولِي الْأَلْبَابِ ﴿٨٧﴾ وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْتًا فَاضْرِبْ بِهَا وَلَا تَحْنُطْ إِنَّا وَجَدْنَاهُ صَابِرًا نِّعْمَ الْعَبْدُ إِنَّهُ أَوَّابٌ ﴿٨٨﴾

”ہمارے بندے ایوب کا ذکر کیجیے۔ جب اس نے اپنے رب کو پکارا: ”مولا! مجھے شیطان نے سخت بیماری اور تکلیف میں مبتلا کر دیا ہے۔“ (ہم نے فرمایا:) ”ایڑی مارو۔ یہ (نکل آیا) ہے ٹھنڈا پانی، نہانے اور پینے کے لیے۔“ ہم نے اسے اس کے گھر والے عطا کیے اور ان کے ساتھ اتنے ہی اور دیے۔ یہ ہماری طرف سے اس پر مہربانی تھی اور یہ عقلمند لوگوں کے لیے نصیحت ہے۔ اور (ہم نے کہا:) اپنے ہاتھ میں ایک جھاڑو پکڑ کر اپنی بیوی کو ہلکا سا لگا دے تاکہ تیری قسم نہ ٹوٹے۔ ہم نے اس کو صبر کرنے والا پایا۔ وہ بہترین بندہ تھا۔ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف بہت رجوع کرنے والا تھا۔“ (ص: 41/38...44)

ان کا وطن علاقہ ”عوص“ تھا جو کہ سعیر کے پہاڑی علاقے کا ایک حصہ ہے۔ یا وہ خلیج عقبہ کے شمال اور بحیرہ مردار (بحیرہ لوط) کے جنوب مغرب میں واقع علاقہ ”آدوم“ کے رہنے والے تھے۔ امام طبری اور یاقوت حموی کی قطعی رائے یہ ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام کا مسکن ”بَشْنِيَّة“ ہے جو دمشق اور اذرعات کے درمیان یا دمشق کے نواح میں واقع ہے۔



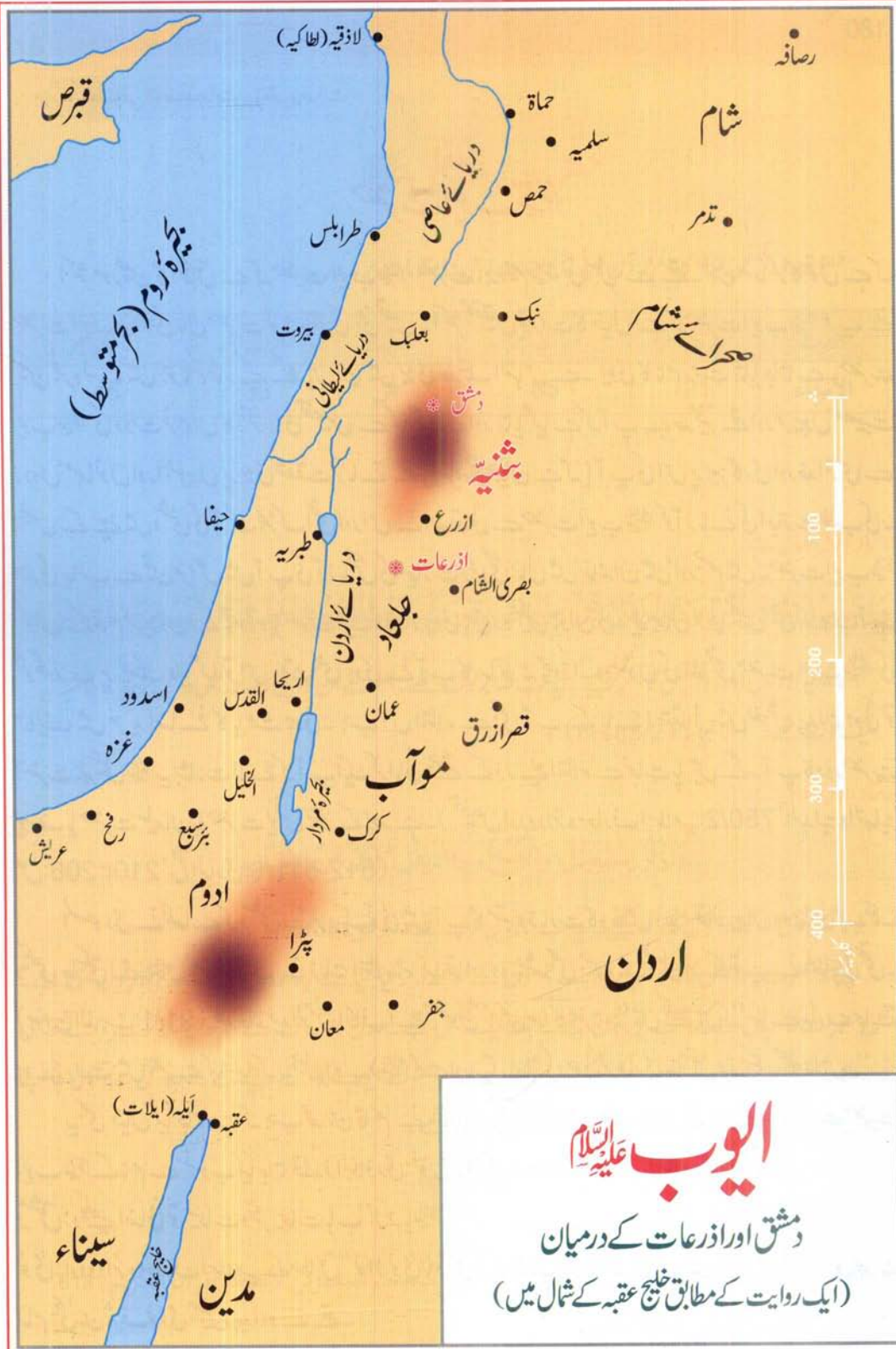
❁ المعجم المفهرس لألفاظ القرآن الكريم : 108

❁ المعجم المفهرس لمعاني القرآن العظيم : 181

❁ القاموس الإسلامي : 230/1

❁ قصص الأنبياء الطبري : 214

❁ قصص الأنبياء النجار : 349



حضرت ایوب علیہ السلام

اکثر مورخین کا اتفاق ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے تھے۔ ابن عساکر کا قول ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام کی ماں حضرت لوط علیہ السلام کی بیٹی تھیں۔ اکثر محققین تورات کا خیال ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام عرب تھے لیکن شجرہ نسب میں جو نام شمار کیے گئے ہیں ان میں بڑی حد تک التباس ہے۔ بیوی کا نام رحمت بتایا جاتا ہے۔ حضرت ایوب علیہ السلام کی دولت فراواں کا ذکر بڑی تفصیل سے کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ آپ بے حد مخیر تھے اور غریبوں، مصیبت زدوں، مہمانوں اور اجنبیوں پر بڑی شفقت فرماتے تھے [اسرائیلی بیان ہے کہ] آپ کی اس پرہیزگاری اور خدا ترسی سے ابلیس کے سینے میں دشمنی کی آگ بھڑک اٹھی اور اس نے اللہ تعالیٰ سے حضرت ایوب علیہ السلام کو آزمانے کی اجازت طلب کی۔ اللہ کی جانب سے تین مراحل میں آپ کی آزمائش کی اجازت دی گئی: مال میں، خاندان میں، اور جسم میں۔ حضرت ایوب علیہ السلام کو ان کے تمام عزیزوں نے چھوڑ دیا، صرف ایک وفادار بیوی باقی رہ گئیں جو ان کی دیکھ بھال کرتی تھیں، حتیٰ کہ جب آپ کو گھورے پر پھینک دیا گیا تو اس وقت بھی بیوی نے آپ کا ساتھ نہ چھوڑا۔ دوستوں کی غلط فہمی حضرت ایوب علیہ السلام کی تکالیف میں مزید اضافے کا باعث ہوئی۔ جب اس ابتلاء سے بھی آپ کے پائے استقلال میں لغزش پیدا نہ ہوئی تو حضرت جبریل علیہ السلام یہ بشارت لائے کہ آپ ایک کراماتی چشمے کے ذریعے ابتلاء سے نجات پائیں گے۔ آپ کا دور حضرت یوسف یا حضرت سلیمان یا حضرت یونس علیہم السلام کے بعد ہے۔ (تلخیص اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 750/2، البدایہ والنہایہ ص: 206 تا 210، فتح الباری: 511/6-512)

المسعودی نے لکھا ہے کہ دمشق کے نزدیک نوئی میں آپ کا مقبرہ زیارت گاہ خاص و عام تھا۔ یہاں وہ چٹان اب تک دیکھی جاسکتی ہے جہاں بیٹھ کر آپ نے زمانہ ابتلاء بسر کیا تھا اور وہ چشمہ بھی جس میں غسل کر کے آپ نے شفا پائی تھی۔ (مروج الذهب: 91/1) سید حامد عبد الرحمن الکاف اپنے مضمون ”ارض سبا کا سفرنامہ“ میں لکھتے ہیں کہ ”سبا سے ما رب جاتے ہوئے راستے میں ہم سے کہا گیا کہ یہ جبل ایوب (علیہ السلام) ہے اور یہ کہ پہاڑ کی چوٹی پر ساری علامتیں اب تک محفوظ ہیں۔“ یہ بھی خیال کیا جاتا ہے کہ جب محمد بن قاسم نے ملتان کو فتح کیا تو اس وقت وہاں کے بڑے مندر کا بت حضرت ایوب علیہ السلام کے نام سے منسوب کیا جاتا تھا۔ (البلاذری: فتوح، 440 و اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 750/3)

دمشق: دیکھیے اضافی توضیحات و تشریحات باب ”زکریا علیہ السلام“

نوئی: اردو دائرہ معارف اسلامیہ کے مطابق ”نوا (نوئی) دمشق کے جنوب میں علاقہ جولان میں واقع ہے۔“ مشہور محدث امام یحییٰ بن شرف نووی یہیں پیدا ہوئے تھے۔

حضرت ذوالکفل علیہ السلام

حضرت ذوالکفل علیہ السلام کا نام قرآن مجید میں مندرجہ ذیل دو مقامات پر مذکور ہے:

سورت	سورت نمبر	آیات نمبر	سورت	سورت نمبر	آیات نمبر
الأنبياء	21	85	ص	38	48

متعلقہ آیات

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَإِسْمَاعِيلَ وَإِدْرِيسَ وَذَا الْكِفْلِ كُلٌّ مِّنَ الصَّادِقِينَ ﴿٨٥﴾ وَأَدْخَلْنَاهُمْ فِي رَحْمَتِنَا إِنَّهُمْ مِّنَ الصَّالِحِينَ ﴿٨٦﴾

”اسماعیل، ادریس اور ذوالکفل کا ذکر کیجیے۔ یہ سب صابر لوگ تھے۔ ہم نے ان کو اپنی رحمت میں داخل فرمایا۔ بلاشبہ یہ نیک لوگ تھے۔“ (الانبیاء: 85/21، 86)

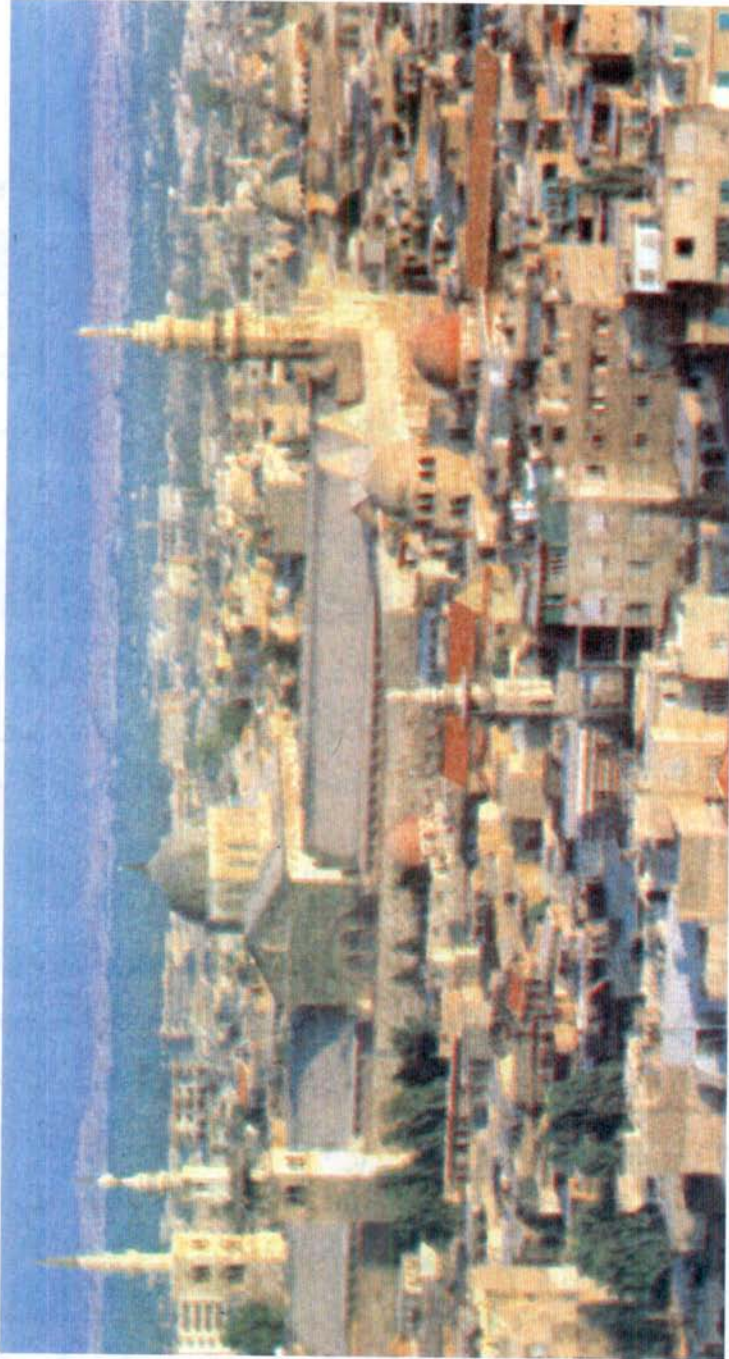
ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاذْكُرْ إِسْمَاعِيلَ وَالْيَسَعَ وَذَا الْكِفْلِ وَكُلٌّ مِّنَ الْآخِرِينَ ﴿٣٨﴾

”اسماعیل، یسع اور ذوالکفل کا ذکر کیجیے۔ یہ سب بہترین لوگ تھے۔“ (ص: 38/48)

چونکہ حضرت ذوالکفل کا نام انبیاء علیہم السلام کے ناموں کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے لہذا وہ نبی ہیں۔ اور مشہور قول یہی ہے۔ بعض حضرات کا خیال ہے کہ آپ نبی نہیں تھے۔ البتہ نیک شخص تھے۔ عدل و انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنے والے قاضی تھے۔ علامہ طبری نے توقف کیا ہے۔ کچھ لوگوں نے کہا ہے کہ وہ حضرت ایوب علیہ السلام کے بیٹے تھے۔ شہر دمشق کے شمالی جانب قاسیون مٹل نامی پہاڑ میں ایک مقام ہے جسے ذوالکفل کہا جاتا ہے۔





دمشق شہر (شام کا دارالحکومت)

حضرت یونس علیہ السلام

حضرت یونس علیہ السلام کا نام قرآن مجید میں مندرجہ ذیل چار مقامات پر مذکور ہے:

سورت	سورت نمبر	آیات نمبر	سورت	سورت نمبر	آیات نمبر
النساء	4	163	یونس	10	98
الأنعام	6	86	الصافات	37	139

چند متعلقہ آیات

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَذَا النُّونِ إِذْ ذَهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ أَنْ لَنْ نَقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادَىٰ فِي الظُّلُمَاتِ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ ﴿۸۵﴾ فَاسْتَجَبْنَا لَهُ وَنَجَّيْنَاهُ مِنَ الْعَمِّ ط وَكَذَلِكَ نُنْجِي الْمُؤْمِنِينَ ﴿۸۸﴾

”اور مچھلی والے کا تذکرہ کیجیے جب وہ غصے کی حالت میں نکل کھڑا ہوا۔ اس نے سمجھا کہ ہم اس پر گرفت نہیں کریں گے۔ (لیکن ہم نے گرفت کی تو) اس نے ہم کو اندھیروں میں پکارا: ”تیرے سوا کوئی معبود و فریادرس نہیں، تو پاک ہے۔ بلاشبہ میں ہی ظالم ہوں۔“ ہم نے اس کی دعا قبول کی اور اسے اس پریشانی سے نجات دی اور ہم صاحب ایمان لوگوں کو اسی طرح نجات دیتے ہیں۔“ (الانبیاء: 87/21، 88)

نورخ: سورۃ انبیاء میں آپ کا نام ذکر نہیں البتہ آپ کا قصہ مذکور ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِنَّ يُونُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ ﴿۸۵﴾ إِذْ أَبَقَ إِلَى الْفُلِ الْمَشْحُونِ ﴿۸۶﴾ فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِينَ ﴿۸۷﴾ فَالْتَقَمَهُ الْحُوتُ وَهُوَ مُلِيمٌ ﴿۸۸﴾ فَلَوْلَا أَنَّهُ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِينَ ﴿۸۹﴾ لَكُنْتَ فِي بَطْنِهِ إِلَى يَوْمِ يُبْعَثُونَ ﴿۹۰﴾ فَنَبِّئْنَاهُ بِالْعُرْءِ وَهُوَ سَقِيمٌ ﴿۹۱﴾ وَأَنْبَتْنَا عَلَيْهِ شَجَرَةً مِّنْ يَقْطِينٍ ﴿۹۲﴾ وَأَرْسَلْنَاهُ إِلَى مِائَةِ أَلْفٍ أَوْ يَزِيدُونَ ﴿۹۳﴾ فَأَمَّنُوا فَتَقَعْنَا عَلَيْهِمْ إِلَىٰ حِينٍ ﴿۹۴﴾

”بلاشبہ یونس پیغمبروں میں شامل تھا۔ وہ بھاگ کر ایک بھری ہوئی کشتی میں سوار ہو گیا تھا۔ پھر اسے قرعہ اندازی میں

شریک ہونا پڑا اور وہ قمرہ اندازی میں شکست کھا گیا۔ نتیجتاً اسے ایک بڑی مچھلی نے نگل لیا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس نے قابل ملامت کام کیا تھا۔ اگر وہ مسلسل تسبیح کرنے والوں میں سے نہ ہوتا تو قیامت تک اس کے پیٹ ہی میں رہتا۔ پھر ہم نے اسے کھلے ساحل پر ڈال دیا۔ اس وقت وہ بہت کمزور تھا۔ ہم نے اس پر کدو کی بیل اگادی۔ پھر ہم نے اسے ایک لاکھ بلکہ اس سے بھی زائد لوگوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا۔ چنانچہ وہ ایمان لے آئے تو ہم نے انہیں وقت مقررہ تک فائدہ اٹھانے کا موقع دیا۔“ (الصافات: 139/37... 148)

حضرت یونس علیہ السلام نے ترشیش (جہاں آج کل تیونس آباد ہے) کی طرف بھاگ جانے کی کوشش کی تھی۔ وہ ”یافا“ پہنچ گئے۔ پھر جب ان کو سمندر میں پھینکا گیا اور مچھلی نے ان کو لقمہ بنالیا تو وہ استغفار کرتے رہے اور مچھلی نے ان کو باہر اگل دیا تو ان کو ”نینوا“ بستی کی طرف بھیجا گیا جو ”موصل“ کے بالمقابل ہے۔ اسی بارے میں ارشاد ہے:

وَأَرْسَلْنَاهُ إِلَىٰ مِائَةِ أَلْفٍ أَوْ يَزِيدُونَ ﴿١٣٩﴾ فَآمَنُوا فَمَسَّ عَنْهُمْ إِلَىٰ حِينٍ ﴿١٤٠﴾

”ہم نے اس کو ایک لاکھ بلکہ اس سے بھی زائد لوگوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا۔ چنانچہ وہ ایمان لے آئے تو ہم نے انہیں وقت مقررہ تک فائدہ اٹھانے کا موقع دیا۔“ (الصافات: 147/37... 148)



❁ المعجم المفهرس لألفاظ القرآن الكريم : 775

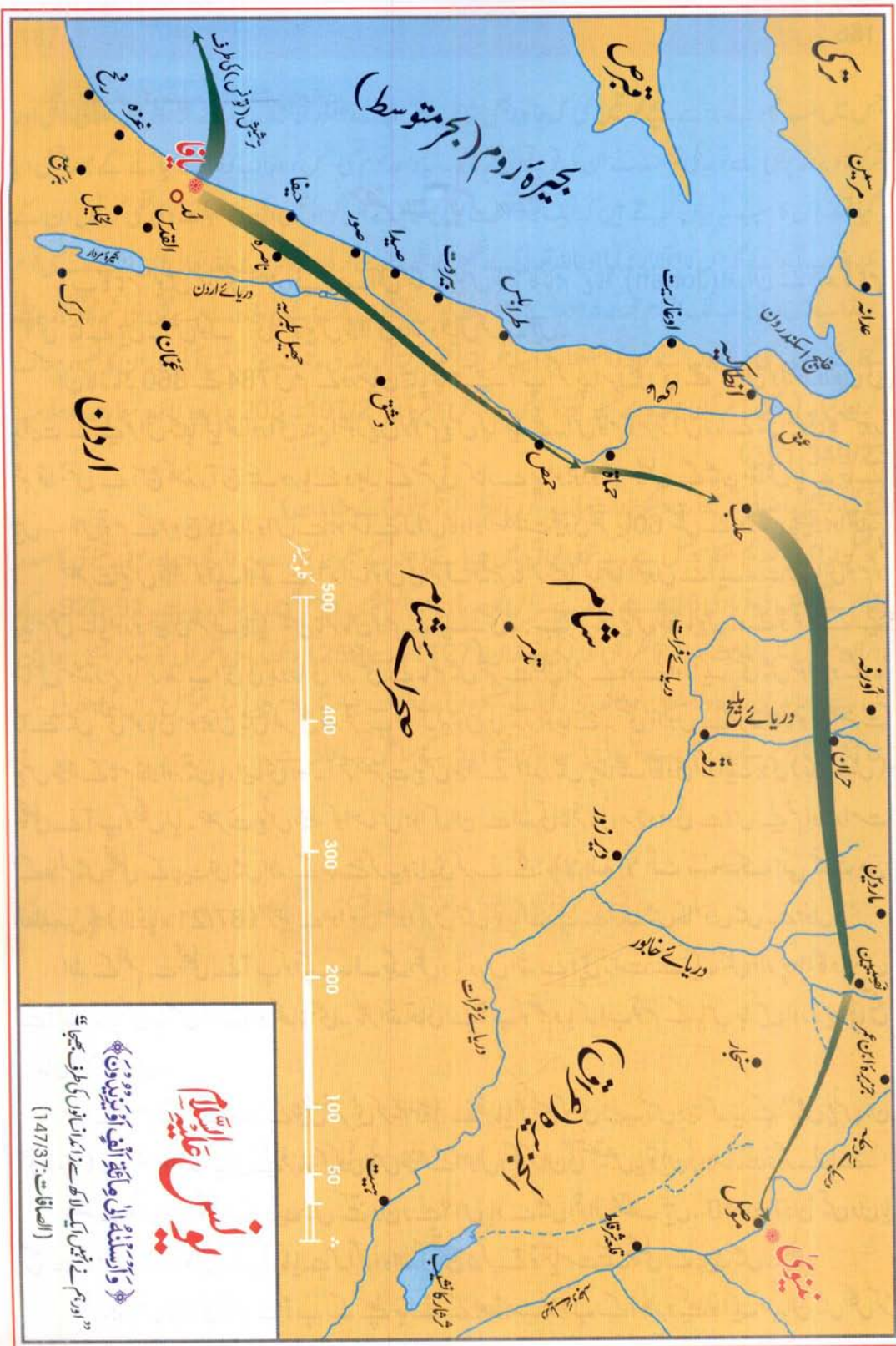
❁ المعجم المفهرس لمعاني القرآن العظيم : 1360

❁ قصص الأنبياء النجار : 362

❁ قصص الأنبياء ابن كثير : 225

❁ قصص الأنبياء الثعلبي : 410

❁ قصص الأنبياء الطبري : 221



حضرت یونس علیہ السلام

آپ کا نام ”یونس بن متی“ معروف ہے۔ اہل کتاب یونس علیہ السلام کا نام ”یوناہ“ (Jonah) اور ان کے والد کا نام ”امتی“ بتاتے ہیں۔ بعض لوگ ”متی“ کو یونس علیہ السلام کی والدہ خیال کرتے ہیں۔

ان کا زمانہ 860 سے 784 ق م کے درمیان بتایا جاتا ہے۔ آپ اگرچہ اسرائیلی نبی تھے مگر ان کو اشور والوں کی ہدایت کے لیے عراق بھیجا گیا تھا اور اسی بنا پر اشوریوں کو قوم یونس کہا گیا ہے۔ اس قوم کا مرکز اس زمانے میں نینوی کا مشہور شہر تھا جس کے وسیع کھنڈر آج تک دریائے دجلہ کے مشرقی کنارے پر موجودہ شہر موصل کے عین مقابل پائے جاتے ہیں۔ اس قوم کے عروج کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اس کا دارالسلطنت نینوی تقریباً 60 میل کے دور میں پھیلا ہوا تھا۔

حضرت یونس علیہ السلام کو ایک لاکھ سے زائد انسانوں کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجا گیا تھا، انہوں نے ایک مدت تک اپنی قوم کو پیغام حق سنایا اور توحید کی طرف بلایا، لیکن نافرمان قوم نے ایک نہ سنی۔ جب حضرت یونس علیہ السلام مایوس ہو گئے تو قوم کے لیے ساحل سمندر پر جا کر عذاب الہی کی بددعا کی اور خفگی کے عالم میں شہر سے نکل کھڑے ہوئے اور ایک کشتی میں سوار ہو گئے۔ راستے میں کشتی طوفانی موجوں میں گھر گئی اور قریب تھا کہ لہروں کی نذر ہو جائے۔ کشتی والوں نے قرعہ نکالا تو وہ حضرت یونس علیہ السلام کے نام نکلا اور تین بار ایسا ہی ہوا۔ آخر حضرت یونس علیہ السلام نے سمندر میں چھلانگ لگا دی اور ایک بڑی (غالباً وہیل) مچھلی نے آپ کو نگل لیا۔ حضرت یونس علیہ السلام کو احساس ہوا کہ ان سے اللہ کی نافرمانی سرزد ہوئی ہے اس لیے غم اور ندامت کے عالم میں مچھلی کے پیٹ ہی میں اللہ کے سامنے گریہ و زاری کرنے لگے: ﴿لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَنَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ﴾ (الانبیاء: 87/21) ”تیرے سوا کوئی معبود برحق نہیں تو پاک ہے بے شک میں ظالموں میں سے ہوں۔“

اللہ کے حکم سے مچھلی نے آپ کو ایک صاف جگہ اگل دیا، وہاں اللہ نے اپنی رحمت سے ایک نیل دار پودا اگا دیا جس سے آپ سایہ بھی حاصل کرتے اور کھانا بھی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ اب قوم کے پاس جائیں اور دین کی صحیح رہنمائی فراہم کریں۔

انبیائے کرام کے شرف و مجد کے پیش نظر نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ کسی کو بھی زیب نہیں دیتا کہ یہ کہے: ”میں یونس بن

متی“۔ یہاں یہ فرمایا کہ کسی کو بھی زیب نہیں دیتا کہ کہے: ”میں یونس بن متی“۔

حضرت یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں کتنے دن رہے؟ اس بارے میں اقوال مختلف ہیں۔ 40 دن، 7 دن، تین دن یا صبح سے شام تک۔ اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ اگر وہ اللہ کی تسبیح نہ کرتے تو قیامت تک مچھلی کے پیٹ میں رہتے۔

حضرت یونس علیہ السلام کی قوم نے آپ کے چلے جانے کے بعد جب عذاب کے آثار دیکھے تو ایک میدان میں نکل کر

جس میں سب چھوٹے بڑے بچے عورتیں حتیٰ کہ جانور بھی شامل تھے اللہ کے حضور گڑ گڑائے اپنے گناہوں کی معافی مانگی اور شرک و بت پرستی سے توبہ کی تو اللہ نے ان کی توبہ قبول فرمائی۔ یہ واحد قوم تھی جس کو عذاب دکھائے جانے کے بعد بخش دیا گیا تھا۔ اس کا سبب یہ بیان کرتے ہیں کہ ایک تو حضرت یونس علیہ السلام نے ان کو جو تین دن کی مہلت دی تھی کہ تین دن کے اندر عذاب آجائے گا، اس کا انتظار نہ کیا اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر ہجرت کر لی۔ دوسرا یہ کہ اللہ تعالیٰ اس وقت تک کسی قوم کو عذاب نہیں دیتا جب تک اتمام حجت نہ ہو جائے۔ حضرت یونس علیہ السلام اس حجت کے پورا ہونے سے قبل ہی شہر چھوڑ کر چلے گئے تھے پھر یہ بھی کہ انہوں نے توبہ و استغفار کا ایسا طریقہ اختیار کیا کہ اللہ کی رحمت جوش میں آئی اور ان کا قصور معاف کر دیا گیا۔ (تفہیم القرآن جلد دوم تفسیر سورہ یونس و قصص القرآن: 197/2 - 203 و اردو دائرہ معارف اسلامیہ:

(351-349/23)

نینوی: دیکھیے اضافی توضیحات و تشریحات باب ”نوح علیہ السلام“ (قوم نوح کے مقامات)

مُوصِل: اس کا قدیم تلفظ موصل ہے۔ یہ شمالی عراق میں دریائے دجلہ کے مغربی کنارے پر واقع ہے اور صوبہ نینوی کا صدر مقام ہے۔ اس کی آبادی 6 لاکھ سے زائد ہے۔ اس کو حدباء یا ام الربیعین کا نام بھی دیا جاتا رہا ہے۔ 91-926ء کے دوران موصل میں امارت حمدانیہ قائم رہی اور زنگی خاندان (1127ء سے 1259ء تک) کی حکمرانی کا آغاز یہیں ہوا جن میں سے عماد الدین زنگی اور سلطان نور الدین زنگی نے صلیبیوں کے خلاف جہاد میں نام پیدا کیا۔ موصل عراق کی معدنی تیل کی صنعت کا مرکز ہے۔ یہاں سے تیل کی پائپ لائن بحیرہ روم کے ساحل تک جاتی ہے۔



حضرت زکریا علیہ السلام

حضرت زکریا علیہ السلام کا نام قرآن مجید میں ان سات مقامات پر آیا ہے:

سورت	سورت نمبر	آیات نمبر	سورت	سورت نمبر	آیات نمبر
آل عمران	3	37 (دو دفعہ)	مریم	19	7، 2
الأنعام	6	85	الأنبياء	21	89

چند متعلقہ آیات

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

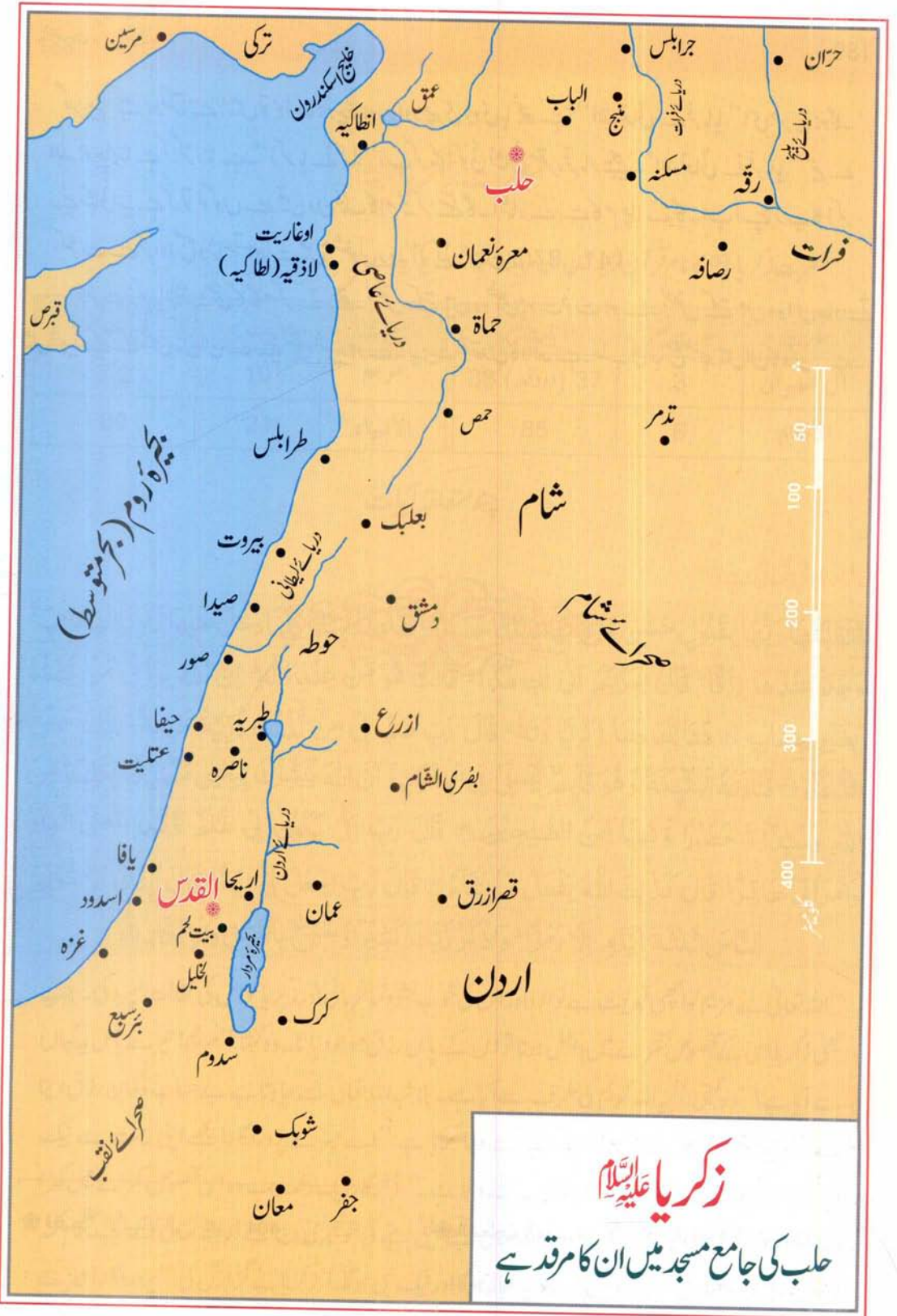
فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُولٍ حَسَنٍ وَأَنْبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا ۖ وَكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ۖ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۚ قَالَ يَرِزِيمُ ۖ أَنْ لِي هَذَا ۖ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ ۖ إِنَّ اللَّهَ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۖ هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهُ ۖ قَالَ رَبِّ هَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۖ إِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَاءِ ۖ فَنَادَتْهُ الْمَلَكَةُ وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّي فِي الْمِحْرَابِ ۖ أَنَّ اللَّهَ يُبَشِّرُكَ بِيحْيَىٰ مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللَّهِ وَسَيِّدًا وَحَصُورًا وَنَبِيًّا مِّنَ الصَّالِحِينَ ۖ قَالَ رَبِّ أَنْ يَكُونَ لِي غُلَمٌ وَقَدْ بَلَغَنِيَ الْكِبَرُ وَامْرَأَتِي عَاقِرٌ قَالَ كَذَلِكَ اللَّهُ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ ۖ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّي آيَةً ۖ قَالَ آيَتُكَ أَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ إِلَّا رَمْزًا وَادْكُرْ رَبَّكَ كَثِيرًا وَسَبِّحْ بِالنَّعْثِيِّ وَالْإِبْكَارِ ۖ

”اللہ تعالیٰ نے مریم کو اچھی قبولیت سے نوازا اور اس کی خوب نشوونما فرمائی اور زکریا کو اس کی کفالت سپرد کی۔ جب بھی زکریا اس کے مخصوص کمرے میں داخل ہوتا تو اس کے پاس رزق موجود پاتا۔ وہ کہتا: ”مریم! تیرے پاس یہ کہاں سے آیا ہے؟“ وہ کہتی: ”یہ اللہ کریم کی طرف سے آیا ہے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے بے حساب و گمان رزق دیتا ہے۔“ وہیں کھڑے کھڑے زکریا اپنے رب سے دعا کرتا ہے: ”اے میرے پروردگار! مجھے اپنی رحمت سے نیک و پاکیزہ اولاد عطا فرما۔ بلاشبہ تو دعاؤں کو خوب سننے والا ہے۔“ آخر کار ایک دفعہ جب وہ اس مخصوص کمرے میں کھڑا دعا کر رہا تھا تو فرشتوں نے انہیں پکارا: ”اللہ تعالیٰ تجھے یحییٰ بیٹے کی خوشخبری دیتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے ایک عظیم کلمہ (عیسیٰ علیہ السلام) کی تصدیق کرے گا، سردار ہوگا، پاکباز ہوگا اور نیک نبی ہوگا۔“ زکریا نے گزارش کی: ”پروردگار! میرے

گھر بیٹا کیسے ہو سکتا ہے؟ میں تو بوڑھا ہو چکا ہوں اور میری بیوی بانجھ ہے؟“ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”اسی طرح ہوگا۔ اللہ جو چاہتا ہے کر گزرتا ہے۔“ زکریا نے کہا: ”رب کریم! کوئی نشانی مقرر فرما دیجیے۔“ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”تیرے لیے نشانی یہ ہے کہ تو لوگوں سے تین دن تک کلام نہ کر سکے گا۔ اشارے سے کام چلائے گا۔ اب اپنے رب کا ذکر کثرت سے کر اور صبح و شام تسبیحات میں مشغول رہ۔“ (آل عمران: 37/3... 41)

حضرت زکریا علیہ السلام بڑھئی کا کام کرتے تھے۔ بعض کہتے ہیں وہ طبعی موت فوت ہوئے۔ بعض کہتے ہیں وہ اس حادثے میں شہید کیے گئے جس میں ان کے بیٹے یحییٰ شہید ہوئے۔ یہ بیت المقدس کا واقعہ ہے۔ حلب کی جامع مسجد میں ان کا مدفن ہے۔





حضرت زکریا علیہ السلام

حضرت زکریا علیہ السلام انبیائے بنی اسرائیل میں سے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہم عصر تھے۔ انبیائے بنی اسرائیل میں زکریا نام کے دو نبی ہوئے ہیں ان میں سے ایک زکریا بن برخیا ہیں جو انبیائے تورات میں سے تھے۔ ان کا ظہور فارس (ایران) کے بادشاہ دارا بن گشتاسب کے عہد میں ہوا۔ دوسرے زکریا ابو یحییٰ علیہ السلام ہیں جو حضرت مریم کے خالو اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معاصر تھے۔ اول الذکر زکریا کا تذکرہ قرآن مجید میں نہیں، لیکن مجموعہ تورات کے صحیفہ زکریا میں ان کا ذکر موجود ہے۔ دونوں میں تقریباً چار سو سال کا عرصہ حائل ہے۔ (قصص القرآن: 250/2-251)

قرآن مجید میں حضرت زکریا علیہ السلام کا قصہ دو جگہ تفصیل سے آیا ہے۔ ایک جگہ کفالت مریم کے ضمن میں، جہاں ارشاد ربانی کے مطابق حضرت مریم علیہا السلام کی والدہ اپنی نذر کو پورا کرنے کے لیے خانہ خدا میں حاضر ہوتی ہیں اور اپنی بچی کو خدمت کے لیے وقف کرنا چاہتی ہیں۔ ہیکل کے کاہنوں میں سے ہر ایک کی خواہش تھی کہ وہ حضرت مریم کی کفالت اپنے ذمے لے۔ حضرت زکریا علیہ السلام چونکہ ان کے خالو تھے اس لیے انہوں نے استحقاق کا دعویٰ کیا، مگر فیصلہ قرعہ اندازی سے ہوا۔ حضرت زکریا علیہ السلام کی کفالت و نگرانی میں ان کی تربیت شروع ہوئی۔ حضرت زکریا علیہ السلام جب بھی ان کے عبادت والے کمرے میں داخل ہوتے، بے موسمی پھل پاتے اور تعجب سے پوچھتے تو وہ فرماتیں کہ یہ سب کچھ اللہ کے ہاں سے آتے ہیں۔ تب حضرت زکریا علیہ السلام کو اپنے بے اولاد ہونے کا احساس ہوا اور پیری میں (وہ اس وقت ثعلبی کے بیان کے مطابق 90، 92 یا 120 سال کے تھے) (دیکھیے فتح الباری: 571/6) اولاد کی خواہش پیدا ہوئی اور وہیں انہوں نے اللہ سے دعا کی جس کی قبولیت کی بشارت اور علامات سے انہیں آگاہ کر دیا گیا۔

دوسری جگہ سورہ مریم علیہا السلام کے شروع میں ذکر آیا ہے، جہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے زکریا علیہ السلام کی اولاد کے لیے دعا کا خاص ذکر فرمایا کیونکہ ان کے متوقع جانشین رشتے دار اچھے عمل کے نہ تھے اور حضرت زکریا علیہ السلام کو اس کا ڈر تھا کہ وہ ان کی جانشینی کے منصب کے اہل ثابت نہیں ہوں گے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے انہیں یحییٰ علیہ السلام کی ولادت کی بشارت دی اور ان کے سعادت مند ہونے کی بعض علامات بھی بیان فرمادیں۔ بیوی (جو ضعیف العمر اور بانجھ تھیں) کے حاملہ ہونے کی علامت اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمائی کہ وہ تین دن تک لوگوں سے بات چیت بند رکھیں گے۔ حضرت زکریا علیہ السلام کی شہادت کے سلسلے میں ابن الاثیر (اکال: 228/1 تا 235، فتح الباری: 571/6) نے بیان کیا ہے کہ بعثت مسیح سے جو احکام تورات منسوخ ہوئے ان میں سے ایک بھتیجی سے نکاح بھی تھا۔ بنی اسرائیل کا بادشاہ ہیرودس اپنی ایک بھتیجی سے نکاح کرنا چاہتا تھا۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام چونکہ شریعت عیسوی پر ایمان رکھتے تھے اس لیے مانع آئے۔ تب بادشاہ کے حکم سے انہیں عبادت خانے

میں ذبح کر دیا گیا۔ اس واقعے کے بعد حضرت زکریا علیہ السلام بھاگ کر ایک باغ میں پہنچے اور ایک درخت کے تنے میں پناہ لی۔ بادشاہ کے آدمیوں نے درخت کو حضرت زکریا سمیت آڑے سے چیر دیا۔ (فتح الباری: 571/6)

دمشق: دمشق شام کا سب سے بڑا شہر ہے جو 36 درجے 18 دقیقے طول بلد مشرقی اور 33 درجے 30 دقیقے عرض بلد شمالی کے درمیان واقع ہے۔ یہ سطح سمندر سے تقریباً سات سو میٹر بلند ہے اور لبنان شرقیہ کے سلسلہ کوہ کی مشرقی پہاڑی جبل قاسیون کے دامن میں آباد ہے۔ دمشق کے مشرق اور شمال مشرق میں دریائے فرات تک ایک نیم صحرائی میدان پھیلا ہوا ہے جو جنوب کی جانب عرب میں مدغم ہو جاتا ہے، اسے صحرائے شام کہتے ہیں۔ 1950ء میں دمشق کے جنوب مشرق میں ”تل الصالحیہ“ کے مقام پر جو کھدائیاں ہوئیں، ان سے یہاں چار ہزار سال قبل مسیح تک ایک شہری مرکز ہونے کا انکشاف ہوا ہے۔

مصری فرعون تھتموس سوم نے پندرہویں صدی ق م میں دمشق فتح کیا تھا۔ تل الامر نہ کے کتبوں میں اس کا نام دمشق (Dimashka) درج ہے۔ رعمسیس ثالث کے کتبوں میں یہ نام درمسک (Darmesek) کی شکل میں ملتا ہے۔ گیارہویں صدی ق م میں دمشق سرزمین ارام کا باروق صدر مقام تھا جس کا حوالہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصے میں ملتا ہے۔ (بائبل پیدائش 22:10 و 14:15) حتیٰ کہ آج بھی دمشق کے شمال میں مقام برزہ کی مسجد ابراہیم علیہ السلام کو مقدس خیال کیا جاتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اسی زمانے میں آرامیوں نے اس شہر کا نقشہ تیار کیا جس کے بازار خط مستقیم میں ایک دوسرے کو قطع کر کے چوراہے بناتے تھے۔ یہ نقشہ دو ہزار ق م کے بابل اور اشور کے مشابہ تھا۔ دمشق کا شہر اپنے نہری نظام کی تیاری کے لیے آرامیوں ہی کا مہون منت تھا۔ (ملخص مقالہ ”دمشق“ اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 397/9-398)

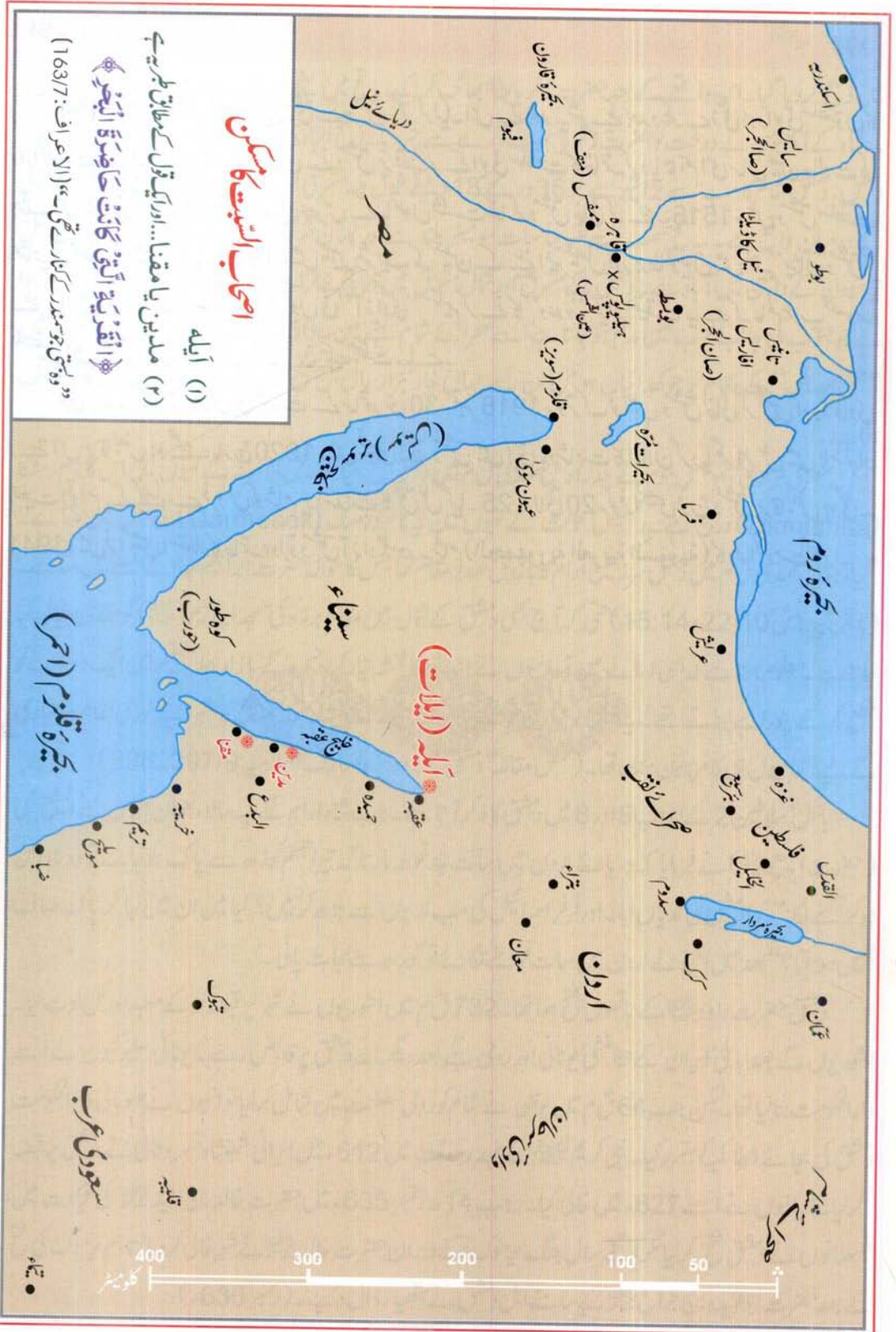
بائبل سلاطین 2 کے ابواب 5 اور 8 میں دمشق کا ذکر آتا ہے۔ جب شاہ ارام کے سپہ سالار نعمان ابرص سے الشیخ نبی (حضرت الیسع علیہ السلام) نے فرمایا کہ دریائے اردن میں سات بار غوطہ مارتا کہ تیرا جسم کوڑھ سے پاک ہو جائے تو وہ ناراض ہو کر کہنے لگا: ”کیا دمشق کی ندیاں ابانہ اور فر فر اسرائیل کی سبندیوں سے بڑھ کر نہیں؟ کیا میں ان میں نہا کر پاک صاف نہیں ہو سکتا؟“ بعد میں اس نے اردن میں سات غوطے لگائے تو کوڑھ سے نجات پائی۔

دمشق حضرت داود علیہ السلام کے ہاتھوں فتح ہوا تھا۔ 732 ق م میں اشوریوں نے شہر پر قبضہ کر کے معبد اور محل لوٹ لیا۔ اشوریوں کے بعد بابلی، ایران کے ہخامنشی، یونانی اور رومی یکے بعد دیگرے دمشق پر قابض رہے۔ یونانی سلیوکیوں نے اسے دار الحکومت بنالیا تھا۔ لیکن جب 64 ق م میں پومپی نے شام کو رومی سلطنت میں شامل کر لیا تو انہوں نے صوبائی دار الحکومت دمشق کی بجائے انطاکیہ کو مقرر کیا۔ نبی کریم ﷺ کے عہد رسالت میں 612ء میں ایرانی شہنشاہ خسرو ثانی نے دمشق پر قبضہ کر لیا۔ ایرانیوں نے اسے 627ء میں خالی کیا۔ رجب 14 ہ 635ء میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی قیادت میں مسلمانوں نے دمشق فتح کر لیا مگر اگلے سال جنگ یرموک کے دوران حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے شہر خالی کر دیا، تاہم یرموک کی فتح کے بعد حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کے سامنے اہل دمشق نے ہتھیار ڈال دیے۔ (دسمبر 636ء)

1154ء میں سلطان نور الدین زنگی نے دمشق فتح کر لیا۔ اس کے بعد یہ شہر یکے بعد دیگرے زنگی اور ایوبی سلطنتوں کا دارالحکومت رہا۔ 1260ء میں ہلاکو خان نے دمشق پر قبضہ کر کے ایوبی سلطنت کا خاتمہ کر دیا تاہم اسی سال عین جالوت کی جنگ میں تاتاری مملوک امیر رکن الدین بیبرس کے ہاتھوں شکست کھا کر دمشق خالی کر گئے۔ 1516ء میں دمشق سلطنت عثمانیہ کی عملداری میں آ گیا۔ 1915ء میں یہیں شریف مکہ حسین کے بیٹے امیر فیصل اور برطانویوں میں خفیہ ”میثاق دمشق“ طے پایا جس کی رو سے برطانیہ نے عربوں کی ”آزادی“ تسلیم کرنے کا ”وعدہ“ کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ عالم عرب خصوصاً فلسطین اسی میثاق دمشق کے منحوس نتائج آج تک بھگت رہا ہے۔

پہلی جنگ عظیم میں ترکی کی شکست کے ساتھ ہی 30 ستمبر 1918ء کو ترک فوجیں دمشق خالی کر گئیں اور اتحادی دستے اس پر قابض ہو گئے۔ مارچ 1920ء میں فیصل نے دمشق میں اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا مگر اپریل میں نام نہاد جمعیت اقوام کے فیصلے سے فرانس کو شام پر انتداب کا حق مل گیا۔ 25 جولائی 20ء کو فرانسیسی فوج دمشق پر قابض ہو گئی۔ 1941ء میں فرانسیسی استعمار کا خاتمہ ہوا تو دمشق آزاد جمہوریہ شام (الجمهورية العربية السورية) کا دارالحکومت ٹھہرا۔





احباب السبیت کا مسکن

(۱) ایہ

(۲) مدین یا مقنن... اور ایک قول کے مطابق طبرہ ہے

﴿الْقُرْبَىٰ آتَىٰ كَانَتْ حَاضِرَةً أَبِجَر﴾

”وہ بستی جو سمندر کے کنارے تھی۔“ (الاعراف: 163/7)

400

300

200

100

50

اصحابِ سبت

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بنی اسمعیل اور بنی اسرائیل سمیت اپنی امت میں عبادت الہی کے لیے جمعے کا دن مقرر فرمایا تھا مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں یہود (بنی اسرائیل) نے اپنی روایتی کجروی کی بنا پر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اصرار کیا کہ ان کے لیے ہفتے (سبت) کا دن عبادت و برکات کا دن مقرر کر دیا جائے۔ جب ان کا اصرار حد سے تجاوز کر گیا تو وحی الہی کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کے لیے ہفتہ کو خاص عبادت کا دن مقرر کر دیا اور تاکید کی کہ اس دن کی حرمت و عظمت کو قائم رکھیں۔ اس دن میں ان کے لیے خرید و فروخت، زراعت و تجارت اور شکار حرام قرار پایا۔ لیکن جب ساحل سمندر پر واقع ایک بستی والوں نے حیلہ سازی سے اس حکم الہی کو مذاق بنالیا تو اللہ تعالیٰ کے عذاب نے انہیں آ پکڑا اور ان کی شکلیں مسخ ہو گئیں چنانچہ سورۃ الاعراف آیت نمبر: 163 تا 166 میں ارشاد باری ہے:

وَسَأَلَهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِي كَانَتْ حَاضِرَةً الْبَحْرِ إِذْ يَعْدُونَ فِي السَّبْتِ إِذْ تَأْتِيهِمْ حِينَتُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَعًا وَيَوْمَ لَا يَسْبِتُونَ لَا تَأْتِيهِمْ كَذَلِكَ نَبْلُوهُمْ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ۝ وَإِذْ قَالَتْ أُمَةٌ مِّنْهُمْ لَمَ نَعْظُونَ قَوْمًا اللَّهُ مُهْلِكُهُمْ أَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا قَالُوا مَعْذِرَتُنَا إِلَىٰ رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ۝ فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ أَنجَيْنَا الَّذِينَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوءِ وَأَخَذْنَا الَّذِينَ ظَلَمُوا بِعَدَابِ بَئِيسٍ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ۝ فَلَمَّا عَتَوْا عَنْ مَّا نُهُوا عَنْهُ قُلْنَا لَهُمْ كُونُوا قِرَدَةً خَاسِئِينَ ۝

”اور آپ ان لوگوں سے اس بستی والوں کا جو کہ دریائے شور کے قریب آباد تھے اس وقت کا حال پوچھیے جب کہ وہ ہفتے کے بارے میں حد سے نکل رہے تھے جب کہ ان کے ہفتے کے روز تو ان کی مچھلیاں ظاہر ہو ہو کر ان کے سامنے آتی تھیں اور جب ہفتے کا دن نہ ہوتا تو ان کے سامنے نہ آتی تھیں ہم ان کی اس طرح پر آزمائش کرتے تھے اس سبب سے کہ وہ بے حکمی کیا کرتے تھے۔ اور جب کہ ان میں سے ایک جماعت نے یوں کہا کہ تم ایسے لوگوں کو کیوں نصیحت کرتے ہو جن کو اللہ بالکل ہلاک کرنے والا ہے یا ان کو سخت سزا دینے والا ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ تمہارے رب کے روبرو عذر کرنے کے لیے اور اس لیے کہ شاید یہ ڈر جائیں۔ سو جب وہ اس امر کے تارک ہی رہے جو ان کو سمجھایا جاتا تھا تو ہم نے ان لوگوں کو تو بچالیا جو اس بری عادت سے منع کیا کرتے تھے اور ان لوگوں کو جو کہ زیادتی کرتے تھے ایک سخت عذاب میں پکڑ لیا اس وجہ سے کہ وہ بے حکمی کیا کرتے تھے۔ یعنی جب وہ جس جس کام سے ان کو منع کیا گیا تھا اس میں حد سے نکل گئے تو ہم نے ان کو کہہ دیا تم بندر ذلیل بن جاؤ۔“

سید ابوالاعلیٰ مودودی سورۃ الاعراف کی آیات سبت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے سبت یعنی ہفتے کے دن کو

مقدس قرار دیتے ہوئے بنی اسرائیل کو تاکید کی تھی کہ ”اس روز کوئی دنیوی کام نہ کیا جائے۔ گھروں میں آگ تک نہ جلائی جائے، جانوروں اور لونڈیوں تک سے کوئی خدمت نہ لی جائے اور یہ کہ جو شخص اس ضابطے کی خلاف ورزی کرے اسے قتل کر دیا جائے، لیکن بنی اسرائیل نے آگے چل کر اس قانون کی علانیہ خلاف ورزی شروع کر دی۔ ”یرمیاہ“ نبی کے زمانے میں (جو 628 اور 586 قبل مسیح کے درمیان گزرے ہیں) خاص یروشلم کے پھانگوں سے لوگ سبت (ہفتہ) کے دن مال و اسباب لے کر گزرتے تھے اس پر نبی موصوف نے اللہ کی طرف سے یہودیوں کو دھمکی دی کہ اگر تم لوگ شریعت کی اس کھلم کھلا خلاف ورزی سے باز نہ آئے تو یروشلم نذر آتش کر دیا جائے گا (یرمیاہ: 17: 20-27) اسی کی شکایت حزقی ایل نبی بھی کرتے ہیں، جن کا دور 595 اور 536 قبل مسیح کے درمیان گزرا ہے چنانچہ ان کی کتاب میں سبت کی بے حرمتی کو یہودیوں کے قومی جرائم میں سے ایک بڑا جرم قرار دیا گیا ہے (حزقی ایل: 20: 12-24) ان حوالوں سے یہ گمان کیا جاسکتا ہے کہ قرآن مجید یہاں جس واقعے کا ذکر کر رہا ہے وہ بھی غالباً اسی دور کا واقعہ ہے۔ (تفہیم القرآن: 90/2)

ایلیہ: اس کا نام ایلیہ بنت مدین بن ابراہیم علیہ السلام کے نام پر رکھا گیا تھا (معجم البلدان) عام روایات کے مطابق یہیں اصحاب سبت کا واقعہ پیش آیا تھا۔ آج کل یہاں ایلات نامی شہر آباد ہے جس کے قریب رومی دور کے شہر ایلیہ کے کھنڈر پائے جاتے ہیں۔ ایلات خلیج عقبہ کے شمالی سرے پر بندرگاہ ہے جو اسرائیل کے غاصبانہ تسلط میں ہے۔ بنی اسرائیل مصر سے کنعان جاتے ہوئے ایلیہ (ایلات) سے گزرے تھے۔

ایلیہ یا ایلات کا قدیم نامہ عصیون جابر (Ezion-geber) ہے چنانچہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد 3 میں لکھا ہے: ”نیلن گلوئک جس نے تورات کے عصیون جابر (تل الخلیفہ) کی جائے وقوع (ساحل بحر قلزم کے نزدیک عقبہ سے تقریباً 3 کلومیٹر شمال مغرب میں) کی کھدائی کی ہے اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ قدیم عصیون جابر اور الٹ (Elath) = ایلات (ایلیہ کا پیشرو) دونوں کا محل وقوع دراصل ایک ہی ہے۔ تورات بعض اوقات ان دونوں کے درمیان فرق کرتی ہے (استثناء: 2: 8) حالانکہ دوسرے موقع پر اس کی عبارت سے یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ دونوں مقام ایک ہی تھے (ملوک (ثانی) 22: 14)

ایلیہ کے بارے میں سید ابوالاعلیٰ مودودی نے آیات سبت (الاعراف) کی ذیل میں لکھا ہے: ”وہ مقام جہاں اصحاب السبت آباد تھے وہ ایلیہ ایلات یا ایلوت تھا جہاں اب ”اسرائیل“ کی یہودی ریاست نے اسی نام کی ایک بندرگاہ بنائی ہے اور جس کے قریب ہی اردن کی مشہور بندرگاہ ”عقبہ“ واقع ہے۔ اس کی جائے وقوع بحر قلزم (احمر) کی اس شاخ کے انتہائی سرے پر ہے جو جزیرہ نمائے سیناء کے مشرق اور عرب کے مغربی ساحل کے درمیان ایک لمبی خلیج کی صورت میں نظر آتی ہے۔ بنی اسرائیل کے زمانہ عروج میں یہ بڑا اہم تجارتی مرکز تھا۔ حضرت سلیمان (علیہ السلام) نے اپنے بحر قلزم کے جنگی و تجارتی بیڑے کا صدر مقام اسی شہر کو بنایا تھا۔ (تفہیم القرآن: 89/2)

عقبہ: یہ خلیج عقبہ پر اردن کی واحد بندرگاہ ہے۔ عقبہ ایلات (ایلیہ) سے دو تین کلومیٹر مشرق میں ہے۔ اور تفہیم القرآن جلد دوم میں ”نقشہ خروج بنی اسرائیل“ کے نیچے لکھا ہے: ”عقبہ یا ایلیہ وہ مقام ہے جہاں اصحاب سبت کا واقعہ پیش آیا تھا۔“ ان

سے اور دکتور شوقی ابوخلیل کے اطلس القرآن کے نقشوں سے یہ غلط فہمی پیدا ہوتی ہے کہ عقبہ اور ایلہ ایک ہی بستی کے جدید اور قدیم نام ہیں، حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ یہ دو مختلف شہر ہیں۔ المنجد فی الاعلام اور اردو دائرہ معارف اسلامیہ دونوں میں ایلات (ایلہ) اور عقبہ دونوں کو الگ الگ عنوانات کے تحت دیا گیا ہے، تاہم اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد 13 میں عقبہ کے زیر عنوان لکھا ہے: ”العقبہ کو ایلہ کا قائم مقام سمجھنا چاہیے کیونکہ ایلہ کی آبادی کے زیادہ جنوب مشرقی جانب بڑھنے سے العقبہ کی نشوونما ہوئی۔ عقبہ دراصل عقبہ ایلہ کی مختصر شکل ہے اور اس سے جبل ام نصیلہ کا درہ مراد ہے..... اور آخر کار اسی (درے) کی نسبت سے یہ شہر اس نام سے موسوم ہوا۔ عقبہ ایلہ ایک قدیم نام ہے حتیٰ کہ الادریسی (متوفی 1166ء) تک نے بھی اس کا ذکر کیا ہے۔“ اور المنجد فی الاعلام کے مطابق ”ایلات بحیرہ احمر اور عقبہ کے بائیں طرف ایک بندرگاہ ہے، یہاں رومی دور کے ایلہ کے کھنڈر ہیں۔“ اس سے یہ صاف ظاہر ہے کہ عقبہ اور ایلہ دو مختلف شہر ہیں۔

مدین: حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت ہے کہ اصحاب سبت کا واقعہ مدین میں پیش آیا تھا۔ مدین کا قبیلہ بحیرہ قلزم کے مشرقی ساحل کے ساتھ عرب کے شمال مغرب میں اور خلیج عقبہ کے مشرقی ساحل پر اسی نام کی بستی کے آس پاس آباد تھا۔ یہ جگہ شام (اردن) کے متصل جاز کا آخری حصہ تھی اور عہد نبوی میں حجاز والوں کو شام، فلسطین بلکہ مصر تک جانے میں مدین کے کھنڈر راہ میں پڑتے تھے۔ مدین کا علاقہ تبوک کے بالمقابل واقع ہے۔ قرآن مجید میں مدین سے گزرنے والے اہل جاز کے تجارتی راستے کو ”امام مبین“ (کھلی اور صاف شاہراہ) قرار دیا ہے جو قوم لوط اور اہل مدین دونوں کے علاقوں سے گزرتی تھی۔ اہل مدین کی بستیاں خلیج عقبہ کی بندرگاہ ایلہ کے جنوب میں خلیج عقبہ اور بحیرہ قلزم کے ساتھ ساتھ اور مشرق میں تبوک تک واقع تھیں۔ مدین کے علاقے میں ان دنوں الحمیدہ، مقنا، الخریبہ، تریم، البدع، المویلع اور ضبا نامی بستیاں آباد ہیں۔ مدین کا خلیج عقبہ کے اسرائیلی شہر ایلہ سے فاصلہ سو سو کلومیٹر ہے۔

مقنا: ابن زید کہتے ہیں کہ اصحاب سبت کی بستی کا نام مقنا تھا اور وہ مدین اور عینونا کے درمیان واقع تھی۔ یہ بستی خلیج عقبہ کے مشرقی ساحل پر مدین کے جنوب میں پچیس تیس کلومیٹر کے فاصلے پر تھی۔ نبی ﷺ کے عہد میں مقنا کے یہودیوں سے ان شرائط پر صلح ہوئی تھی کہ وہ اپنے ایک چوتھائی اونٹ (چراگاہ میں) اور ایک چوتھائی چوپائے اور ان کے بچے جزیے میں دیں گے۔ واقدی کا بیان ہے کہ انہوں نے ایک چوتھائی چوپائے اور ایک چوتھائی پھل دینے کی شرط پر مصالحت کی تھی۔ (معجم البلدان)

طبریہ: فلسطین کا یہ شہر بحیرہ طبریہ کے مغربی کنارے پر واقع ہے۔ اس کی آبادی پچیس تیس ہزار ہے۔ یروشلم کی تباہی (586ء) کے بعد طبریہ یہودیوں کا تہذیبی مرکز بن گیا۔ (المنجد فی الاعلام) اسے 13ھ میں حضرت شریح بن حسنہ رضی اللہ عنہ نے فتح کیا۔ 1099ء میں یورپی صلیبیوں نے اس پر قبضہ کر لیا۔ صلاح الدین ایوبی نے معرکہ حطین (1087ء / 583ھ) میں فتح یاب ہو کر طبریہ کو صلیبی قبضے سے چھڑایا۔ لبنان کے پہاڑوں سے آنے والا دریائے اردن پہلے بحیرہ طبریہ میں گرتا ہے، پھر اس کے جنوب سے نکل کر دریائے یرموک کو ساتھ ملاتا ہوا بحیرہ مردار میں اختتام پزیر ہوتا ہے۔ بحیرہ روم کی بندرگاہوں حیفاء اور عکا دونوں سے طبریہ کا فاصلہ پچاس پچاس کلومیٹر ہے جبکہ بیت المقدس اور دمشق دونوں میں سے

ہر ایک طبریہ سے تقریباً 125 کلومیٹر دور ہے۔ بائبل میں اس کا نام گلیل آیا ہے۔ گرم پانی کا ایک چشمہ جو ”حمہ سلیمان بن داؤد“ کہلاتا ہے طبریہ اور بیسان کے درمیان واقع ہے اور بحیرہ طبریہ کے اندر ایک تراشیدہ چٹان ہے جس کے بارے میں مقامی لوگ کہتے ہیں کہ یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی قبر ہے۔



حضرت یحییٰ علیہ السلام

حضرت یحییٰ علیہ السلام کا اسم گرامی قرآن مجید میں مندرجہ ذیل پانچ مقامات پر آیا ہے:

سورت	سورت نمبر	آیات نمبر	سورت	سورت نمبر	آیات نمبر
آل عمران	3	39	مریم	19	12، 7
الأنعام	6	85	الأنبياء	21	90

چند متعلقہ آیات

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يٰۤاَيُّهَا اِنَّا نَبَشِّرُكَ بِغُلَامٍ اسْمُهُ يَحْيٰى لَمْ نَجْعَلْ لَهُ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا ۝ قَالَ رَبِّ اَنۡى يَكُوۡنُ لِىْ غُلَامٌ وَّكَانَتۡ اِمْرَاَتِىْ عَاقِرًا وَّقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا ۝ قَالَ كَذٰلِكَ ۙ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلٰى هٰٓىٔۤىۤنَّ وَقَدْ خَلَقْتَنۡكَ مِنْ قَبْلُ وَاَمَّا تَكَ شَيْئًا ۙ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّىْ اٰيَةً ۙ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَيَالٍ سَوِيًّا ۙ فَخَرَجَ عَلَىٰ قَوْمِهِ مِنَ الْهُرَابِ فَاَوْحٰى اِلَيْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ۙ يٰۤاَيُّهَا خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ۙ وَاَتَيْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا ۙ وَحَنَّاكَ مِنْ دُنَا وَزَكُوۡةً ۙ وَكَانَ تَقِيًّا ۙ وَبَرَّآ بِوَالِدَيْهِ وَاَمَّا اَبُوۡ الدِّيۡهِ وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا ۙ وَسَلٰمٌ عَلَیْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ یَمُوْتُ وَيَوْمَ یُبْعَثُ حَيًّا ۙ

”اے زکریا! ہم تجھے ایک بیٹے کی خوشخبری دیتے ہیں جس کا نام یحییٰ ہوگا۔ ہم نے اس سے قبل اس کا کوئی ہم نام پیدا نہیں کیا۔“ زکریا کہنے لگا: ”پروہدگار! میرے گھر بیٹا کیسے ہو سکتا ہے جب کہ میری بیوی بانجھ ہے اور میں شدید بڑھاپے کی حالت میں ہوں؟“ فرشتے نے کہا: ”اسی حالت میں ہوگا۔ تیرے رب نے کہا ہے کہ یہ کام میرے لیے بہت آسان ہے کہ میں نے اس سے قبل تجھے پیدا کیا حالانکہ تو کچھ بھی نہ تھا۔“ زکریا نے کہا: ”رب کریم! میرے لیے کوئی نشانی مقرر فرمادیجیے۔“ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”نشانی یہ ہے کہ تو تین دن رات باوجود تندرست ہونے کے لوگوں سے کلام نہیں کر سکے گا۔“ پھر وہ اپنے خصوصی کمرہ عبادت سے اپنی قوم کی طرف نکلا اور انہیں اشارہ کیا کہ صبح وشام تسبیح میں مشغول رہو۔“ اے یحییٰ! کتاب کو مضبوطی سے پکڑ۔“ اور ہم نے اسے بچپن ہی میں نبوت عطا فرمادی تھی اور اپنی طرف سے شفقت و پاکیزگی مہیا فرمائی تھی۔ وہ بہت پرہیزگار اور والدین سے حسن سلوک کرنے والا تھا۔ وہ سرکش

اور نافرمان نہیں تھا۔ اس پر سلام ہو جس دن وہ پیدا ہوا، جس دن مرے گا اور جس دن زندہ کر کے اٹھایا جائے گا۔“
(مریم: 15...7/19)

حضرت یحییٰ علیہ السلام نے جناب مسیح علیہ السلام کو دریائے اردن میں بپتسمہ دیا۔ اسی بنا پر حضرت یحییٰ کو یوحنا اور معتمدان بھی کہا جاتا ہے۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام کو بیت المقدس میں ”صخرہ“ پر ذبح کیا گیا اور ان کا سر مبارک کاٹ کر دمشق لے جایا گیا۔ وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ ان کے دور کے ایک بادشاہ نے اپنی کسی محرم لڑکی کے ساتھ شادی کرنے کا پروگرام بنایا۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام نے اسے منع فرمایا۔ اس کا اس نے دل میں برا منایا۔ آخر کار جب اس نے اسی لڑکی سے شادی کر لی تو لڑکی نے بادشاہ سے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کی اجازت حاصل کر لی۔ بالآخر لڑکی نے خفیہ طور پر کسی کے ہاتھوں انہیں قتل کروا دیا۔ قاتل نے ان کا سرا سے پیش کر دیا۔
یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کو دمشق میں قتل کیا گیا۔ اب تک دمشق کی ”مسجد اموی“ میں ان کا مدفن موجود ہے۔



❁ المعجم المفهرس لألفاظ القرآن الكريم : 225

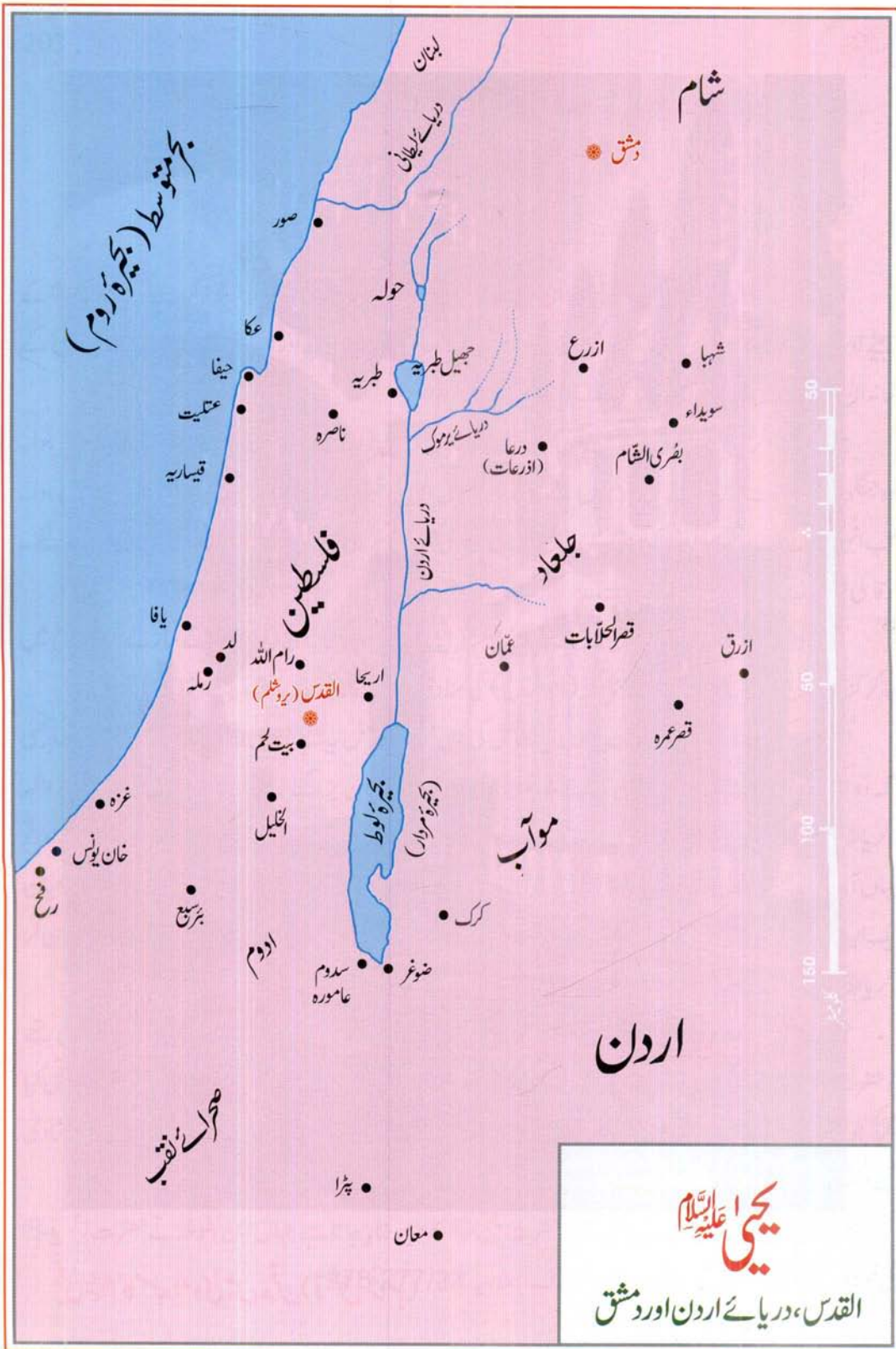
❁ المعجم المفهرس لمعاني القرآن العظيم : 1328

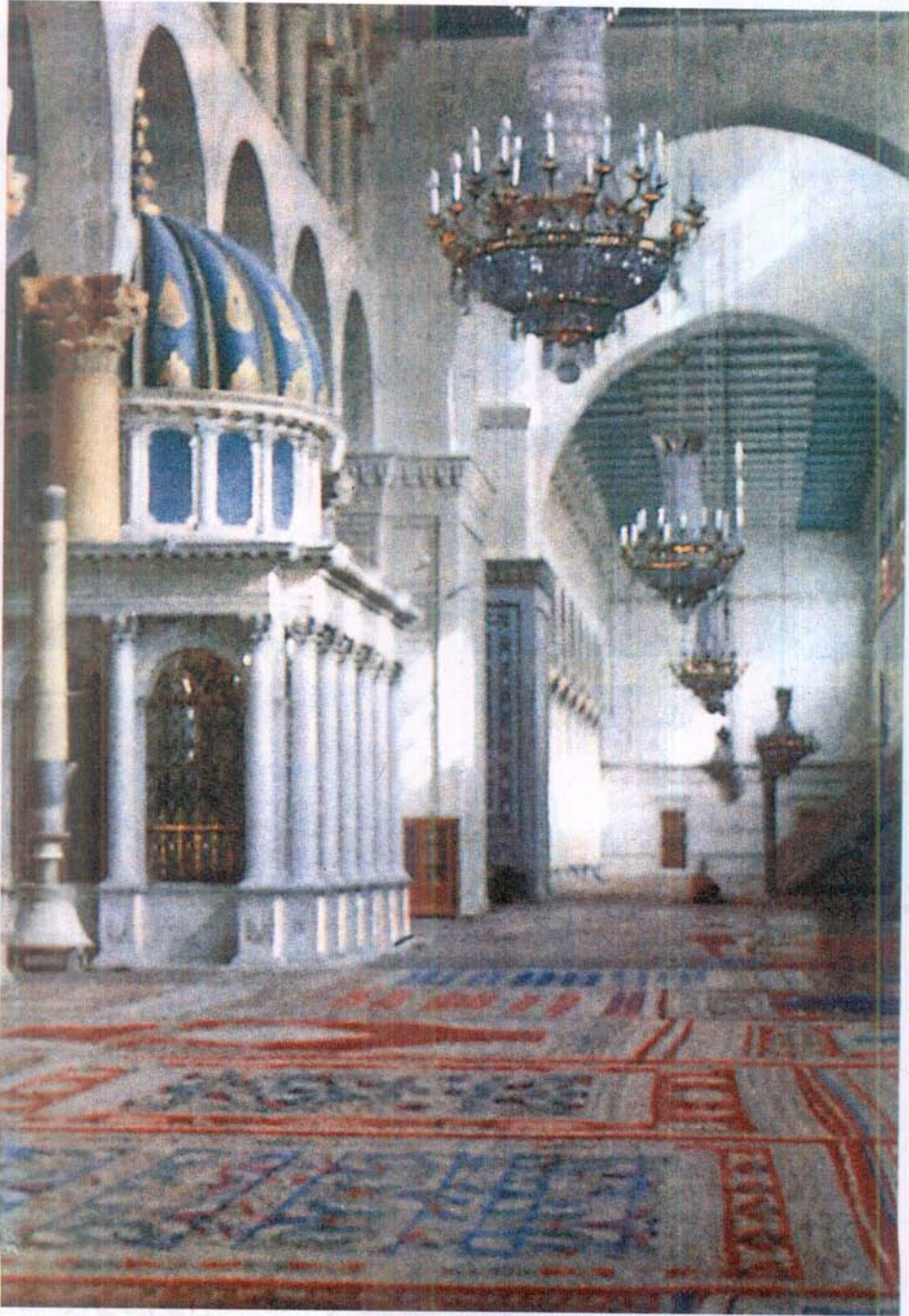
❁ قصص الأنبياء، النجار : 369

❁ قصص الأنبياء، ابن كثير : 404

❁ قصص الأنبياء، الثعلبي : 377

❁ قصص الأنبياء، الطبري : 317





پیشی ﷺ کا مسجد اموی میں مدفن (دشق، شام)

حضرت یحییٰ علیہ السلام

حضرت یحییٰ علیہ السلام کا ذکر قرآن عزیز میں ان ہی سورتوں میں آیا ہے جن میں ذکر یا علیہ السلام کا ذکر ہے۔ یہ ذکر یا علیہ السلام کے بیٹے اور ان کی پیغمبرانہ دعاؤں کا حاصل تھے۔ ان کا نام بھی اللہ تعالیٰ کا فرمودہ ہے اور ایسا نام ہے کہ اس سے قبل ان کے خاندان میں سے کسی کا یہ نام نہیں رکھا گیا تھا۔

مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی ”قصص القرآن“ میں لکھتے ہیں کہ یحییٰ (علیہ السلام) کی زندگی کا بہت بڑا حصہ صحرا میں بسر ہوا۔ وہ جنگلوں میں خلوت نشین رہتے اور درختوں کے پتے اور ٹڈیاں ان کی خوراک تھیں اور وہیں ان پر اللہ کا کلام نازل ہوا۔ تب انہوں نے دریائے اردن کے نواح میں دین الہی کی منادی شروع کر دی اور عیسیٰ علیہ السلام کے ظہور کی بشارت دینے لگے۔ لوقا انجیل سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

”اس وقت خدا کا کلام بیابان میں زکریا کے بیٹے یوحنا (یحییٰ) پر اترا اور وہ یردن (اردن) کے سارے گرد و نواح میں جا کر گناہوں کی معافی کے لیے توبہ کے پتسمہ (اصطباغ) کی منادی کرنے لگا۔“ (باب: 3 آیت: 302)

ابن عساکر نے وہب بن منبہ سے چند روایات نقل کی ہیں جن کا حاصل یہ ہے کہ یحییٰ علیہ السلام پر خدا کی خشیت اس درجہ تھی کہ وہ اکثر روتے رہتے تھے حتیٰ کہ ان کے رخساروں پر آنسوؤں کے نشان پڑ گئے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ ان کے والد زکریا علیہ السلام نے جب ان کو جنگل میں تلاش کر لیا تو ان سے فرمایا: ”بیٹا! ہم تیری یاد میں مضطرب تجھ کو تلاش کر رہے ہیں اور تو یہاں آہ و گریہ میں مشغول ہے!“ یحییٰ (علیہ السلام) نے جواب دیا: ”اے باپ! تم نے مجھ کو بتایا ہے کہ جنت اور جہنم کے درمیان ایک ایسا لوق ودق میدان ہے جو خدا کی خشیت میں آنسو بہائے بغیر طے نہیں ہوتا اور جنت تک رسائی نہیں ہوتی۔“ یہ سن کر زکریا علیہ السلام بھی رونے لگے۔ (البدایۃ والنہایۃ: 49/2)

حضرت یحییٰ علیہ السلام کے قصے کی خصوصیات مختلف عرب مصنفین کے ہاں مختلف ہیں۔ طبری کے بقول وہ پہلے شخص تھے جو حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) پر ایمان لائے۔ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد تک زندہ رہے اور انہیں ہیرودیس کی درخواست پر قتل کیا گیا، جو یہودی بادشاہ ہیرود کی بھتیجی یا اس کی بھانجی تھی۔ وجہ یہ کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام نے بادشاہ کی ہیرودیس کے ساتھ شادی سے اختلاف کیا تھا۔

آج بھی دمشق کی بڑی مسجد میں ایک قبر کو حضرت یحییٰ علیہ السلام کا مزار بتایا جاتا ہے جہاں ابن بطوطہ نے حضرت زکریا علیہ السلام کی قبر ہونے کا بھی ذکر کیا ہے۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 277/23، 278)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے نام نامی کے ساتھ قرآن مجید میں پچیس دفعہ، لقب مسیح کے ساتھ گیارہ دفعہ اور ابن مریم کی کنیت کے ساتھ تیس دفعہ مذکور ہیں۔ تفصیل یہ ہے:

(۱) عیسیٰ (۲۵ دفعہ)

سورت	سورت نمبر	آیات نمبر	سورت	سورت نمبر	آیات نمبر
البقرة	2	253'136'87	الأحزاب	33	7
آل عمران	3	84'59'55'52'45	الشورى	42	13
النساء	4	171'163'157	الزخرف	43	63
المائدة	5	'112'110'78'46 116'114	الحديد	57	27
الأنعام	6	85	الصف	61	14'6
مریم	19	34			

(۲) المسيح (گیارہ دفعہ)

سورت	سورت نمبر	آیات نمبر	سورت	سورت نمبر	آیات نمبر
آل عمران	3	45	المائدة	5	17 (دو دفعہ) 72 75 (دو دفعہ)
النساء	4	172'171'157	التوبة	9	31'30

(۳) ابن مریم (۲۳ دفعہ)

سورت	سورت نمبر	آیات نمبر	سورت	سورت نمبر	آیات نمبر
البقرة	2	253'87	المؤمنون	23	50
آل عمران	3	45	الأحزاب	33	7
النساء	4	171'157	الزخرف	43	57

سورت	آیات نمبر	سورت	سورت نمبر	آیات نمبر
المائدة	5	الحديد	57	27
التوبة	9	الصَّف	61	14'6
مریم	19			

چند متعلقہ آیات

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِنْ مَثَلَ عِيسَىٰ عِنْدَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ طَخَلَقَهُ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ﴿٥٩﴾

”بلاشبہ عیسیٰ کی مثال اللہ تعالیٰ کے نزدیک آدم جیسی ہے۔ اسے اللہ تعالیٰ نے مٹی سے پیدا کیا پھر فرمایا: ”ہو جا“ تو وہ ہو گیا۔“ (آل عمران: 59/3)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ وَلَا تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ إِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُولُ اللَّهِ وَكَلِمَتُهُ أُلْقِيَهَا إِلَىٰ مَرْيَمَ وَرُوحٌ مِنْهُ فَآمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ ط وَلَا تَقُولُوا ثَلَاثَةٌ ط انْتَهُوا خَيْرًا لَّكُمْ ط إِنَّمَا اللَّهُ إِلَهُ وَاحِدٌ ط سُبْحَنَهُ أَنْ يَكُونَ لَهُ وَلَدٌ ط لَكُمْ لَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ط وَكَفَىٰ بِاللَّهِ وَكِيلًا ﴿١٦٠﴾

”اے اہل کتاب! اپنے دین کے بارے میں حد سے نہ بڑھ جاؤ اور اللہ کی نسبت وہی بات کہو جو حق اور سچ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مسیح عیسیٰ ابن مریم اللہ کا رسول اور اس کا کلمہ تھا جسے اللہ تعالیٰ نے مریم کی طرف بھیجا اور وہ اللہ کی پیدا کردہ روح ہے اس لیے اللہ پر ایمان رکھو اور اس کے تمام رسولوں کو مانو۔ اور مت کہو کہ اللہ تین ہیں۔ باز آ جاؤ تمہارے لیے بہتر ہوگا۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تو واحد معبود ہے اور وہ اس بات سے منزہ ہے کہ اس کی اولاد ہو۔ آسمانوں اور زمین کی ہر چیز اس کی ملکیت میں ہے۔ اللہ تعالیٰ کافی مکران ہے۔“ (النساء: 171/4) اللہ کا ارشاد ہے:

وَرَسُولًا إِلَىٰ بَنِي إِسْرَءِيلَ هَ أَنِّي قَدْ جِئْتُكُمْ بِآيَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ لَا إِنِّي أَخْلَقُ لَكُمْ مِّنَ الطَّيْنِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ فَأَنْفُخُ فِيهِ فَيَكُونُ طَيْرًا بِإِذْنِ اللَّهِ ط وَأُبْرِئُ الْأَكْمَهَ وَالْأَبْرَصَ وَأُحْيِي الْمَوْتَىٰ بِإِذْنِ اللَّهِ ط وَأُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَأْكُلُونَ وَمَا تَدْخِرُونَ فِي بُيُوتِكُمْ ط إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ ﴿٢٥﴾

”اور وہ (عیسیٰ) بنی اسرائیل کی طرف رسول ہوگا اور میں تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے معجزات لے

کر آیا ہوں۔ میں تمہارے سامنے مٹی سے پرندے جیسا ڈھانچہ بناتا ہوں، پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ اللہ کے حکم سے اڑنے لگتا ہے۔ نیز میں اللہ کے حکم سے مادر زاد اندھے اور پھلہری کے مریض کو تندرست کرتا ہوں اور مردوں کو زندہ کرتا ہوں۔ اور تمہیں بتا دیتا ہوں کہ تم گھر میں کیا کھا کر آئے ہو اور کیا باقی رکھ آئے ہو۔ بلاشبہ ان معجزات میں تمہارے لیے نشانی ہے بشرطیکہ تمہارا ارادہ ایمان لانے کا ہو۔“ (آل عمران: 49/3)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَاكْشَرْتُ إِلَيْهِ طَقَالُوا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا ۖ قَالَ إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ طَحِثُ الثَّانِي الْكِتَابَ وَجَعَلَنِي نَبِيًّا ۖ وَجَعَلَنِي مُبَارَكًا آيِنَ مَا كُنْتُ ۖ وَأَوْصَيْتَنِي بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ مَا دُمْتُ حَيًّا ۖ وَبَرَّأَ بَوَالِدَيْنِي ۖ وَكَلَّمَ يَجْعَلَنِي جَبَّارًا شَقِيًّا ۖ وَالسَّلَامُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُ وَيَوْمَ أَمُوتُ وَيَوْمَ أُبْعَثُ حَيًّا ۖ

”مریم نے بچے کی طرف اشارہ کیا۔ لوگ کہنے لگے: ”ہم اس گود کے بچے سے کیسے بات کر سکتے ہیں؟ مگر بچہ کہنے لگا: ”میں اللہ کا بندہ ہوں اس نے مجھے کتاب دی ہے اور مجھے نبی بنایا ہے اور میں جہاں بھی رہوں مجھے بابرکت بنایا ہے۔ اور مجھے زندگی بھر کے لیے نماز روزے کا تاکید حکم دیا ہے نیز مجھے اپنی والدہ محترمہ کے ساتھ حسن سلوک کرنے والا بنایا ہے اور مجھے متکبر اور بدنصیب نہیں بنایا۔ مجھ پر سلام ہے جس دن میں پیدا ہوا جس دن میں مروں گا اور جس دن زندہ کر کے اٹھایا جاؤں گا۔“ (مریم: 29/19...33) ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللَّهِ وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ۚ وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ لَفِي شَكٍّ مِّنْهُ طَمَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا ۖ بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ طوَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ۖ وَإِنَّ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَآلِيُوْهُمْ مِّنْ قَبْلِ مَوْتِهِ طَوَيَوْمَ الْقِيَمَةِ يَكُونُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا ۖ

”ہم نے یہودیوں پر لعنت کی (ان کی یہ بات کہنے کی وجہ سے: ”ہم نے اللہ کے رسول مسیح عیسیٰ ابن مریم کو قتل کر دیا ہے۔“ حالانکہ انہوں نے اسے نہ قتل کیا نہ سولی پر چڑھایا بلکہ ان کو غلطی لگی اشتباہ ہو گیا۔ بلاشبہ جن لوگوں نے اس بارے میں اختلاف کیا ہے وہ خود شک میں ہیں۔ انہیں حقیقت کا کوئی علم نہیں صرف غلط گمان کے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔ یقینی بات یہ ہے کہ انہوں نے ہرگز اسے قتل نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی طرف اٹھایا اور اللہ تعالیٰ بڑی قوت و حکمت کا مالک ہے۔ سب اہل کتاب اس کی وفات سے پہلے اس پر ایمان لے آئیں گے اور قیامت کے دن وہ ان کے خلاف گواہی دے گا۔“ (النساء: 157/4...159)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَإِذْ قَالَ اللَّهُ لِيَعِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ ءَأَنْتَ قُلْتُ لِلنَّاسِ اتَّخِذُونِي وَأُمَّيَ الْهَيْئِينَ مِنْ دُونِ اللَّهِ قَالُوا سُبْحَانَكَ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أَقُولَ مَا لَيْسَ لِي بِحَقِّ ط إِنْ كُنْتُ قُلْتُهُ فَقَدْ عَلِمْتَهُ ط تَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِي وَلَا أَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِكَ ط إِنَّكَ أَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ ۝ مَا قُلْتُ لَهُمْ إِلَّا مَّا أَمَرْتَنِي بِهِ أَنْ أَعْبُدُوا اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ ۝ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَّا دُمْتُ فِيهِمْ ۝ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتُ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ ۝ وَأَنْتَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ۝ إِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۝ وَإِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝

”اور جب (قیامت کے دن) اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ”اے عیسیٰ ابن مریم! کیا تو نے لوگوں کو کہا تھا کہ مجھے اور میری والدہ کو اللہ کی بجائے معبود بنالینا؟“ وہ کہے گا: ”سبحان اللہ! میرے لیے یہ کیونکر مناسب تھا کہ میں ایسی بات کرتا جو میرا حق نہیں۔ اگر میں نے کہا ہوتا تو تو جان چکا ہوتا کیونکہ تو میرے دل کی بات جانتا ہے میں تیرے دل کی بات نہیں جان سکتا۔ بلاشبہ تو ہی ہر قسم کے غیب جاننے والا ہے۔ میں نے تو ان کو وہی کچھ کہا تھا جو تو نے مجھے حکم دیا تھا کہ ایک اللہ کی عبادت کرو جو میرا بھی رب ہے تمہارا بھی۔ نیز میں تو اس وقت ان کا ذمہ دار تھا جب ان میں تھا لیکن جب تو نے مجھے اپنے پاس بلا لیا تو پھر تو ہی ان کا نگران تھا۔ اور تو ہر چیز کو بخوبی جاننے والا ہے۔ اب اگر تو انہیں عذاب کرے تو یہ تیرے غلام ہیں اور اگر تو انہیں معاف کر دے تو (کوئی تجھے پوچھنے والا نہیں کیونکہ) تو سب پر غالب اور خوب حکمت والا ہے۔“ (المائدہ: 116/5... 118) ارشاد باری تعالیٰ ہے:

مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَأُمُّهُ صِدِّيقَةٌ كَانَا يَا كَلِيلِ الطَّعَامِ ط أَنْظِرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْآيَاتِ ثُمَّ أَنْظِرْ أَتَى يُؤْفَكُونَ ۝

”مسح ابن مریم صرف رسول تھا۔ اس سے پہلے بھی بہت سے رسول گزر چکے ہیں۔ اس کی والدہ انتہائی راست باز خاتون تھی۔ وہ دونوں کھانا بھی کھایا کرتے تھے۔ دیکھیے ہم کس طرح ان کے سامنے اپنی آیات واضح فرماتے ہیں؟ اور پھر دیکھیے کہ وہ کدھر بہکے پھرتے ہیں؟“ (المائدہ: 75/5)

حضرت مسیح علیہ السلام فلسطین کے ایک شہر بیت اللحم میں پیدا ہوئے۔ معروف ”کھجور کا درخت“ بھی وہیں تھا۔ اور وہ چھوٹی سی نہر بھی، جس کا ذکر ولادت مسیح کے سلسلہ میں آتا ہے۔ اصلاً ان کا تعلق فلسطین کے شمال میں ایک بستی ناصرہ سے تھا جو (جھیل) گللیل کے قریب ہے۔

وہ اپنی مقدس و مطہر ماں کے ساتھ ناصرہ ہی میں رہے البتہ مذکور ہے کہ ایک دفعہ اپنی والدہ اور یوسف نجار کے ساتھ مصر کے شہر ”عین شمس“ بھی گئے تھے۔ وہاں اس مبارک خاندان کی رہائش ”مطریہ“ کے مضافات میں تھی۔ جسے کنواری مریم کا درخت (شجر مریم) کہا جاتا ہے۔ پھر یہ خاندان ناصرہ واپس آ گیا۔ اس کے بعد انجیل مسیح علیہ السلام کی حیات طیبہ کے بارے

میں بالکل خاموش ہے۔ اس وقت ان کی عمر 12 سال تھی پھر ان کا تذکرہ اس وقت ملتا ہے جب ان کی عمر 30 سال ہوئی اور وہ حضرت یحییٰ علیہ السلام سے ملے۔ 1975ء میں یونیسکو نے ایک انجیل شائع کی جس کا انکشاف مصر کے ایک شہر ”نجع حمادی“ میں 1945ء میں ہوا تھا۔ اس میں لکھا ہے:

”نجات دہندہ کہتا ہے: جس شخص کو تو نے خوش خوش ہنستے مسکراتے دیکھا تھا وہ زندہ یسوع تھا۔ لیکن جس شخص کے ہاتھوں اور پاؤں میں وہ لوگ کیل ٹھونک رہے تھے وہ کوئی اور تھا۔ درحقیقت وہ ایک مشابہ شخص کو سولی دے رہے تھے۔ اسے بھی دیکھ مجھے بھی دیکھو۔“

”وہ کوئی اور شخص تھا جس نے کڑوا مشروب اور سرکہ پیا تھا، میں نہیں تھا۔ وہ کوئی اور شخص تھا جو اپنے کندھے پر صلیب اٹھائے جا رہا تھا۔ وہ کوئی اور تھا جس کے سر پر لوگوں نے کانٹوں کا تاج رکھا تھا۔ میں تو اوپر بہت اوپر ان کی جہالت پر ہنس رہا تھا۔“

اور اب قرآن مجید کا بیان پڑھیے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللَّهِ وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ
وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ لَفِي شَكٍّ مِنْهُ مَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا ١٥٤
بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ١٥٥

”(ہم نے یہودیوں پر لعنت کی کیونکہ) وہ کہتے ہیں: ”ہم نے اللہ کے رسول مسیح عیسیٰ ابن مریم کو قتل کر دیا ہے۔“ حالانکہ انہوں نے اس کو نہ قتل کیا نہ سولی پر چڑھایا بلکہ انہیں اشتباہ ہو گیا۔ بلاشبہ جن لوگوں نے اس بارے میں اختلاف کیا ہے وہ خود شک میں ہیں۔ انہیں اس کا کوئی یقین نہیں وہ صرف اپنے گمان کی پیروی کر رہے ہیں اور یہ یقینی بات ہے کہ انہوں نے اسے قتل نہیں کیا بلکہ اسے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے پاس اٹھالیا تھا اور اللہ تعالیٰ غالب، خوب حکمت والا ہے۔“ (النساء 157/4، 158)



❁ قصص الأنبياء، ابن كثير: 416

❁ العقائد الوثنية في الديانة النصرانية: 77

❁ المعجم المفهرس لألفاظ القرآن الكريم: 666، 665، 494

❁ قصص الأنبياء، الثعلبي: 383

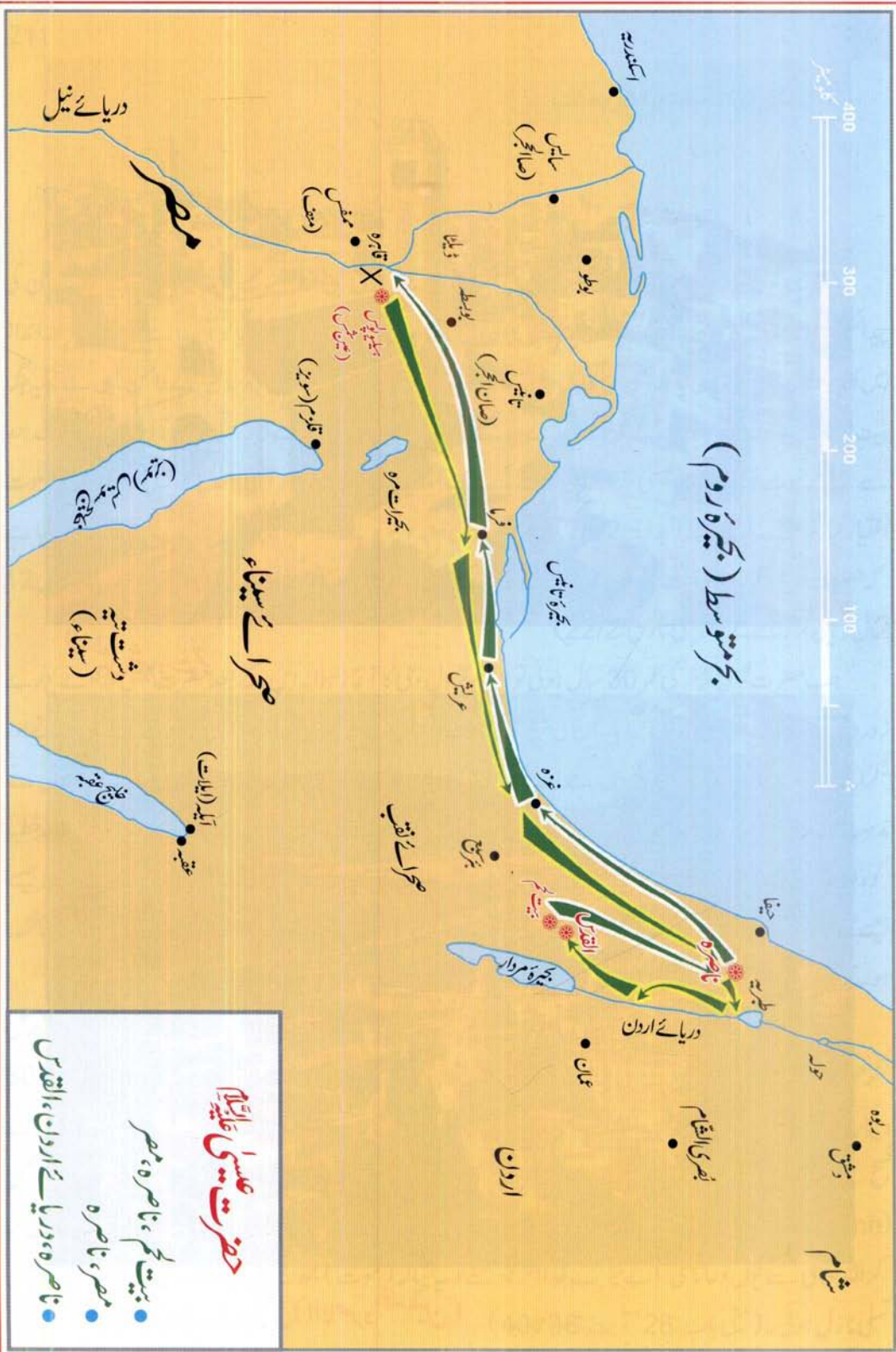
❁ المعجم المفهرس لمعاني القرآن العظيم: 856

❁ قصص الأنبياء، الطبري: 449

❁ ينابيع المسيحية: 160

❁ قصص الأنبياء، النجار: 371

❁ مجلة المجلة العدد: 712، تشرين الأول (اکتوبر) 1993 م





فلسطين شہر بیت لحم



عیسیٰ علیہ السلام کی جائے پیدائش (الناصرہ، فلسطین)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام

حضرت عیسیٰ علیہ السلام ابن مریم، سلسلہ انبیائے بنی اسرائیل کے آخری نبی اور حضرت مریم علیہا السلام کے بیٹے ہیں۔ ان کی پیدائش معجزانہ انداز میں بغیر باپ کے ہوئی۔ جب یہودیوں نے آپ کی والدہ پر الزام لگایا تو آپ نے گود میں معجزانہ انداز میں کلام کر کے اپنی والدہ کی پاکدامنی کی گواہی دی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جائے پیدائش کوہ ساعیر کے دامن میں ہے۔ یہ جگہ بیت اللحم کے نام سے مشہور ہے۔ بعض لوگوں نے جائے پیدائش ناصرہ کو قرار دیا ہے (ترجمان القرآن) پیدائش کے بعد سے لے کر نبوت تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کہاں رہے۔ یہ ایک مختلف فیہ مسئلہ ہے۔ قرآن و حدیث میں اس مسئلے پر سکوت اختیار کیا گیا ہے۔ ابن کثیر (البدایہ: 70/2) نے وہب بن منبہ وغیرہ سے جو اسرائیلی روایات کے ماہر تھے یہ نقل کیا ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام بادشاہ ہیرود کے خوف سے مصر کے کسی مقام پر چلی گئیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عمر کے ابتدائی 12 سال وہیں گزرے۔ (الطبری تاریخ: 22/2)

جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عمر 30 سال ہوئی تو ان پر نزول وحی کا آغاز ہوا۔ اس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پورے زور و شور سے دعوت و تبلیغ کا آغاز کر دیا۔ ان کی تبلیغ میں حکمت و دانائی کے ساتھ ساتھ احکام الہی پر شدت سے عمل کرنے اور کرانے کا جذبہ بھی پایا جاتا تھا۔ انہوں نے اپنے مواعظ میں ان مذہبی لوگوں کو خاص طور پر ہدف تنقید بنایا جنہوں نے مذہب کے نام پر دکانداریاں قائم کر رکھی تھیں۔ انہوں نے اعلان نبوت کے چند دن بعد ایک پہاڑی سے وعظ کیا جسے خطبہ کوہ (sermon on the mount) کہا جاتا ہے۔ اس وعظ میں ان کی تمام تعلیمات کا خلاصہ موجود ہے۔ پھر جیسے جیسے عوام ان سے متاثر ہوتے گئے خواص یعنی مذہبی لوگ، کاہن اور فریسی (Pharisees) اتنے ہی ان کے مخالف ہوتے گئے، کیونکہ انہیں اپنی مذہبی سیادت ختم ہوتی نظر آ رہی تھی۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 364/14/2)

بہر حال دشمنوں نے رومی گورنر پونطس پیلطس کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف ابھارا اور اس کے سپاہیوں کے ساتھ مل کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو گرفتار کرنے کی سازش تیار کر لی اور بقول انجیل حضرت عیسیٰ کے ایک شاگرد یہوداہ اسکر یوتی کو 30 دینار پر جاسوسی کے لیے تیار کر لیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مذہبی تہوار کے موقع پر بیت المقدس آئے ہوئے تھے یہاں انہوں نے فح کا آخری کھانا کھایا۔ اس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے گیارہ شاگردوں سمیت شہر کے باہر گتسمانی (Gethsemane) نامی ایک جگہ شب باشی کے لیے تشریف لے گئے، پھر اپنے شاگردوں سے الگ ہو کر منہ کے بل گر کر اللہ تعالیٰ سے یوں دعا مانگی: اے میرے خدا اگر ہو سکے تو یہ پیالہ (موت) مجھ سے اٹل جائے۔ اس دعا کے جواب میں تسلی نازل ہوئی۔ (متی باب: 26، آیت: 36 تا 40)

مسلم علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ جب دشمن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ایک شاگرد یہود اسکریوتی [یا اسخر یوطی] کی رہنمائی میں مذکورہ جگہ کے پاس پہنچے اور اس کا محاصرہ کر لیا تو عین اس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے آسمان پر اٹھالیا اور خود گرفتار کروانے والے پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شکل و شباهت طاری کر دی۔ چنانچہ حکومت کے اہلکاروں اور یہودیوں حتیٰ کہ خود حواریوں نے بھی اسی کو حضرت عیسیٰ سمجھ لیا اور اسی کو لے جا کر پھانسی پر چڑھا دیا جیسا کہ قرآن مجید کی سورہ مائدہ (آیات 157-158) میں مذکور ہے۔

بیت اللحم (Bethlehem): یہ بیت المقدس کے جنوب میں 8 کلومیٹر کے فاصلے پر غرب اردن کے اندر واقع ہے۔ جو 1967ء سے اسرائیلی تسلط میں ہے۔ اس کی آبادی ایک لاکھ کے قریب ہے۔ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جائے پیدائش ہے۔ یہاں کلیسائے ولادت ہے جسے قسطنطین اعظم نے 326ء میں تعمیر کرایا تھا۔ یا قوت حموی نے لکھا ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیت المقدس آئے تو بیت اللحم کا ایک راہب حاضر ہوا اس نے کہا کہ میرے پاس آپ کی طرف سے بیت اللحم کے لیے امان نامہ ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لاعلمی ظاہر کی تو اس نے وہ امان نامہ پیش کر دیا (جو اس نے دو جاہلیت میں عمر رضی اللہ عنہ سے لکھوایا تھا) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پہچان کر کہا کہ یہ درست ہے مگر ضروری ہے کہ ہم عیسائیوں کے ہر مقام پر مسجد بنائیں۔ راہب نے کہا: ”بیت اللحم میں ایک محراب ہے جس کا رخ آپ کے قبلے کی طرف ہے اسے آپ مسلمانوں کے لیے مسجد بنالیں اور اگر جا منہدم نہ کریں۔ آپ نے گرجے کو چھوڑ دیا اور محراب کے پاس جا کر نماز پڑھی اور اسے مسجد بنالیا۔ اسے محراب عمر بن الخطاب کہا جاتا ہے اور فرنگیوں (صلیبیوں) نے جب شہر پر قبضہ کیا تو اس میں کوئی تبدیلی نہ کی۔ اور کہا جاتا ہے کہ وہاں داود اور سلیمان علیہما السلام کی قبریں ہیں۔“ (معجم البلدان)

ناصرہ (Nazareth): یہ فلسطین کے علاقہ گلیل میں واقع ہے اور اسرائیلی ناجائز اور غاصب مملکت میں شامل ہے۔ اس کی آبادی ایک لاکھ کے لگ بھگ ہے۔ حضرت مریم کا تعلق ناصرہ ہی سے تھا۔ ناصرہ کی نسبت ہی سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیر و کار نصاریٰ کہلاتے ہیں۔ بیت المقدس سے ناصرہ کا فاصلہ تقریباً 100 کلومیٹر شمال کی طرف ہے۔



حضرت لقمان حکیم

حضرت لقمان حکیم کا نام قرآن مجید کی ایک سورت، جو انہیں کے نام سے موسوم ہے یعنی ”سورہ لقمان“ میں دو دفعہ آیا ہے:

سورت	سورت نمبر	آیات نمبر
لقمان	31	13، 12

چند متعلقہ آیات

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَقَدْ آتَيْنَا لُقْمَانَ الْحِكْمَةَ إِنْ شَكَرْ لِلَّهِ وَمَنْ يَشْكُرْ فَإِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهِ ۖ وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللَّهَ غَفِيٌّ حَمِيدٌ ۝ وَإِذْ قَالَ لُقْمَانُ لِابْنِهِ وَهُوَ يَعِظُهُ يَبْنَىٰ لَا تُشْرِكْ بِاللَّهِ إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ ۝

”بلاشبہ ہم نے لقمان کو حکمت عطا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کر۔ جو شخص شکر ادا کرے گا وہ اپنے ہی فائدے کے لیے کرے گا اور جو ناشکری کرے گا اسے یاد رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ بے پروا اور قابل تعریف ہے۔ جب لقمان نے اپنے بیٹے سے نصیحت کرتے ہوئے کہا: ”بیٹا! اللہ کے ساتھ کسی بھی چیز کو شریک نہ ٹھہرانا۔ بلاشبہ شرک ظلم عظیم ہے۔“ (لقمان: 31/12، 13)

وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْنًا عَلَىٰ وَهْنٍ وَفِضْلُهُ فِي عَامَيْنِ أَنْ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ إِلَى الْبَصِيرِ ۝ وَإِنْ جَاهَدَاكَ عَلَىٰ أَنْ تُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبُهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا ۖ وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ ۖ ثُمَّ إِلَىٰ مَرْجِعِكُمْ فَأُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ۝ يَبْنَىٰ إِنَّهَا أَنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِي صَخْرَةٍ أَوْ فِي السَّمَوَاتِ أَوْ فِي الْأَرْضِ يَأْتِ بِهَا اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ لَطِيفٌ خَبِيرٌ ۝ يَبْنَىٰ أَقِمِ الصَّلَاةَ وَأْمُرْ بِالْمَعْرُوفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأَصْبِرْ عَلَىٰ مَا أَصَابَكَ ۖ إِنَّ ذَلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ ۝ وَلَا تَصْعَقْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمُشْ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا ۖ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ ۝ وَأَقِصْ فِي مَشْيِكَ وَأَعْصِ مِنْ صَوْتِكَ ۖ إِنَّ أَنْكَرَ الْأَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيرِ ۝

”ہم نے انسان کو اس کے والدین کے بارے میں (حسن سلوک کا) تاکید دی ہے۔ اس کی والدہ نے اسے

بہت کمزوری کی حالت میں اپنے پیٹ میں اٹھایا اور پھر اسے دو سال تک دودھ پلایا۔ میرا (اللہ کا) شکر ادا کر اور اپنے والدین کا بھی۔ آخر لوٹنا تو میری ہی طرف ہے، البتہ اگر وہ تجھے مجبور کریں کہ میرے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائے تو ہرگز ان کی بات نہ مان البتہ دنیوی تعلقات میں ان سے حسن سلوک کر اور اس شخص کے راستے پر چل جو میری طرف آرہا ہے۔ آخر کار تم سب میری طرف لوٹو گے اور میں تمہیں تمہارے اعمال کی خبر دوں گا۔“ اے بیٹا! اگر (تیرا عمل) رائی کے دانے کے برابر بھی ہو، خواہ وہ کسی چٹان میں چھپا ہو یا آسمانوں میں ہو یا زمین میں اللہ تعالیٰ اسے سامنے لے آئے گا۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ باریک بین خبردار ہے۔ اے بیٹا! نماز پڑھا کر نیکی کا حکم دے، برائی سے روک اور کوئی تکلیف پہنچے تو صبر کر یقیناً یہ (بہت ضروری اور) ہمت کے کام ہیں۔ اور (ازراہ تکبر) لوگوں کے سامنے اپنے رخسار ٹیڑھے نہ کیا کر اور زمین میں اکڑ کر نہ چل۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کسی اکڑ کر فخریہ چال چلنے والے (خود پسند اور شیخی خورے) کو پسند نہیں فرماتا اور اعتدال کے ساتھ چل اور اپنی آواز پست رکھ کیونکہ گدھے کی آواز انتہائی نازیبا (اور بری) آواز ہوتی ہے۔“ (لقمان: 14/31... 19)

حضرت لقمان حضرت ایوب علیہ السلام کے بھانجے یا خالہ زاد بھائی تھے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ حضرت داود علیہ السلام کے دور نبوت تک زندہ رہے۔ جب حضرت داود علیہ السلام نبی بنے تو انہوں نے فتویٰ دینا بند کر دیا۔ ان سے وجہ پوچھی گئی تو فرمانے لگے ”اب اس کی ضرورت نہیں رہی۔“ آپ کا تعلق نوبیہ (سودان) سے تھا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ حضرت لقمان نبی تھے نہ بادشاہ بلکہ آزاد کردہ حبشی غلام تھے۔

خالد ربعی فرماتے ہیں کہ ان کے آقا نے ایک دفعہ انہیں کہا کہ بکری ذبح کرو اور اس کی دو بہترین بوٹیاں لاؤ۔ وہ زبان اور دل نکال کر لے گئے۔ پھر چند دن بعد آقا نے یہی حکم دیا اور کہا دو بدترین بوٹیاں لے کر آؤ تو وہ پھر بھی زبان اور دل ہی نکال کر لے گئے۔ آقا نے وضاحت طلب کی تو فرمانے لگے: ”یہ دونوں اعضاء اگر پاکیزہ ہوں تو سب سے بہترین ہوتے ہیں اور اگر پلید ہوں تو بدترین ہوتے ہیں۔“

ان کے اقوال حکمت میں سے ایک یہ ہے:

”خاموشی دانائی کی علامت ہے مگر اس پر عمل کرنے والے بہت کم لوگ ہوتے ہیں۔“^①



لقمان حکیم

لقمان یا حکیم لقمان، اہل عرب کے ہاں ایک مشہور شخصیت ہے لیکن اس کے باوجود ان کے حالات اور خاندان و نسب سے متعلق مختلف اقوال پائے جاتے ہیں اور اس اتفاق کے سوا کہ وہ ایک بہت بڑے دانا (حکیم) تھے اور ان کے حکیمانہ اقوال صحیفہ لقمان کے نام سے ان کے درمیان معروف و مشہور تھے ان سے متعلق باقی امور میں متضاد آراء پائی جاتی ہیں اور یہ اس لیے کہ تاریخ قدیم میں لقمان نام کی ایک اور شخصیت کا پتا چلتا ہے جو عاد ثانیہ (قوم ہود علیہ السلام) میں ایک نیک بادشاہ گزرا ہے اور خالص عرب نژاد ہے۔ مشہور مورخ محمد بن اسحق کہتے ہیں کہ لقمان حکیم عرب کے مشہور قبیلہ عاد سے یعنی عرب باندہ کی نسل سے تھے اور غلام نہ تھے بلکہ بادشاہ تھے۔ (کتاب التیجان، ص: 70۔ بحوالہ قصص القرآن)

اس کے برعکس ابن جریر، ابن کثیر، سیہلی جیسے مورخین کی رائے یہ ہے کہ مشہور لقمان حکیم افریقی النسل تھے اور عرب میں ایک غلام کی حیثیت سے آئے تھے چنانچہ یہ حضرات ان کا نسب نامہ اور حلیہ اس طرح بیان کرتے ہیں: لقمان بن عنقا (باثار) بن سندون۔ وہ کہتے ہیں کہ وہ سودان کے نوبی قبیلہ سے تھے اور پستہ قد بھاری بدن اور سیاہ رنگ کے تھے۔ ان کے ہونٹ موٹے اور ہاتھ پیر بھدے تھے مگر نہایت نیک، عابد و زاہد صاحب حکمت اور دانا تھے اللہ تعالیٰ نے انہیں حکمت سے وافر حصہ عطا فرمایا تھا۔ (ابن کثیر: 2193/3۔ ابن جریر: 81/11۔ 82)

نوبیہ: یہ صحرائی علاقہ شمالی سودان میں دریائے نیل کے مشرق میں خرطوم (سودان کا دار الحکومت) اور اسوان (مصر) کے درمیان واقع ہے۔ اس کے مغرب میں صحرائے لیبیا (صحرائے اعظم کا حصہ) اور مشرق میں بحیرہ احمر کے ساحلی پہاڑ ہیں۔ صحرائے نوبیہ کا رقبہ 3 لاکھ 10 ہزار مربع کلومیٹر ہے۔ دریائے نیل اور دریائے اتبارا (عطبرہ) اس کے میدانی حصوں کو سیراب کرتے ہیں جہاں سے کپاس اور کھجور کی وافر پیداوار حاصل ہوتی ہے۔ زیریں نوبیہ مصر میں اسوان اور وادی حلفہ کے مابین پھیلا ہوا ہے جبکہ بالائی نوبیہ سودان میں ہے۔ فرعونی ادوار میں نوبیہ نے ترقی کی۔ مختلف زمانوں میں نوبیہ (نزد جبل برقل) مروی اور نقلہ اس کے دار الحکومت رہے۔ مصر کی وسطی بادشاہت کے زمانے میں 2000 ق م کے فوراً بعد اس پر مصریوں نے قبضہ کر لیا اور تقریباً پندرہویں صدی ق م سے یہاں وائسرائے حکمران رہے۔ بتدریج یہاں مصری تہذیب غالب آ گئی اور سونے کی تجارت پھولی پھولی۔ آٹھویں صدی ق م میں نوبیہ میں آزاد بادشاہت قائم ہوئی اور کچھ عرصے کے لیے مصر پر بھی نوبیہ کا اقتدار قائم ہو گیا۔ سعد العالی اسوان کی جھیل ناصر میں نوبیہ کا خاصہ علاقہ زیر آب آیا ہے۔



اِرْمُ ذَاتِ الْعِمَادِ

بعض لوگ نے بیان کیا ہے کہ اس سے مراد اسکندریہ ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد دمشق ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد ”عدن“ کے قریب ایک شہر ہے یا حضرموت اور صنعاء کے درمیان میں ایک شہر ہے اور یہی قول زیادہ رائج ہے۔ معجم البلدان میں لکھا ہے:

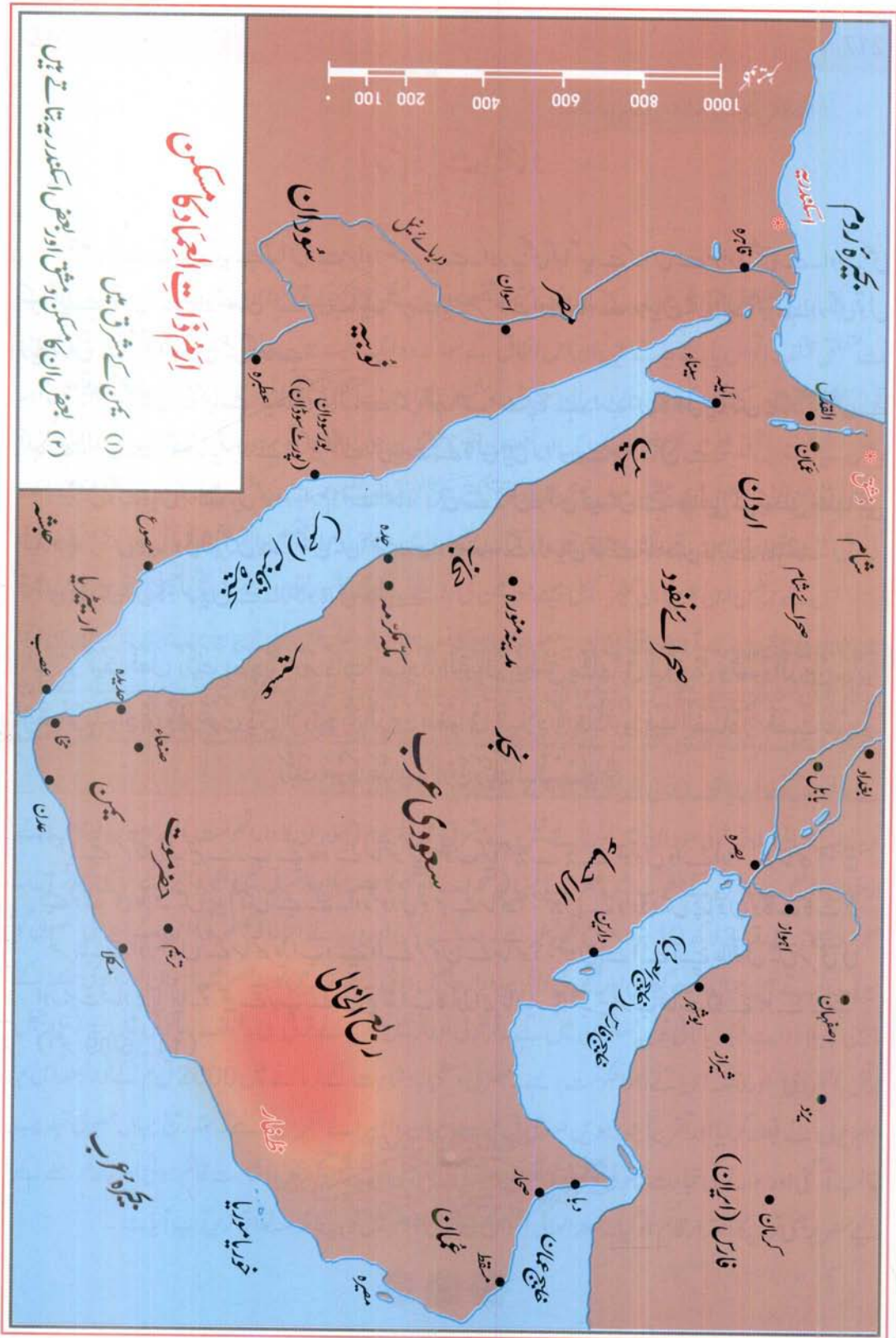
”بعض محققین نے کہا ہے: یہ علاقہ کسی زمانے میں تھا۔ اب مٹ چکا ہے۔ اب اس کا کوئی پتہ نہیں چلتا۔“ بعض نے کہا ہے: ”اس سے اسکندریہ مراد ہے۔ اکثر لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ اس سے مراد دمشق ہے۔“

بعض لوگ بیان کرتے ہیں کہ وہ ”اِرم ذات العِمَاد“ جس کے متعلق قرآن مجید میں ہے: ﴿الَّتِي لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ﴾ ”جس جیسا کوئی شہر نہیں بنا۔“ یمن میں حضرموت اور صنعاء کے درمیان تھا جسے شداد بن عاد نے بنایا تھا۔“ قرآن مجید میں اس کا ذکر یوں ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

الَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ۖ اِرْمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ۖ الَّتِي لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ ۖ وَثَمُودَ الَّذِي جَابُوا الصَّخَرَ بِالْوَادِ ۖ وَفِرْعَوْنَ ذِي الْأَوْتَادِ ۖ الَّذِينَ طَعَوْا فِي الْبِلَادِ ۖ فَكَثُرُوا فِيهَا الْفَسَادَ ۖ فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ ۖ اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْۤاۤرۡصَادِ ۝

”کیا تجھے علم نہیں کہ تیرے رب نے عاد کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ بڑے بڑے ستونوں والے اِرم کے ساتھ؟ جن جیسے لوگ کسی علاقہ میں پیدا نہیں کیے گئے۔ اور ثمود کی قوم کے ساتھ؟ جنہوں نے وادی میں چٹانوں کو کاٹ کاٹ کر گھر بنائے۔ اور فرعون کے ساتھ عذاب دینے والے فرعون کے ساتھ؟ جنہوں نے اپنے اپنے علاقوں میں سرکشی کی اور بہت فساد برپا کیا۔ تو تیرے رب نے ان پر عذاب کا کوڑا برسایا۔ بلاشبہ تیرا رب گھات لگائے ہوئے ہے۔“ (الفجر: 14...6/89)





ارم ذات العما وکامسکن

(۱) یمن کے مشرق میں

(۲) بعض ان کامسکن دمشق اور بعض اسکندریہ بتاتے ہیں

ارم ذات العمداد

یہ ”ارم عاڈ“ کے نام سے بھی معروف ہیں۔ ”ارم“ عادی ماں کا نام بھی ہو سکتا ہے یا یہ قبیلے کا نام ہے۔ ارم اگر ماں ہے تو عادان کا باپ ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ ”ارم“ ایک شہر کا نام ہے، پھر جو اس کو شہر کہتے ہیں، ان میں سے بعض نے کہا ہے کہ یہ زمین کے کسی علاقے میں تھا جس کے نشانات مٹ چکے ہیں۔ بعض کہتے ہیں یہ اسکندریہ کا شہر ہے اور اکثر کی رائے میں یہ دمشق ہے۔ ﴿ارم ذات العمداد الّٰتی لم یخلق مثلها فی البلاد﴾ یعنی قرآن میں جس ارم ذات العمداد کا ذکر ہے وہ یمن میں حضرموت اور صنعاء کے درمیان ابین کے صحرا میں ہے جہاں ارم بن سام بن نوح آباد ہوئے۔ مشہور ہے کہ شداد بن عاد نے اس شہر کو بہت خوبصورت بنایا تھا، جسے شداد کی جنت کا نام دیا گیا ہے۔ بعض نے یہ کہا ہے کہ وہ ”دمشق“ ہے، ان کے قول کے مطابق وہاں چار لاکھ پتھر کے ستون ہیں جہاں جبرون بن سعد بن عاد نے قیام کیا تھا اور اسی کی طرف منسوب ہو گیا۔

مزید تشریح کے لیے دیکھیے باب ”حضرت ہود علیہ السلام“



أَصْحَابُ الرَّسِّ

اصحاب الرس کا ذکر قرآن مجید میں ان دو مقامات پر آیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَعَادًا وَثَمُودًا وَأَصْحَابَ الرَّسِّ وَقُرُونًا بَيْنَ ذَلِكَ كَثِيرًا ﴿٣٨﴾

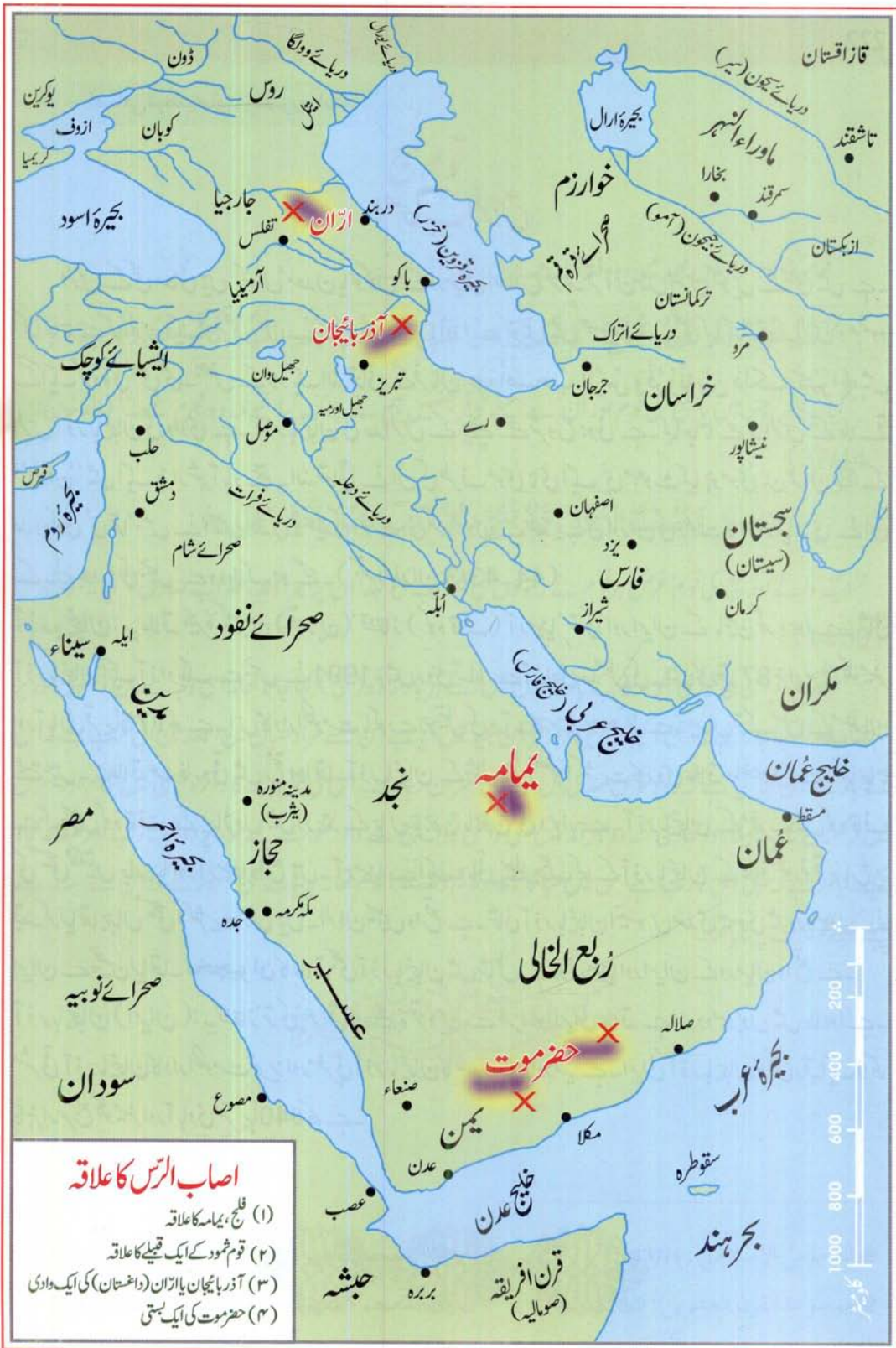
”عاد، ثمود، کنویں والوں اور اس دور کی بہت سی قوموں کو ہم نے تباہ و برباد کر دیا۔“ (الفرقان: 38/25)

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَأَصْحَابُ الرَّسِّ وَثَمُودٌ ﴿١٧﴾

”ان سے پہلے نوح کی قوم، کنویں والے اور ثمودی بھی اپنے انبیاء کو جھٹلا چکے تھے۔“ (ق: 12/50)

عربی زبان میں ”رس“ اس کنویں کو کہتے ہیں جس کی منڈیر پتھروں سے بنائی گئی ہو۔ بعض حضرات کا خیال ہے کہ وہ ایک خاص کنواں تھا جس پر قوم ثمود کا ایک قبیلہ رہتا تھا۔ وہی لوگ ”اصحاب الرس“ کے نام سے مشہور ہوئے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کے اس نام کے ساتھ مشہور ہونے کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے اپنے نبی کو کنویں میں پھینک دیا تھا۔ بعض مفسرین کا خیال ہے کہ ”أَصْحَابُ الرَّسِّ“ اور ”أَصْحَابُ الْأُخْدُودِ“ (کھائی والے) ایک ہی ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ یمامہ کے علاقے میں ایک بستی تھی جسے ”فلج“ کہا جاتا تھا۔ ایک خیال یہ بھی ہے کہ یہ قوم ثمود کے ایک قبیلے کا رہائشی علاقہ تھا۔ ان کے علاوہ بھی مختلف اقوال لکھے گئے ہیں۔





اصحاب الرس

الرس کے کئی معانی ہیں: کنواں، معدن یا لوگوں کے درمیان اصلاح کرنا۔ قرآن میں الرس کنویں کے معنی میں ہے۔ کہا جاتا ہے کہ الرس ایک قوم تھی جس نے اپنے نبی کو جھٹلایا اور اسے کنویں میں گھسیڑ دیا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ الرس قوم شمود کے ایک گروہ کی بستی تھی۔ بعض کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿وَأَصْحَابُ الرَّسِّ وَقرُونًا بَيْنَ ذَلِكَ كَثِيرًا﴾ میں الرس آذر بائیجان کی وادی ہے۔ آذر بائیجان کی حد الرس کے پیچھے سے شروع ہوتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ الرس کے علاقے ”الران“ میں ایک ہزار شہر آباد تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف موسیٰ نامی ایک نبی مبعوث کیا جو موسیٰ بن عمران علیہ السلام کے علاوہ کوئی نبی تھا جس نے انہیں اللہ کی توحید کی دعوت دی مگر انہوں نے تکذیب کی اور ان کی دعوت کا انکار کیا۔ نبی نے ان کے لیے بددعا کی جس سے وہ ہلاک ہو گئے۔ (مجم البلدان: 43/3-44)

آذر بائیجان: یہ علاقہ بحیرہ کیسپین (قزوین)، قفقاز (کوہ قاف) آرمینیا، ترکی اور ایران کے مابین گھرا ہوا ہے۔ شمالی آذر بائیجان ایک آزاد ملک ہے جس نے 1991ء میں روسی تسلط سے آزادی حاصل کی۔ اس کا رقبہ 87 ہزار مربع کلومیٹر اور آبادی قریباً 75 لاکھ ہے۔ اس کا دار الحکومت باکو ہے جو تیل کی برآمد کا بہت بڑا مرکز ہے۔ یہاں ترک نسل کے مسلمان بستے ہیں۔ یہ علاقہ عہد فاروقی میں فتح ہوا تھا۔ آذر بائیجان کے شمال میں مسلم اکثریت کا روسی علاقہ داغستان ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہیں کوہ قاف کے پہاڑوں میں درہند کے پاس یا جوج ماجوج کی دیوار ہے۔ آذر بائیجان کے مغرب میں کوہ قاف کی مسیحی ملکیتیں جارجیا اور آرمینیا واقع ہیں۔ آرمینیا نے ایک دہائی پہلے جنگ کر کے آذر بائیجان کے علاقہ گورنوقرہ باغ پر قبضہ کر لیا تھا جہاں مسیحی اکثریت میں ہیں۔ الران یہیں واقع ہے۔ شمالی آذر بائیجان انیسویں صدی عیسوی میں روسیوں نے ایران سے چھین لیا تھا۔ نخچیوان کا علاقہ بھی آذر بائیجان میں شامل ہے جو آرمینیا اور ایران کے درمیان واقع ہے۔

آذر بائیجان (ایران): یہ قفقاز، ترکی، عراق اور بحیرہ قزوین سے گھرا ہوا ایرانی علاقہ ہے اور دوصوبوں میں بٹا ہوا ہے۔ مشرقی آذر بائیجان کا دار الحکومت تبریز اور مغربی آذر بائیجان کا صدر مقام اورمیه ہے۔ ایرانی آذر بائیجان کا کل رقبہ ایک لاکھ 9 ہزار مربع کلومیٹر اور آبادی تقریباً 40 لاکھ ہے۔



قومِ تبع

قومِ تبع کا ذکر قرآن مجید میں دو دفعہ آیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

أَهُمْ خَيْرٌ أَمْ قَوْمُ تُبَّعٍ ۚ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ أَهْلَكْنَاهُمْ إِنَّهُمْ كَانُوا مُجْرِمِينَ ﴿٣٤﴾

”کیا یہ کافر بہتر ہیں یا تبع کی قوم اور ان سے پہلے کافر جنہیں ہم نے ہلاک کیا کیونکہ وہ مجرم تھے۔“ (الدخان:

(37/44)

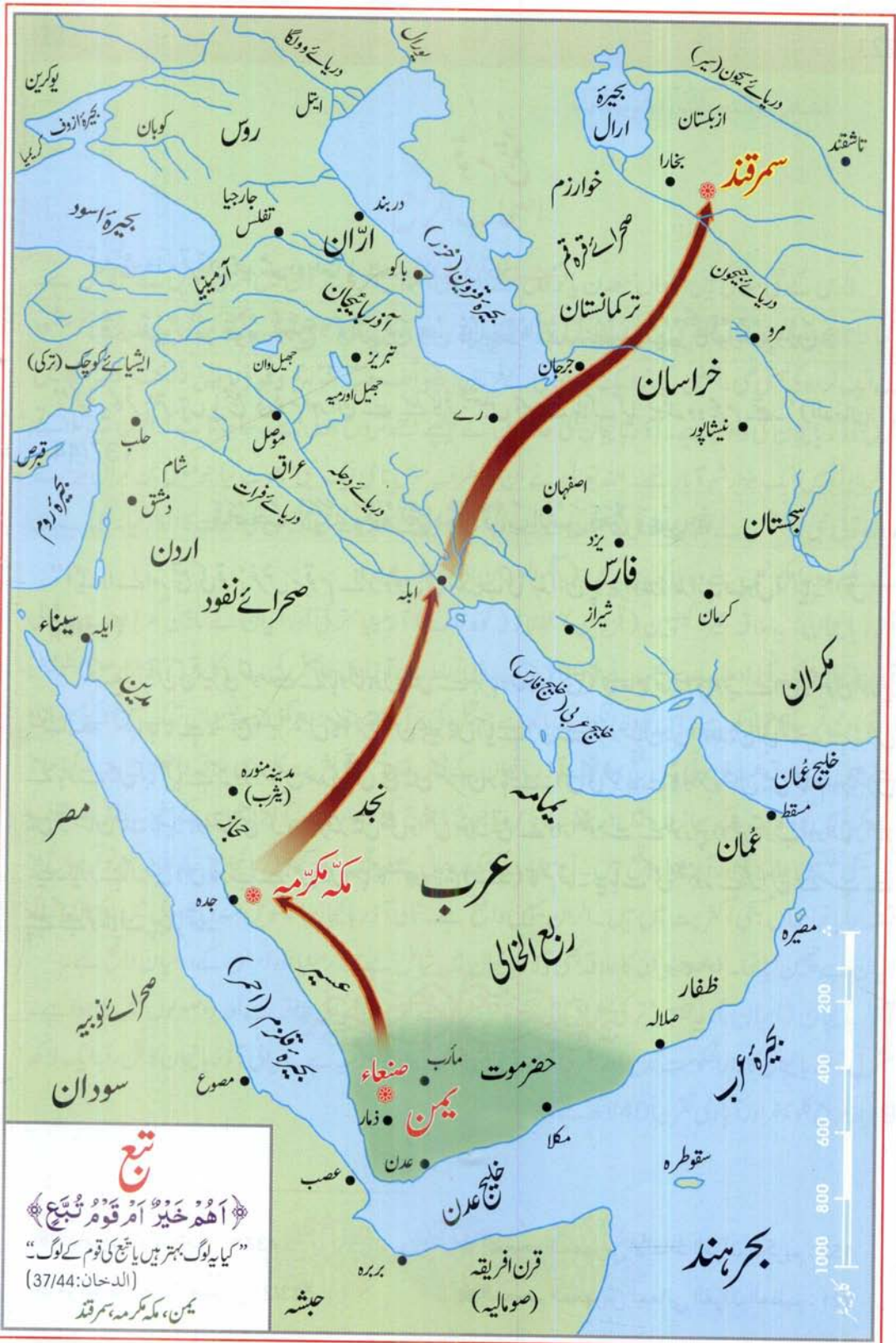
وَاصْحَابُ الْأَيْكَةِ وَقَوْمُ تُبَّعٍ ط كُلٌّ كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ وَعِيدِ ﴿١٣﴾

”ایکہ والے اور تبع کی قوم، غرض ہر قوم نے رسولوں کی تکذیب کی لہذا ان پر میرا وعدہ عذاب صادق آگیا۔“ (ق:

(14/50)

”تبع“ یمن کی حمیری حکومت کے بادشاہوں میں سے ہر بادشاہ کو (تبع) کہا جاتا تھا۔ اسی وجہ سے ان کو مجموعی طور پر ”تَبَاعِہ“ کہا جاتا ہے۔ ”تبع اکبر“ جس کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے اس سے مراد حسان بن اسعد بن ابی کرب ہے۔ اس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ دسویں صدی قبل مسیح میں حکمران رہا ہے۔ اس کی فتوحات کا دائرہ شمال میں شام اور مشرق میں ترکستان تک پھیلا ہوا تھا حتیٰ کہ وہ سمرقند میں بھی داخل ہوا۔ تبع نے دارالحکومت کے طور پر دوشہر مآرب اور ظفار آباد کیے۔ یاد رہے کہ یہی وہی مآرب ہے جس میں سبا کا مشہور ڈیم (سدّ) قائم تھا۔ یہ بات بھی مشہور ہے کہ اس نے سب سے پہلے کعبہ کو غلاف پہنایا تھا۔





تبع

عرب مورخین ”سبا“ اور ”حمیر“ میں کوئی فرق نہیں کرتے اس لیے سلسلہ حمیری سے الگ انہوں نے کسی بادشاہ کا ذکر نہیں کیا، البتہ ”حمیر“ کے انہوں نے دو ٹکڑے کیے ہیں: ملوک حمیر اور تابعہ۔ حمیری ملوک وہ ہیں جو صرف یمن میں حکمران تھے۔ تابعہ وہ ہیں جن کے ماتحت یمن اور حضرموت دونوں تھے۔ ان کی تحقیق کے مطابق سب سے پہلے ”تبع“ حارث الرائش تھے..... حمیر بن سبا اور حارث الرائش کے درمیان کم از کم ایک ہزار برس کا فاصلہ تھا۔

حمیر بن سبا انتہائے عمر کو پہنچ کر مر گیا، تو اس کی نسل اس کے بعد وراثتاً حکومت کرتی رہی یہاں تک کہ صدیاں گزر گئیں اور حکومت حارث الرائش کے ہاتھ میں آئی۔ حارث سے پہلے حکومت یمن سبا اور حضرموت دو ٹکڑوں میں منقسم تھی، تمام اہل یمن ایک بادشاہ پر متفق نہ تھے، لیکن حارث الرائش جب بادشاہ ہوا تو سب اس پر متفق ہو گئے اور اس کے تابع بنے، اس لیے اس کا نام ”تبع“ پڑا (اور یہی سب سے پہلا ”تبع“ ہے)۔ ممکن ہے کہ تبع عربی میں متبوع کے معنی میں ہو، یعنی جس کی لوگ پیروی اور اطاعت کریں۔ حبشی زبان میں تبع کے معنی قادر، جبار اور صاحب قوت کے ہیں۔ یہ حمیر جو سبا کی اولاد اور اولاد میں تھا، جو تقریباً 115 ق م میں دولت حمیر یہ کا بانی ہوا۔ قرآن مجید نے قوم تبع کا دوبار ذکر کیا ہے۔ پہلی آیت میں جبار قوموں میں اس کا نام بھی ہے۔ دوسری آیت میں قریش مکہ کی طرف روئے خطاب ہے کہ ان کو اپنی قوت پر ناز ہے، تبع اور ان سے پہلے کی قومیں کیا ان سے زیادہ توانا اور زور آور نہ تھیں، ان کا انجام کیا ہوا؟ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿كَذَّابَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَأَصْحَابُ الرَّيْسِ وَ شَمُودٌ وَعَادٌ وَ فِرْعَوْنُ وَ إِبْرَاهِيمُ وَ لُوطٌ ۚ وَأَصْحَابُ الْاِيْكَةِ وَ قَوْمُ ثُعَلٍ﴾ (ق: 12/50-14)

”اس سے پہلے نوح کی قوم اہل رس، شمود، عاد، فرعون، برادران لوط، اہل ایکہ اور تبع کی قوم نے جھٹلایا۔“

دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿أَهُمْ خَيْرٌ أَمْ قَوْمُ تُبَّعٍ ۚ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ أَهْلَكْنَاهُمْ ۖ إِنَّهُمْ كَانُوا مُجْرِمِينَ ۝﴾ (الدخان: 37/44) ”یہ قریش بہتر ہیں یا تبع کی قوم اور جو قومیں ان سے پہلے گزریں ہم نے انہیں برباد کیا کہ وہ مجرم تھے۔“ (تاریخ ارض القرآن)

سبا اور حمیر: دیکھیے باب ”سلمان علیہ السلام“



یا جوج و ما جوج

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

حَتَّىٰ إِذَا بَلَغَ بَيْنَ السَّدَّيْنِ وَجَدَ مِنْ دُونِهِمَا قَوْمًا لَا يَكَادُونَ يَفْقَهُونَ قَوْلًا ۖ قَالُوا يَٰ الْقَرْنَيْنِ إِنَّ يَأْجُوجَ وَمَأْجُوجَ مُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلَىٰ أَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ سَدًّا ۚ ﴿٩٤﴾

”حتیٰ کہ جب ذوالقرنین دو سلسلہ ہائے کوہ کے درمیان پہنچا تو وہاں ایسی قوم پائی جو (اپنی زبان کے علاوہ) کوئی اور زبان نہیں سمجھتی تھی۔ انہوں نے درخواست کی: ”اے ذوالقرنین! یا جوج اور ما جوج ہمارے علاقے میں فساد کرتے ہیں۔ اگر آپ منظور فرمائیں تو ہمارے اور ان کے درمیان مضبوط دیوار بنادیں۔ ہم آپ کو کچھ نہ کچھ اخراجات ادا کر دیں گے۔“ (الکہف: 93/18، 94)

اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا:

حَتَّىٰ إِذَا فُتِحَتْ يَأْجُوجُ وَمَأْجُوجُ وَهُمْ مِنْ كُلِّ حَدَبٍ يَنْسِلُونَ ﴿٩٥﴾

”حتیٰ کہ جب یا جوج اور ما جوج کو کھول دیا جائے گا تو وہ ہر ٹیلے سے تیز بھاگتے آئیں گے۔“ (الانبیاء: 96/21)

یا جوج اور ما جوج دو ترک قبیلے تھے۔ قرآن مجید میں ایسے کوئی الفاظ نہیں جن سے ان کی شکل و صورت قداٹھ کے بارے میں کوئی خصوصی رہنمائی ملتی ہو۔ صرف اتنا بیان ہے کہ وہ بہت مفسد اور شرارتی لوگ تھے۔ اگر ان میں کوئی چیز عام انسانوں سے مختلف ہوتی تو قرآن مجید اسے ضرور بیان فرماتا۔

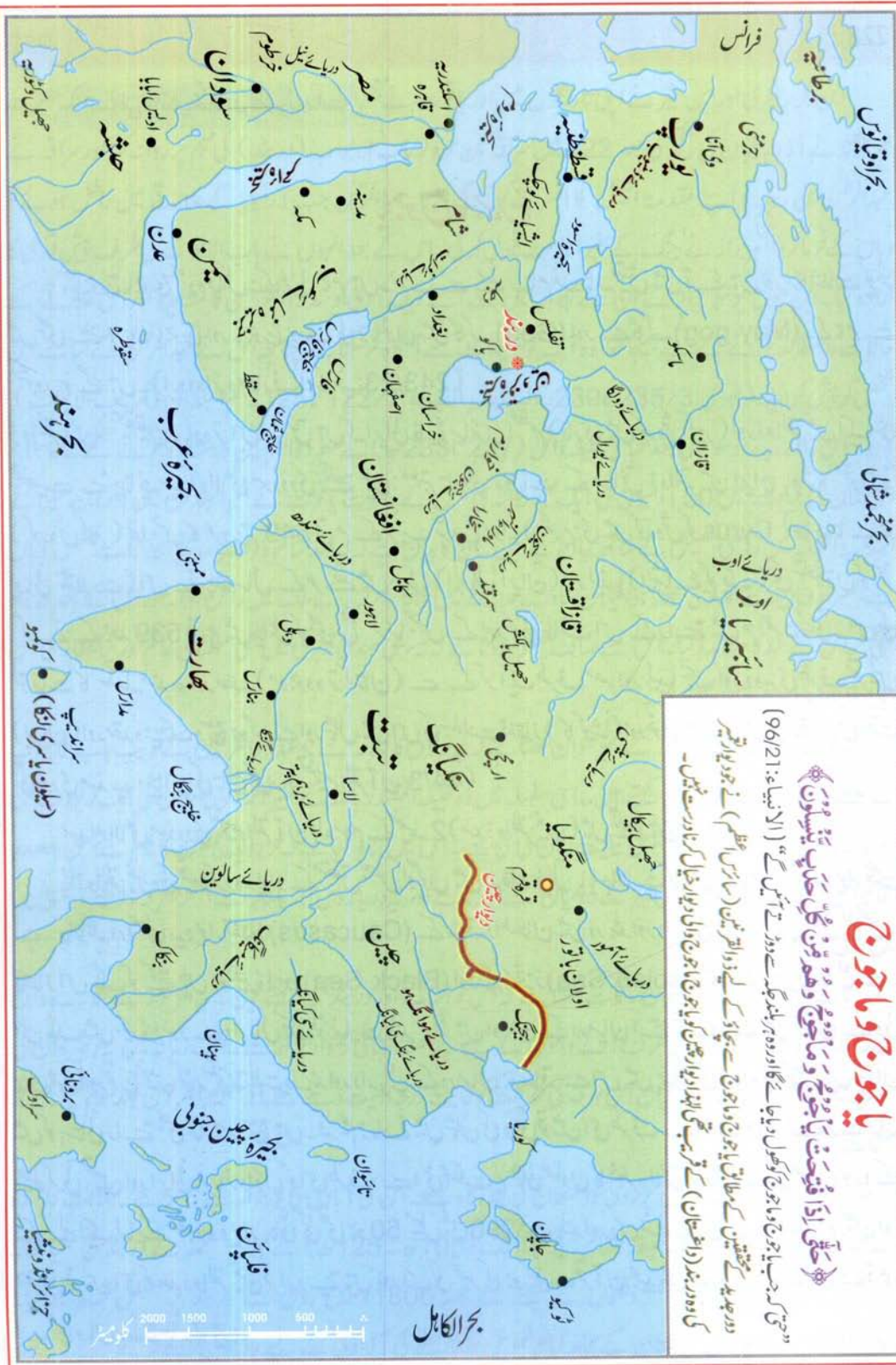
یہ بڑے جنگجو اور قوی لوگ تھے۔ اپنے پڑوسیوں پر لوٹ مار کے لیے حملے کرتے رہتے تھے۔ قرآنی الفاظ: ﴿يَنْسِلُونَ﴾، ﴿يَأْجُوجُ وَمَأْجُوجُ مُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ﴾ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگوں پر حملہ کرتے، ان کے گھر بار تباہ کرتے، ان کی قیمتی چیزیں لوٹ لیتے، کسی کو قتل کرتے اور کسی کو قید کر لیتے۔ اس سے زائد ان کے بارے میں بعید از عقل مشہور باتوں کو ذکر یا تسلیم کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ خصوصاً کتاب اللہ اور صحیح احادیث نبویہ میں ان باتوں کی طرف کوئی اشارہ تک نہیں ملتا۔



یا جوج و ما جوج

﴿حَقِّیْ اِذَا فُتِیْتُ یَا جُوجُ وَ مَا جُوجُ وَ هُوَ قَرْنٌ مِّنْ قُرْنٍ حَکِیْمٌ یُّسْمٰوٰنُ﴾

”جی کہ جب یا جوج و ما جوج کو کھل دیا جائے گا اور وہ ہر بلند جگہ سے دوڑے آئیں گے“ (الانبیاء: 96/2)
دور جدید کے محققین کے مطابق یا جوج و ما جوج سے بچاؤ کے لیے ذوالقرنین (سائرس اعظم) نے خود یوآزقیر
کی اوور دیمند (افغانستان) کے قریب تھی بلند دیوار چین کو یا جوج و ما جوج والی دیوار خیال کرنا درست نہیں۔



یاجوج ماجوج

”یاجوج ماجوج“ دو قبائل کے عربی نام ہیں۔ سب سے پہلے یہ نام عہد نامہ عتیق میں آئے ہیں اور مکاشفات یوحنا میں بھی ملتے ہیں۔ یاجوج اور ماجوج یورپ کی زبانوں میں گاگ (Gog) اور مے گاگ (May gog) کے نام سے مشہور ہو گئے ہیں۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 243/23)

ذوالقرنین: محققین زیادہ تر اس پر متفق ہیں کہ ایرانی فاتح سائرس اعظم (فارسی میں کوروش کبیر) اور ذوالقرنین ایک ہی شخصیت ہے چنانچہ سید ابوالاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں: معتبر تاریخی روایات کے مطابق ذوالقرنین ایرانی بادشاہ ”خوسر“ (کوروش کبیر) تھا جس کا عروج 549 ق م کے قریب شروع ہوا۔ (انگریزی میں کوروش کو Cyrus لکھا جاتا ہے جو یونانی تلفظ ہے) اس نے چند سال کے عرصے میں میڈیا (البحال ایران) اور لیڈیا (ایشیائے کوچک) کی سلطنتوں کو منہر کرنے کے بعد 539 ق م میں بابل کو بھی فتح کر لیا جس کے بعد کوئی طاقت اس کے راستے میں مزاحم نہ رہی۔ اس کی فتوحات کا سلسلہ سندھ اور صغد (موجودہ ترکستان) سے لے کر ایک طرف مصر اور لیبیا تک اور دوسری طرف تھریس (یونان) اور مقدونیہ تک وسیع ہو گیا ہے اور شمال میں اس کی سلطنت قفقاز (کاکیشیا) اور خوارزم تک پھیل گئی۔ عملاً اس وقت کی پوری مہذب دنیا اس کی تابع تھی۔ (تفہیم القرآن: 44/3)

سید ابوالاعلیٰ مودودی تفہیم القرآن جلد سوم کے ضمیمہ 2 (سد ذوالقرنین) میں لکھتے ہیں:

”ذوالقرنین کی تعمیر کردہ دیوار کے متعلق بعض لوگوں میں یہ غلط خیال پایا جاتا ہے کہ اس سے مراد مشہور دیوار چین ہے۔ حالانکہ دراصل یہ دیوار قفقاز (Caucasus) کے علاقہ داغستان میں در بند اور داریال کے درمیان بنائی گئی تھی۔ قفقاز اس ملک کو کہتے ہیں جو بحیرہ اسود (Black Sea) اور بحیرہ خزر (Caspian Sea) کے درمیان واقع ہے۔ اس ملک میں بحیرہ اسود سے داریال تک تو نہایت بلند پہاڑ ہیں اور ان کے درمیان اتنے تنگ درے ہیں کہ ان سے کوئی بڑی حملہ آور فوج نہیں گزر سکتی۔ البتہ در بند اور داریال کے درمیان جو علاقہ ہے اس میں پہاڑ بھی زیادہ بلند نہیں ہیں اور ان میں کوہستانی راستے بھی خاصے وسیع ہیں۔ قدیم زمانے میں شمال کی وحشی قومیں اسی طرف سے جنوب کی طرف غارت گرانہ حملے کرتی تھیں اور ایرانی فرمانرواؤں کو اسی طرف سے اپنی مملکت پر شمالی حملوں کا خطرہ لاحق رہتا تھا۔ انہی حملوں کو روکنے کے لیے ایک نہایت مضبوط دیوار بنائی گئی تھی جو 50 میل لمبی 290 فٹ بلند اور دس فٹ چوڑی تھی۔ مسلمان مورخین اور جغرافیہ نویس اسی کو سد ذوالقرنین قرار دیتے ہیں، اور اس کی تعمیر کی جو کیفیت قرآن مجید میں بیان کی گئی ہے اس کے آثار اب بھی وہاں پائے جاتے ہیں۔

ابن جریر طبری اور ابن کثیر نے اپنی تاریخوں میں اور یاقوت نے معجم البلدان میں اس واقعے کا حوالہ دیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے آذربائیجان کی فتح کی بعد 22ھ میں سراقہ بن عمرو کو باب الابواب (در بند) کی مہم پر روانہ کیا اور سراقہ نے عبدالرحمن بن ربیعہ کو اپنے مقدمہ الحیش کا افسر بنا کر آگے بھیجا۔ عبدالرحمن جب آرمینیا کے علاقے میں داخل ہوئے تو وہاں کے فرمانروا شہر براز نے جنگ کے بغیر اطاعت قبول کر لی۔ اس کے بعد انہوں نے باب الابواب کی طرف پیش قدمی کا ارادہ کیا۔ اس موقع پر شہر براز نے ان سے کہا کہ میں نے اپنے ایک آدمی کو سد ذوالقرنین کا مشاہدہ اور اس علاقے کے حالات کا مطالعہ کرنے کے لیے بھیجا تھا، وہ آپ کو تفصیلات سے آگاہ کر سکتا ہے، چنانچہ اس نے عبدالرحمن کے سامنے اس شخص کو پیش کر دیا۔ (طبری: 3/235 تا 239- البدایہ والنہایہ: 7/122 تا 125- معجم البلدان ذکر باب الابواب)

اس واقعہ کے دو سو برس بعد عباسی خلیفہ واثق (227 تا 233ھ) نے سد ذوالقرنین کا مشاہدہ کرنے کے لیے سلام الترجمان کی قیادت میں 50 آدمیوں کی ایک مہم روانہ کی جس کے حالات یاقوت نے معجم البلدان میں اور ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں خاصی تفصیل کے ساتھ بیان کیے ہیں۔ ان کا بیان ہے کہ یہ وفد سامرہ (سُرْمَنْ رَآی) سے تفلس، وہاں سے السریز، وہاں سے السلان ہوتا ہوا فیلان شاہ کے علاقے میں پہنچا، پھر خزر کے ملک میں داخل ہوا۔ اور اس کے بعد در بند پہنچ کر اس نے سد کا مشاہدہ کیا۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ تیسری صدی ہجری میں بھی مسلمان عام طور پر قفقاز کی اس دیوار بنی کو سد ذوالقرنین سمجھتے تھے۔

یاقوت معجم البلدان میں خزر کے زیر عنوان لکھتا ہے کہ یہ ترکوں کا علاقہ ہے جو سد ذوالقرنین کے قریب باب الابواب کے پیچھے واقع ہے جسے در بند بھی کہتے ہیں۔ اسی سلسلہ میں وہ خلیفہ المقتدر باللہ کے سفیر احمد بن فضلان کی ایک رپورٹ نقل کرتا ہے جس میں مملکت خزر کی تفصیلی کیفیت بیان کی گئی ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ خزر ایک مملکت کا نام ہے جس کا صدر مقام اٹل ہے۔ دریائے اٹل اس شہر کے درمیان سے گزرتا ہے اور یہ دریا روس اور بلغار سے آ کر بحر خزر (بحیرہ کیسپین) میں گرتا ہے۔

باب الابواب کے زیر عنوان یاقوت لکھتا ہے کہ اس کو الباب اور در بند بھی کہتے ہیں۔ یہ بحر خزر کے کنارے واقع ہے۔ بلاد کفر سے بلاد مسلمین کی طرف آنے والوں کے لیے یہ راستہ انتہائی دشوار گزار ہے۔ ایک زمانہ میں یہ نوشیروان کی مملکت میں شامل تھا اور شاہان ایران اس سرحد کی حفاظت کو غایت درجہ اہمیت دیتے تھے۔ (تفہیم القرآن جلد سوم ضمیمہ نمبر 2 صفحات 771)

در بند: یہ بحیرہ کیسپین کے ساحل پر روسی داغستان کی بندرگاہ ہے۔ اس کی آبادی 75 ہزار سے زائد ہے۔ خلافت راشدہ کے عہد میں یہاں اسلام پہنچا۔ خلیفہ ہشام بن عبدالملک (105ھ - 125ھ) کے بھائی مسلمہ نے در بند فتح کیا تھا۔ اٹھارہویں صدی عیسوی میں مختصر وقفوں کے قبضے کے بعد 1806ء میں روس نے در بند پر مستقل تسلط جمالیا۔ 59-1835ء کے دوران داغستان کے مجاہد امام شمویل رحمہ اللہ خطے کی آزادی کے لیے روسیوں سے لڑتے رہے۔ در بند

آذربائیجان کے دارالحکومت باکو سے تقریباً سوا دو سو کلومیٹر دور ہے۔ داغستان ترکی لفظ ہے (داغ بمعنی ”پہاڑ“) اس کا دارالحکومت مخاک قلعہ در بند کے شمال مغرب میں ہے۔ در بند کے مغرب میں کوہ قاف کا پہاڑی سلسلہ ہے جس کے ایک درے میں ذوالقرنین نے یا جوج ماجوج کو روکنے کے لیے سد تعمیر کی تھی۔

بحیرہ قزوین (کیسپین) کے شمال مغرب میں دریائے وولگا سے داغستان اور دوسری طرف دریائے ڈان اور کریمیا تک آباد ترک قبائل خزر کہلاتے تھے۔ اس کی نسبت سے بحیرہ کیسپین کو بحیرہ خزر بھی کہتے ہیں۔ نویں صدی عیسوی میں خزر کے حکمران یہودی مذہب کے پیروکار تھے۔ بقول ابن اثیر رحمۃ اللہ علیہ خزر قوم اوران کے بادشاہ نے 354ھ/965ء میں اسلام قبول کر لیا تھا۔ پندرہویں سولہویں صدی عیسوی میں یہ علاقہ قازان کی اسلامی ریاست میں شامل تھا۔ 1552ء میں زار روس نے پیش قدمی کر کے ریاست قازان کا خاتمہ کر دیا۔



ہاروت و ماروت

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَلَكِنَّ الشَّيْطَانَ كَفَرُوا يَعْلَمُونَ النَّاسَ السَّحَرَةَ وَمَا أُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوتَ وَمَارُوتَ

”سلیمان نے کفر نہیں کیا بلکہ شیاطین نے کفر کیا۔ وہ لوگوں کو جادو سکھاتے تھے اور جو علم بابل شہر میں دو فرشتوں ہاروت و ماروت پر نازل کیا گیا۔“ (البقرة: 102/2)

یہودی سرداروں میں جادو مشہور اور عام تھا۔ اللہ تعالیٰ نے دجلہ اور فرات کے درمیان قائم مملکت بابل میں لوگوں کی آزمائش اور امتحان کے لیے دو فرشتے اتارے۔ وہ لوگوں کو جادو تو سکھاتے تھے لیکن وہ پہلے خیر خواہی کے طور پر صاف بتلا دیتے تھے کہ ہمیں لوگوں کی آزمائش کے لیے بھیجا گیا ہے اور ہم پر جادو بھی اسی لیے اتارا گیا ہے کہ معلوم ہو جائے کون جاننے کے باوجود جادو سیکھ کر کفر کا ارتکاب کرتا ہے؟ لہذا ہم تجھے نصیحت کرتے ہیں کہ جادو نہ سیکھ۔ اگر لازماً سیکھنا ہے تو اسے کسی کو نقصان دینے کے لیے استعمال نہ کرنا اور جادو کی خاطر کفر کا ارتکاب نہ کرنا۔ جو شخص لوگوں کو جادو کے نقصان سے بچانے کے لیے جادو سیکھے گا وہ توبہ پا جائے گا لیکن جو شخص لوگوں کو نقصان پہنچانے کے لیے جادو سیکھے گا وہ گمراہ ہو کر تباہ و برباد ہو جائے گا۔

اس دور میں جادو کی عجیب و غریب شکلیں رائج تھیں اور یہ بہت عام تھا حتیٰ کہ بعض لوگ جادو کے زور پر نبوت تک کا دعویٰ کر دیتے تھے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان فرشتوں کو اتارنا کہ وہ لوگوں کو جادو اور معجزے کا فرق سمجھا سکیں۔ نیز لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ نبوت کا دعویٰ کرنے والے جادو گر جھوٹے ہیں۔ وہ انبیاء نہیں جادو گر ہیں۔



ہاروت و ماروت

بابل میں نازل ہونے والے دو فرشتوں کے بارے میں سید ابوالاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں: ”ہاروت اور ماروت کے متعلق مختلف اقوال ہیں، مگر جو کچھ میں نے سمجھا ہے وہ یہ ہے کہ جس زمانے میں بنی اسرائیل کی پوری قوم بابل میں قیدی اور غلام بنی ہوئی تھی، اللہ تعالیٰ نے دو فرشتوں کو انسانی شکل میں ان کی آزمائش کے لیے بھیجا ہوگا۔ جس طرح قوم لوط کے پاس فرشتے خوبصورت لڑکوں کی شکل میں گئے تھے اسی طرح ان اسرائیلیوں کے پاس وہ پیروں اور فقیروں کی شکل میں گئے ہوں گے۔ وہاں ایک طرف انہوں نے بازار ساحری میں اپنی دکان لگائی ہوگی اور دوسری طرف وہ اتمام حجت کے لیے ہر ایک کو خبردار بھی کر دیتے ہوں گے کہ دیکھو، ہم تمہارے لیے آزمائش کی حیثیت رکھتے ہیں، تم اپنی عاقبت خراب نہ کرو۔ مگر اس کے باوجود لوگ ان کے پیش کردہ عملیات، نقوش اور تعویذات پر ٹوٹے پڑتے ہوں گے۔“ (تفہیم القرآن: 98/1)

بعض مفسرین نے (وَمَا اُنْزِلَ) میں ”ما“ نافیہ مراد لیا ہے اور ہاروت و ماروت پر کسی چیز کے اترنے کی نفی کی ہے، لیکن قرآن کریم کا سیاق اس کی تائید نہیں کرتا۔ اسی لیے ابن جریر وغیرہ نے اس کی تردید کی ہے (ابن کثیر) اسی طرح ہاروت اور ماروت کے بارے میں بھی تفاسیر میں اسرائیلی روایات کی بھرمار ہے۔ لیکن کوئی صحیح مرفوع روایت اس بارے میں ثابت نہیں۔

حافظ صلاح الدین یوسف کے بقول ”قرآن کے الفاظ سے یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بابل میں ہاروت و ماروت فرشتوں پر جادو کا علم نازل فرمایا تھا اور اس کا مقصد (واللہ اعلم بالصواب) یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگوں کو بتائیں کہ انبیاء علیہم السلام کے ہاتھوں پر ظاہر شدہ معجزے جادو سے مختلف چیز ہیں اور جادو یہ ہے جس کا علم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمیں عطا کیا گیا ہے (اس دور میں جادو عام ہونے کی وجہ سے لوگ انبیاء کو بھی نعوذ باللہ جادوگر اور شعبہ باز سمجھنے لگے تھے) اسی مغالطے سے لوگوں کو بچانے کے لیے اور بطور امتحان فرشتوں کو نازل فرمایا گیا۔ (تفسیر احسن البیان، ص: 91)

بابل: دیکھیے باب ”ابراہیم علیہ السلام“



أَصْحَابُ الْقَرْيَةِ (انطاکیہ)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاضْرِبْ لَهُم مَّثَلًا أَصْحَابَ الْقَرْيَةِ ۖ إِذْ جَاءَهَا الْمُرْسَلُونَ ۖ إِذْ أَرْسَلْنَا إِلَيْهِمُ اثْنَيْنِ فَكَذَّبُوهُمَا فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ فَقَالُوا إِنَّا إِلَهُكُم مُّرْسَلُونَ ۖ

”ان کے لیے بستی والوں کی مثال بیان کیجئے جب اس میں ہمارے پیغمبر آئے۔ پہلے ہم نے دو پیغمبر بھیجے لیکن ان (بستی والے) لوگوں نے انہیں جھٹلادیا تو ہم نے ایک تیسرا پیغمبر بھیج کر ان کو قوت دی۔ ان پیغمبروں نے کہا: ”یقیناً ہم تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں۔“ (یس: 13/36، 14)

اس بستی والوں سے مراد انطاکیہ والے ہیں۔ اس پر سب مفسرین کا اتفاق ہے۔ یہ بستی دریا ئے عاصی کے کنارے واقع ہے۔ یہ دریا اس بستی سے تھوڑا سا آگے بحر متوسط میں جا گرتا ہے۔ یہ شہر سلوقس اول نے 307 ق۔م میں بسایا تھا اور اسکندر مكدونی کے بعد اس شہر کو اپنا دار الحکومت بنایا تھا۔ عباسیوں کے دور میں یہ شہر شامی سرحدی صوبہ عوالم کا مرکز تھا۔ یہ بہت صاف ستھرا خوبصورت بہترین آب و ہوا اور میٹھے پانی والا شہر ہے۔

علامہ قرطبی نے لکھا ہے: ”اس بستی سے مراد ”انطاکیہ“ ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے ان کی طرف تین حواری بھیجے تھے جن کے نام صادق، مصدوق اور شمعون تھے۔ بستی والے کہنے لگے:

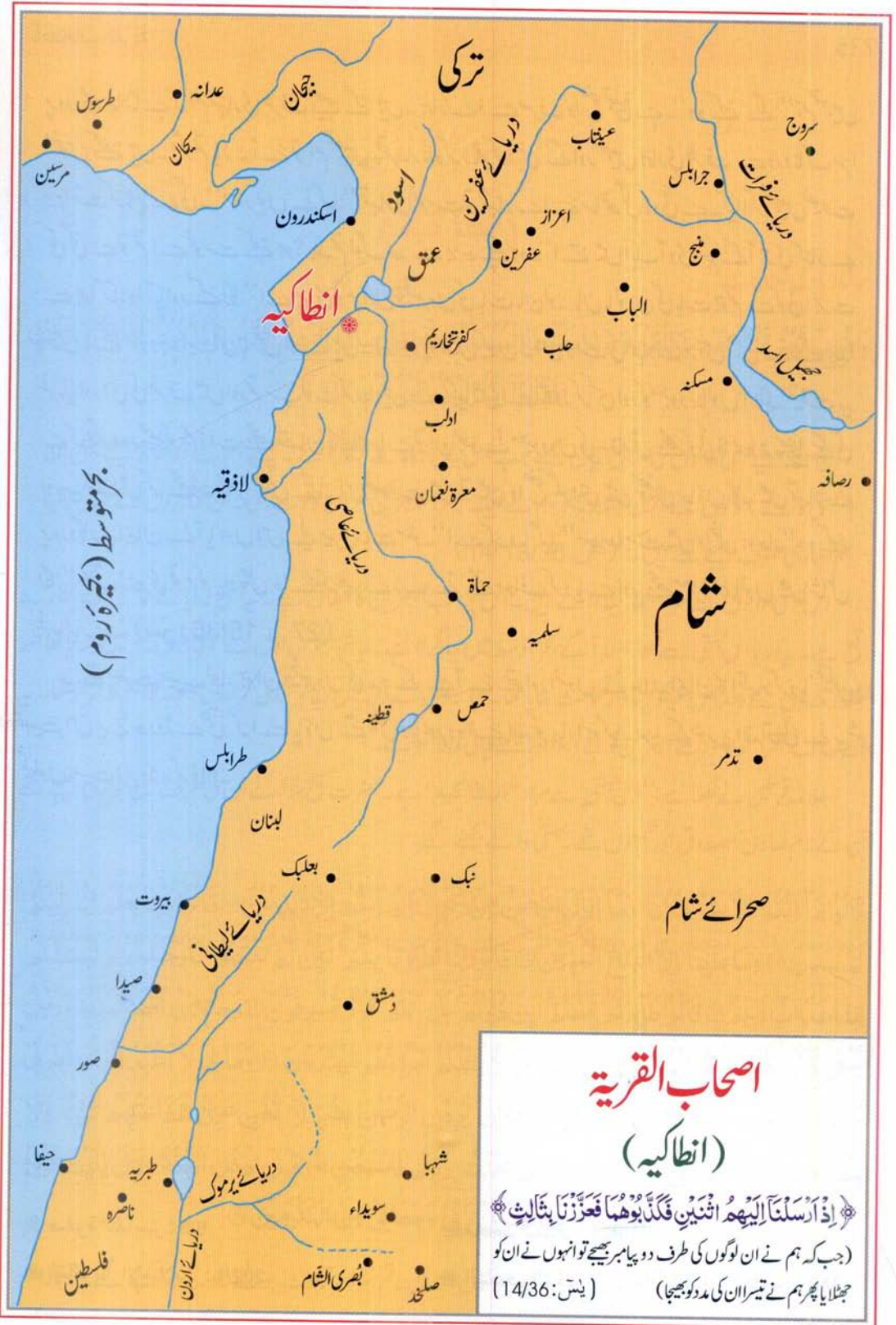
قَالُوا مَا أَنْتُمْ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۖ وَمَا أَنْزَلَ الرَّحْمَنُ مِنْ شَيْءٍ ۚ إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا تَكْذِبُونَ ۖ قَالُوا رَبَّنَا عَلِّمْنَا لَكَ مَا هُمْ بِغَائِبِينَ ۖ قَالُوا إِنَّا نَطَّيَّرُ بِكُمْ لَئِنْ لَمْ تَنْتَهُوا لَنَرْجُمَنَّكُمْ وَلَيَمَسَّنَّكُم مِّنَّا عَذَابٌ أَلِيمٌ ۖ قَالُوا طَائِرُكُمْ مَعَكُمْ ۚ إِنَّكُمْ دُرُودُكُمْ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُونَ ۖ وَجَاءَ مِنْ أَقْصَا الْمَدِينَةِ رَجُلٌ يَسْعَى ۚ قَالَ يَقَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِينَ ۖ اتَّبِعُوا مَن لَّا يَسْأَلُكُمْ أَجْرًا وَهُمْ مُّهْتَدُونَ ۖ وَمَا لِيَ لَا أَعْبُدُ الَّذِي فَطَرَنِي وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ۚ ءَأَتَّخِذُ مِنْ دُونِهِ إِلَهَةً ۚ إِنَّ يُرِيدُنِ الرَّحْمَنُ بِضُرٍّ ۚ لَا تُغْنِي عَنِّي شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا وَلَا يُنْقِذُونِ ۚ إِنَّنِي إِذَا لَفِئَتٌ ضَلَّالٍ مُّبِينٍ ۚ إِنَّنِي آمَنْتُ بِرَبِّكُمْ فَاسْمِعُونِ ۖ قِيلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ ۖ قَالَ لَئِيتَ قَوْمِي يَعْلَمُونَ ۖ بِمَا غَفَرَ لِي رَبِّي وَجَعَلَنِي مِنَ الْمُكْرَمِينَ ۖ

”تم تو ہم جیسے انسان ہی ہو۔ رحمن نے کوئی چیز نہیں اتاری۔ تم سراسر جھوٹ بولتے ہو۔“ وہ کہنے لگے: ”ہمارا

پروردگار جانتا ہے کہ ہم تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں۔ ہمارے ذمے صرف واضح تبلیغ ہے۔“ وہ کہنے لگے: ”ہم تمہیں منحوس سمجھتے ہیں۔ اگر تم باز نہ آئے تو ہم تمہیں پتھر مار مار کر جرم کر دیں گے اور تمہیں ہماری طرف سے دردناک سزا برداشت کرنا پڑے گی۔“ حواریوں نے کہا: ”تمہاری نحوست تو تمہارے اپنے ساتھ لگی ہوئی ہے۔ کیا اگر تمہیں نصیحت کی گئی ہے تو تم اسے نحوست کہتے ہو؟ بلکہ تم لوگ حد سے بڑھ چکے ہو۔“ اتنے میں ایک آدمی شہر کے آخری کنارے سے بھاگتا ہوا آیا اور کہنے لگا: ”اے میری قوم! ان پیغمبروں کی بات مان لو۔ ہاں مانو ان کی بات جو تم سے کوئی اجرت نہیں مانگتے اور وہ ہدایت کی باتیں کرتے ہیں۔ ذرا سوچو! میں کیوں نہ اس ذات کی عبادت کروں جس نے مجھے پیدا فرمایا اور اسی کی طرف میں اور تم سب لوٹ کر جائیں گے۔ کیا میں اسے چھوڑ کر کسی اور کو معبود بنالوں؟ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اگر وہ رحیم کریم ذات مجھے نقصان پہنچانا چاہے تو ان جھوٹے معبودوں کی سفارش مجھے کوئی فائدہ نہ پہنچا سکے گی اور یہ سب مل کر مجھے نہ چھڑا سکیں گے۔ اس صورت میں تو میں واضح گمراہی میں پھنس جاؤں گا۔ میں تمہارے پروردگار پر ایمان لے آیا ہوں اس لیے میری بات سنو۔“ اسے کہہ دیا گیا: ”سیدھا جنت میں داخل ہو جا۔“ وہ کہنے لگا: ”کاش! میری قوم کو پتہ چل جائے کہ میرے رب نے مجھے معاف کر دیا ہے اور مجھے معزز مہمانوں میں شامل فرمایا ہے۔“ (یس: 15/36 ... 27)

یہ تھے حضرت حبیب نجار جو ان پیغمبروں کی مدد کے لیے آئے تھے اور انہوں نے علانیہ ایمان کا اظہار کر دیا، لیکن وہ خبیث اس پر چڑھ دوڑے حتیٰ کہ اسے پاؤں تلے کچل دیا اور وہ اپنے اللہ کو پیارا ہو گیا۔ سزا کے طور پر اللہ تعالیٰ نے یہ شہر مکیوں سمیت زیر و زبر کر ڈالا۔





اصحاب القریۃ یا اصحاب یسّ

قرآن عزیز کی سورہ یسّ میں ایک مختصر واقعہ مذکور ہے جسے ”واقعہ اصحاب یسّ“ یا ”واقعہ اصحاب القریۃ“ کہتے ہیں۔ قرآن کریم میں ہے کہ گزشتہ زمانے میں ایک بستی میں کفر و شرک اور شر و فساد کو دور کرنے اور رشد و ہدایت کا سبق دینے کے لیے اللہ تعالیٰ نے دو پیغمبروں کو مامور کیا۔ بستی والوں نے ان دونوں کو جھٹلایا تو اللہ تعالیٰ نے ایک اور ہادی کا اضافہ کر دیا۔ مگر قوم بدستور کفر و شرک کی راہ پر گامزن رہی۔ اس دوران میں بستی کے ایک مومن شخص نے انہیں اللہ کے پیغمبروں کی پیروی کی تلقین کی۔ قوم غیظ و غضب میں آ گئی اور اس مرد مومن اور تینوں رسولوں کو شہید کر ڈالا۔ تب اللہ کا عذاب نازل ہوا اور ایک ہولناک چیخ نے ان سب کا کام تمام کر دیا۔

یہ واقعہ انطاکیہ شہر میں پیش آیا اس شہر کے لوگ بت پرست تھے ان کی طرف جن پیغمبروں کو بھیجا گیا ان کے نام صادق، صدوق اور شلوم تھے۔ اگرچہ ان کے علاوہ دیگر ناموں کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ اسی طرح بعض نے کہا کہ یہ واقعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے سے پہلے کا ہے اور بعض کا کہنا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے کا واقعہ ہے۔ (ملخص از قصص القرآن جلد سوم)

انطاکیہ: یہ شہر دنیا کے قدیم ترین شہروں میں شامل ہے شمال مغربی شام میں دریائے عاصی کے کنارے واقع ہے۔ سکندر اعظم کے بعد تیسرے حکمران انٹوکس نے اسے آباد کیا اور اپنا دار الحکومت بنایا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ سب سے پہلے اسے انطاکیہ بنت روم بن ملقن بن سام بن نوح علیہ السلام نے آباد کیا تھا (مجمع البلدان یا قوت حموی) پہلی صدی عیسوی میں یہاں مسیحی بطور حکمران رہے۔ 540ء میں ایرانیوں نے برباد کیا اور کچھ عرصہ بعد شدید زلزلے نے آلیا۔ 636ء میں حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے انطاکیہ فتح کیا۔ 1098ء میں اس پر صلیبی قابض ہو گئے۔ 1268ء میں مملوک سلطان رکن الدین بہرس نے عیسائیوں کو انطاکیہ سے مار بھگایا۔ یہاں حبیب التجار کی درگاہ مشہور ہے جس کا ذکر بغیر نام کے قرآن مجید (سورہ یسّ) میں آیا ہے۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد 3) انطاکیہ کی آبادی ایک لاکھ سے زیادہ ہے۔ یہ حلب سے تقریباً 100 کلومیٹر مغرب میں واقع ہے۔



اصحاب کہف

اللہ تعالیٰ کے کلام پاک میں ان کا ذکر یوں آیا ہے:

أَمْ حَسِبْتَ أَنَّ أَصْحَابَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيمِ كَانُوا مِنْ آيَاتِنَا عَجَبًا ۝ إِذْ أَوَى الْفِتْيَةُ إِلَى الْكَهْفِ فَقَالُوا رَبَّنَا آتِنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً وَهَيِّئْ لَنَا مِنْ أَمْرِنَا رَشَدًا ۝ فَضَرْبَنَا عَلَى أَذَانِهِمْ فِي الْكَهْفِ سِنِينَ عَدَدًا ۝ ثُمَّ بَعَثْنَاهُمْ لِنَعْلَمَ أَيُّ الْحِزْبَيْنِ أَحْصَى لِمَا لَبِثُوا أَمَدًا ۝ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَأَهُم بِالْحَقِّ إِنَّهُمْ فِتْيَةٌ آمَنُوا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنَاهُمْ هُدًى ۝ وَرَبَطْنَا عَلَى قُلُوبِهِمْ إِذْ قَامُوا فَقَالُوا رَبُّنَا رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ لَنْ نَدْعُو مِنْ دُونِهِ إِلَهًا لَقَدْ قُلْنَا إِذَا شَطَطًا ۝ هَؤُلَاءِ قَوْمُنَا اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ إِلَهًا لَوْ لَا يَأْتُونَ عَلَيْهِمْ بِسُلْطَانٍ بَيِّنٍ ۖ فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَى عَلَى اللَّهِ كَذِبًا ۝ وَإِذِ اعْتَرَلْتُمُوهُمْ وَمَا يَعْبُدُونَ إِلَّا اللَّهَ فَأَوْا إِلَى الْكَهْفِ يَنْشُرْكُمْ رَبُّكُمْ مِنْ رَحْمَتِهِ وَيَهَيِّئْ لَكُمْ مِنْ أَمْرِكُمْ مَرْفَقًا ۝ وَتَرَى الشُّسُ إِذَا أَطْلَعَتْ تُزَوِّرُ عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِينِ وَإِذَا غَرَبَتْ تَقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ وَهُمْ فِي فَجْوَةٍ مِنْهُ ۖ ذَٰلِكَ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ ۖ مَنْ يَهْدِ اللَّهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۖ وَمَنْ يُضِلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهُ وَلِيًّا مُرْشِدًا ۝ وَتَحْسَبُهُمْ أَيْقَاظًا وَهُمْ رُقُودٌ ۖ وَنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِينِ وَذَاتَ الشِّمَالِ ۖ وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيدِ لَوِ اطَّلَعَتْ عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا وَلَإِ لَئِلْتُ مِنْهُمْ رُعْبًا ۝ وَكَذَٰلِكَ بَعَثْنَاهُمْ لِيَتَسَاءَلُوا بَيْنَهُمْ ۖ قَالَ قَائِلٌ مِنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ قَالُوا لَبِثْنَا يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ قَالُوا رَبُّكُمْ أَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ فَابْعَثُوا أَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هَذِهِ إِلَى الْمَدِينَةِ فَلْيَنْظُرْ أَيُّهَا أَزْكَى طَعَامًا فَلْيَأْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِنْهُ وَلْيَتَلَطَّفْ وَلَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ أَحَدًا ۝ إِنَّهُمْ إِنْ يَظْهَرُوا عَلَيْكُمْ يَرْجُمُوكُمْ أَوْ يُعِيدُوكُمْ فِي مِلَّتِهِمْ وَلَنْ تُفْلِحُوا إِذَا أَبَدًا ۝ وَكَذَٰلِكَ أَعَثَرْنَا عَلَيْهِمْ لِيَعْلَمُوا أَنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ وَأَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيْبَ فِيهَا ۖ إِذْ يَتَنَازَعُونَ بَيْنَهُمْ أَمْرُهُمْ فَقَالُوا ابْنُوا عَلَيْهِمْ بُنْيَانًا ۖ رَبُّهُمْ أَعْلَمُ بِهِمْ ۚ قَالَ الَّذِينَ غَلَبُوا عَلَىٰ أَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَسْجِدًا ۖ سَيَقُولُونَ ثَلَاثَةٌ رَابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ وَيَقُولُونَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ رَجْمًا بِالْغَيْبِ ۖ وَيَقُولُونَ سَبْعَةٌ وَثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ قُلْ رَبِّي أَعْلَمُ بِعَدَّتِهِمْ ۖ مَا يَعْلَمُهُمْ إِلَّا قَلِيلٌ ۚ فَلَا تُمَارَ فِيهِمْ إِلَّا مِرَاءً ظَاهِرًا ۖ وَلَا تَسْتَفْتِ فِيهِمْ مِنْهُمْ أَحَدًا ۝

”کیا آپ سمجھتے ہیں کہ غار اور تختی والے ہماری نشانیوں میں سے عجیب نشانی تھے؟ جب چند نوجوانوں نے غار میں

پناہ حاصل کی اور دعا کی: ”اے ہمارے پروردگار! ہمیں اپنی طرف سے رحمت عطا فرما اور ہمارے لیے ہمارا معاملہ درست فرما۔“ تو ہم نے انہیں اس غار میں تھکی دے کر کئی سال تک کے لیے سلا دیا۔ پھر ہم نے ان کو جگایا تاکہ پتہ چل جائے کہ (اختلاف کرنے والے) دو گروہوں میں سے کس نے ان کی نیند کی مدت کو صحیح یاد رکھا ہے؟ ہم آپ پر ان کا واقعہ صحیح بیان کرتے ہیں۔ وہ چند نوجوان تھے جو اپنے رب پر ایمان لے آئے تو ہم نے ان کی ہدایت میں مزید اضافہ فرمادیا، نیز ہم نے ان کے دل مضبوط کر دیے۔ جب وہ کھڑے ہو کر کہنے لگے: ”ہمارا رب تو وہ ہے جو آسمانوں اور زمین کا رب ہے۔ ہم اسے چھوڑ کر کسی دوسرے کو قطعاً معبود نہیں کہیں گے۔ ورنہ یہ تو بہت ظلم کی بات ہوگی۔ یہ ہماری قوم کے لوگ جنہوں نے اس (اللہ) کے سوا معبود بنا رکھے ہیں اس کی کوئی واضح دلیل پیش کیوں نہیں کرتے؟ اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہو سکتا ہے جس نے اللہ تعالیٰ کے بارے میں ایسا جھوٹ گھڑا ہے؟ اب جبکہ تم ان سے اور ان کے معبودوں سے علیحدہ ہو چکے ہو تو اس غار میں پناہ حاصل کر لو تمہارا پروردگار تم پر اپنی رحمت نچھاور کرے گا اور تمہارے معاملے میں آسانی پیدا فرمائے گا۔“ آپ دیکھیں گے کہ جب سورج طلوع ہوتا تھا تو وہ ان کے غار سے دائیں طرف کو ہٹ کر گزر جاتا تھا اور جب غروب ہوتا تھا تو ان کو بائیں جانب چھوڑ کر گزرتا تھا۔ اور وہ غار میں کھلی ہوا درجہ میں پڑے تھے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی عظیم نشانی تھی لیکن ہدایت تو اسے ہی نصیب ہوتی ہے جسے اللہ تعالیٰ ہدایت عطا فرمائیں اور جسے اللہ تعالیٰ گمراہ کر دیں تو اس کے لیے کوئی ہدایت دینے والا دوست نہ ملے گا۔ تو انہیں دیکھے تو سمجھے گا کہ وہ جاگ رہے ہیں حالانکہ وہ سوئے ہوئے ہیں۔ ہم ان کی دائیں بائیں کروٹیں بدلتے رہے ہیں اور ان کا کتا اس غار کے دہانے پر بازو بچھائے ہوئے تھا۔ اگر تو ان کو دیکھتا تو ڈرتے ہوئے بھاگ اٹھتا اور سرتاپا مرعوب ہو جاتا۔ پھر اسی طرح ہم نے ان کو جگادیا تاکہ وہ ایک دوسرے سے پوچھیں۔ ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا: ”تم کتنی دیر سوئے رہے؟“ وہ کہنے لگے: ”ایک آدھ دن سوئے ہو گئے۔“ تمہارا پروردگار ہی خوب جانتا ہے تم کتنی دیر یہاں رہے؟ تم کسی کو رقم دے کر شہر کی طرف بھیجو وہ تلاش کر لے کہ حلال اور صاف ستھرا کھانا کہاں سے ملتا ہے؟ وہاں سے وہ تمہارے لیے کھانا لائے۔ اسے چاہیے کہ وہ نرمی (اور سمجھ داری) سے کام لے اور کسی کو تمہارے بارے میں کچھ نہ بتائے کیونکہ اگر انہیں تمہارا پتہ چل گیا تو تمہیں پتھر مار کر ہلاک کر دیں گے یا تمہیں پھر اپنے دین میں لوٹنے پر مجبور کریں گے۔ اگر ایسا ہوا تو تم ہرگز کامیاب نہ ہو گے۔“ اسی طرح ہم نے لوگوں کو ان (جوانوں) پر مطلع کر دیا تاکہ انہیں پتہ چل جائے کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے اور قیامت میں کوئی شک و شبہ نہیں۔ پھر لوگ آپس میں جھگڑنے لگے اور کہنے لگے: ”ان پر کوئی عمارت بنا دو۔“ ان کا رب ان کو بخوبی جانتا تھا۔ پھر جو لوگ غالب آئے انہوں نے فیصلہ کیا کہ ہم ان پر ایک مسجد بنائیں گے۔ کچھ لوگ کہتے ہیں: ”وہ (جوان) تین تھے چوتھا ان کا کتا تھا۔“ اور کچھ لوگ کہتے ہیں: ”وہ پانچ تھے چھٹا ان کا کتا تھا۔“ بے تکی ہاں کہتے ہیں۔ اور کچھ لوگ کہتے ہیں: ”وہ سات تھے آٹھواں ان کا کتا تھا۔“ کہہ دیجیے میرا رب ان کی گنتی اور تعداد کو بخوبی جانتا ہے۔ تھوڑے ہی لوگ ان کی صحیح

تعداد کو جانتے ہیں۔ لہذا آپ ان سے اس بارے میں جھگڑا مت کریں اور ان کے بارے میں ان سے کچھ نہ پوچھیے۔“ (الکہف: 18/9...22)

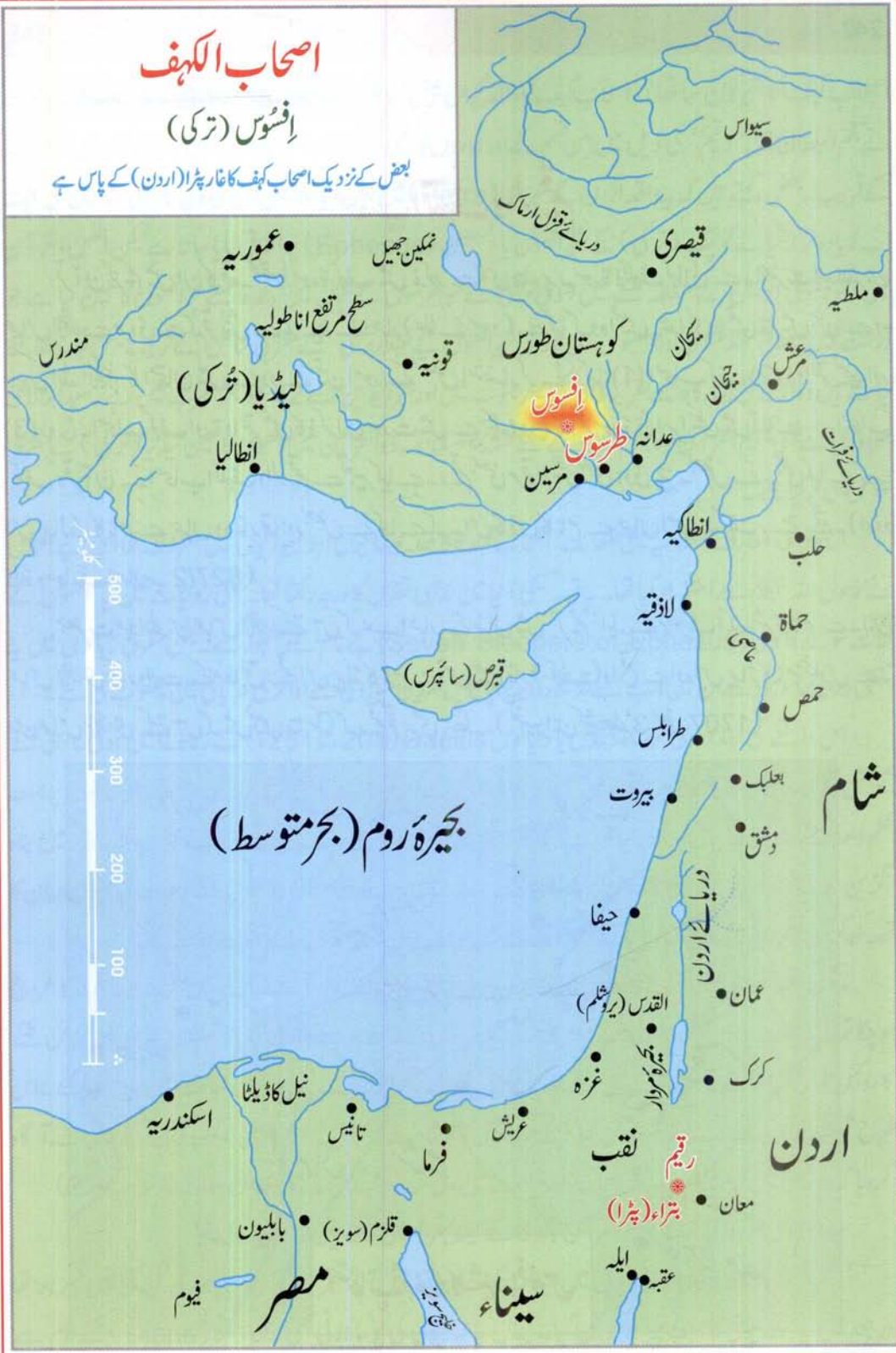
”کہف“ سے مراد پہاڑ کے اندر وسیع غار ہے۔ اور ”رقیم“ سے مراد تختی ہے جس میں مشہور قول کے مطابق اصحاب کہف کے نام لکھے گئے تھے۔ اس وقت ایک بت پرست بادشاہ دقیانوس روم کا حکمران تھا۔ اصحاب کہف کا شہر طرسوس ان دنوں حکومت روم کے ماتحت تھا۔ وہ بادشاہ ہر مومن کو قتل کر دیتا تھا۔ ان نوجوانوں نے جب یہ صورت حال دیکھی تو بہت فکر مند ہوئے اور بھاگ کر ایک چرواہے اور اس کے کتے سمیت طرسوس کے قریب ایک غار میں پناہ حاصل کر لی۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر نیند مسلط کر دی حتیٰ کہ وہ تین سو شش سال تک سوئے رہے جبکہ ان کو اس بات کا احساس و شعور تک نہ تھا۔ اس مدت کو اگر قمری سالوں میں تبدیل کیا جائے تو تین سو نو سال بن جاتے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو جگا دیا۔ انہوں نے سمجھا کہ وہ ایک آدھ دن سوئے ہوئے ہو گئے۔ انہوں نے جب اپنے میں سے ایک کو کھانا لینے کے لیے بھیجا تو اس نے سمجھا میں راستہ بھول گیا ہوں۔ لوگوں نے اس کے دیے ہوئے سکوں پر تعجب کیا۔ حتیٰ کہ صورت حال واضح ہو گئی۔ اب سابقہ حالات بدل ہو چکے تھے۔ دقیانوس کا بت پرستی کا دور ختم ہو چکا تھا۔ دین حق کا دور دورہ تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اصحاب کہف کو دوبارہ اسی غار میں موت دے دی۔ لوگوں نے فیصلہ کیا کہ ہم ان پر بطور یادگار ایک مسجد بنائیں گے۔



اصحاب الکہف

اِفْسُوس (ترکی)

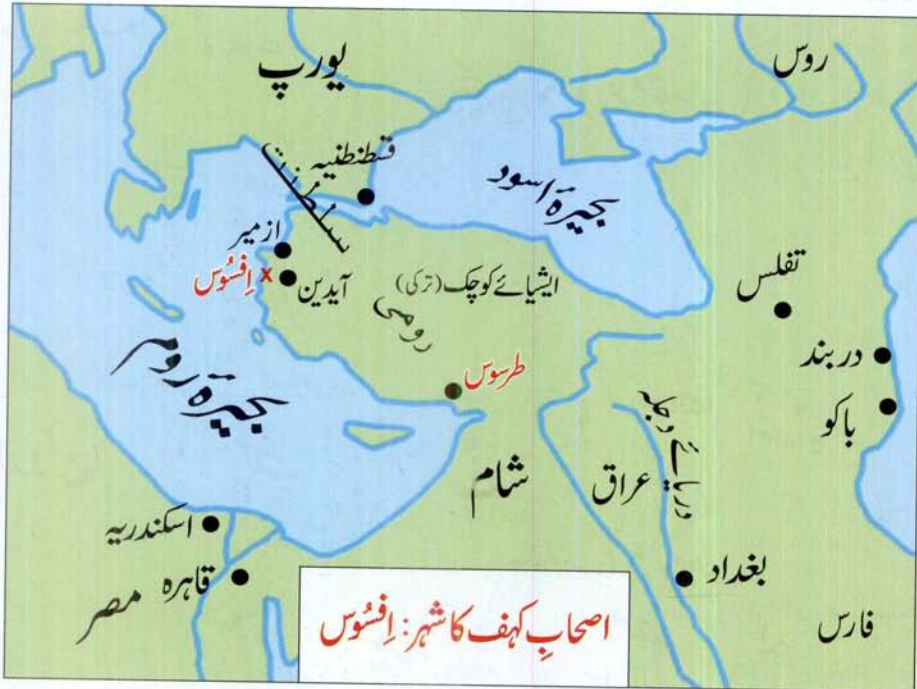
بعض کے نزدیک اصحاب کُہف کا غار پٹرا (اردن) کے پاس ہے



اصحاب الکہف والرقیم

قرآن کریم میں ان کا قصہ مختصر سورہ کہف میں مذکور ہے اسی بناء پر یہ سورہ الکہف کہلاتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ قریش نے مدینے کے احبار (علمائے یہود) سے کہا کہ وہ انہیں چند ایسی باتیں بتائیں جن سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا امتحان لیں۔ یہود نے تین امور کے متعلق استفسار کرنے کو کہا: (1) اصحاب کہف (2) ذوالقرنین اور (3) روح۔ اصحاب کہف اور ذوالقرنین کا ذکر اسی سورت میں ہے جبکہ روح کا ذکر سورہ بنی اسرائیل میں آیا ہے..... اصحاب کہف کو قرآن نے اصحاب الکہف والرقیم سے تعبیر کیا ہے۔ رقیم بمعنی مرقوم یعنی لکھی ہوئی چیز۔ بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ اس پہاڑی کا نام ہے جہاں وہ غارتھا اور بعض نے کہا ہے کہ یہ اس گاؤں کا نام ہے جہاں اصحاب کہف رہتے تھے۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 827/2)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ کعب احبار کے خیال میں ”رقیم“ ایلہ کے نزدیک ایک شہر کا نام ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما ہی کی روایت کے مطابق رقیم اس پہاڑ کا نام ہے جس میں غار (کہف) واقع ہے اور اس پہاڑ کا نام بخلوس ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما ہی کہتے ہیں کہ میں نہیں بتا سکتا کہ رقیم تحریر تھی یا جگہ۔ (تفسیر ابن کثیر جلد 3 صفحہ: 1707)



اصحاب کہف کا شہر کون سا تھا؟ : اصحاب کہف کا واقعہ کہاں پیش آیا تھا، اس سلسلے میں مفسرین میں اختلاف ہے۔ یا قوت نے معجم البلدان میں ”رقیم“ کی ذیل میں اس قسم کے اور غاروں کا بھی ذکر کیا ہے مثلاً نواح دمشق میں، اندلس میں، قسطنطنیہ کے قریب۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ واقعہ اردن کے شہر پترا (Petra) میں پیش آیا تھا لیکن اس کی کوئی تاریخی سند نہیں ملتی، البتہ اب زیادہ تر ایشیائے کوچک (ترکی) کے شہر افسوس یا افسس (Ephesus) پر اتفاق پایا جاتا ہے لیکن اطلس القرآن میں دکتور شوقی ابوخلیل نے متعلقہ نقشے میں جنوبی ترکی کے شہر طرسوس کے شمال میں کچھ فاصلے پر افسوس کا تعین کیا ہے جو درست نہیں۔ تمام مستند نقشوں اور اطلسوں میں تاریخی شہر افسوس کے کھنڈر ترکی کے مغربی ساحل کے قریب جس جگہ دکھائے جاتے ہیں وہ از میر کی بندرگاہ سے تقریباً 60 کلومیٹر جنوب میں اور شہر آیدین سے 42 کلومیٹر مغرب میں ہے۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی نے بھی تفہیم القرآن جلد سوم میں دیے گئے نقشہ بسلسلہ قصہ ذوالقرنین میں افسوس کا تعین لیڈیا (ترکی) کے مغربی ساحل ہی پر کیا ہے۔

اردو دائرہ معارف اسلامیہ میں لکھا ہے: اصحاب کہف کا قصہ عیسائیوں اور یہودیوں میں معروف تھا اسی لیے انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے استفسار کیا تھا۔ یہ قصہ مسیحی دنیا میں مذہبی تقدس کا درجہ رکھتا تھا۔ مسیحی روایات میں یہ ”افسوس کے سات سونے والوں“ (Seven Sleepers of Ephesus) کے نام سے مشہور ہے۔ جن مشرقی زبانوں میں یہ مسیحی روایت موجود ہے ان میں سب سے قدیم روایت پانچویں صدی میلادی کے اواخر کی سریانی میں یعقوب کی ہے۔ اس واقعے کی ابتدا رومی شہنشاہ دیوس یا دقیانوس (201ء تا 251ء) کے زمانے میں ہوئی۔ اس نے کوشش کی کہ رومیوں میں جو بت پرستی رائج تھی اس کا احیاء کرے اور عیسائیت کا قلع قمع کرے۔ اس نے عیسائیوں پر بہت ظلم ڈھائے، انہیں بت پرستی پر مجبور کیا اور بے شمار کوہ تیغ کیا۔ مقام افسوس کے یہ سات یا آٹھ نوجوان ایک غار میں پناہ گزین ہوئے۔ دیوس نے اس غار کا دہانہ پتھروں سے پاٹ دیا۔ ان کے دو عیسائی دوستوں نے دھات کی تختیوں پر ان کا قصہ لکھ کر ان پتھروں کے نیچے دبا دیا تاکہ آئندہ زمانے میں لوگوں کو ان کے احوال سے واقفیت ہو جائے۔

مدتوں بعد شہنشاہ تھیودوسیوس (Theodosius) ثانی (408ء تا 450ء) کے زمانے میں جب عیسائیت کا عروج ہو چکا تھا، ایک فتنہ برپا ہوا۔ ایک پادری نے قیامت کے روز مردوں کے زندہ ہونے کا انکار کر دیا۔ شہنشاہ پریشان ہوا کہ اس فتنے کا رد کس طرح کیا جائے۔ اتفاق سے کسی نے غار کے دہانے سے پتھر اٹھا لیے۔ یہ نوجوان صحیح حالت میں بیدار ہو گئے۔ اس طرح شہنشاہ کو اس فتنے کے رد کا ثبوت مل گیا، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”ہم نے اس طرح لوگوں کو ان کے حال سے آگاہ کر دیا کہ وہ جان لیں کہ اللہ کا وعدہ بالکل سچا ہے اور قیامت میں کوئی شک و شبہ نہیں۔“ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد 2) سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمہ اللہ تفہیم القرآن جلد 3 کے ضمیمہ نمبر 1 میں لکھتے ہیں:

”شہر افسوس (Ephesus) جس میں اصحاب کہف کا واقعہ پیش آیا، تقریباً گیارہویں صدی قبل مسیح میں تعمیر ہوا تھا اور بعد میں یہ بت پرستی کا بہت بڑا مرکز بن گیا۔ یہاں چاند دیوی کی پوجا ہوتی تھی جسے ڈائنا (Diana) کے نام سے

موسوم کیا جاتا تھا۔ اس کا عظیم الشان مندر عہد قدیم کے عجائبات عالم میں شمار کیا جاتا ہے۔ ایشیائے کوچک کے لوگ اس کی پرستش کرتے تھے۔ اور رومی سلطنت نے بھی اس کو اپنے معبودوں میں شامل کر لیا تھا۔

سید ابوالاعلیٰ مودودی سورۃ کہف کے حاشیہ نمبر 9 میں لکھتے ہیں:

”ہمارے مفسرین جس شہر کو افسس یا افسوس لکھتے ہیں اور گبن اس کا نام افسس (Ephesus) بتاتا ہے جو ایشیائے کوچک کے مغربی ساحل پر رومیوں کا سب سے بڑا شہر اور مشہور بندرگاہ تھا، جس کے کھنڈر آج موجودہ ترکی کے شہر از میر (سمرنا) سے 20-25 میل بجانب جنوب پائے جاتے ہیں۔ پھر جس بادشاہ کے عہد میں اصحاب کہف جاگے اس کا نام ہمارے مفسرین تیزو سیس لکھتے ہیں اور گبن لکھتا ہے کہ ان کے بعث کا واقعہ قیصر تھیوڈوسی (Theodosius) ثانی کے زمانے میں پیش آیا جو رومی سلطنت کے عیسائیت قبول کر لینے کے بعد سن 408ء سے 450ء تک روم کا قیصر رہا۔ دونوں بیانات کی مماثلت کی حد یہ ہے کہ اصحاب کہف نے بیدار ہونے کے بعد اپنے جس رفیق کو کھانا لانے کے لیے شہر بھیجا تھا اس کا نام ہمارے مفسرین ”یملیخا“ بتاتے ہیں اور گبن اسے ”یملیخس“ (Jamblichus) لکھتا ہے۔ قصے کی تفصیلات دونوں روایتوں میں یکساں ہیں اور ان کا خلاصہ یہ ہے کہ قیصر ڈیسنس کے زمانے میں جب مسیح علیہ السلام کے پیروؤں پر سخت ظلم و ستم ہو رہے تھے، یہ سات نوجوان ایک غار میں جا بیٹھے تھے۔ پھر قیصر تھیوڈوسی کی سلطنت کے اڑتیسویں سال (یعنی تقریباً 445ء یا 446ء میں یہ لوگ بیدار ہوئے جبکہ پوری سلطنت مسیح علیہ السلام کی پیروی بن چکی تھی۔ اس حساب سے غار میں ان کے رہنے کی مدت تقریباً 197 سال بنتی ہے۔“

”بعض مستشرقین نے اس قصے کو قصہ اصحاب کہف کا مترادف ماننے سے اس بنا پر انکار کیا ہے کہ آگے قرآن ان کے قیام غار کی مدت 309 سال بیان کر رہا ہے۔ اس اعتراض کا جواب سورۃ کہف کی آیت 26 کی تفسیر میں علمائے کرام نے یوں دیا ہے۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں: ”اس فقرے کا تعلق ہمارے نزدیک جملہ معترضہ سے پہلے کے فقرے کے ساتھ ہے۔ یعنی سلسلہ عبارت یوں ہے کہ ”کچھ لوگ کہیں گے کہ وہ تین تھے اور چوتھا ان کا کتا تھا..... اور کچھ لوگ کہتے ہیں کہ وہ اپنے غار میں تین سو سال رہے اور بعض لوگ اس مدت کے شمار میں نو سال اور بڑھ گئے ہیں“ اس عبارت میں تین سو اور تین سو نو سال کی تعداد جو بیان کی گئی ہے ہمارے خیال میں یہ دراصل لوگوں کے قول کی حکایت ہے نہ کہ اللہ تعالیٰ کا اپنا قول۔ اور اس پر دلیل یہ ہے کہ بعد کے فقرے میں اللہ تعالیٰ خود فرما رہے ہیں کہ تم کہو اللہ بہتر جانتا ہے کہ وہ کتنی مدت رہے۔ اگر 309 کی تعداد اللہ نے خود بیان فرمائی ہوتی تو اس کے بعد یہ فقرہ ارشاد فرمانے کے کوئی معنی نہ تھے۔ اسی دلیل کی بنا پر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی یہی تاویل اختیار فرمائی ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا قول نہیں ہے بلکہ لوگوں کے قول کی حکایت ہے۔ (تفہیم القرآن جلد سوم حاشیہ نمبر 25)

افسوس: یہ ایشیائے کوچک (ترکی) کے مغربی ساحل پر قدیم یونانی شہر ہے۔ یہاں ڈائنا دیوی کا مندر دنیا کے سات (قدیم) عجوبوں میں شمار ہوتا ہے۔ یہ شہر ابتدائی مسیحیت کا بھی مرکز رہا۔ سینٹ پال (پولوس) نے یہاں تبلیغ کی اور سینٹ

جان (یوحنا) بھی یہاں مقیم رہے۔ اس زمانے میں افسوس ساحل سمندر پر واقع تھا لیکن کثیر مقدار میں گاج جمع ہوتے رہنے سے اس کے کھنڈران دنوں ساحل سے 5 کلومیٹر ہٹ کر پائے جاتے ہیں۔ (آکسفورڈ انگلش ریفرنس ڈکشنری) یہ شہر بحیرہ اٹیکن کے ساحل پر واقع ہے۔ سلجوقی ترکوں کے دور میں یہ تباہ ہو گیا۔ یہاں آرٹیمس دیوی (اپالو کی بہن جسے رومی ڈائنا کہتے تھے) کا مندر تھا۔ یہیں 431ء میں کلیسائی کونسل منعقد ہوئی جس نے مسیح کے ایک خدا (نعوذ باللہ) ہونے کا اعلان کر دیا۔ (المجد فی الاعلام)

ازمیر: ترکی کا یہ شہر بحیرہ اٹیکن کے ساحل پر واقع ہے۔ ماضی میں اسے سمرنا کہتے تھے۔ اس کی آبادی 15 لاکھ سے زائد ہے۔ یہ صوبائی دارالحکومت اور اہم بندرگاہ ہے۔ یہاں کئی تاریخی زلزلے آئے۔
طرسوس: جنوبی ترکی میں دریائے طرسوس کے کنارے واقع ہے۔ آبادی پونے دو لاکھ ہے۔ موجودہ مسیحیت کا بانی سینٹ پال یہیں پیدا ہوا تھا۔ خلیفہ مامون الرشید عباسی نے اسے فتح کیا اور یہیں وفات پا کر دفن ہوا۔ (المجد فی الاعلام)



صابی

قرآن مجید میں صابین کا ذکر مندرجہ ذیل تین مقامات پر آیا ہے:

سورت	سورت نمبر	آیات نمبر	سورت	سورت نمبر	آیات نمبر
البقرة	2	62	الحج	22	17
المائدة	5	69			

متعلقہ آیات

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالنَّصَارَى وَالصَّبِيَّانَ مِنْ أَمَنِ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٦٢﴾

”بلاشبہ مسلمانوں، یہودیوں، عیسائیوں اور صابیوں میں سے جو شخص بھی اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر صحیح ایمان رکھے گا اور نیک کام کرے گا ایسے لوگوں کے لیے ان کا اجر و ثواب ان کے پروردگار کے ہاں محفوظ ہوگا۔ ان پر کوئی خوف ہوگا نہ وہ غم کھائیں گے۔“ (البقرة: 62/2)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالصَّبِيَّانَ وَالنَّصَارَى وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٦٩﴾

”یقیناً اہل اسلام، یہود، صابیوں اور نصرانیوں میں سے جو شخص بھی اللہ تعالیٰ اور یوم قیامت پر صحیح ایمان رکھے گا اور نیک کام کرے گا ایسے لوگوں پر کوئی خوف ہوگا نہ وہ غم کھائیں گے۔“ (المائدة: 69/5)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالصَّبِيَّانَ وَالنَّصَارَى وَالْمَجُوسَ وَالَّذِينَ أَشْرَكُوا ۖ إِنَّ اللَّهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۖ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ﴿١٤﴾

”مسلمانوں، یہود و نصاریٰ صابیوں، مجوسیوں اور مشرکین کے بارے میں اللہ تعالیٰ قیامت کے دن قطعی فیصلہ فرمائے گا۔ بلاشبہ اللہ ہر چیز پر بخوبی گواہ ہے۔“ (الحج: 17/22)

جس صائبہ فرقتے کا ذکر قرآن مجید میں کیا گیا ہے وہ موحدین تھے۔ ان کا دور یہود و نصاریٰ سے پہلے کا ہے۔ وہ ایک اللہ کی عبادت کرتے تھے۔ ان کا اعتقاد تھا کہ اللہ تعالیٰ اس جہان کا خالق و مالک ہے۔ وہ جسمانی معاد کے بھی قائل تھے۔ پھر بعد میں ان کا عقیدہ ستاروں کے ساتھ مرطبت (وابستہ) ہو گیا جس کی وجہ سے ان پر بت پرستی کا الزام لگا۔ صابی ایک دینی گروہ رہا ہے اور ابھی تک شمالی عراق میں موجود ہے۔ ان کا مرکز حران تھا۔ عباسی دور سے یہ بغداد منتقل ہو گیا۔ بعض اور علاقوں میں بھی ان کا وجود رہا۔ بعض مسلمان بھی ہو گئے۔ ان کو علم طبیعیات سے بہت شغف تھا۔ انہوں نے بہت سی یونانی اور سریانی وراثت علمیہ عربی میں منتقل کی۔ آج کل یہ بہت کم تعداد میں شمالی عراق میں پائے جاتے ہیں۔ ان کا عقیدہ بہت مخفی رکھا جاتا ہے تاکہ یہ مرو زمانہ (وقت گزرنے) کے ساتھ تبدیل نہ ہو جائے۔



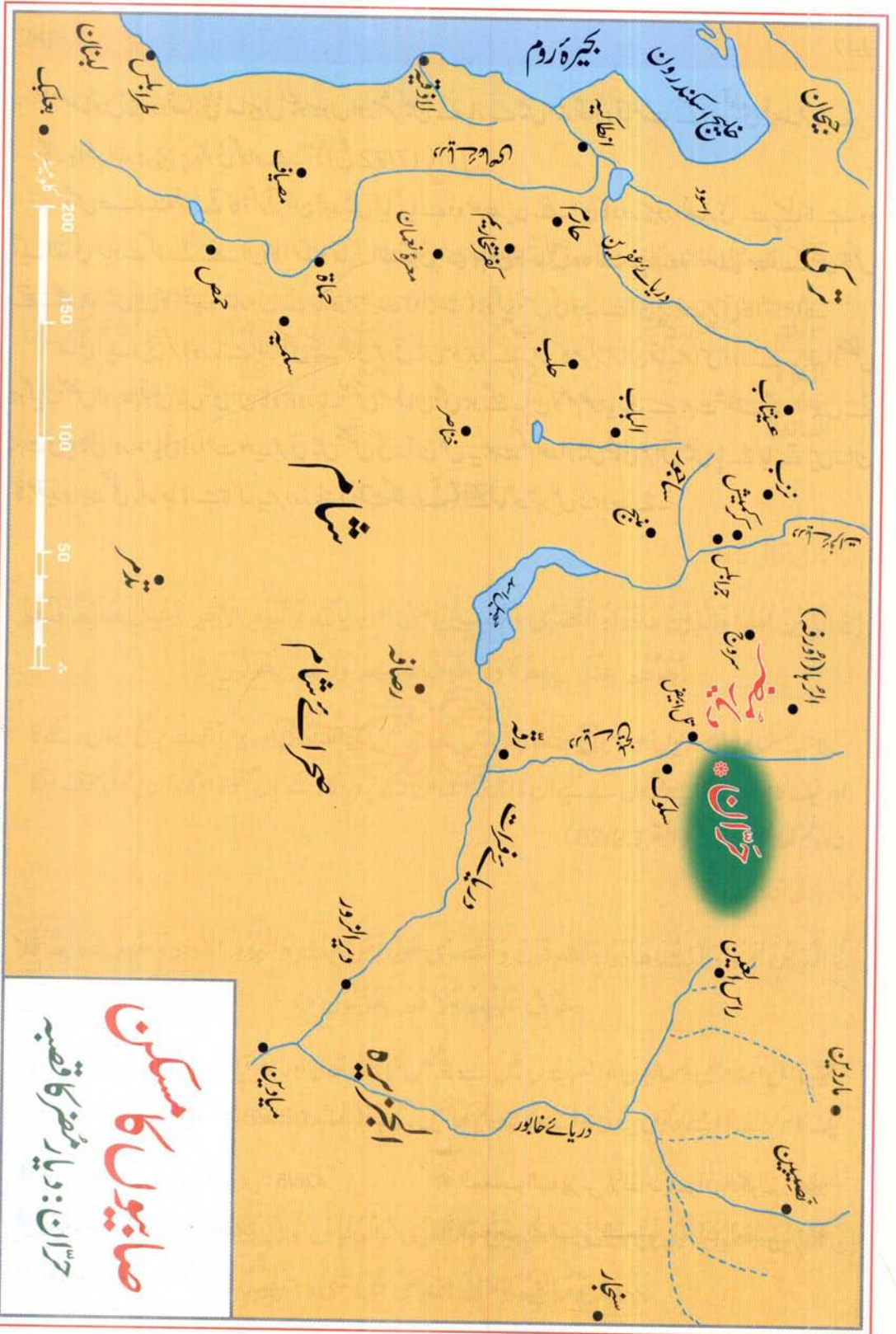
❁ المعجم المفہرس لألفاظ القرآن الکریم : 399

❁ المعجم المفہرس لمعانی القرآن العظیم : 657

❁ دائرة معارف القرن العشرين : 426/5

❁ القاموس الإسلامی : 223/4

❁ معجم البلدان : 235/2



حالیوں کا مسکن
حاران: دیار مضر کا قصبہ

صابی (صابین)

صابیوں کے دو مختلف فرقے ہیں (1) مند (Mandaeans) = مندویوں، مقتسلہ یا صبوہ (سُبَّہ Subbas) یہ عراق کا ایک یہودی فرقہ ہے جو رسم اصطباغ کا پابند ہے۔ (2) صابئہ حران، یعنی وہ مشرک فرقہ جو اسلامی عہد میں بھی عرصے تک باقی رہا۔ یہ فرقہ اپنے عقائد اور ان فضلا کی اہمیت کے سبب جو اس میں پیدا ہوئے جاذب توجہ ہے جیسے ثابت بن قرہ، ممتاز مہندس، ہیئت دان، مترجم اور فلسفی، سنان بن ثابت، طبیب اور ماہر علم کائنات جو، ابواسحاق بن ہلال البتانی اور ابو جعفر الخازن وغیرہ۔

صابی ابتدا میں سارے شمالی عراق میں پھیلے ہوئے تھے اور ان کا صدر مقام حران تھا جسے قدام ”کاریا“ کہتے تھے۔ ان کی عبادت کی زبان سریانی تھی۔ 259ھ/872ء میں مشہور صابی ثابت بن قرہ کا اپنے ہم مذہبوں سے اختلاف ہو گیا، چنانچہ اسے حران کی صابی جماعت سے خارج کر دیا گیا اور وہ بغداد آ گیا جہاں اس نے صابیت کی ایک اور شاخ قائم کر لی۔ کچھ عرصے بعد خلیفہ القاہر کے عہد حکومت میں ثابت کے بیٹے سنان نے اسلام قبول کر لیا۔ تقریباً 364ھ/975ء میں خلیفہ الطیع اور خلیفہ الطائع کے کاتب ابواسحاق بن ہلال صابی نے حران، رقبہ اور دیار مضر میں رہنے والے اپنے ہم مذہبوں کے حق میں ایک فرمان رواداری جاری کر لیا جس کی رو سے اس کے بغدادی ہم مذہبوں کو بھی اہل ذمہ میں شمار کر لیا گیا۔ گیارہویں صدی عیسوی میں بغداد اور حران میں بہت سے صابی موجود تھے، مگر 424ھ/1033ء میں حران میں صرف ایک چاند کا معبد باقی رہ گیا تھا، جو ایک قلعے کی شکل میں تھا۔ سال مذکور میں اس معبد پر مصری فاطمیوں نے قبضہ کر لیا۔ گیارہویں صدی کے وسط کے بعد حران کے صابیوں کا کوئی سراغ نہیں ملتا، گو اس صدی کے آخر تک وہ بغداد میں پائے جاتے تھے۔

شہرستانی کے بیان کے مطابق، سب صابی تین نمازیں پڑھتے تھے۔ کسی میت کو چھونے کے بعد وہ اپنے آپ کو غسل کے ذریعے پاک کرتے تھے۔ سوروں، کتوں، نیز پنجے والے پرندوں اور کبوتروں کا گوشت ان کے ہاں حرام تھا۔ ختنے کی رسم موجود نہ تھی۔ طلاق صرف قاضی کے حکم سے واقع ہو سکتی تھی اور ایک آدمی کے نکاح میں دو عورتیں نہیں ہو سکتی تھیں۔ (ملخص اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ص: 478-479)

حران: دیکھیے باب ”ابراہیم علیہ السلام“

سید ابوالاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں:

”صابین کے نام سے قدیم زمانے میں دو گروہ مشہور تھے۔ ایک حضرت یحییٰ علیہ السلام کے پیرو جو بالائی عراق یعنی الجزیرہ

کے علاقے میں اچھی خاصی تعداد میں پائے جاتے تھے اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کی پیروی میں اصطبارغ کے طریقے پر عمل کرتے تھے۔ دوسرے ستارہ پرست لوگ جو اپنے دین کو حضرت شیث اور حضرت ادریس علیہ السلام کی طرف منسوب کرتے تھے اور عناصر پرسیاروں کی اور سیاروں پر فرشتوں کی فرماں روائی کے قائل تھے۔ ان کا مرکز حران تھا اور عراق کے مختلف حصوں میں ان کی شاخیں پھیلی ہوئی تھیں۔ یہ دوسرا گروہ اپنے فلسفہ و سائنس اور فن طب کے کمالات کی وجہ سے زیادہ مشہور ہوا لیکن اغلب یہ ہے کہ یہاں پہلا گروہ مراد ہے کیونکہ دوسرا گروہ غالباً نزول قرآن کے زمانے میں اس نام سے موسوم نہ تھا۔ (تفہیم القرآن: 3/210)



مجوسی (زرتشتی)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالصَّابِئِينَ وَالنَّصَارَى وَالْمَجُوسَ وَالَّذِينَ أَشْرَكُوا ۖ إِنَّ اللَّهَ يَفْصِلُ
بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ ۖ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ۝۱۵

”مسلمانوں، یہودیوں، صابیوں، عیسائیوں، مجوسیوں اور مشرکین کے بارے میں اللہ تعالیٰ قیامت کے دن قطعی فیصلہ فرمائے گا۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر گواہ ہے۔“ (الحج: 17/22)

چھٹی صدی قبل مسیح میں زرتشت نے مجوسی عقائد کی بنیاد رکھی۔ اس کی پیدائش ”زَمَ“ شہر میں ہوئی۔ اصلاً وہ آذربائیجان سے تعلق رکھتا تھا۔ بعض اہل علم نے اسے نبی بھی کہا ہے۔ اس نے ایک کتاب لکھی جس کا نام ”زنداوستا“ تھا۔ اس کتاب میں اس نے حضرت محمد ﷺ کے ظہور کی پیش گوئی کی تھی۔ جیسا کہ ”فیدیارتی“ نے اپنی کتاب ”محمد کتب مقدسہ کی نظر میں“ میں ذکر کیا ہے۔

ظہور اسلام کے وقت مجوسیت ایرانیوں کا مشہور مذہب تھا۔ تیسری صدی قبل مسیح کے نصف سے یہ ساسانی حکومت کا سرکاری مذہب رہا ہے۔ اس کا بنیادی عقیدہ خیر اور نور کے معبود ”اہور مزدا“ اور شر اور اندھیرے کے معبود ”اہرمن“ میں مسلسل کشمکش ہے۔ اس میں اس آگ کو مقدس خیال کیا جاتا ہے جو ”اہور مزدا“ کی تعظیم کی نیت سے جلائی جاتی ہے۔ آج تک بعض آتش کدے قائم ہیں۔ آذربائیجان کے دارالحکومت ”باکو“ کا آتش کدہ اور اصفہان کے قریب ایک ٹیلے پر قائم آتش کدہ زیادہ مشہور ہیں۔ فارسیوں نے یمن میں بھی ایک آتش کدہ چھوڑا ہے جس کی عمارت اب تک قائم ہے۔ زرتشتیوں کی کچھ باقی ماندہ نسل بھارت کے شہر بمبئی اور وسطی ایران کے شہروں ”یزد“ اور ”کرمان“ میں پائی جاتی ہے۔



❁ المعجم المفهرس لألفاظ القرآن الكريم: 661

❁ تاریخ العالم: 366/4

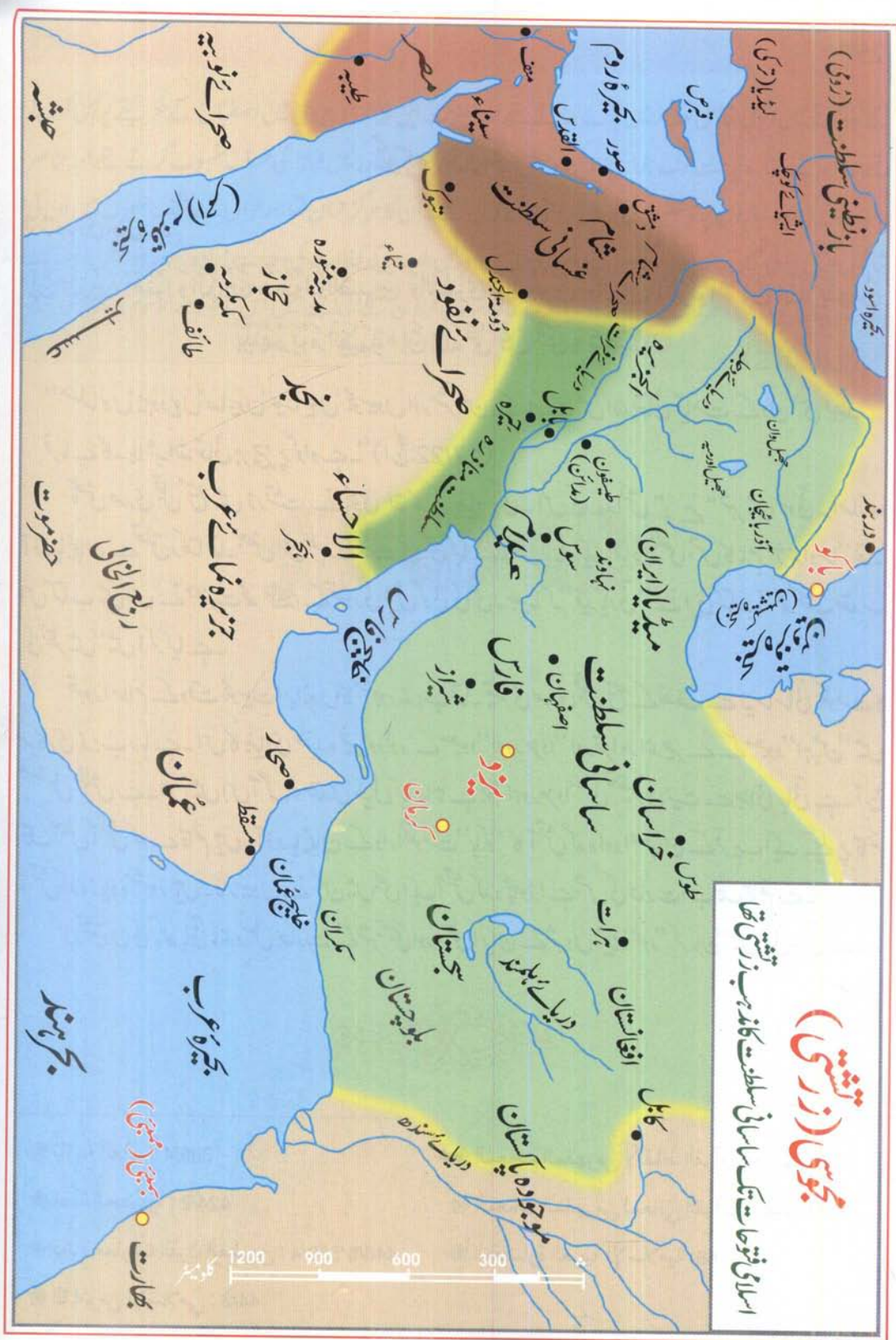
❁ المعجم المفهرس لمعاني القرآن العظيم: 1071

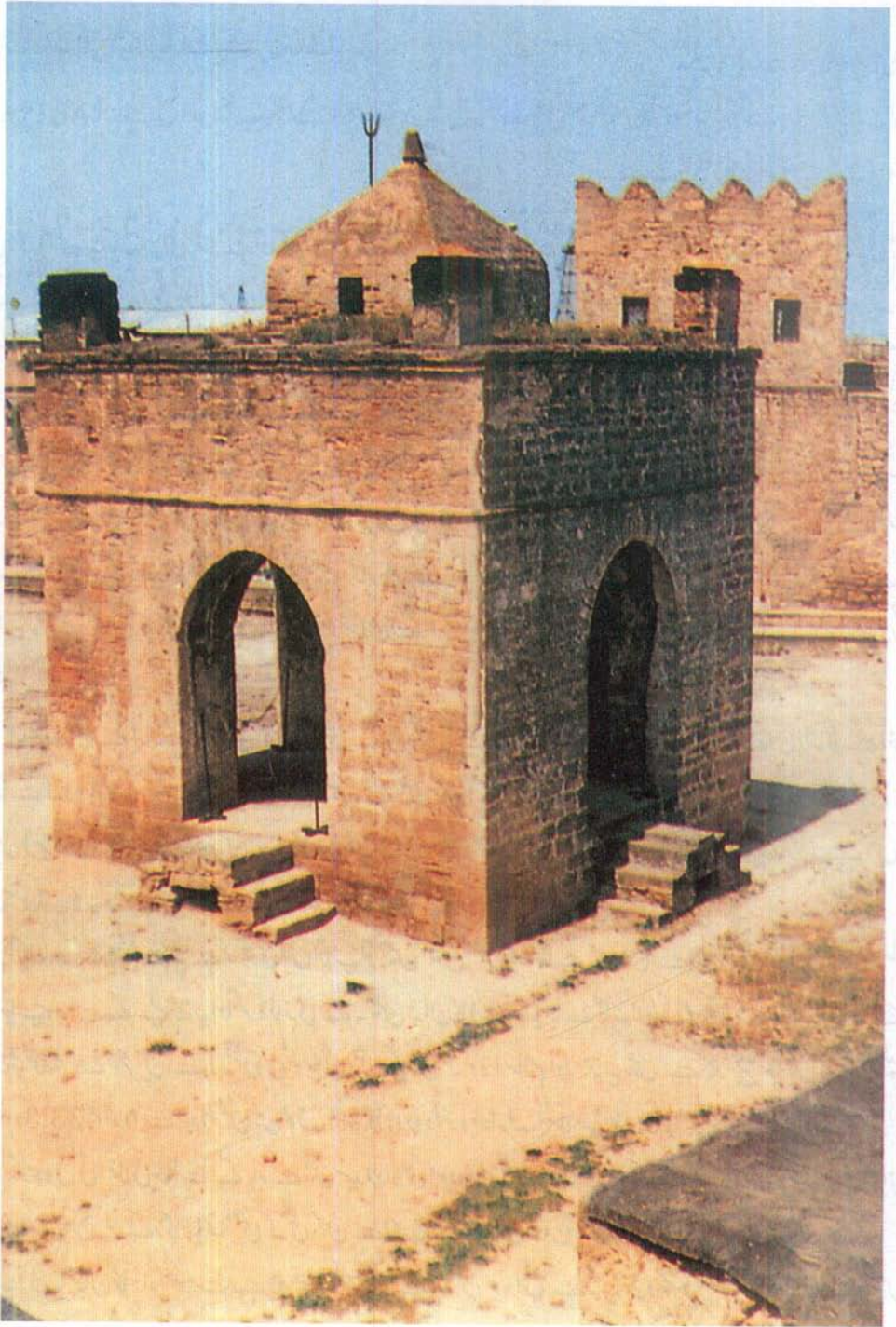
❁ قصة الحضارة: 424/2

❁ الحضارة العربية الإسلامية: 68

❁ دائرة معارف القرن العشرين: 446/8، 550/4

❁ القاموس الإسلامي: 44/3





باکو (آذربائیجان) میں مجوسیوں کا آتش کدہ

مجوس

مجوس: دراصل یہ ایک ایرانی لفظ ہے اور فارسی قدیم کے ”مکش“ و فارسی جدید کے ”مغ“ کو ظاہر کرتا ہے اور یہ سریانی زبان کے ذریعے عربی میں رائج ہوا۔ عربی لغت نویسوں کے نزدیک لفظ مجوس لفظ یہودی طرح اسم جمع ہے۔ اس کا واحد مجوسی استعمال کیا جاتا ہے۔ اس فرقے کا بانی زردشت یا زرتشت تھا۔ اسی لیے اس کے پیرو زرتشتی یا زرتشتی کہلاتے ہیں۔ فرقہ مجوسیہ کے عروج سے پہلے اہل فارس حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین کے پیرو تھے۔ طبری کے مطابق زردشت فلسطین کا باشندہ اور یرمیاہ نبی کے ایک حواری کا نوکر تھا۔ اس نے اپنے آقا کو دعا دیا اور اس کی بددعا پر جذامی ہو گیا۔ تب اس نے آذر بائیجان جا کر اس مذہب کی اشاعت شروع کی جسے مجوسیہ کہا جاتا ہے۔ بعد ازاں وہ بلخ چلا گیا۔ بلخ کے حکمران ہشتاسب اور اس کے باپ لہر اسب نے جو پہلے ستارہ پرست صابی تھے زردشت کا مذہب قبول کر لیا۔ اسلامی فتوحات کے بعد یمن، بحرین، عمان، فارس، آذر بائیجان اور خراسان کے زرتشتیوں نے بتدریج اسلام قبول کر لیا۔ اب بچے کچھ زرتشتی ”پارسی“ کہلاتے ہیں۔

امام رازی نے کہا ہے: ”مجوس کسی حقیقی نبی کے پیرو نہیں، صرف ایک متنبی کے پیرو ہیں، ان کے ان الفاظ سے اخذ کیا جاسکتا ہے کہ وہ مجوس کو حقیقی اہل کتاب اور مشرکین کے بین بین ایک درمیانی امت سمجھتے ہیں۔ بقول نیشاپوری: مجوس، جودو خداؤں (یزداں) نیکی کا خدا۔ اہرمن بدی کا خدا) پر ایمان رکھتے ہیں ان کا نبی بھی حقیقی نبی نہیں بلکہ ایک متنبی ہے۔ اس کے برعکس مشرکین کا نہ تو کوئی نبی ہے اور نہ کوئی مقدس کتاب۔

ایک حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ مجوسی اہل کتاب تو نہیں لیکن بعض معاملات میں ان سے اہل کتاب جیسا سلوک کرنا چاہیے۔ ان کے لیے جزیہ ادا کرنا لازمی ہے۔ لیکن نہ ان کا ذبیحہ کھایا جائے گا نہ ان کی عورتوں سے نکاح کیا جائے گا۔ نبی کریم ﷺ نے بحرین کے زرتشتیوں کو پیش کش کی تھی کہ وہ اسلام اور جزیہ میں سے جو چیز چاہیں قبول کر لیں۔ (ابوداؤد 3: 433، روایت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ) (اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد: 18 ص 588 تا 594)

مجوسیوں کی اخلاقی حالت کے بارے میں سید ابوالاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں: ”ان کے مذہب و اخلاق کو مزدک کی گمراہیوں نے بری طرح مسخ کر کے رکھ دیا تھا، حتیٰ کہ سگی بہن سے نکاح تک ان میں رواں پا گیا تھا۔“ (تفہیم القرآن: 211/3)

باکو: یہ آذر بائیجان کا دار الحکومت ہے جو بحیرہ کیسپین کے ساحل پر واقع ہے۔ یہ پٹرولیم کی صنعت کا مرکز ہے۔ اس کی آبادی 20 لاکھ کے لگ بھگ ہے۔

یزد: ایران کا یہ شہر اصفہان کے جنوب مشرق میں تقریباً 300 کلومیٹر دور ہے اور دشت کویر کے کنارے واقع ہے۔ اس کی

آبادی ڈیڑھ لاکھ سے زیادہ ہے۔

کرمان: یہ شہر یزد سے تقریباً سواتین سو کلومیٹر جنوب مشرق میں دشت لوط کے مغرب میں واقع ہے۔ آبادی ڈیڑھ لاکھ سے اوپر ہے۔ یہ صوبائی دارالحکومت ہے۔

بہمنی: آج کل اسے ممبئی کہا جاتا ہے۔ یہ بھارت کی مشہور بندرگاہ ہے جو بحیرہ عرب کے ساحل پر واقع ہے۔ اس کی آبادی ایک کروڑ کے لگ بھگ ہے۔ سولہویں صدی عیسوی میں بہمنی پرتگالیوں کے تسلط میں تھا۔ 1668ء میں پرتگالی شہزادی کی شادی انگلستان کے بادشاہ سے ہوئی تو شاہ پرتگال نے بہمنی اپنی بیٹی کو جہیز میں دے دیا۔ اس طرح یہ برٹش ایسٹ انڈیا کمپنی کا مرکز بن گیا۔ بہمنی اور گجرات کا ٹھیاواڑ کے ساحل پر مجوسی (پارسی) صدیوں سے آباد ہیں۔ ناٹا بھارت کی صنعتی برادری کا ایک بڑا نام ہے وہ پارسی تھا۔



سیلِ عِرم

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

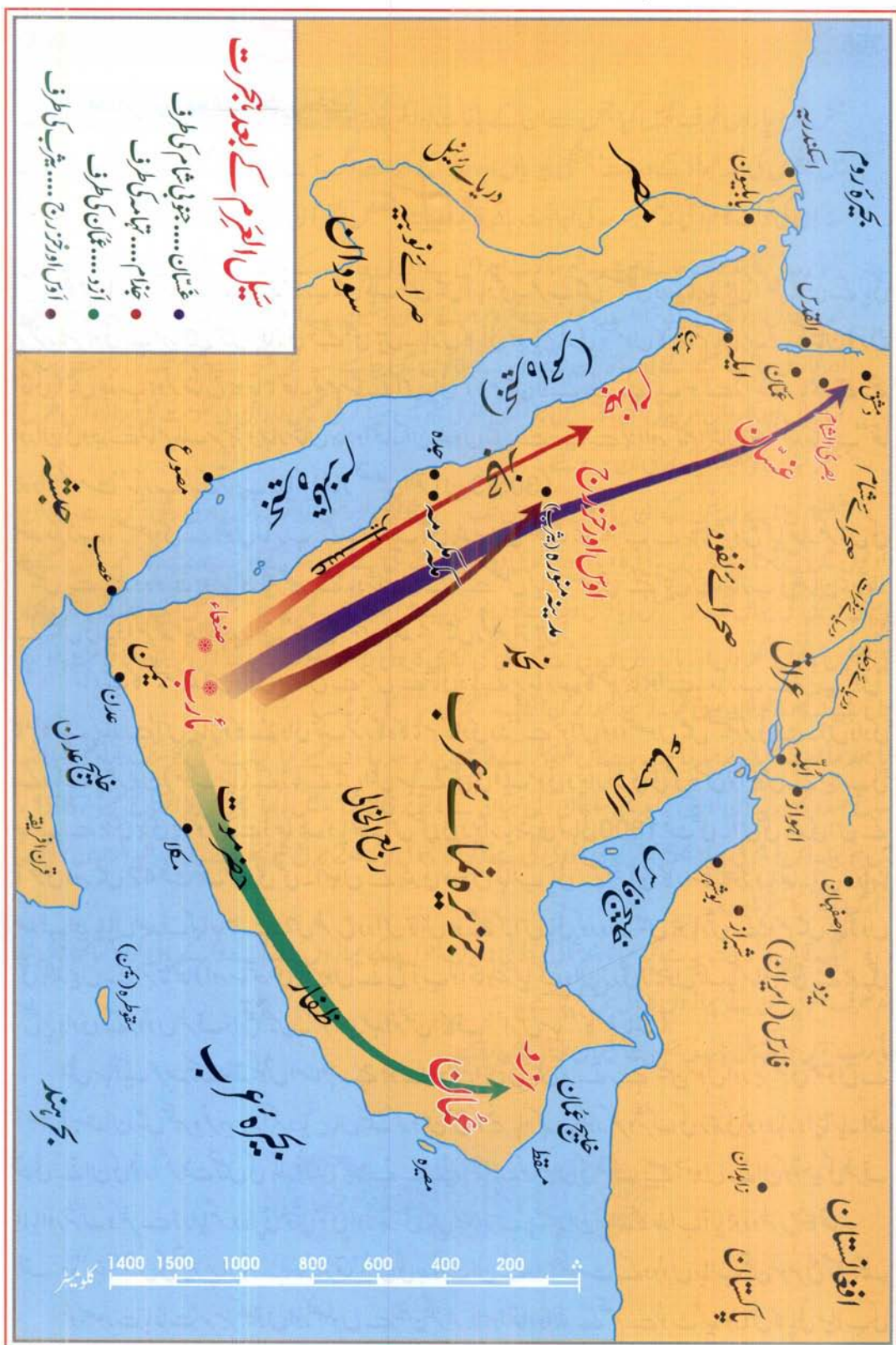
لَقَدْ كَانَ لِسَبَإٍ فِي مَسْكِنِهِمْ آيَةٌ ۖ جَنَّتٍ عَنْ يَمِينٍ وَشِمَالٍ ؕ كُلُوا مِنْ رِزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوا لَهُ ۖ بَلَدًا طَيِّبَةً ۚ وَرَبُّ غَفُورٌ ۝۱۵ فَاَعْرَضُوا فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ ۚ وَبَدَّلْنَاهُمْ بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتِ اُكُلٍ خَطَبٍ وَ اٰنِثٍ ۚ وَ شَيْءٍ مِّنْ سِدْرٍ قَلِيلٍ ۝۱۶ ذٰلِكَ جَزَآئُهُمْ بِمَا كَفَرُوْا ۚ وَ هَلْ نُّجِزِيْ اِلَّا الْكَافِرُوْا ۝۱۷

”قوم سبا کے لیے ان کے رہائشی علاقے میں اللہ تعالیٰ کی عظیم نشانی تھی کہ ان کے دائیں بائیں باغوں کے وسیع سلسلے تھے۔ (ہم نے انہیں کہا:) کھاؤ اپنے رب کا دیا ہوا اور اس کا شکر ادا کرو۔ عمدہ شہر اور معاف کرنے والا رب۔ (اور کیا چاہیے؟) لیکن انہوں نے اعراض کیا تو ہم نے ان پر زبردست سیلاب بھیج دیا اور ان کے باغوں کے وسیع سلسلوں کو کڑوے اور بدمزہ باغوں، جھاؤ اور کچھ تھوڑی سی بیری کے درختوں کے سلسلوں میں بدل دیا۔ یہ سب کچھ ان کے کفر کا بدلہ تھا۔ اور ہم ناشکرے لوگوں کو ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں۔“ (سبا: 15/34... 17)

سبا ایک قدیم تہذیب کی حامل حکومت تھی جو یمن میں قائم ہوئی۔ اس کا عرصہ 950 سے 115 ق۔م تک تھا۔ اس کا دارالحکومت مأرب تھا۔ اس کے بعد حمیریوں کی حکومت قائم ہوئی۔ یہ لوگ بھی سبا ہی سے تعلق رکھتے تھے۔ اس حمیری حکومت نے حبشیوں سے ٹکری، پھر ایرانیوں سے لڑائی لڑی۔ اس طرح یہ حکومت ختم ہو گئی۔ شہر سبا کو بھی ”مأرب“ کہا جاتا ہے۔ (مأرب کا معنی کثیر پانی ہے) اس شہر کے قریب ایک وادی میں سیلابی پانی کثرت سے بہتا تھا، وہاں مشہور بند بنا ہوا تھا۔ اس بند کے پانی سے وہ پینے کا پانی بھی حاصل کرتے تھے اور باغات کی سیرابی کا کام بھی لیتے تھے۔

عرم کا معنی مضبوط اور قوی ہے۔ کثیر لشکر کو بھی عرم کہا جاتا ہے۔ سیلِ عرم سے مراد وہ سیلاب ہے جو مأرب کا بند ٹوٹنے سے برپا ہوا۔ یہ ظہور اسلام سے تقریباً چار سو سال پہلے کی بات ہے۔ بعض محققین کے مطابق ”عرم“ اس وادی کا نام ہے جہاں یہ ڈیم (بند) تعمیر کیا گیا تھا۔





سیلِ عِرم

قوم سبا جزیرہ نمائے عرب کے جنوب میں ملک یمن میں آباد تھی۔ عرب میں مستقل دریا ناپید ہیں؛ اکثر بارش کے پانی پر گزر بسر ہوتی ہے اور کہیں کہیں پہاڑی چشمے بھی ہیں۔ بارش کا پانی ہو یا پہاڑی چشموں کا، تمام پانی بہہ کر ریگستان (ربیع الخالی) میں جذب ہو کر ضائع ہو جاتا تھا۔ قوم سبا نے اس پانی کو کام میں لانے کے لیے ایک سو سے زائد بند باندھے تھے اور ان کی وجہ سے تمام ملک سرسبز و بہارستان بنا ہوا تھا۔ ان بندوں میں سے سب سے بڑا اور عظیم الشان بند ”سد مأرب“ تھا جو دار الحکومت ”مأرب“ کے قریب بنایا گیا تھا (قصص القرآن: 305/3)

سد مأرب: مسعودی کے بقول مأرب کے پاس ایک آبی بند سبا بن یثجب بن یعرب نے بنانا شروع کیا تھا۔ مگر اس کی تکمیل سے پہلے وہ فوت ہو گیا اور پھر حمیر کے بادشاہوں نے اسے مکمل کیا۔ مسعودی کہتے ہیں کہ سد مأرب کی لقمان بن عاد نے تکمیل کی۔ ڈاکٹر محمد عبدالقادر بافقہ ”تاریخ الیمن القديم“ میں رقمطراز ہیں:

”مأرب کا عظیم بند اس وادی پر واقع ہے جس کے شمالی دہانے پر مأرب کا شہر بنا ہوا ہے۔ مأرب کے قریب ”بلق“ نام کا ایک پہاڑ ہے اس پہاڑ کو کاٹنے والی تنگ گزرگاہ کا نام ”وادی دنہ“ ہے جو اس کو دو حصوں میں تقسیم کرتی ہے۔ اس وادی کے دہانے پر مکربون (ملوک سبا) کے زمانے میں اہل سبا نے مٹی کی ایک موٹی دیوار کھڑی کی تھی جس کو انہوں نے سیلاب کی جانب سے بڑی بڑی چٹانوں سے ڈھانک دیا تھا۔ اس مٹی کی دیوار یا بند کی لمبائی 1800 فٹ تھی۔ اس کی بلندی اس کے آخری دور میں 42 فٹ تک پہنچ گئی تھی۔ انہوں نے بند کی دونوں جانب پانی کے اخراج کا راستہ چھوڑ دیا تھا۔ اس کو داہنا صدف اور بائیں صدف کہا جاتا ہے۔ اس طرح وہ اس قابل ہو گئے کہ اس پانی کو روک سکیں جو بارش کے موسم میں پہاڑوں کی بلند یوں سے اترتا تھا (اور ساتھ ہی) انہوں نے سطح آب کو اتنا بلند کیا کہ وہ ان زرعی زمینوں تک باسانی پہنچ سکے جو چنگی سطح پر وادی کے دونوں طرف واقع تھیں۔“ (سید عبدالرحمن الکاف: ”ارض سبا“ کا سفرنامہ)

اہل سبا ایک عرصہ تک حلقہ بگوش اسلام رہتے ہوئے احکام الہی کی تعمیل کرتے رہے، لیکن تمول اور ہر قسم کی نعمتوں نے آہستہ آہستہ ان میں تکبر و غرور پیدا کر دیا، یہاں تک کہ دین حق کو خیر باد کہہ دیا اور کفر و شرک کی زندگی کو دوبارہ اپنالیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی فورا گرفت نہیں کی بلکہ انہیں سمجھانے کے لیے انبیائے کرام ان کی طرف بھیجے جنہوں نے ان کو توحید کی طرف بلایا اور شرک و کفر سے ڈرایا مگر وہ اپنی خوش عیشی اور بدمستی میں مبتلا رہے چنانچہ ان پر اللہ کا عذاب آیا جو دو طرح کا تھا:

الف: وہ ”بند“ جس کی تعمیر پر ان کو بے حد ناز تھا، جس کی بدولت ان کے دار الحکومت کے دونوں جانب تین سو مربع میل تک خوبصورت باغات، سرسبز کھیتوں اور فصلوں سے یمن گلزار بنا ہوا تھا وہ اللہ کے حکم سے ٹوٹ گیا اور اس کا پانی سیلاب کی

شکل میں چاروں طرف پھیل گیا جس سے ان کے باغات اور کھیت تباہ ہو گئے۔ جب پانی خشک ہوا تو پورے علاقے میں باغوں کی جگہ جھاؤ کے درخت، جنگلی بیریاں اور پیلو کے درخت اگ آئے۔ اللہ کے اس عذاب کو کوئی نہ روک سکا، ان کی قوت کام آئی نہ علم ہندسہ کی مہارت نے فائدہ دیا۔ (قصص القرآن: 300-311)

ب: ”مأرب“ کا بند ٹوٹ جانے پر جب شہر مأرب اور اس کے دونوں جانب کے علاقے سرسبز کھیتوں، خوشبودار درختوں، عمدہ میوؤں اور پھلوں کے شاداب باغوں سے محروم ہو گئے تو ان بستیوں کے اکثر باشندے منتشر ہو کر کچھ شام، عراق اور حجاز کی جانب چلے گئے اور کچھ یمن کے دوسرے علاقوں میں جا بسے..... نیز یمن سے شام تک کی راحت رساں آبادیاں اور کارواں سرائیں بھی اجڑ گئیں جو انہیں سفری سہولتیں مہیا کرتی تھیں اور ان کی حکومت کا شیرازہ اس طرح بکھر گیا کہ وہ حقیقتاً ایک کہانی بن کر رہ گئے۔

معلوم ہوتا ہے کہ یمن کے ان پہاڑوں پر کئی دن تک مسلسل طوفانی اور موسلا دھار بارش ہوتی رہی جس سے پانی ان وادیوں میں جمع ہوتا رہا، پھر اس پانی کا دباؤ اور بلندی دونوں بڑھتے ہی گئے، پانی بند کے اوپر سے بہنے لگا، مگر بارش تھمنے کا نام ہی نہ لیتی تھی، یہاں تک کہ مسلسل دباؤ کی وجہ سے خود بند ہی کے پیر اکھڑ گئے۔ پھر کیا تھا؟ جل تھل ایک ہو گئے، بارش پہلے ہی کھیتوں، باغوں، گھروں اور بازاروں کو پانی سے بھر چکی تھی، نکاسی کا کوئی راستہ باقی نہ رہ گیا تھا، اس پر بند ٹوٹنا قیامت ہو گیا، یوں کہیے کہ چھوٹا طوفان نوح تھا۔ (سید عبدالرحمن الکاف: ”ارض سبا“ کا سفر نامہ)

نیاسد مأرب: پرانے سد مأرب سے دس کلومیٹر کے فاصلے پر نیا سد مأرب تعمیر کیا گیا ہے جس کا سنگ بنیاد علی عبداللہ صالح صدر جمہوریہ یمن اور شیخ زاید بن سلطان آل نہیان نے اکتوبر 1986ء میں رکھا، پھر اس کا افتتاح ستمبر 1987ء میں ہو گیا۔ اس ڈیم کی بنیاد 54 میٹر گہری کھودی گئی ہے، اس کا مجموعی رقبہ 24 مربع کلومیٹر ہے۔ (سید عبدالرحمن الکاف: ”ارض سبا“ کا سفر نامہ)

ایک قابل ذکر بات یہ ہے کہ پرانا بند شمالی و جنوبی دونوں یمنوں کے پہاڑوں سے آنے والے پانی کو روکتا تھا جبکہ نیا بند صرف جنوبی یمن کے پہاڑوں کا پانی جمع کرتا ہے۔

مأرب: اس کی تفصیل باب ”حضرت سلیمان علیہ السلام“ میں دیکھیے۔



اصحابُ الاُخذود

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الْبُرُوجِ ۝ وَالْيَوْمِ الْمَوْعُودِ ۝ وَشَاقِ الْمَوْعُودِ ۝ قَتَلَ اصْحَابُ الْاُخْدُودِ ۝ النَّارِ ذَاتِ الْوَقُودِ ۝ اِذْ هُمْ عَلَيْهَا قُعُودٌ ۝ وَهُمْ عَلَىٰ مَا يَفْعَلُونَ بِالْمُؤْمِنِينَ شُهُودٌ ۝ وَمَا نَقَمُوا مِنْهُمْ اِلَّا اَنْ يُؤْمِنُوا بِاللّٰهِ الْعَزِيزِ الْحَمِيدِ ۝ الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۝ وَاللّٰهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ۝

”قسم ہے برجوں والے آسمان کی، وعدے کے دن کی اور جمعے اور عرفے کے دن کی۔ اصحابِ الاخذود (کھائی والوں) پر لعنت ہے۔ جنہوں نے بھڑکتی آگ جلائی تھی اور وہ آگ کے قریب بیٹھے ایمان والوں کے ساتھ اپنی بدسلوکی کا تماشا دیکھ رہے تھے۔ ان لوگوں نے جو مومنوں سے دشمنی کی تھی، ان کے نزدیک بھی ایمان والوں کا یہی جرم تھا کہ وہ غالب قابلِ تعریف اللہ پر ایمان لائے تھے۔ جس کے لیے آسمانوں اور زمین کی بادشاہت ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر بخوبی گواہ ہے۔“ (البروج: 1/85... 9)

لغت میں ”اخذود“ زمین کی لمبی کھائی کو کہتے ہیں۔ جس طرح زلزلے کے نتیجے میں بن جاتی ہے۔ اصحابِ اخذود کا ذکر قرآن مجید میں صرف سورہ بروج میں آیا ہے۔

مفسرین اس بات پر متفق ہیں کہ کچھ مومنین نے اپنے عقیدے سے مرتد ہونے سے انکار کر دیا اور موت کو ترجیح دی خواہ انہیں قتل کر دیا جائے یا جلادیا جائے۔ ان کے ظالم بادشاہ نے ایک کھائی کھدوائی، اس میں زبردست آگ جلائی اور ان سب کو کونکہ کر دیا۔

بعض مفسرین اور مؤرخین کے مطابق یہ بادشاہ ”حَمِیری“ بادشاہوں میں سے تھا۔ اس کا نام ”یوسف ذونواس“ تھا۔ 524ء میں فوت ہوا۔ یہ متعصب یہودی تھا۔ اس نے نجران کے عیسائیوں پر سخت ظلم کیے۔ انہیں اپنا دین چھوڑنے پر مجبور کیا ورنہ انہیں آگ میں جلانے کی دھمکی دی۔ جب انہوں نے اپنا دین چھوڑنے سے انکار کیا تو اس ظالم نے انہیں 523ء میں حقیقتاً جلادیا۔

صحیح مسلم میں حدیث ہے: ”جب بادشاہ نے کھائی کھودنے کا حکم دیا اور اس میں ہر طرف آگ جلا دی تو اس نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ وہ ہر صاحبِ ایمان مرد و عورت کو باہر لائیں اور انہیں آگ پر کھڑا کر کے پیشکش کریں، اگر وہ دین

چھوڑ دیں تو اچھی بات ہے ورنہ انہیں آگ میں پھینک دیں۔ ایک عورت اپنے بچے کو گود میں اٹھائے لائی۔ وہ آگ میں چھلانگ لگانے سے ذرا ہچکچائی تو بچہ بول اٹھا: ”ماں! مضبوط رہ! بلاشبہ تو حق پر ہے۔“ (صحیح مسلم الزہد، حدیث: 3005)



✽ المعجم المفهرس لألفاظ القرآن الكريم: 227

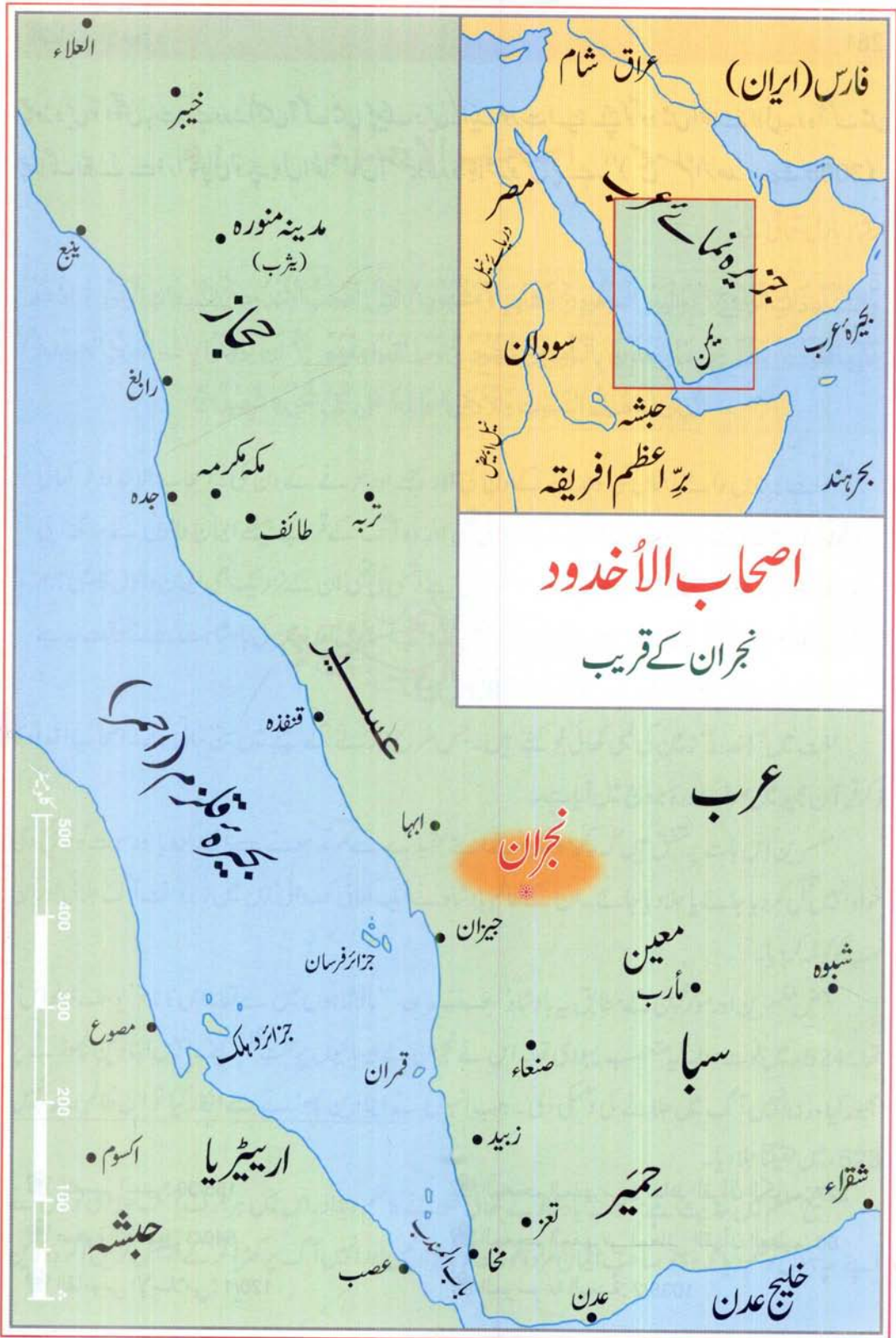
✽ المعجم المفهرس لمعاني القرآن العظيم: 80

✽ الموسوعة اليمنية: 1035/2

✽ التفسير المنير: 155/30

✽ صفوة التفاسير: 540/3

✽ القاموس الإسلامي: 120/1



اصحاب الاخدود

اخدود..... ”خد“ کے معنی گڑھے کھائی اور خندق کے ہیں اور اس کی جمع ”اخدود“ ہے۔ چونکہ زیر بحث واقعے میں کافر بادشاہ اور اس کے امراء و اعیان سلطنت نے خندقیں اور گڑھے کھدوا کر اور ان کے اندر آگ دہکا کر عیسائی مومنوں کو ان میں ڈال کر زندہ جلا دیا تھا۔ اس نسبت سے ان کافروں کو ”اصحاب اخدود“ کہا جاتا ہے۔ (قصص القرآن: 331/3)

حاکم یمن ذونواس یہودیہ کا پر جوش مبلغ تھا ادھر رومی سوداگر یمن کے سوا حل تک پہنچتے تھے لیکن جہاں جہاں گزرتے تھے اسباب سوداگری کے ساتھ عیسائیت کی سوغات بھی ساتھ ساتھ بانٹتے جاتے تھے۔ عیسائی راہب بھی مخصوص مقاصد کے ساتھ ملک میں دورہ کرتے تھے۔ پہلے اثر نے عدن اور دوسری کوشش نے نجران میں جہاں پہلے شجر پرستی ہوتی تھی عیسائیت کے برگ و بار پیدا کیے۔ ان تدابیر سے نجران عیسائیت کا مرکز قرار پا گیا تھا۔ حمیری یہودی عیسائیت کی ترقی دیکھ کر بھرتے تھے۔

نجران میں ایک راہب کا مقام تھا ایک لڑکا اس راہ سے اکثر گزرتا تھا۔ راہب اس کو راستہ میں ٹھہرا کر مذہبی تعلیم کا روز کوئی نہ کوئی سبق دیا کرتا تھا۔ جب عام لوگوں کو معلوم ہوا تو وہ طبعاً برا فروختہ ہوئے۔ آخر ذونواس اور اس کے حواریوں نے خندقیں کھود کر انہیں آگ سے بھر دیا پھر لوگوں سے پوچھنا شروع کر دیا۔ جس نے عیسائیت پر اصرار کیا اسے آگ میں پھینک دیا گیا۔ یہ واقعہ 523ء میں پیش آیا تھا۔

قرآن میں یہ مذکور نہیں کہ اس نے تمام لوگوں کو جلا دیا اور شہر کو بے نشان کر دیا، رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں نجران میں عیسائی آبادی موجود تھی وہاں دعاۃ اسلام بھیجے گئے۔ نجران سے دو راہب رسول اللہ ﷺ سے مناظرہ کے لیے بھی آئے تھے۔ (ارض القرآن 235-236)

نجران: سعودی عرب کا یہ شہر وادی نجران میں حدود یمن کی طرف واقع ہے۔ اس کی آبادی 70 ہزار کے لگ بھگ ہے۔ شہر نجران، صنعاء سے تقریباً 250 کلومیٹر شمال میں ہے۔ سن 9ھ میں نجران کے 60 عیسائیوں کا ایک وفد نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ اس موقع پر سورہ آل عمران کی آیت مابلہ نمبر 61 نازل ہوئی تھی مگر وہ نجرانی عیسائی مباہلے سے کئی کتر اگئے تھے جس سے ثابت ہو گیا کہ نجرانی عیسائی جن عقائد کے پیروکار تھے ان کی صداقت پر انہیں خود کامل اعتماد نہیں تھا۔



أَصْحَابُ الْجَنَّةِ (باغ والے)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِنَّا بَلَوْنَهُمْ كَمَا بَلَوْنَا أَصْحَابَ الْجَنَّةِ إِذْ أَقْسَمُوا لَيَصْرِمُنَّهَا مُصْبِحِينَ ۚ وَلَا يَسْتَأْذِنُونَ ۚ فَطَافَ عَلَيْهَا طَائِفٌ مِّن رَّبِّكَ وَهُمْ نَائِمُونَ ۚ فَأَصْبَحَتْ كَالصَّرِيمِ ۚ فَتَنَادُوا مُصْبِحِينَ ۚ أَنِ اغْدُوا عَلَيَّ حَرْثِكُمْ إِن كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۚ فَأَنْطَلَقُوا وَهُمْ يَتَخَفَتُونَ ۚ أَن لَّا يَدْخُلَنَّهَا الْيَوْمَ عَلَيْكُمْ مَسْكِينٌ ۚ وَغَدُوا عَلَى حَرْدٍ قَدِيرِينَ ۚ فَلَمَّا رَأَوْهَا قَالُوا إِنَّا لَضَالُونَ ۚ بَلْ نَحْنُ مَحْرُومُونَ ۚ قَالَ أَوْسَطُهُمْ أَلَمْ أَقُلْ لَّكُمْ لَوْ لَا تَسْبَحُونَ ۚ قَالُوا سُبْحَنَ رَبِّنَا إِنَّا كُنَّا ظَالِمِينَ ۚ فَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ يَتَلَوْمُونَ ۚ قَالُوا يُوَلِّينَا إِنَّا كُنَّا طُغْيَانٌ ۚ عَسَىٰ رَبُّنَا أَن يُبْدِلَ لَنَا خَيْرًا مِّنْهَا إِنَّا إِلَىٰ رَبِّنَا رَاغِبُونَ ۚ كَذَلِكَ الْعَذَابُ ۚ وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَكْبَرُ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ۚ

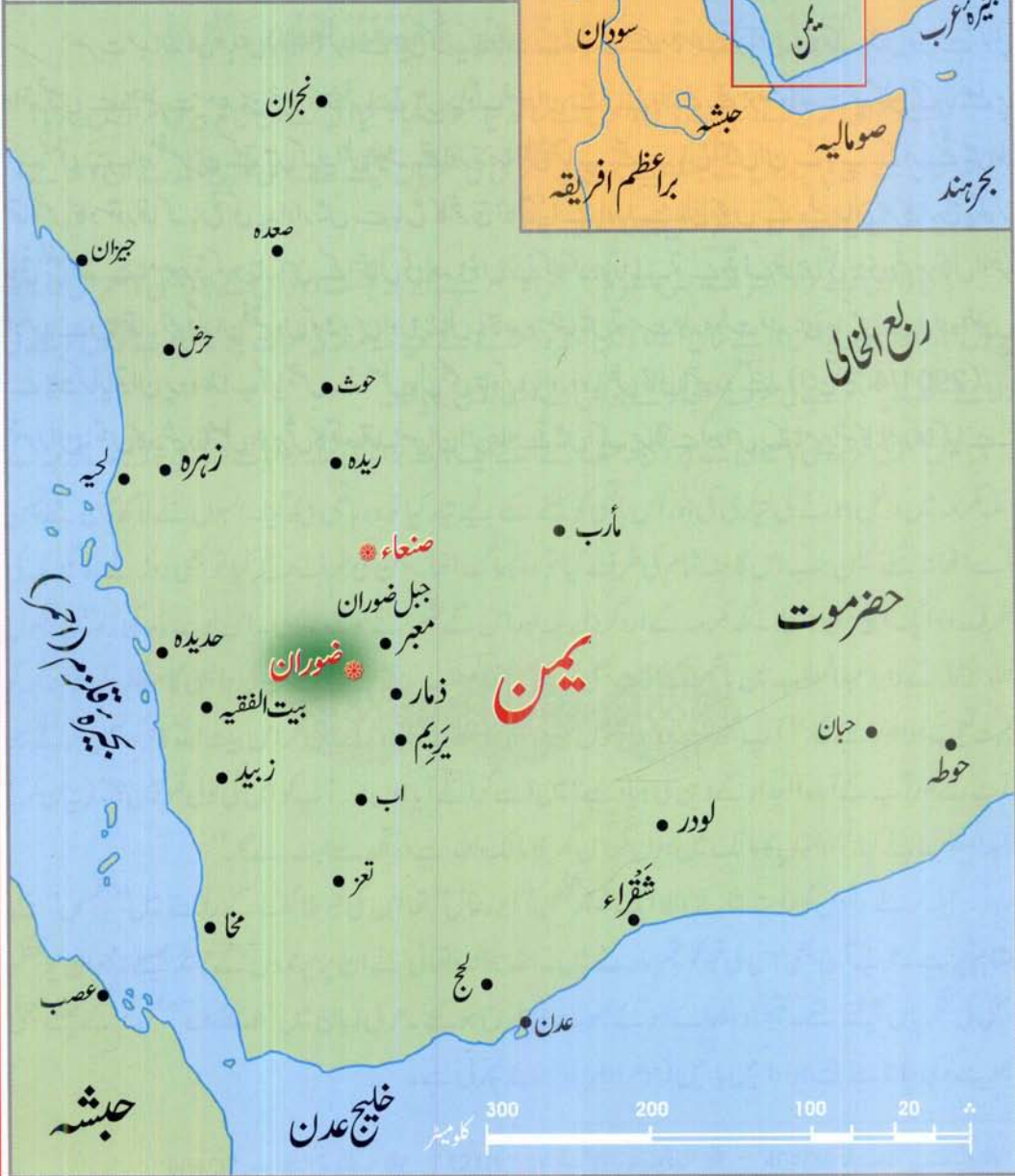
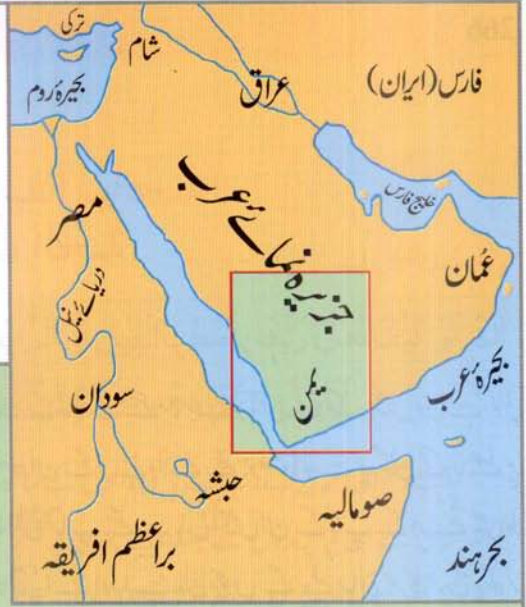
”ہم نے مشرکین مکہ کو آزمائش میں ڈالا ہے جس طرح ہم نے باغ والوں کو آزمایا تھا۔ انہوں نے قسمیں کھائیں کہ صبح صبح سارا پھل کاٹ لیں گے۔ انہوں نے ان شاء اللہ بھی نہ کہا تھا۔ ابھی وہ سوئے ہوئے تھے کہ راتوں رات باغ پر تیرے رب کی طرف سے عذاب نازل ہو گیا۔ صبح کے وقت باغ کی یہ کیفیت ہو گئی جیسے فصل کاٹی گئی ہو۔ لیکن وہ (بے خبر) صبح اٹھ کر ایک دوسرے کو پکارنے لگے: ”اگر تم نے پھل کاٹنا ہے تو جلدی جلدی باغ میں پہنچ جاؤ۔“ راستے میں جاتے ہوئے آہستہ آہستہ سرگوشیاں کر رہے تھے: ”آج تمہارے پاس (باغ میں) کوئی مسکین داخل نہ ہونے پائے۔“ وہ سمجھتے تھے کہ ہم پوری فصل کاٹ لائیں گے۔“ لیکن جب انہوں نے اس باغ (والی جگہ) کو دیکھا تو کہنے لگے: ”شاید ہم راستہ بھول آئے ہیں۔“ پھر غور و فکر کے بعد کہنے لگے: ”ہم تو محروم ہو گئے۔“ درمیان والا بھائی کہنے لگا: ”میں نے تمہیں کہا نہیں تھا؟ اب تسبیح کیوں نہیں کرتے؟“ تب وہ نادم ہو کر کہنے لگے: ”پاک و مقدس ہے ہمارا رب ہم ہی ظالم ہیں۔“ پھر ایک دوسرے کو ملامت کرتے ہوئے کہنے لگے: ”ہائے افسوس! ہم ہی سرکش ہو گئے تھے۔ شاید رب تعالیٰ ہمیں اس سے بہتر باغ دے دے۔ ہم اپنے پروردگار ہی کی طرف رجوع کر رہے ہیں۔“ عذاب ایسے ہی آتا ہے نیز آخرت کا عذاب اس سے بہت بڑا ہے۔ کاش لوگ جان لیں۔“ (القولم: 17/68... 33)

یہ باغ والے ”ضَوْرَان“ میں رہتے تھے۔ ”ضَوْرَان“ یمن میں بنو ہرث کا قلعہ تھا۔ دراصل ”ضَوْرَان“ اس علاقے کے ایک پہاڑ کا نام تھا۔ اسی مناسبت سے اس علاقے کو بھی ”ضَوْرَان“ کہا جاتا تھا۔

اصحاب الجنتہ

• ضوران (صنعاء کے جنوب میں)

• یمن میں بنو ہرہش کے قلعے



اصحاب الجنة

حضرت عبداللہ بن عباس (رضی اللہ عنہما) فرماتے ہیں کہ یہ کفار مکہ کے حالات کے مناسب قرآن نے ایک مثال دی ہے، کوئی واقعہ نہیں ہے۔ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں یہ لوگ ضوران کے رہنے والے تھے جو صنعاء سے چھ میل کے فاصلے پر ایک بستی ہے۔ اور مفسرین کہتے ہیں کہ یہ اہل حبشہ تھے اور مذہباً اہل کتاب تھے۔ یہ باغ انہیں ان کے باپ کے ورثے میں ملا تھا جس کا دستور تھا کہ باغ کی پیداوار میں سے باغ کا خرچ نکالتا، اپنے اور اپنے بال بچوں کے لیے سال بھر کا خرچ رکھ کر باقی نفع اللہ کے نام صدقہ کر دیتا۔ اس کے انتقال کی بعد بیٹوں نے کہا کہ ہمارا باپ تو بے وقوف تھا جو اتنی بڑی رقم ہر سال ادھر ادھر دے دیتا تھا۔ ہم اگر ان فقیروں کو نہ دیں اور اپنا مال باقاعدہ سنبھالیں تو بہت جلد دولت مند بن جائیں۔ یہ ارادہ انہوں نے پختہ کر لیا تو ان پر وہ عذاب آیا جس نے اصل مال بھی تباہ کر دیا اور وہ بالکل خالی ہاتھ رہ گئے۔ (ابن کثیر: 4/2901)

ضوران: یمن کا یہ شہر اصل بنو ہرث کا قلعہ تھا۔ ضوران اس علاقے میں ایک پہاڑ ہے اور اس کے نام پر شہر کا نام رکھا گیا ہے۔



أَصْحَابُ الْفِيلِ (ہاتھی والے)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

الَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِأَصْحَابِ الْفِيلِ ۚ ۱۱ الَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِي تَضْلِيلٍ ۚ ۱۲ وَأَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا ۚ ۱۳ أَبَابِيلَ ۚ ۱۴ تَرْمِيهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّن سِجِّيلٍ ۚ ۱۵ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّأْكُولٍ ۚ ۱۶

”کیا تجھے علم نہیں کہ تیرے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ کیا اس نے ان کی تدبیر کو نامراد نہیں بنا دیا؟ اللہ تعالیٰ نے ان پر پرندوں کے جھنڈ بھیجے جو ان پر کھنگر مٹی کی کنکریاں پھینکتے تھے۔ اس طرح اللہ نے ان کو کھائے ہوئے بھوسے کی طرح کر دیا۔“ (الفیل: 1/105... 5)

ہاتھی والوں سے مراد ”أَبْرَهَہ بن اَشْرَم“ حبشی کا لشکر ہے۔ ابرہہ یوسف ذونواس کے بعد یمن کا حکمران بنا۔ اور رسول اللہ ﷺ کی پیدائش والے سال ۵۷۱ء میں کعبہ کو ڈھانے کے لیے مکہ مکرمہ کی طرف چلاتا کہ عرب لوگوں کو کعبے کی بجائے ”فُلَیْس“ گرجے کی طرف متوجہ کرے جو اس نے صنعاء میں بنایا تھا۔

اس لشکر کی سربراہی ہاتھیوں کے سپرد تھی۔ سب سے آگے ایک بہت بڑا ہاتھی تھا۔ روایات بتاتی ہیں کہ جب ابرہہ نے مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کی تیاری کی اور اس ہاتھی کو چلنے کے لیے تیار کیا تو وہ ہاتھی بیٹھ گیا۔ انہوں نے لاکھ جتن کیے لیکن اسے اٹھانہ سکے، لیکن جب اس کا منہ شام کی طرف کیا تو وہ بھاگ اٹھا۔ یمن کی طرف رخ کیا تو بھی دوڑنے لگا مگر مکہ کی طرف وہ ایک انچ بھی نہ چلا۔ مکہ مکرمہ کے ارد گرد ابرہہ اور اس کے لشکر نے لوٹ مار کی۔ اس لوٹ مار کی زد میں رسول اللہ ﷺ کے دادا عبدالمطلب بن ہاشم کے اونٹ بھی آ گئے۔ عبدالمطلب نے ابرہہ سے ان کی واپسی کا مطالبہ کیا تو ابرہہ کو بہت تعجب ہوا اور کہنے لگا: ”آپ مجھ سے دو سو اونٹوں کی واپسی کا مطالبہ تو کر رہے ہیں مگر اس بیت اللہ کا ذکر نہیں کرتے جو آپ کے اور آپ کے آباء و اجداد کے دین کی بنیاد ہے؟ میں اسے گرانے آیا ہوں اور آپ کو اس کی کوئی فکر نہیں؟“ (یہ سن کر) عبدالمطلب نے کہا: ”اونٹوں کا مالک میں ہوں مگر اس گھر کا مالک اللہ ہے وہ تجھ سے نبٹ لے گا۔“

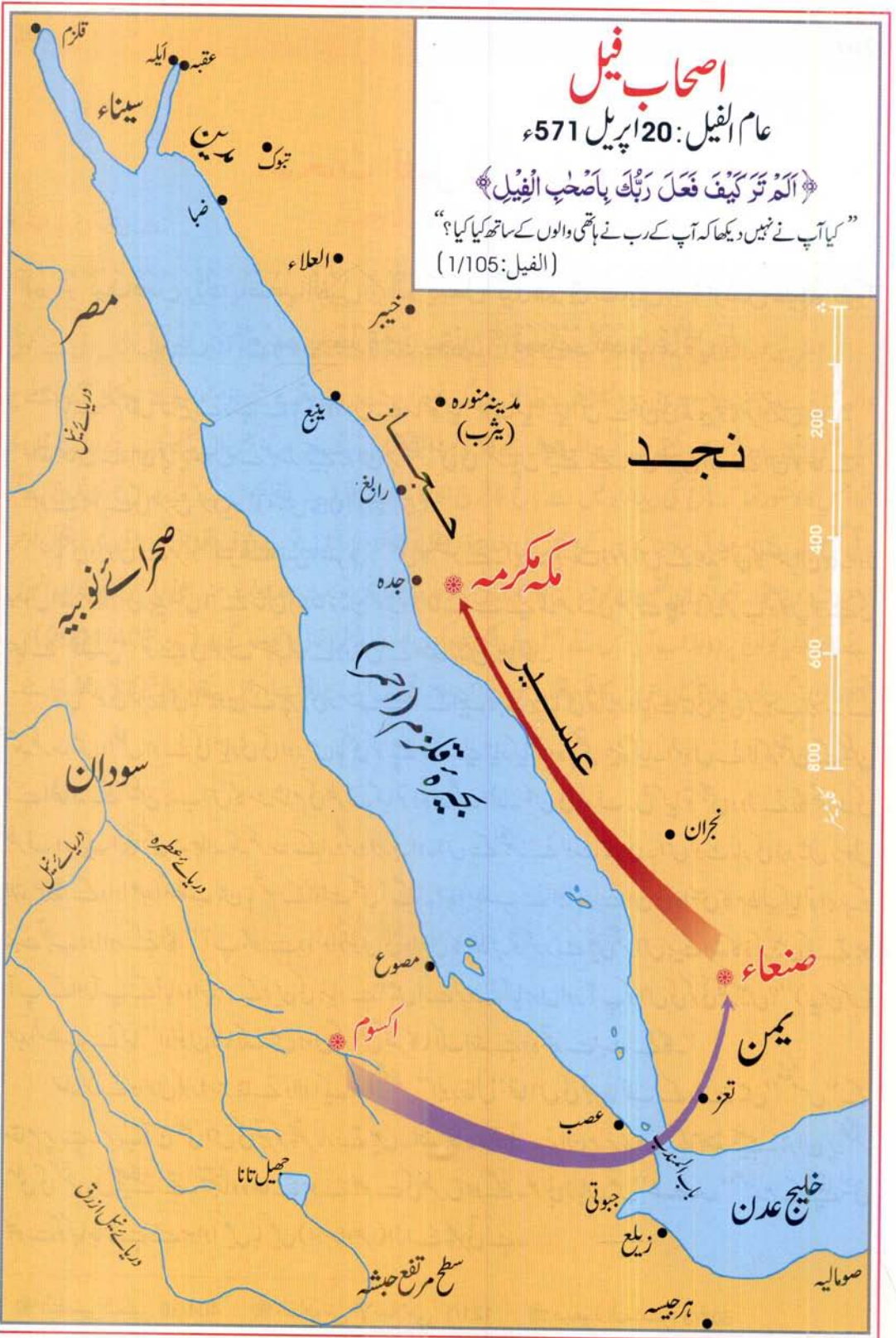
حملہ کرنے والوں کو راستہ بتانے والا ایک غدار شخص ”ابورغال“ تھا اس کی قبر طائف کے راستے میں ”مُعَمَس“ کے مقام پر ہے۔ عرب آج بھی اس کی قبر کو پتھر مارتے ہیں۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے ان پر پرندوں کے جھنڈ بھیجے۔ جو ان پر کھنگر مٹی کی کنکریاں پھینکتے تھے۔ نتیجتاً وہ کھائے ہوئے بھوسے کی طرح ہو گئے۔ عربی زبان میں ”عَصْف“ گندم کے چھلکے یعنی بھوسے کو کہا جاتا ہے جسے ہوا دائیں بائیں (ادھر ادھر) اڑائے پھرتی ہے۔

اصحاب فیل

عام الفیل: 20 اپریل 571ء

﴿الَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِأَصْحَابِ الْفِيلِ﴾

”کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ کے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا؟“
(الفیل: 1/105)



اصحاب الفیل

حکومت سبا کی حدود مملکت جنوبی عرب سے شروع ہو کر شمالی عرب اور افریقہ تک وسیع ہو گئی تھیں۔ نجران میں یمن کے حمیری یہودی فرماں روا ذونواس نے عیسائیوں پر جو ظلم کیا اس کا بدلہ لینے کے لیے حبش کی عیسائی سلطنت نے یمن پر حملہ کر کے حمیری حکومت کا خاتمہ کر دیا تھا اور سن 525ء میں اس پورے علاقے پر حبشی حکومت قائم ہو گئی تھی۔ بعض مورخین کے بقول اسی حبشی فوج میں ابرہہ بھی تھا اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ ابرہہ اس فوج کا سپہ سالار تھا۔ رفتہ رفتہ وہ یمن کا خود مختار بادشاہ بن گیا، مگر برائے نام اس نے شاہ حبش کی بالادستی تسلیم کر رکھی تھی اور اپنے آپ کو نائب شاہ لکھتا تھا۔ یمن میں پوری طرح اقتدار مضبوط کر لینے کے بعد ابرہہ نے رومی سلطنت اور اس کے حلیف حبشی عیسائیوں کے لیے کام شروع کر دیا جو اس مہم کی ابتدا سے ان کے پیش نظر تھا، یعنی عرب میں عیسائیت پھیلانا اور عربوں کی تجارت پر قبضہ جمانا۔

ابرہہ نے اس مقصد کے لیے یمن کے دارالسلطنت صنعاء میں ایک عظیم الشان کلیسا تعمیر کرایا جسے عرب مورخین اقلیس یا القلیس اور یونانی میں Ekklesia کہتے ہیں۔ محمد بن اسحاق کی روایت ہے کہ اس کام کی تکمیل کے بعد اس نے شاہ حبش کو لکھا کہ میں عربوں کا حج کعبہ سے اس کلیسا کی طرف موڑے بغیر نہ رہوں گا۔

ابن کثیر نے لکھا ہے کہ اس نے یمن میں علی الاعلان اپنے اس ارادے کا اظہار کیا اور اس کی منادی کرادی۔ اس کے اس اعلان پر غضبناک ہو کر ایک عرب (حجازی) نے کسی نہ کسی طرح کلیسا میں گھس کر رفع حاجت کر ڈالی۔ اپنے کلیسا کی اس توہین پر اس نے قسم کھائی کہ میں اس وقت تک چین نہ لوں گا جب تک کعبے کو ڈھانہ دوں۔

اس کے بعد وہ سن 570ء یا 571ء میں ساٹھ ہزار فوج اور 13 ہاتھی لے کر مکہ کی طرف روانہ ہوا۔ راستے میں یمن کے سردار ذوفرن، پھر خثعم کے علاقے کے سردار نفیل بن حبیب خثعمی نے مقابلہ کیا، مگر وہ شکست کھا گئے..... طائف کے قریب پہنچا تو بنی ثقیف کا ایک سردار مسعود وفد لے کر ابرہہ سے ملا اور کہا ہمارا بت کدہ وہ معبد نہیں جسے آپ ڈھانے آئے ہیں، وہ تلمکہ میں ہے اس لیے آپ ہمارے معبد کو چھوڑ دیں۔ ہم مکہ کا راستہ بتانے کے لیے آپ کو رہنما فراہم کیے دیتے ہیں۔ ابرہہ نے یہ بات قبول کر لی اور بنی ثقیف نے ابورغال نامی ایک آدمی کو اس کے ساتھ کر دیا۔ جب مکہ تین کوس رہ گیا تو ”الْمُعَمَّس“ نامی مقام پر پہنچ کر ابورغال مر گیا۔ عرب مدتوں تک اس کی قبر پر سنگ باری کرتے رہے۔ بنی ثقیف کو بھی وہ سا لہا سال تک طعنہ دیتے رہے کہ انہوں نے لات کے مندر کو بچانے کے لیے بیت اللہ پر حملہ کرنے والوں کا تعاون کیا۔

محمد بن اسحاق کی روایت ہے کہ ابرہہ نے اپنے مقدمۃ الخیش کو آگے بڑھایا اور وہ اہل تہامہ اور قریش کے بہت سے مویشی لوٹ لے گیا جن میں رسول اللہ ﷺ کے دادا عبدالمطلب کے بھی دو سواوٹ تھے۔ اس کے بعد اس

نے اپنے ایک اپیلچی کو مکہ بھیجا اور اس کے ذریعے سے اہل مکہ کو یہ پیغام دیا کہ میں تم سے لڑنے نہیں آیا ہوں بلکہ اس گھر (کعبہ) کو ڈھانے آیا ہوں، اگر تم نہ لڑو تو میں تمہاری جان و مال سے کوئی تعرض نہ کروں گا، مکے کے سب سے بڑے سردار اس وقت عبدالمطلب تھے۔ اپیلچی نے ان سے مل کر ابرہہ کا پیغام پہنچایا، انہوں نے کہا کہ ہم میں ابرہہ سے لڑنے کی طاقت نہیں ہے، یہ اللہ کا گھر ہے، وہ چاہے تو اپنے گھر کو بچالے گا۔ اپیلچی نے کہا کہ آپ میرے ساتھ ابرہہ کے پاس چلیں، وہ اس پر راضی ہو گئے اور اس کے ساتھ چلے گئے۔ وہ اس قدر وجہ اور شاندار شخص تھے کہ ان کو دیکھ کر ابرہہ بہت متاثر ہوا اور اپنے تخت سے اتر کر ان کے پاس آ کر بیٹھ گیا، پھر پوچھا کہ آپ کیا چاہتے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ میرے جواوٹ پکڑ لیے گئے ہیں وہ مجھے واپس دے دیے جائیں۔ ابرہہ نے کہا کہ آپ اپنے اونٹوں کا مطالبہ تو کر رہے ہیں اور یہ گھر جو آپ کا اور آپ کے دین آبائی کا مرجع ہے اس کے بارے میں کچھ نہیں کہتے۔ انہوں نے کہا میں تو صرف اپنے اونٹوں کا مالک ہوں اور انہی کے بارے میں آپ سے درخواست کر رہا ہوں۔ رہا یہ گھر تو اس کا ایک رب ہے، وہ اس کی حفاظت خود کر لے گا۔ ابرہہ نے جواب دیا وہ اس کو مجھ سے نہ بچا سکے گا۔ عبدالمطلب نے کہا آپ جانیں اور وہ جانے۔ دوران گفتگو عبدالمطلب نے یہ بھی کہا: یہ اللہ کا گھر ہے آج تک اس نے کسی کو اس پر مسلط نہیں ہونے دیا۔ یہ کہہ کر وہ ابرہہ کے پاس سے اٹھ آئے اور اس نے ان کے اونٹ واپس کر دیے۔

قریش اتنی بڑی فوج سے لڑ کر کعبہ کو بچانے کی طاقت نہ رکھتے تھے۔ چنانچہ عبدالمطلب نے لوگوں سے کہا کہ اپنے بال بچوں کو لے کر پہاڑوں میں چلے جائیں تاکہ ان کا قتل عام نہ ہو، پھر وہ اور قریش کے چند سردار حرم میں حاضر ہوئے اور اللہ کے حضور دعائیں مانگیں کہ وہ اپنے گھر کی حفاظت فرمائے۔ ابن ہشام، سیہلی اور ابن جریر نے عبدالمطلب کے جو اشعار نقل کیے ہیں وہ یہ ہیں:

لَا هُمْ إِلَّا الْعَبْدِيُّ نَعُ رَحْلَهُ فَاْمْنَعُ جَلَالِكَ

”الہی! بندہ اپنے گھر کی حفاظت کرتا ہے، تو بھی اپنے گھر کی حفاظت فرما“

لَا يَغْلِبَنَّ صَلِيْبُهُمْ وَمَحَالُهُمْ غَدَاً مَحَالِكَ

”کل ان کی صلیب اور ان کی تدبیر تیری تدبیر کے مقابلے میں غالب نہ آنے پائے“

إِنْ كُنْتَ تَارِكُهُمْ وَقَبْ لَتَنَافُؤُ مَابَدَالِكَ

”اگر تو ان کو اور ہمارے قبلے کو اپنے حال پر چھوڑ دینا چاہتا ہے تو جو تو چاہے کر“

وَأَنْصُرْنَا عَلَى آلِ الصَّلِيِّ بِوَعَابِدِيهِ الْيَوْمَ أَلَكْ

”صلیب کی آل اور اس کے پرستاروں کے مقابلے میں آج اپنی آل کی مدد فرما“

يَا رَبِّ لَا أَرْجُو لَهُمْ سِوَاكَ يَا رَبِّ فَاْمْنَعُ مِنْهُمْ حِمَاكَ

”اے میرے رب! تیرے سوا میں ان کے مقابلے میں کسی سے امید نہیں رکھتا۔ اے میرے رب! ان سے اپنے حرم کی

حفاظت فرما۔“

إِنَّ عَدُوَّ الْبَيْتِ مَنْ عَادَاكَ اَمْنَعُهُمْ أَنْ يُخَرَّبُوا قُرَاكَ
 ”اس گھر کا دشمن تیرا دشمن ہے۔ اپنی بستی کو تباہ کرنے سے ان کو روک“

یہ دعائیں مانگ کر عبدالمطلب اور ان کے ساتھی بھی پہاڑوں میں چلے گئے اور دوسرے روز ابرہہ مکے میں داخل ہونے کے لیے آگے بڑھا، مگر اس کا خاص ہاتھی محمود جو آگے آگے تھا، یکا یک بیٹھ گیا، بہت کوشش کی مگر وہ نہ ہلا..... اتنے میں پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ اپنی چونچوں اور پنجوں میں سنگریزے لیے ہوئے آئے اور انہوں نے اس لشکر پر ان سنگریزوں کی بارش کر دی جس سے سارا لشکر ہلاک و برباد ہو گیا۔ یہ واقعہ مزدلفہ اور منی کے درمیان وادی محصب کے قریب حُسر کے مقام پر پیش آیا۔ جس سال یہ واقعہ پیش آیا، اہل عرب اسے عام الفیل کہتے ہیں۔ اسی سال رسول اللہ ﷺ کی ولادت مبارکہ ہوئی۔ اصحاب الفیل کا واقعہ محرم میں پیش آیا تھا، جبکہ رسول اللہ ﷺ کی ولادت ربیع الاول میں تقریباً 50 دن بعد ہوئی تھی۔ (ملخص از تفہیم القرآن: 462/6-469)

صنعا: 525ء میں جب حبشہ (اکسوم) کے عیسائی بادشاہ نے آخری حمیری حکمران ذونواس کو شکست دے کر یمن میں اپنا گورنر مقرر کر دیا تو اس نے صنعا کو اپنا دارالحکومت بنایا۔ 543ء میں ابرہہ یمن کا گورنر ہوا جسے ٹکفا ہونے کے باعث ابرہہ الاشرم کہا جاتا ہے۔ اس نے اگست 570ء میں خانہ کعبہ کو مسمار کرنے کے ارادے سے مکہ کی طرف یلغار کی مگر نامراد ٹھہرا۔ صنعا اسلامی دور میں بھی یمن کا دارالحکومت رہا اور آج بھی جمہوریہ یمن کا دارالحکومت ہے۔

خثعم: جبل سراة (طائف اور نجران کے درمیان) میں خثعم بقول امام نووی ایک پہاڑ کا نام تھا اور اس نسبت سے یہاں آباد قبیلہ بھی خثعم کہلاتا تھا۔ ابرہہ الاشرم صنعا سے چل کر خثعم کے راستے مکہ معظمہ پر حملہ آور ہوا تھا۔

طائف: یہ عرب کے قدیم ترین شہروں میں سے ہے اور اچھی آب و ہوا اور زرخیزی و شادابی کے لیے مشہور ہے۔ سطح سمندر سے 1700 میٹر بلند ہونے کے باعث یہ زمانہ قدیم سے اہل مکہ کا مصیف یعنی گرمائی پہاڑی مقام رہا ہے۔ اب سعودی حکومت کا گرمائی صدر مقام بھی طائف ہی ہے۔ یہ مکہ کے جنوب مشرق میں 65 کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ 1982ء میں یہاں مسلم سربراہی کانفرنس منعقد ہوئی۔ طائف کا انار دنیا کا بہترین انار ہے جو نہایت میٹھا، سیلا اور خوش ذائقہ ہوتا ہے۔ طائف بنو ثقیف کا شہر تھا۔ ان میں سے مختار ثقفی، حجاج بن یوسف اور فاتح سندھ محمد بن قاسم نے تاریخ میں شہرت پائی۔

متمس: یہ مکہ سے دو میل کے فاصلے پر عرفات سے پرے طائف کی جانب واقع ایک مقام ہے۔ یہاں ابو رغال کی قبر ہے جس نے اصحاب فیل کی مکہ پر چڑھائی کرنے میں رہنمائی کی تھی۔ اسے یہاں موت نے آلیا اور اس کی غداری کے باعث لوگ اس کی قبر پر کنکریاں پھینکتے ہیں۔



سردی اور گرمی کا سفر

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَا يَلْفُ قُرَيْشٌ ۝ الْفِهُمُ رِحْلَةَ الشِّتَاءِ وَالصَّيْفِ ۝ فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هَذَا الْبَيْتِ ۝ الَّذِي أَطْعَمَهُمْ مِنْ جُوعٍ ۝
وَأَمَّنَّهُمْ مِنْ خَوْفٍ ۝

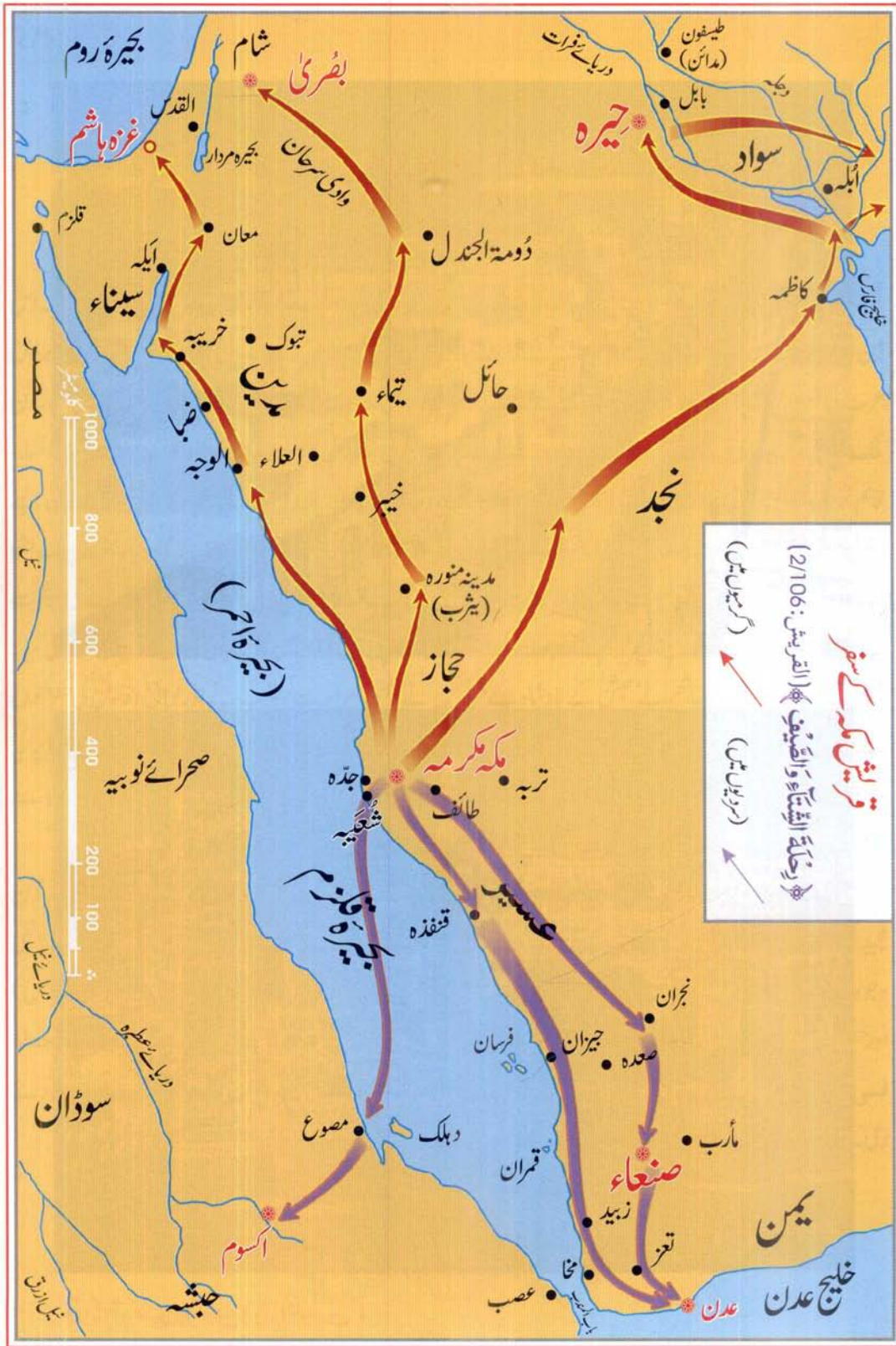
”چونکہ ہم نے قریش کو سردی اور گرمی کے سفر سے مانوس کر رکھا ہے۔ اس لیے ان کو چاہیے کہ وہ اس گھر کے رب کی عبادت کریں جس نے انہیں بھوک میں کھانے کے لیے دیا اور خوف سے امن دیا۔“ (قریش: 1/106...4)

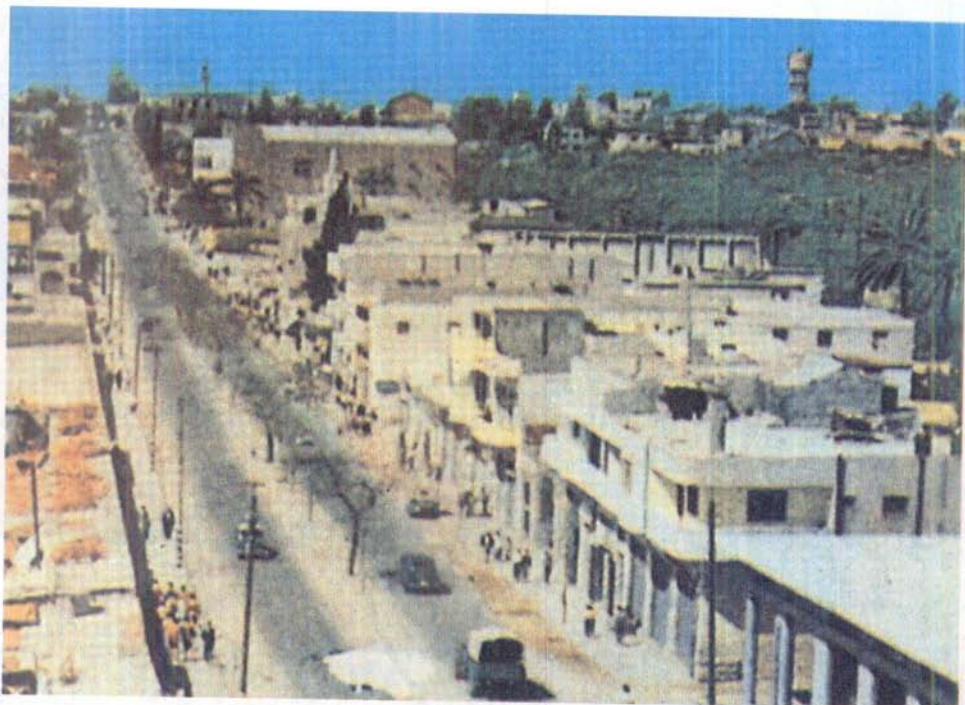
قریشی سردار ہر سال دو تجارتی سفر کرتے تھے ایک سردیوں میں دوسرا گرمیوں میں۔ سردیوں میں یمن اور حبشہ کی طرف سفر کرتے تھے اور گرمیوں میں شام و عراق کی طرف۔

عبد مناف کے چاروں بیٹے ان قافلوں کی قیادت کرتے تھے۔ ہاشم شام کو جاتے تھے۔ خصوصاً غزہ کے علاقہ میں اسی بنا پر غزہ ”غزہ ہاشم“ کے نام سے موسوم ہو گیا۔ مطلب یمن کو جاتے تھے۔ عبد شمس حبشہ کو اور نوفل عراق کو۔

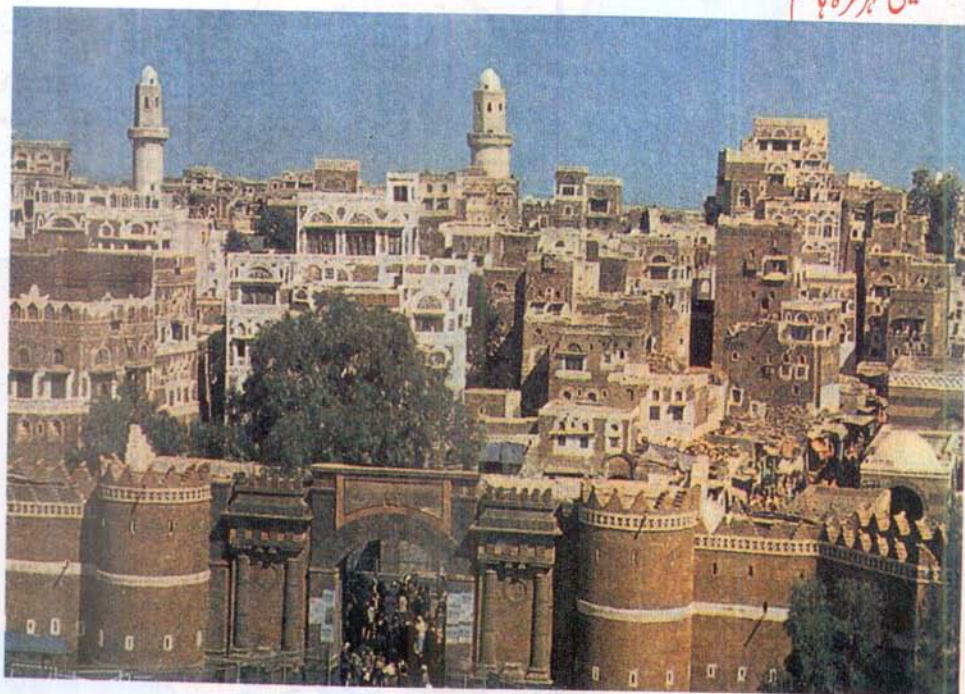
قریش کے یہ قافلے بڑے امن و امان اور اطمینان سے جاتے تھے۔ (نقصان پہنچانا تو دور کی بات ہے) کوئی بری نیت سے ان کے سامنے نہ آتا تھا، کیونکہ وہ بیت اللہ کے پڑوسی اور حرم پاک کے باسی تھے۔







فلسطينی شہر غزہ ہاشم



قدیم شہر صنعاء (یمن کا دارالحکومت)

اصحاب ایلاف

قریش کے سفر: سردار عبدالمطلب کے والد اور رسول اللہ ﷺ کے پردادا کو سب سے پہلے یہ خیال پیدا ہوا کہ اس بین الاقوامی تجارت میں حصہ لیا جائے جو عرب کے راستے بلاد مشرق اور شام و مصر کے درمیان ہوتی تھی، اور ساتھ ساتھ اہل عرب کی ضروریات کا سامان بھی خرید کر لایا جائے تاکہ راستے کے قبائل ان سے مال خریدیں اور مکے کی منڈی میں اندرون ملک کے تجارت خریداری کے لیے آنے لگیں۔ یہ وہ زمانہ تھا جب ایران کی ساسانی حکومت اس بین الاقوامی تجارت پر اپنا تسلط قائم کر چکی تھیں جو شمالی علاقوں اور خلیج فارس کے راستوں سے رومی سلطنت اور بلاد مشرق کے درمیان ہوتی تھی۔ اس لیے جنوبی عرب سے بحیرہ احمر کے ساحل کے ساتھ ساتھ جو تجارتی راستہ شام و مصر کی طرف جاتا تھا اس کا کاروبار بہت چمک اٹھا تھا۔ دوسرے عربی قافلوں کی بہ نسبت قریش کو یہ سہولت حاصل تھی کہ راستے کے تمام قبائل بیت اللہ کے خدام ہونے کی حیثیت سے ان کا احترام کرتے تھے۔ چنانچہ ہاشم نے تجارت کی اسکیم بنائی اور اپنی اس اسکیم میں اپنے باقی تینوں بھائیوں کو شامل کیا۔ شام کے غسانی بادشاہ سے ہاشم نے، حبش کے بادشاہ سے عبد شمس نے، یعنی امراء سے مطلب نے اور عراق و فارس کی حکومتوں سے نوفل نے تجارتی مراعات حاصل کیں۔ اس طرح ان لوگوں کی تجارت بڑی تیزی سے ترقی کرتی چلی گئی۔ اسی بنا پر یہ چاروں بھائی متحین (تجارت پیشہ) کے نام سے مشہور ہو گئے اور جو روابط انہوں نے گرد و پیش کے قبائل اور ریاستوں سے قائم کیے تھے ان کی بنا پر ان کو اصحاب ایلاف بھی کہا جاتا تھا۔ ایلاف کے لفظی معنی ”الفت پیدا کرنے“ کے ہیں۔

ان بین الاقوامی تعلقات کا ایک بڑا فائدہ یہ بھی ہوا کہ عراق سے یہ لوگ وہ رسم الخط لے کر آئے جو بعد میں قرآن مجید لکھنے کے لیے استعمال ہوا۔ عرب کے کسی دوسرے قبیلے میں اتنے پڑھے لکھے لوگ نہ تھے جتنے قریش میں تھے۔ انہی وجہ سے نبی ﷺ نے فرمایا تھا کہ قریش قادة الناس ”قریش لوگوں کے لیڈر ہیں“ (مسند احمد، مرویات عمرو بن العاص) اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت یہ بھی ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا: کان هذا الامر فی حمیر فنزعه الله منهم وجعله فی قریش ”پہلے عرب کی سرداری قبیلہ حمیر والوں کو حاصل تھی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے وہ ان سے سلب کر کے قریش کو دے دی۔“ (تفہیم القرآن، جلد ششم، ص: 475)



وَدَّ سُوَاعٌ، يَغُوثٌ، يَعْقُوبُ، نَسْرٌ، لَاتٌ، عُزَّىٰ اور مَنَات

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَقَالُوا لَا تَذَرُنَّ آلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَلَا سُوَاعًا وَلَا يَغُوثَ وَيَعْقُوبَ وَنَسْرًا ۖ وَقَدْ أَضَلُّوا
كَثِيرًا ۚ وَلَا تَزِدِ الظَّالِمِينَ إِلَّا ضَلَالًا ۝

”قوم نوح نے کہا: ”تم اپنے معبودوں کو نہ چھوڑو۔ (اپنے بتوں) وُد، سواع، یغوث، یعقوب اور نسر کو مت چھوڑو۔“ اس طرح انہوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا، لہذا اے اللہ! ان ظالموں کی گمراہی میں اضافہ فرما۔“ (نوح:

24...23/71)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

أَفَرَأَيْتُمُ اللَّاتَ وَالْعُزَّىٰ ۚ وَمَنَاةَ الثَّالِثَةَ الْأُخْرَىٰ ۚ أَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْأُنثَىٰ ۚ تِلْكَ إِذًا قِسْمَةٌ ضِيزَىٰ ۚ إِنَّ هِيَ إِلَّا أَسْبَاطٌ سَبَّيْتُمُوهُمَا أَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمْ مِمَّا أُنْزَلَ اللَّهُ بِهِمْ مِنْ سُلْطٰنٍ ۖ إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَىٰ
الْأَنفُسُ ۚ وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مِنْ رَبِّهِمْ الْهُدَىٰ ۝

”کیا بھلا تم نے لات اور عزی پر بھی غور کیا؟ اور ایک تیسری (دیوی) منات پر بھی؟ کیا تمہارے لیے تو لڑکے ہوں اور اس (اللہ) کے لیے لڑکیاں؟ یہ تو بڑی نا انصافی والی تقسیم ہے۔ یہ تو خالی نام ہیں جو تم نے اور تمہارے آباء و اجداد نے رکھ چھوڑے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی کوئی دلیل نہیں اتاری۔“ یہ لوگ صرف گمان اور نفسانی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں جبکہ ان کے پاس ان کے پروردگار کی طرف سے ہدایت آچکی ہے۔“ (النجم: 19/53...23)

”صنم“: اس بت کو کہتے ہیں جس کی عبادت کی جائے۔

”وثن“: بھی بت کو کہتے ہیں۔ اس کی جمع اوثنان ہے۔

”نُصَب“: سے مراد وہ پتھر ہیں جو کعبہ کے ارد گرد رکھے ہوئے تھے۔ وہاں غیر اللہ کے نام پر جانور ذبح کیے جاتے تھے۔ ”نصب“ کی جمع ”انصاب“ ہے۔ مکہ میں سب سے پہلے بت نصب کرنے والا عمرو بن لُحی ازدی تھا۔ وہ انہیں شام سے لے کر آیا تھا۔ اہم بت مندرجہ ذیل تھے:

”اساف اور نائلہ“: یہ دونوں بت مسجد حرام میں کعبہ کے دروازے کے پاس رکھے تھے۔

”أَقْيَصْر“: قضاعہ، لُحَم اور عاملہ (قبائل) کا بت تھا۔ شامی حدود کے پاس نصب تھا۔

”جَلَسَد“: حضرموت کے علاقے میں تھا۔ بنو کنندہ اس کی پوجا کرتے تھے۔

”ذوالخَلَصَة“: یہ بت مکہ اور یمن کے درمیان ”نبالہ“ کے مقام پر تھا۔ شعم، بجیلہ، ازد السراة اور ان کے قریب بنو ہوازن کے قبائل اس بت کی بہت تعظیم کرتے تھے۔

”ذوالشَّری“: بنو حارث بن مبشر ازدی کا بت تھا۔

”ذوالکفین“: قبیلہ دوس کا بت تھا۔

”سَوَاع“: مدرکہ بن الیاس کی نسل سے ہذیل قبیلہ کا بت تھا جو مدینہ منورہ کے قریب ”ینیع“ کے علاقے میں تھا۔ ”صَیْرَنان“: یہ دو بت تھے جنہیں جذیمہ ابرش نے حیرہ کے علاقے میں نصب کیا تھا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ منذر اکبر نے حیرہ کے دروازے پر انہیں کیا تھا۔ تاکہ حیرہ میں داخل ہونے والا ہر شخص انہیں سجدہ کرے۔ اس کا مقصد یہ معلوم کرنا تھا کہ کون میرا مطیع ہے۔

”عائم“: ازد سراة کا بت تھا۔

”غَزَى“: مکہ سے عراق جانے والے راستے کے دائیں جانب پڑتا تھا۔ یہ بت قریش کے نزدیک عظیم ترین تھا۔

”لَات“: طائف میں نصب تھا جس جگہ آج کل طائف کی مسجد کا بایاں مینا ہے۔

”منات“: یہ عرب کا قدیم ترین بت تھا۔ یہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان ”مُشَلَّل“ کے علاقہ میں ”قدید“ کے مقام پر سمندر کے قریب نصب تھا۔

”نَسْر“: یمن میں تھا۔ بنو حمیر نے اسے بنایا تھا اور وہ ”بلخع“ کے علاقے میں اس کی پوجا کرتے تھے۔

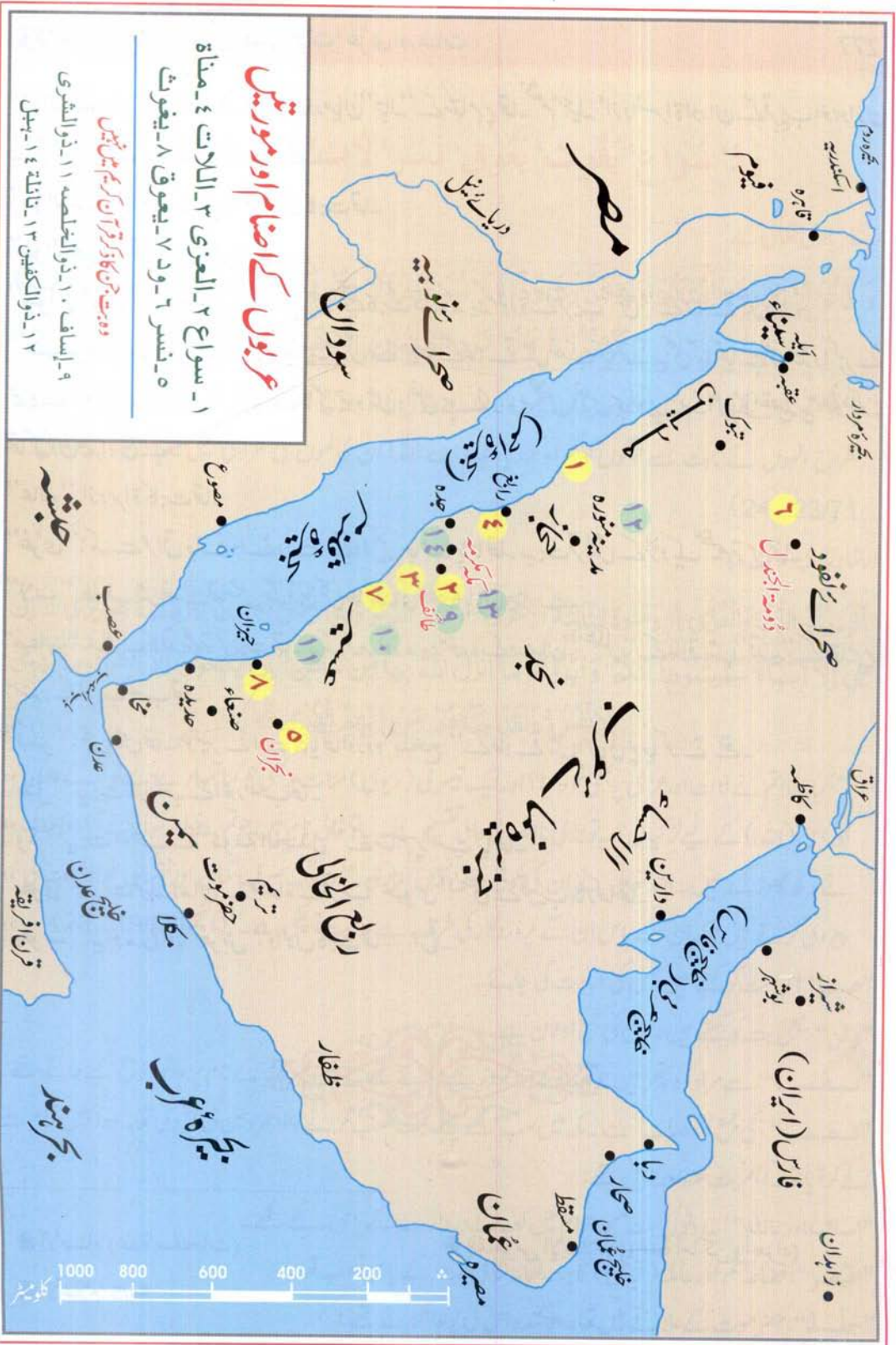
”هَبِل“: یہ بت عین کعبہ کے اندر نصب تھا۔

”وَدّ“: یہ بت بنو کلب نے ”دومة الجندل“ کے مقام پر نصب کیا تھا۔

”يعوق“: یہ بت قبیلہ ہمدان نے صنعاء کے قریب ”خَبِوَان“ بستی کے قریب بنا رکھا تھا۔

”يغوث“: یہ بنو مذحج اور ”جُرَش“ والوں کا بت تھا..... الخ۔





عربوں کے اصنام اور مورثیں

۱۔ سواع ۲۔ العزی ۳۔ اللات ۴۔ مناة

۵۔ نسر ۶۔ ود ۷۔ یعوق ۸۔ یغوث

وہ بت جن کا ذکر قرآن کریم میں نہیں

۹۔ اساف ۱۰۔ ذو الخاصمہ ۱۱۔ ذو الشری

۱۲۔ ذو الکفین ۱۳۔ نائلة ۱۴۔ بیل

سرزمین عرب کے بت

(1) **اساف و نائلہ:** یہ ایک انسانی شکل کا بت تھا اور عمرو بن لُحی نے زمزم کے پاس رکھ دیا تھا۔ لوگ اس کا طواف کرتے اور ساتھ قربانی بھی کرتے تھے۔ اساف (مرد) اور نائلہ (عورت) کعبے میں زنا کے مرتکب ہوئے تھے اور جب لوگوں نے آ کر دیکھا تو وہ پتھر بن چکے تھے۔ لوگوں نے انہیں عبرت کے لیے صفا اور مروہ پر رکھ دیا تھا مگر ابن لُحی نے حرم میں ان کی پوجا شروع کر دی۔

(2) **اقیصر:** زمانہ جاہلیت میں عربوں کے ایک معبود کا نام ہے۔ قضاۃ لُحْم، جذام، عاملہ اور غطفان قبائل اس کی پوجا کرتے تھے۔ یہ صحرائے شام کی سطح مرتفع (مشارف) میں واقع ہے۔ ہشام نے کہا ہے: قضاۃ لُحْم، جذام اور اہل شام اس کا حج کرتے تھے اور اس کے پاس سرمنڈاتے تھے۔ (معجم البلدان: 1/238)

(3) **الجلسد:** یہ حضرموت کے علاقے میں کندہ کا بت تھا۔ اس کے خادم و متولی بنی شکامہ بن شمیم تھے جو کندہ کی آل میں سے تھے۔ اس بت کے نام ایک چراگاہ تھی جس میں اس پر چڑھائے جانے والے جانور چرتے تھے۔ اس کی شکل ایک ضخیم انسان کی سی تھی جسے سفید پتھر سے تراش کر بنایا گیا تھا۔ (تلخیص از معجم البلدان: 51/2، 52)

(4) **ذوالخلصہ:** یہ بت تبالہ کے مقام پر نصب تھا اور دوس، نِشْم اور بنحیلہ قبائل اس کی پوجا کرتے تھے۔ اسے کعبہ یمانیہ کہا جاتا تھا۔ اسے جریر بن عبداللہ بکلی نے توڑا۔

(5) **ذوالشری:** یہ دوس اور ازد قبائل کا دیوتا تھا اور عسیر کے علاقے میں اس کی پوجا ہوتی تھی۔ شری تہامہ میں ایک پہاڑی مقام تھا۔ بنطیوں میں ذوالشری اور حرلیس دیوتاؤں کا جوڑا تھا۔ ادوم (اردن) کے ایک پہاڑی مقام کا نام بھی ”شری“ تھا اور یہاں بھی ذوالشری کو خصوصاً پڑا (بطرا) میں پوجا جاتا تھا۔

(6) **ذوالکفین:** یہ قبیلہ دوس کا دیوتا تھا۔ حضرت طفیل بن عمرو دوسی (رضی اللہ عنہ) فتح مکہ کے بعد نبی اکرم ﷺ کی اجازت سے واپس گئے اور جا کر ذوالکفین کو جلا دیا۔

(7) **سواع:** قرآن مجید کی سورہ نوح میں وہ یغوث، یعوق اور نسر نامی بتوں کے ساتھ اس کا ذکر کیا گیا ہے، یعنی قوم نوح ان پانچوں بتوں کو پوجتی تھی اور اس کے غرقاب ہونے کے ایک عرصہ بعد قبیلہ خزاعہ کے سرار عمرو بن لُحی نے شام میں بت پرستی ہوتے دیکھی اور چند بت ساتھ لے آیا، پھر اس نے مذکورہ پانچوں بتوں کو جدہ کے مقام پر دریافت کیا اور اس کے بعد مختلف علاقوں میں ان کی پوجا ہونے لگی۔ عہد اسلام سے پہلے یثرب کے مغرب میں ینبع کے قریب رباط کے مقام پر سواع کی پوجا ہوتی تھی نیز دومتہ الجندل میں قبیلہ ہذیل کے لوگ بھی اسے پوجتے تھے۔ سواع کی شکل عورت کی تھی۔

(8) **الصَّيْرَانَانِ**: یہ ”ضیون“ سے تشبیہ کا صیغہ ہے۔ لغت عرب میں ضیون ایک دوسرے کے خلاف مزاحم ہونے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ یہ دو بت تھے جنہیں جذیمہ الابرش یا منذر الاکبر نے ”حیرہ“ (عراق) شہر کے دروازے پر نصب کیا تھا تاکہ جو بھی حیرہ میں داخل ہوا نہیں سجدے کرے اور اس سے مقصود یہ تھا کہ آنے والے کی اطاعت کا امتحان لیا جائے۔ (لسان العرب: 254/13)

(9) **عائم**: کلبی نے کہا ہے کہ ازدراسۃ کے بت کا نام عائم تھا۔ (معجم البلدان: 73/4)

(10) **العزیٰ**: یہ نام اعز کی تانیث اور تفضیل کا صیغہ ہے جبکہ اعز بمعنی عزیز اور عزی بمعنی عزیزہ لیا گیا ہے۔ مکہ سے چند میل دور وادی نخلہ میں ببول کا ایک درخت تھا جس کے نیچے عزی کا تھان تھا۔ عزی کا بت حرم کعبہ میں بھی رکھا ہوا تھا جسے فتح مکہ کے وقت توڑا گیا وادی نخلہ میں بنو کنانہ عزی کو پوجتے تھے اور اسے توڑنے کے لیے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو بھیجا گیا تھا۔

(11) **اللات**: طائف میں بنو ثقیف اس کی عبادت کرتے تھے۔ ”لات“ کے معنی ہیں ”ستو گھولنے والا“ یہ ایک شخص تھا جو حاجیوں کو ستو گھول کر پلایا کرتا تھا۔ بعد میں عمرو بن لُحی کے ایمار اس کا بت بنا کر اس کی پوجا کی جانے لگی۔ قریش سونے سے پہلے لات اور عزی کی پوجا پاٹ کرتے اور انہی کی قسم کھایا کرتے تھے۔

(12) **منات**: یہ بت قدیم ترین تھا اور بحیرہ احمر کے ساحل پر قدید کے قریب مشلل میں نصب تھا۔ لات، منات اور عزی عرب کے سب سے بڑے بت تھے اور ان تینوں کے نام سورہ نجم میں آئے ہیں۔ منات کی پوجا کا آغاز بھی عمرو بن لُحی نے کیا تھا۔ بنو زید اور غسان منات کا حج بھی کرتے تھے۔ اوس اور خزرج حج کے بعد منات کے پاس آ کر احرام اتارتے تھے۔ فتح مکہ کے لیے جاتے ہوئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس بت کو منہدم کر دیا۔

(13) **نسر**: حمیر (یمن) کے علاقے میں نجران کے پاس قبیلہ ذی الکلاع کے لوگ اس کی پوجا کرتے تھے۔ آج کل نجران سعودی عرب کا شہر ہے جو سرحد یمن کی طرف واقع ہے۔ نسر پرندے (گدھ) کی شکل کا بت تھا۔

(14) **ہبل**: قریش کے اس سب سے بڑے دیوتا کا نام دراصل ”بلع“ کی تحریف ہے۔ ”بلع“ اہل شام کا دیوتا تھا اس سے منسوب ”بلعک“ لبنان کا قدیم شہر ہے۔ ”بلع“ کے لغوی معنی قوت کے ہیں اور مجازاً آقا کے معنی لیے جاتے ہیں اسی لیے قرآن میں ”بلع“ شوہر کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ یہ بت قریش کو انسانی صورت کی شکل میں ملا تھا جو سرخ عقیق سے تراشا گیا تھا۔ اس کا دایاں ہاتھ ٹوٹا ہوا تھا، قریش نے وہ سونے کا بنوا کر لگا دیا۔ ”ہبل“ خاص کعبہ میں نصب تھا۔ فال کے پانے اسی کے آگے ڈالے جاتے تھے۔ قریش جنگوں میں (أَعْلُ هُبْل) ”ہبل کی بجے“ کا نعرہ لگاتے تھے۔ فتح مکہ کے موقع پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسے توڑ دیا تھا۔

(15) **ود**: یہ بت دومۃ الجندل میں نصب تھا اور بنو کلب اس کی پوجا کرتے تھے۔ قریش بھی اس بت کو پوجتے تھے۔ لغوی لحاظ سے ودا وود دونوں ایک ہی بت کے نام ہیں۔ قریش کا مشہور بہادر عمرو بن عبدود تھا جو غزوہ احزاب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں قتل ہوا۔

(16) یعوق: یہ بھی ان پانچ بتوں میں شامل تھا جو جدہ میں دفن تھے۔ کہا جاتا تھا کہ عمرو بن لُحی کے تابع ایک جن نے ان بتوں کا اسے پتہ دیا اور وہ انہیں کھود کر تہامہ لے آیا اور حج کے دنوں میں انہیں مختلف قبائل کے حوالے کر دیا۔ یعوق کے معنی ہیں مصیبت روکنے والا اور اس کی شکل گھوڑے کی تھی۔ یعوق یمن میں ارحب کے مقام پر نصب تھا، بنو ہمدان و خولان اس کی پوجا کرتے تھے۔ ارحب صنعاء سے دور اتوں کے فاصلے پر مکہ کی جانب واقع تھا۔

(17) یغوث: یہ بت اکمہ (یمن) میں نصب تھا اور بنو مندج اور ہمدان اس کی پوجا کرتے تھے۔ قبیلہ طے کی شاخ انعم مراد اور بنو غطفان بھی اسے پوجتے تھے۔ یغوث کے معنی ہیں ”فریاد کو پہنچنے والا“ اور اس کی شکل شیر کی تھی۔



ادنی الارض

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

الَّذِينَ غَلِبَتِ الرُّومُ ۖ فِي ادْنَى الْأَرْضِ وَهُمْ مِنْ بَعْدِ غَلِبِهِمْ سَيَغْلِبُونَ ۖ فِي بَضْعِ سِنِينَ ۚ اللَّهُ الْأَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْ بَعْدُ ۚ وَيَوْمَئِذٍ يُفْرِغُ الْمُؤْمِنُونَ ۖ يَنْصُرُ اللَّهُ يَنْصُرُ مَنْ يَشَاءُ ۚ وَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ۝

”الْم۔ رومی قریبی نشیبی جگہ میں مغلوب ہو گئے، لیکن وہ مغلوب ہونے کے چند سال بعد پھر غالب آئیں گے۔ فتح و شکست کا معاملہ اللہ کے ہاتھ میں ہے اور رہے گا۔ نیز اس دن مومن بھی اللہ کی مدد کے ساتھ خوش ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ جس کی چاہتا ہے مدد کرتا ہے۔ وہی غلبے اور حکمت کا مالک ہے۔“ (الرؤم: 1/30...5)

”ادنی الارض“ سے مراد فلسطین کا نشیبی علاقہ ہے۔ یعنی بحیرہ مردار (بحیرہ لوط) جو سطح سمندر سے 392 میٹر نیچے ہے۔

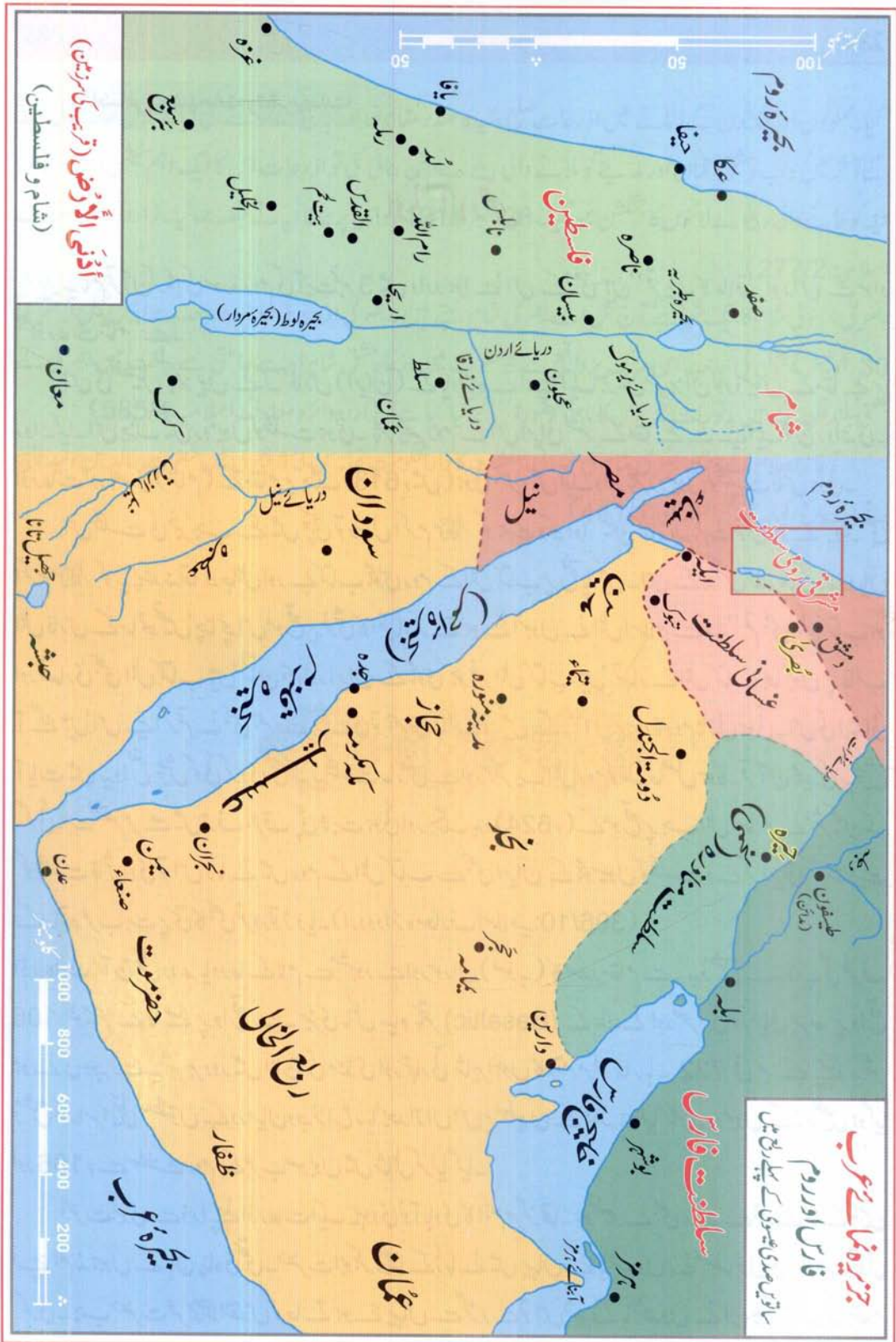
عربی زبان میں ادنیٰ کا معنی اقرب بھی ہے اور نشیب بھی۔ نشیب کے مقابلے میں بلندی ہوتی ہے۔ گویا ادنیٰ کا معنی ہے نیچا، یعنی نشیبی علاقہ۔ لہذا ”ادنی الارض“ سے مراد قریبی نشیبی علاقہ ہے۔

واقعاً اسی طرح ہوا جس طرح قرآن مجید نے پیشگوئی فرمائی تھی۔ رومی فارسیوں پر فلسطین کے علاقے میں غالب آ گئے۔ اور یہ عین اس وقت کی بات ہے جب 2 ہجری یعنی 624ء میں مسلمان بدر کبریٰ میں مشرکین مکہ پر غالب آئے۔

ادنی الارض سے مراد سطح ارض پر سب سے نیچا درجہ ہے اور وہ بحیرہ مردار ہے جو سطح سمندر سے 392 میٹر نیچے ہے۔ نیز یہ علاقہ رومی علاقے میں فارس اور جزیرہ عرب کے قریب ترین تھا۔

اس سورت کی ابتدا قرآن مجید کے نبی معجزات میں سے ہے کیونکہ واقعات اسی طرح وقوع پذیر ہوئے جس طرح یہاں بیان ہوئے۔ یہ واضح دلیل ہے جو آپ ﷺ کی سچی نبوت کی گواہی دیتی ہے۔ اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا ہے۔ کیونکہ ایسے غیب کی خبر دی گئی جسے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اور واقعاً اسی طرح ہوا۔





ادنی الارض

یہ نام قرآن کریم کی سورہ روم کی آیت نمبر 3 میں وارد ہوا ہے اس کے معنی ہیں ”قریب کا علاقہ“ اور اس سے مراد ”اذرعات شام“ ہے۔

اس کی تفصیل کچھ یوں ہے کہ ”فارس (ایران) کے بادشاہ نے اپنے ایک جرنیل شہر بزان کو رومیوں کے مقابلے پر روانہ کیا۔ اس جنگ میں رومیوں کو شکست ہو گئی۔ پھر قیصر روم نے اس ایرانی لشکر کے مقابلے کے لیے ایک فوج روانہ کی۔ اذرعات اور بصری (شام) کے مقام پر جنگ (613ء میں) ہوئی جس میں ایک دفعہ پھر رومیوں کو شکست فاش ہوئی۔ اس شکست کی خبر جب سکے میں پہنچی تو رسول اکرم ﷺ کو بہت دکھ ہوا، لیکن کفار مکہ بہت خوش ہوئے کیونکہ نبی اکرم ﷺ کو یہ پسند نہ تھا کہ جاہل اور بے کتاب مجوسی روم کے اہل کتاب پر فتح پائیں۔ اس کے برعکس کفار مکہ کی ہمدردیاں اہل فارس کے ساتھ تھیں، چنانچہ اس موقع پر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے انہوں نے اہل اسلام سے کہا: ”تم بھی اہل کتاب ہو اور نصاریٰ بھی اہل کتاب ہیں، لیکن ہم اور ایران کے مجوسی جو غیر اہل کتاب ہیں تمہارے اہل کتاب بھائیوں پر غالب آ گئے ہیں اس لیے اگر تم نے بھی ہم سے جنگ کی تو ہم ہی غالب آئیں گے۔“ اس پر سورہ روم نازل ہوئی۔ اس کی ابتدائی آیات میں یہ واضح پیش گوئی کر دی گئی کہ یہ شکست عارضی ہے اور عنقریب اہل روم کو غلبہ حاصل ہوگا۔ قرآن مجید کی یہ پیش گوئی بہت مختصر عرصے میں حرف بحرف سچی ثابت ہوئی اور جنگ بدر (624ء) کے موقع پر جب اہل اسلام نے مشرکین مکہ کو شکست فاش دی تو اس زمانے میں روم کے اہل کتاب نے بھی ایران کے مجوسیوں کو شکست دے کر ایرانی شہنشاہیت کے ساتھ عرب بت پرستی کا بھی غرور توڑ دیا۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 396/10)

اذرعات: آج کل درعہ یا درعا کے نام سے مشہور ہے اور حوران (صوبہ) کا صدر مقام ہے۔ یہ دمشق سے جنوب کی طرف 106 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ سبزی مائل سیاہ پتھر (Basaltic) کے علاقے اور صحرا کی درمیانی سرحد پر واقع ہونے کی وجہ سے یہ شہر ہر دور میں اناج کی منڈی اور تجارتی شاہراہوں کا اہم مرکز بنا رہا۔ 732 ق م سے پہلے یہ شہر دمشق اور اسرائیلی سلطنتوں کے درمیان وجہ نزاع رہا، بعد ازاں اس پر بظیوں نے قبضہ جمایا، پھر یہ رومیوں کے زیر نگیں ہو گیا اور 106ء سے سلطنت روم کے عرب صوبوں میں شامل کر لیا گیا۔

ہجرت نبوی سے ذرا پہلے اذرعات ایک یہودی نوآبادی کا اہم مرکز تھا۔ بنو نضیر نے بھی مدینہ سے ہجرت کر کے یہیں اپنے ہم مذہبوں کے ہاں پناہ لی تھی۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں یہاں کے باشندوں نے مسلمانوں کی اطاعت قبول کر لی۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ القدس کو جاتے ہوئے یہاں سے گزرے تو اس شہر کے باشندوں نے ان کا پر تپاک خیر مقدم

کیا۔ مملوکوں اور عثمانیوں کے زمانے میں اذرعات ضلع بٹھیہ کا صدر مقام تھا اور حجاج کے راستے کی ایک منزل تھا۔ عثمانی عہد کے آخر میں جب دمشق، عمان اور مدینے کو ملانے والی ریلوے لائن بنائی گئی تو اذرعات اس کا ایک اہم سٹیشن اور بصرہ اور حیفہ کو جانے والی ریلوے لائنوں کا جنکشن بن گیا۔ 28 ستمبر 1918ء کو اس پر برطانیہ نے قبضہ جمالیا۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 277/2)

بُصری: جنوبی شام کا ایک شہر ہے، آج کل اسے بصری شام کہتے ہیں۔ بُصری اردن کی موجودہ سرحد سے انیس میل (تقریباً 30 کلومیٹر) شمال کی جانب اس سڑک پر واقع ہے جو مغرب میں درعا دمشق شاہراہ سے جا ملتی ہے۔ لغت میں بصری کے معنی بلند قلعہ کے ہیں۔ تورات میں اس کا نام ”بصورة“ ذکر کیا گیا ہے۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 585/4)

آغاز اسلام کے وقت بصری شام کی غسانی سلطنت کا دار الحکومت تھا۔ سن 13 ہجری میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اسے فتح کیا۔ (معجم البلدان: 441/1)



تین، زیتون، طور سینین اور بلدا امین

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَالَّتَيْنِ وَالزَّيْتُونِ ۝ وَطُورِ سِينِينَ ۝ وَهَذَا الْبَلَدِ الْأَمِينِ ۝ لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ ۝ ثُمَّ رَدَدْنَاهُ أَسْفَلَ سَافِلِينَ ۝ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَلَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ ۝ فَبِمَا كَذَّبَ بِكُفْرٍ الْإِنَّمَانِ ۝ أَكَيْسَ اللَّهُ بِأَحْكَمِ الْحَكَمِينَ ۝

”تین کی قسم، زیتون کی قسم، طور سیناء کی قسم اور اس امن والے شہر کی قسم۔ بلاشبہ ہم نے انسان کو بہترین صورت میں پیدا کیا ہے۔ پھر ہم نے اس کو انتہائی ذلیل بھی کر دیا۔ البتہ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے ان کے لیے کبھی نہ ختم ہونے والا اجر ہوگا۔ پھر اب کون سی چیز تجھے روز جزا کو جھٹلانے پر آمادہ کرتی ہے؟ کیا اللہ تعالیٰ سب حاکموں سے بڑا حاکم نہیں؟“ (التین: 1/95...8)

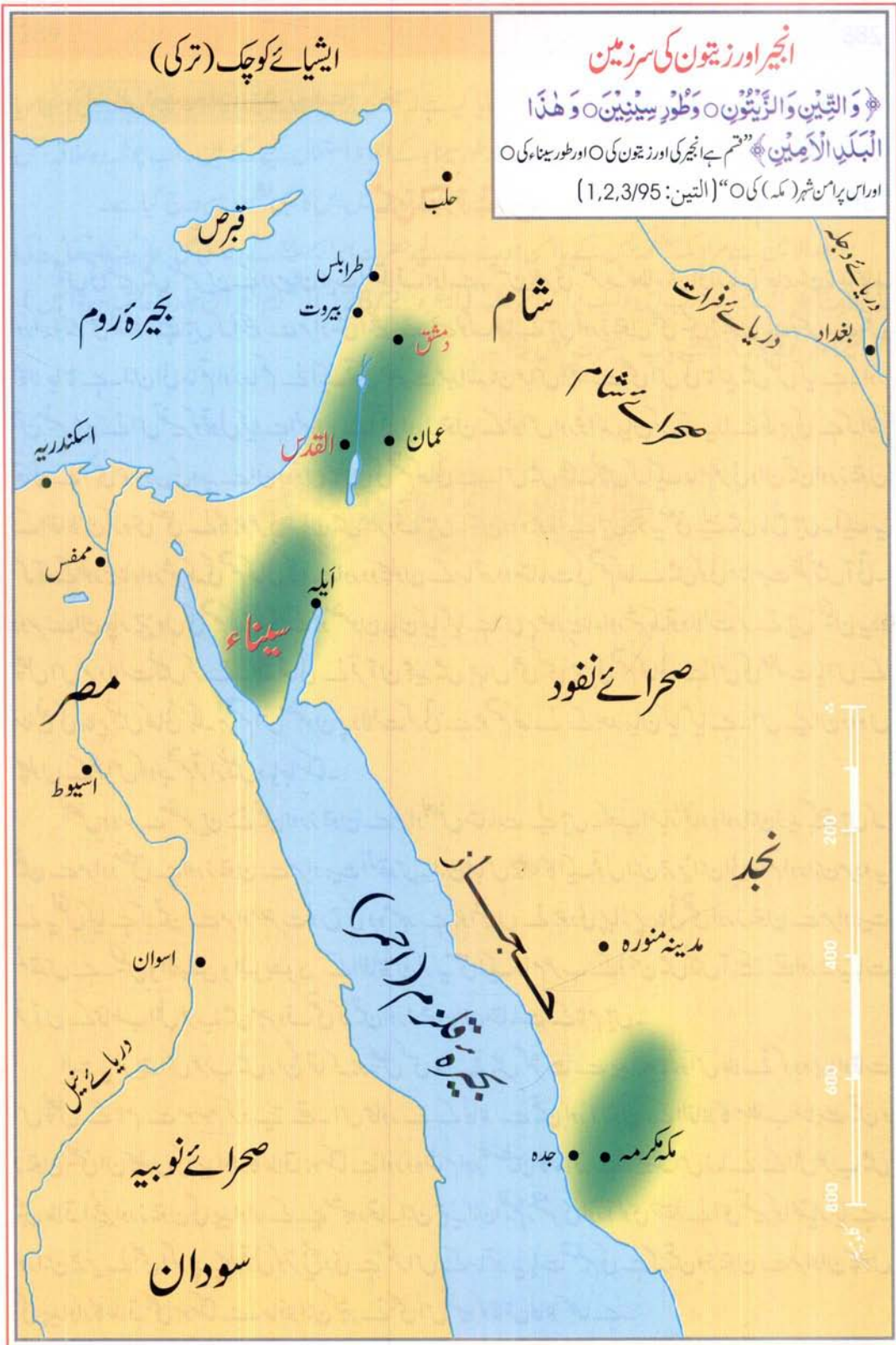
اس سورت میں مقدس مقامات کی قسم اٹھائی گئی ہے۔ ان مقامات کو اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء پر وحی اتارنے کے لیے مخصوص فرمایا تھا۔

تین اور زیتون: اس سے مراد ملک شام کے تمام شہر ہیں خصوصاً بیت المقدس جہاں انجیر اور زیتون عام ہوتے ہیں۔ گویا اللہ تعالیٰ نے اس پیغام کی قسم اٹھائی ہے جو حضرت مسیح علیہ السلام پر نازل کیا گیا۔ طور سیناء: صحرائے سیناء کا ایک پہاڑ ہے۔ گویا اس پیغام کی قسم اٹھائی گئی جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر طور سیناء میں اتارا گیا۔ سینین کا معنی ہے مبارک۔

بلدا امین: سے مراد مکہ مکرمہ ہے جہاں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر اللہ تعالیٰ کا پیغام اترا۔ گویا ان آیات مبارکہ میں تین آسمانی دینوں کی قسم اٹھائی گئی ہے جو بالترتیب حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر نازل فرمائے گئے۔ اس سے انبیاء علیہم السلام کے درمیان اخوت کی روح صاف اجاگر ہوتی ہے۔ کیونکہ دین ایک ہے شریعتیں مختلف ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ

”بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ دین اسلام ہے۔“ (آل عمران: 19/3)



تین اور زیتون

اس کی تفسیر میں مفسرین کے درمیان بہت اختلاف ہوا ہے۔ حسن بصری، عکرمہ، عطاء بن ابی رباح، جابر بن زید، مجاہد اور ابراہیم نخعی رحمہم اللہ کہتے ہیں کہ انجیر سے مراد یہی انجیر ہے جسے لوگ کھاتے ہیں اور زیتون بھی یہی زیتون ہے جس سے تیل نکالا جاتا ہے۔ ابن ابی حاتم اور حاکم نے ایک قول حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی اس کی تائید میں نقل کیا ہے۔ اور جن مفسرین نے اس تفسیر کو قبول کیا ہے انہوں نے انجیر اور زیتون کے خواص اور فوائد بیان کر کے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہی خوبییوں کی وجہ سے ان دونوں پھلوں کی قسم کھائی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ایک عام عربی دان تین اور زیتون کے الفاظ سن کر وہی معنی لے گا جو عربی زبان میں معروف ہیں۔ لیکن دو وجوہ ایسے ہیں جو یہ معنی لینے میں مانع ہیں۔ ایک یہ کہ آگے طور سیناء اور شہر مکہ کی قسم کھائی گئی ہے اور دو پھلوں کے ساتھ دو مقامات کی قسم کھانے میں کوئی مناسبت نظر نہیں آتی۔ دوسرے ان چار چیزوں کی قسم کھا کر آگے جو مضمون بیان کیا گیا ہے اس پر طور سیناء اور شہر مکہ تو دلالت کرتے ہیں، لیکن یہ دو پھل اس پر دلالت نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جہاں بھی کسی چیز کی قسم کھائی ہے، اس کی عظمت یا اس کے منافع کی بنا پر نہیں کھائی، بلکہ ہر قسم اس مضمون پر دلالت کرتی ہے جو قسم کھانے کے بعد بیان کیا گیا ہے۔ اس لیے ان دونوں پھلوں کے خواص کو وجہ قسم قرار نہیں دیا جاسکتا۔

بعض دوسرے مفسرین نے تین اور زیتون سے مراد بعض مقامات لیے ہیں۔ کعب احبار، قتادہ اور ابن زید کہتے ہیں کہ تین سے مراد دمشق ہے اور زیتون سے مراد بیت المقدس۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ایک قول ابن جریر، ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ نے یہ نقل کیا ہے کہ تین سے مراد حضرت نوح کی وہ مسجد ہے جو انہوں نے جو دی پہاڑ پر بنائی تھی اور زیتون سے مراد بیت المقدس ہے۔ لیکن والتین والزیتون کے الفاظ سن کر یہ معنی ایک عام عرب کے ذہن میں نہیں آ سکتے تھے اور نہ یہ بات قرآن کے مخاطب اہل عرب میں معروف تھی کہ تین اور زیتون ان مقامات کے نام ہیں۔

البتہ یہ طریقہ اہل عرب میں رائج تھا کہ جو پھل کسی علاقے میں کثرت سے پیدا ہوتا ہو اس علاقے کو وہ بسا اوقات اس پھل کے نام سے موسوم کر دیتے تھے۔ اس محاورے کے لحاظ سے تین اور زیتون کے الفاظ کا مطلب منابت تین و زیتون، یعنی ان پھلوں کی پیداوار کا علاقہ ہو سکتا ہے اور وہ شام اور فلسطین کا علاقہ ہے، کیونکہ اس زمانے کے اہل عرب میں یہی علاقہ انجیر اور زیتون کی پیداوار کے لیے مشہور تھا۔ ابن تیمیہ، ابن القیم، زحشری اور آلوسی رحمہم اللہ نے اسی تفسیر کو اختیار کیا ہے۔ اور ابن جریر نے بھی اگرچہ پہلے قول کو ترجیح دی ہے، مگر اس کے ساتھ یہ بات تسلیم کی ہے کہ تین و زیتون سے مراد ان پھلوں کی پیداوار کا علاقہ بھی ہو سکتا ہے۔ حافظ ابن کثیر نے بھی اس تفسیر کو قابل لحاظ سمجھا ہے۔

سورۃ التین میں اصل میں ”طور سینین“ فرمایا گیا ہے۔ سینین جزیرہ نمائے سیناء کا دوسرا نام ہے۔ اس کو سیناء یا سیناء بھی کہتے ہیں اور سینین بھی۔ خود قرآن میں ایک جگہ طور سیناء کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ اب چونکہ وہ علاقہ جس میں کوہ طور واقع ہے سیناء ہی کے نام سے مشہور ہے اس لیے ہم نے ترجمہ میں اس کا یہی مشہور نام درج کیا ہے۔

البلد الامین سے مراد مکہ معظمہ جس کے با امن ہونے کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی تھی: ﴿رَبِّ اجْعَلْ هَذَا بَلَدًا آمِنًا﴾ اے میرے رب اس کو ایک پر امن شہر بنا۔“ (البقرہ: 126/2) (تفہیم القرآن جلد 6 حاشیہ سورۃ التین)

طور سیناء (کوہ طور): دیکھیے باب ”حضرت موسیٰ علیہ السلام“۔



اُمُّ الْقُرَىٰ (مکہ مکرمہ)

مکہ مکرمہ کا ایک نام ”اُمُّ الْقُرَىٰ“ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَهَذَا كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ مُبَارَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَلِتُنْذِرَ أُمَّ الْقُرَىٰ وَمَنْ حَوْلَهَا وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ
يُؤْمِنُونَ بِهِ وَهُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ ﴿٩١﴾

”یہ بابرکت کتاب ہے جسے ہم نے اتارا۔ تصدیق کرتی ہے ان کتابوں کی جو اس سے پہلے اتری ہیں۔ تاکہ آپ اُمُّ الْقُرَىٰ (مکہ مکرمہ) اور اس کے ارد گرد رہنے والوں کو اللہ کے عذاب سے ڈرائیں۔ جو لوگ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں وہ اس کتاب پر بھی ایمان رکھتے ہیں۔ اور وہ اپنی نمازوں کی پابندی کرتے ہیں۔“ (الانعام: 92/6)

دوسرا نام ”مکہ“ ہے۔ ارشاد الہی ہے:

وَهُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ

”اللہ تعالیٰ نے وادی مکہ میں تمہارے ہاتھوں کو ان سے اور ان کے ہاتھوں کو تم سے روک دیا۔“ (الفتح: 24/48)

تیسرا نام ”بگہ“ ہے۔ ارشاد الہی ہے:

إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَهُدًى لِلْعَالَمِينَ ﴿٩٢﴾

”بلاشبہ وہ پہلا گھر جسے اللہ تعالیٰ کی عبادت کی خاطر عوام الناس کے لیے بنایا گیا، شہرکہ میں ہے۔ یہ گھر بابرکت ہے اور جہانوں کے لیے ہدایت کا سبب ہے۔“ (آل عمران: 96/3)

چوتھا نام ”البیت الحرام“ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَجْلُوا شَعَائِرَ اللَّهِ وَلَا الشُّهُرَ الْحَرَامَ وَلَا الْهُدًى وَلَا الْقَلَائِدَ وَلَا أَمْمِينَ
الْبَيْتِ الْحَرَامِ يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنْ رَبِّهِمْ وَرِضْوَانًا وَإِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوا وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ أَنْ
صَدَّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ أَنْ تَعْتَدُوا وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدَاوَانِ
وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿٩٣﴾

”اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ شعائر، حرمت والے مہینوں، حرم کے لیے بھیجے گئے جانور جن کے گلے میں
قلادے (پٹے) ڈالے گئے ہیں اور بیت حرام کا قصد کرنے والے حاجیوں کی بے حرمتی نہ کرو۔ یہ لوگ اپنے رب

کے فضل اور رضامندی کے طالب ہیں۔ جب تم احرام سے حلال ہو جاؤ تو شکار کر سکتے ہو۔ کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر مجبور نہ کرے کہ تم ان پر زیادتی کرو اس بنا پر کہ انہوں نے تمہیں مسجد حرام میں داخل ہونے سے روک دیا تھا۔ نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے سے تعاون کرو البتہ گناہ اور ظلم کے کام میں تعاون نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو کہ اللہ تعالیٰ کی سزا بڑی سخت ہے۔“ (المائدہ: 2/5)

مزید ارشاد باری ہے:

جَعَلَ اللَّهُ الْكُعبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيَمًا لِّلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ وَالْقَلَائِدَ ذَٰلِكَ لِتَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَأَنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿٩٥﴾

”اللہ تعالیٰ نے حرمت والے گھر کعبہ حرمت والے مہینوں اور قربانی کے جانوروں کو جن کے گلوں میں قنادے ڈالے گئے ہیں لوگوں کے لیے بقا کا ذریعہ بنایا ہے۔ یہ سب کچھ اس لیے ہے کہ تم جان لو کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کی ہر چیز کو جانتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو بخوبی جانتا ہے۔“ (المائدہ: 97/5)

قرآن مجید میں مکہ مکرمہ کو ”البيت العتيق“ کے لفظ سے بھی ذکر کیا گیا ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ثُمَّ لِيَقْضُوا تَفَثَهُمْ وَلِيُوفُوا نُدْوَهُمْ وَلِيَطَّوُّوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ ﴿٩٥﴾

”اس کے بعد وہ میل کچیل دور کریں۔ اپنی نذریں پوری کریں اور ”پرانے گھر“ کا طواف کریں۔“ (الحج: 29/22)

قرآن مجید کی اسی صورت میں یہی نام ایک دفعہ اور مذکور ہے: ارشاد ہے:

لَكُمْ فِيهَا مَنَافِعُ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ مَحِلُّهَا إِلَىٰ الْبَيْتِ الْعَتِيقِ ﴿٣١﴾

”تمہارے لیے قربانی کے جانوروں میں ایک وقت مقررہ تک منافع اٹھانے کی گنجائش ہے۔ پھر وہ ”بیت عتیق“ کے پاس آکر ذبح ہوں گے۔“ (الحج: 33/22)

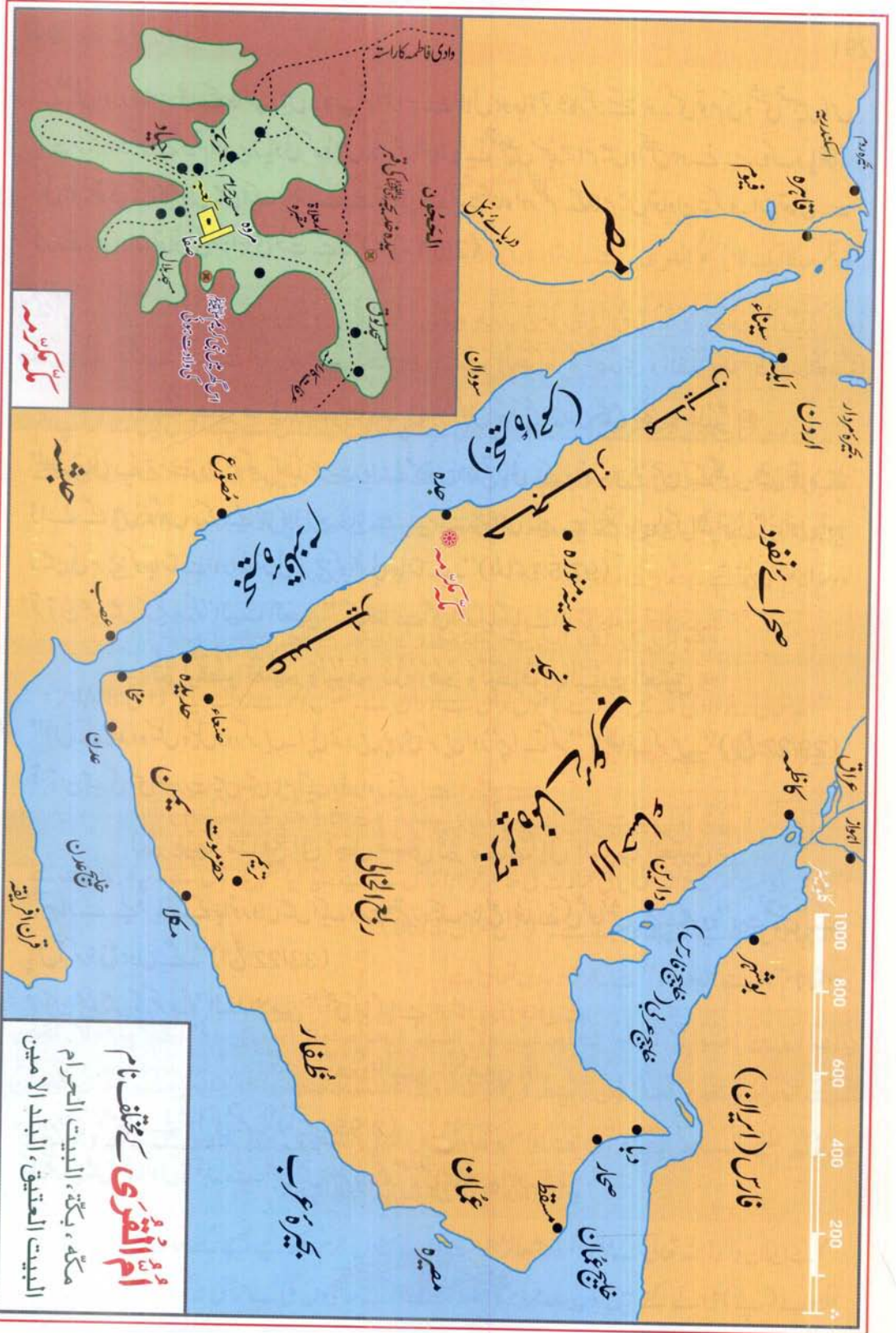
قرآن مجید میں مکہ مکرمہ کو ”البلد الامین“ بھی کہا گیا ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ هَٰذَا الْبَلَدِ الْأَمِينِ ﴿٣٢﴾

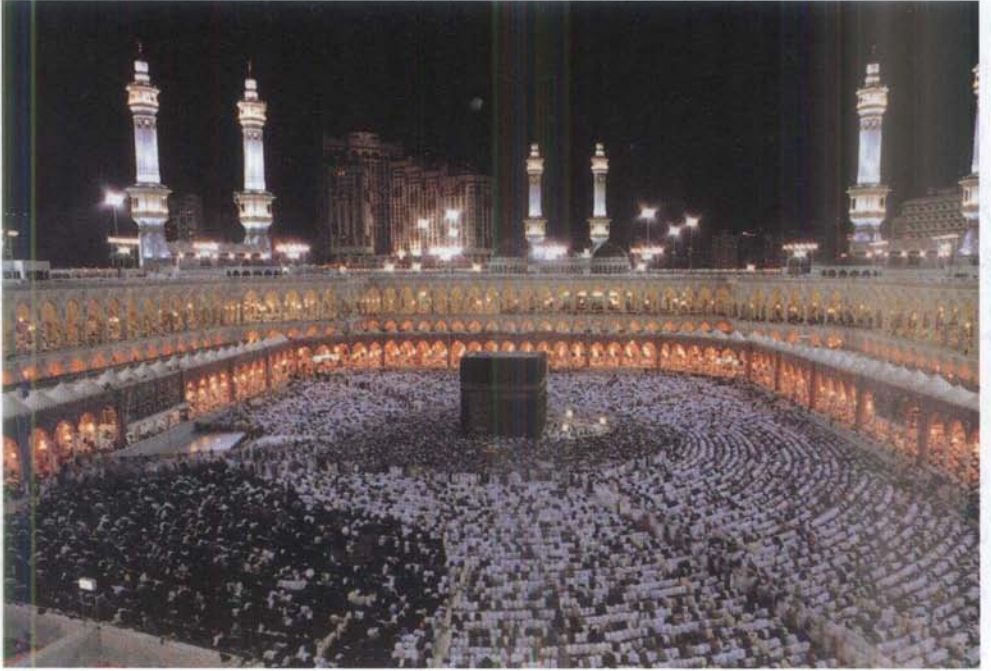
”اور اس ”امن والے شہر“ کی قسم۔“ (التین: 3/95)

مکہ مکرمہ میں مسلمانوں کا قبلہ ہے۔ اس میں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پیدا ہوئے۔





امم القری کے مختلف نام
مکہ، بکۃ، البیت الحرام
البیت العتیق، البلد الامین



بیت اللہ اور مسجد حرام



غار حراء والا پہاڑ

مَكَّة الْمُكْرَمَة (بے آب و گیاہ وادی)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِي وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ۖ رَبِّ اِنَّهُمْ اضَلُّونَ
كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ فَمَنْ تَبِعْنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ ۚ وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ عَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۳۹ رَبَّنَا اِنِّيْ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ
بَوَادِئَ غَيْرِ ذِيْ ذُرٰجٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقْبِلَوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْ اِلَيْهِمْ
وَاَرْزُقْهُمْ مِّنَ الشَّرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ ۝۴۰

جب حضرت ابراہیم نے کہا: ”اے میرے پروردگار! اس شہر (مکہ) کو امن والا بنا اور مجھے اور میری نسل کو بتوں کی پوجا سے بچا کر رکھنا۔ اے میرے پروردگار! ان بتوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا ہے۔ جو شخص میری پیروی کرے گا وہ مجھ سے تعلق رکھے گا اور جو میری نافرمانی کرے تو مولا! تو بہت بخشنے والا نہایت رحم کرنے والا ہے۔ اے ہمارے رب! میں نے اپنی کچھ اولاد اس بے آب و گیاہ وادی میں تیرے قابل احترام گھر کے قریب ٹھہرا دی ہے تاکہ وہ یہاں نماز قائم کریں، لہذا لوگوں کے دل ان کی طرف مائل کر دے۔ اور ان کو کھانے کے لیے پھل عطا فرما۔ امید ہے یہ لوگ تیرے شکر گزار رہیں گے۔“ (ابراہیم: 35/14... 37)

مکہ مکرمہ کے غار حرا میں قرآن کا پہلا کلمہ ﴿اقْرَأْ﴾ نازل ہوا:

اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ۝۱ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝۲ اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝۳ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝۴ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝۵

”پڑھ اس رب کا نام لے کر جس نے (سب کچھ) پیدا کیا۔ انسان کو جنمے ہوئے خون سے پیدا کیا۔ ہاں! پڑھ کیونکہ تیرا رب ہی سب سے بڑھ کر معزز ہے جس نے قلم کے ساتھ لکھنا سکھایا اور انسان کو وہ کچھ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا۔“ (العلق: 1/96... 5)

چند ہی سال گزرے تھے کہ اسلام مشرق میں کا شجر (چین) سے لے کر مغرب میں بحر اوقیانوس کے ساحل تک اور شمال میں قفقاز سے جنوب میں صحرائے اعظم تک بہترین انسانی تہذیب و تمدن کے ساتھ صوفشاں ہو گیا۔ قیامت تک باقی رہنے والا قرآن مجید اعلان کرتا ہے: ﴿لَا اَكُوْا هٖ فِي الدِّيْنِ﴾ ”دین میں کوئی جبر نہیں۔“ (البقرة: 256/2)

انسانیت نے بھی بالآخر تسلیم کر لیا، اگرچہ رد و کد کے بعد کہ عقل ہی کسی دین کو قبول کرنے یا رد کرنے کا معیار ہے۔ باقی رہی فضیلت تو اس کا معیار قرآن مجید کی زبان میں یہ ہے:

إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَىٰ ۖ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ﴿١٣﴾

”بلاشبہ تم میں سے عزت کا زیادہ حقدار وہ ہے جو تم میں سے سب سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا ہے۔“
(الحجرات: ۱۳/۴۹)



پیمانہ: 1 سنٹی میٹر = 3,335 میٹر

مکرم

﴿إِنْ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبْرَكًا وَهُدًى

﴿لِّلْعَالَمِينَ﴾ ”اللہ تعالیٰ کا پہلا گھر جو لوگوں کے لیے مقرر کیا گیا وہی ہے جو مکہ میں ہے جو تمام دنیا کے لیے برکت اور ہدایت والا ہے۔“ (آل عمران: 96/3)

مکہ مکرمہ کے نام: مکہ، بکۃ، ام القرى، البيت الحرام، البيت العتيق،
 البلد الامين، بيت اللہ الحرام
 یہ نام بھی ہیں: النساسة، ام رحم، معاد، الحاطمة، الرأس، صلاح،
 العرش، القادس، المقدسه، الناسه، الباسه، کوثری (معجم البلدان: 181/5)

عراق کا راستہ

منہی اور عرفات کا راستہ

المعلقة

مُحَضَّب

شعب
بنی عامر

تمہاری باتیں

جبل الخندمة

مکرم

رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں
(شیخ محمد سعید فارس کی کاوش سے ماخوذ نقشہ)

جبل الاحمر

فیور

وادی فاطمہ کا راستہ

گدّاء

شعب ابی طالب

غَارِ حَرَا

الْحَجُّونَ

جبل قَدِيقَان

جیاد



قدیم قلعہ

الحمد لله

九

31

قلعه

قدیم

1998, 1999, 2000, 2001, 2002, 2003, 2004, 2005, 2006, 2007, 2008, 2009, 2010, 2011, 2012, 2013, 2014, 2015, 2016, 2017, 2018, 2019, 2020, 2021, 2022, 2023, 2024, 2025, 2026, 2027, 2028, 2029, 2030, 2031, 2032, 2033, 2034, 2035, 2036, 2037, 2038, 2039, 2040, 2041, 2042, 2043, 2044, 2045, 2046, 2047, 2048, 2049, 2050, 2051, 2052, 2053, 2054, 2055, 2056, 2057, 2058, 2059, 2060, 2061, 2062, 2063, 2064, 2065, 2066, 2067, 2068, 2069, 2070, 2071, 2072, 2073, 2074, 2075, 2076, 2077, 2078, 2079, 2080, 2081, 2082, 2083, 2084, 2085, 2086, 2087, 2088, 2089, 2090, 2091, 2092, 2093, 2094, 2095, 2096, 2097, 2098, 2099, 2100, 2101, 2102, 2103, 2104, 2105, 2106, 2107, 2108, 2109, 2110, 2111, 2112, 2113, 2114, 2115, 2116, 2117, 2118, 2119, 2120, 2121, 2122, 2123, 2124, 2125, 2126, 2127, 2128, 2129, 2130, 2131, 2132, 2133, 2134, 2135, 2136, 2137, 2138, 2139, 2140, 2141, 2142, 2143, 2144, 2145, 2146, 2147, 2148, 2149, 2150, 2151, 2152, 2153, 2154, 2155, 2156, 2157, 2158, 2159, 2160, 2161, 2162, 2163, 2164, 2165, 2166, 2167, 2168, 2169, 2170, 2171, 2172, 2173, 2174, 2175, 2176, 2177, 2178, 2179, 2180, 2181, 2182, 2183, 2184, 2185, 2186, 2187, 2188, 2189, 2190, 2191, 2192, 2193, 2194, 2195, 2196, 2197, 2198, 2199, 2200, 2201, 2202, 2203, 2204, 2205, 2206, 2207, 2208, 2209, 2210, 2211, 2212, 2213, 2214, 2215, 2216, 2217, 2218, 2219, 2220, 2221, 2222, 2223, 2224, 2225, 2226, 2227, 2228, 2229, 2230, 2231, 2232, 2233, 2234, 2235, 2236, 2237, 2238, 2239, 2240, 2241, 2242, 2243, 2244, 2245, 2246, 2247, 2248, 2249, 2250, 2251, 2252, 2253, 2254, 2255, 2256, 2257, 2258, 2259, 2260, 2261, 2262, 2263, 2264, 2265, 2266, 2267, 2268, 2269, 2270, 2271, 2272, 2273, 2274, 2275, 2276, 2277, 2278, 2279, 2280, 2281, 2282, 2283, 2284, 2285, 2286, 2287, 2288, 2289, 2290, 2291, 2292, 2293, 2294, 2295, 2296, 2297, 2298, 2299, 2300, 2301, 2302, 2303, 2304, 2305, 2306, 2307, 2308, 2309, 2310, 2311, 2312, 2313, 2314, 2315, 2316, 2317, 2318, 2319, 2320, 2321, 2322, 2323, 2324, 2325, 2326, 2327, 2328, 2329, 2330, 2331, 2332, 2333, 2334, 2335, 2336, 2337, 2338, 2339, 2340, 2341, 2342, 2343, 2344, 2345, 2346, 2347, 2348, 2349, 2350, 2351, 2352, 2353, 2354, 2355, 2356, 2357, 2358, 2359, 2360, 2361, 2362, 2363, 2364, 2365, 2366, 2367, 2368, 2369, 2370, 2371, 2372, 2373, 2374, 2375, 2376, 2377, 2378, 2379, 2380, 2381, 2382, 2383, 2384, 2385, 2386, 2387, 2388, 2389, 2390, 2391, 2392, 2393, 2394, 2395, 2396, 2397, 2398, 2399, 2400, 2401, 2402, 2403, 2404, 2405, 2406, 2407, 2408, 2409, 2410, 2411, 2412, 2413, 2414, 2415, 2416, 2417, 2418, 2419, 2420, 2421, 2422, 2423, 2424, 2425, 2426, 2427, 2428, 2429, 2430, 2431, 2432, 2433, 2434, 2435, 2436, 2437, 2438, 2439, 2440, 2441, 2442, 2443, 2444, 2445, 2446, 2447, 2448, 2449, 2450, 2451, 2452, 2453, 2454, 2455, 2456, 2457, 2458, 2459, 2460, 2461, 2462, 2463, 2464, 2465, 2466, 2467, 2468, 2469, 2470, 2471, 2472, 2473, 2474, 2475, 2476, 2477, 2478, 2479, 2480, 2481, 2482, 2483, 2484, 2485, 2486, 2487, 2488, 2489, 2490, 2491, 2492, 2493, 2494, 2495, 2496, 2497, 2498, 2499, 2500, 2501, 2502, 2503, 2504, 2505, 2506, 2507, 2508, 2509, 2510, 2511, 2512, 2513, 2514, 2515, 2516, 2517, 2518, 2519, 2520, 2521, 2522, 2523, 2524, 2525, 2526, 2527, 2528, 2529, 2530, 2531, 2532, 2533, 2534, 2535, 2536, 2537, 2538, 2539, 2540, 2541, 2542, 2543, 2544, 2545, 2546, 2547, 2548, 2549, 2550, 2551, 2552, 2553, 2554, 2555, 2556, 2557, 2558, 2559, 2560, 2561, 2562, 2563, 2564, 2565, 2566, 2567, 2568, 2569, 2570, 2571, 2572, 2573, 2574, 2575, 2576, 2577, 2578, 2579, 2580, 2581, 2582, 2583, 2584, 2585, 2586, 2587, 2588, 2589, 2590, 2591, 2592, 2593, 2594, 2595, 2596, 2597, 2598, 2599, 2600, 2601, 2602, 2603, 2604, 2605, 2606, 2607, 2608, 2609, 2610, 2611, 2612, 2613, 2614, 2615, 2616, 2617, 2618, 2619, 2620, 2621, 2622, 2623, 2624, 2625, 2626, 2627, 2628, 2629, 2630, 2631, 2632, 2633, 2634, 2635, 2636, 2637, 2638, 2639, 2640, 2641, 2642, 2643, 2644, 2645, 2646, 2647, 2648, 2649, 2650, 2651, 2652, 2653, 2654, 2655, 2656, 2657, 2658, 2659, 2660, 2661, 2662, 2663, 2664, 2665, 2666, 2667, 2668, 2669, 2670, 2671, 2672, 2673, 2674, 2675, 2676, 2677, 2678, 2679, 26

س

مانے میں

کے ز

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

رسول الله

1

مکہ المکرّمہ

مکہ مکرمہ مملکت سعودی عرب میں حجاز کے جنوبی حصے میں واقع ہے۔ بقول سلیمان ندوی ”یہ مقدس شہر ایک مردِ ضعیف (ابراہیم علیہ السلام) کا بنا کردہ ایک نوجوان پیغمبر (اسماعیل علیہ السلام) کی ہجرت گاہ اور ایک یتیم نبی (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کی جائے ولادت ہے۔“ مکہ سطح سمندر سے تقریباً 330 میٹر بلند ہے۔ شہر اساساً شرقاً غرباً تقریباً 3 کلومیٹر لمبا اور شمالاً جنوباً تقریباً ڈیڑھ کلومیٹر چوڑا ہے۔ شہر مکہ کو اس لحاظ سے حرم کہتے ہیں کہ یہ حرمت اور عزت والا مقام ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ڈھائی ہزار برس پہلے یہ مقام کاروان تجارت کی ایک منزل گاہ تھا۔ اٹھارھویں صدی ق م میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اہلیہ ہاجرہ اور اپنے فرزند اسماعیل علیہ السلام کو حکم ربی سے یہاں لا کر آباد کیا۔ باپ بیٹے نے اللہ کے نام پر یہاں ایک عبادت گاہ بنائی جسے کعبہ کہا جانے لگا۔ اس مقدس عمارت کی ساخت مکعب نما ہے لہذا یہ کعبہ کہلائی کیونکہ عربی میں چھ یکساں مربع پہلوؤں والا پانسا مکعب یا کعبہ کہلاتا ہے۔ فرزندان اسماعیل کی اولاد ایک مدت یہاں بالادست رہی۔ کعبہ کی تولیت انہی کے پاس تھی۔ اس کے بعد قحطانی قبیلے بنو جرہم نے غلبہ حاصل کر لیا اور بنو اسماعیل کو مکہ سے نکال دیا کیونکہ انہوں نے ابھی تک بت پرستی میں بنو جرہم کا ساتھ نہیں دیا تھا۔ پھر قُصَیّ نے جو بنو اسماعیل میں سے عدنان کی پندرہویں پشت میں تھے 440ء میں دوبارہ مکہ پر قبضہ حاصل کر لیا۔ انہوں نے یہاں مشترکہ حکومت کی بنیاد رکھی اور درج ذیل عہدے قائم کیے:

(1) رفاہ (حجاج کی ضیافت) (2) سقایہ (حاجیوں کو پانی پلانا)

(3) حجابہ (غلاف کعبہ کا اہتمام اور چوکیداری) (4) قیادہ (سرداری)

(5) قومی نشان لواء (پرچم) (6) قومی مجلس جسے ندوہ یا دارلندوہ کہتے تھے۔

امور مملکت اور حکومتی عہدے ایک ایک شیخ خاندان کے سپرد کیے گئے۔ شہر کے علاوہ بنو اسماعیل شہر کے آس پاس بھی آباد تھے۔ مکہ کے جنوب کی پہاڑیاں قبیلہ ھذیل کا مسکن تھیں۔ جنوب کی طرف وادی القریٰ قدیم قبائل کا مسکن تھی۔ اس کے اطراف میں قبائل کنانہ رہتے تھے۔ مکہ کے پاس جبل حبشی کے دامن میں حبشی قبائل آباد تھے۔

مکہ کا قدیم اور اصل نام بکّہ ہے جیسا کہ سورہ آل عمران آیت 10 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”پہلا متبرک گھر جو لوگوں کے لیے بنایا گیا وہ بکّہ تھا۔“ یہ شہر تہامہ (عرب کا مغربی تنگ ساحلی میدان) کے مشرق میں جدہ سے تقریباً 64 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ مکہ مکرمہ کو بلد الامین، ام القریٰ، بیت العتیق اور بیت الحرام بھی کہا جاتا ہے۔ (ام القریٰ کی نسبت سے مکہ میں ایک جدید یونیورسٹی کا نام بھی ام القریٰ ہے۔) یا قوت حموی معجم البلدان میں لکھتے ہیں کہ ابتدا میں حرم

کعبہ کی عمارت کا نام مکہ تھا، بعد میں پورے شہر کو مکہ کہا جانے لگا۔ مکہ معظمہ جغرافیائی لحاظ سے 21 درجے 38 دقیقے عرض بلد شمالی اور 40 درجے 9 دقیقے طول بلد مشرقی پر واقع ہے۔ مکہ وادی ابراہیم میں ہے جو دو پہاڑی سلسلوں کے درمیان ہے۔ شمال میں جبل ثقیف، عان اور شغب بنی عامر ہیں۔ جنوب میں جبل حدیدہ اور جنوب مغرب میں جبل عمر ہے۔ جنوب میں غار ثور کی سمت جبل کدّی ہے۔ مشرق میں شعب ابی طالب اور جبل حرا ہیں۔ پھر مزید مشرق میں جبل خندمہ اور شمال مشرق میں جبل ابی قیس واقع ہیں۔ مکہ معظمہ کا وسط بیت اللہ یعنی خانہ کعبہ ہے جو القشاشیہ، شعب علی الشامیہ اور الشبکیہ کی پہاڑیوں کے درمیان تقریباً 200 میٹر مربع کی وادی ہے جس کے چاروں جانب اونچے پہاڑ ہیں ان میں اونچی نیچی آبادی ہے۔

مکہ شہر کے وہ علاقے جو بیت اللہ سے بھی نشیب (گہرائی) میں ہیں، مسفلہ (نشیبی) کہلاتے ہیں اور فراز والے علاقوں کو المعلقة یا المعلیٰ (اونچے) کہا جاتا ہے۔ المعلیٰ کی طرف ہی الحجون کا علاقہ ہے۔ فتح مکہ کے موقع پر نبی کریم ﷺ المعلیٰ کی جانب ہی سے شہر میں داخل ہوئے تھے۔ اس سے آٹھ سال پہلے 622ء میں جب نبی کریم ﷺ مکہ چھوڑ کر جانے لگے تھے تو آپ ﷺ نے شہر کی جانب رخ کر کے فرمایا تھا: ”اے مکہ! مجھے تمام شہروں سے بڑھ کر تجھ سے محبت ہے مگر تیرے بیٹے مجھے یہاں رہتے نہیں دیتے۔“

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے فرزند حضرت اسماعیل علیہ السلام کے مبارک ہاتھوں سے اللہ تعالیٰ کا یہ گھر ایسا سادہ تعمیر ہوا تھا کہ اس کی نہ چھت تھی نہ کواڑ اور نہ چوکھٹ تھی۔ جب قصی بن کلاب کو کعبہ کی تولیت حاصل ہوئی تو انہوں نے قدیم عمارت گرا کر نئے سرے سے تعمیر کی اور کھجور کے تختوں کی چھت ڈالی۔ تعمیر کعبہ کے بعد سب سے پہلے یہاں قبیلہ جرہم آکر آباد ہوا اور بنو جرہم ہی میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی شادی ہوئی تھی۔

حرم کعبہ پر سب سے پہلے جس نے غلاف چڑھایا وہ یمن کا حمیری بادشاہ اسعد تبع تھا۔ نبی کریم ﷺ کی عمر جب 35 برس تھی اور سیلاب سے کعبہ کی عمارت کو نقصان پہنچا تھا، قریش نے اسے گرا کر دوبارہ تعمیر کیا۔ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے کعبہ کو ابراہیمی بنیادوں پر از سر نو تعمیر کیا لیکن دس سال بعد 74ھ میں حجاج بن یوسف نے پھر اسے قریش کی بنیادوں پر تعمیر کر دیا۔ شعبان 1039ھ میں موسلا دھار بارش سے کعبہ زمین بوس ہو گیا تو عثمانی خلیفہ مراد خاں نے اسے نئے سرے سے تعمیر کرایا، چنانچہ کعبہ کی موجودہ عمارت عثمانی تعمیر ہے۔ اس کی اونچائی 15 میٹر لمبائی تقریباً 12 میٹر اور چوڑائی تقریباً 11 میٹر ہے۔

صفا اور مروہ: یہ وہ دو پہاڑیاں ہیں جن کے درمیان حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ ہاجرہ پانی کی تلاش میں سعی (بھاگ دوڑ) کرتی رہی تھی اور ان کی یاد تازہ کرنے کے لیے حاجی ان دونوں کے درمیان سعی کرتے ہیں۔



دواہم بستیاں (مکہ اور طائف)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ هَذَا الْقُرْآنُ عَلَىٰ رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيمٍ ﴿٣١﴾

”مشرکین نے کہا: ”یہ قرآن ان دو بستیوں کے عظیم آدمی پر کیوں نہ اتارا گیا۔“ (الزخرف: 31/43)

مشرکین نے کہا: ”یہ قرآن مجید مکہ یا طائف کے کسی عظیم اور سردار آدمی پر کیوں نہ اتارا گیا؟ مفسرین کا خیال ہے کہ اس سے مراد مکہ میں ولید بن مغیرہ یا طائف کا عروہ بن مسعود ثقفی ہے۔

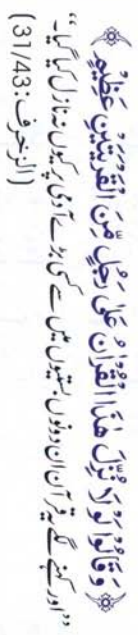
قریش نے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر نزول قرآن کو بعید خیال کیا کیونکہ آپ فقیر اور یتیم تھے۔ انہوں نے مطالبہ کیا کہ یہ کسی بڑے سردار پر اترا نا چاہیے۔ ان کا خیال تھا کہ عظیم وہ شخص ہوتا ہے جس کے پاس مال اور اقتدار ہو۔ یہ بات ان کی سمجھ میں نہ آئی کہ عظیم وہ ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک عظیم ہو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اللَّهُ أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ ۚ سَيُصِيبُ الَّذِينَ أَجْرَمُوا صَغَارٌ عِنْدَ اللَّهِ وَعَذَابٌ شَدِيدٌ ﴿١٢٢﴾

”اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ کس شخص پر رسالت نازل فرمائے۔ ان مجرموں کو اللہ تعالیٰ کے ہاں ذلت نصیب ہوگی اور اپنی شرارتوں کی وجہ سے سخت عذاب کا سامنا کرنا ہوگا۔“ (الانعام: 124/6)

لہذا ان دو بستیوں سے مراد مکہ اور طائف ہیں۔

”رجل عظیم“ سے مراد یا تو ولید بن مغیرہ بن عبد اللہ بن مخزوم ہے جس کی پیدائش ہجرت سے 95 سال پہلے 530ء میں ہوئی اور اس کی وفات ہجرت کے پہلے سال 622ء میں ہوئی۔ اسے ”قریش کا پھول“ اور ”عدل“ (برابری کرنے والا) کہا جاتا تھا کیونکہ وہ اکیلا سب قریش کے برابر تھا۔ قریش مل کر بیت اللہ کا غلاف تیار کرتے تھے لیکن ولید اکیلا غلاف تیار کرتا تھا۔ یا اس سے مراد عروہ بن مسعود بن معتب ثقفی ہے۔ یہ طائف کے علاقے میں اپنی قوم کے سردار تھے۔ انہوں نے اسلام قبول کیا پھر اپنی قوم کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی لیکن انہوں نے ان کی مخالفت کی حتیٰ کہ ایک شخص نے تیر مار کر ان کو شہید کر دیا۔ یہ سن 9 ہجری یعنی 630ء کی بات ہے۔



طائف

مکہ کے جنوب مشرق میں جبل غزوان پر واقع طائف عرب کے قدیم ترین شہروں میں سے ہے۔ اور اچھی آب و ہوا اور زرخیزی و شادابی کے لیے مشہور ہے۔ سطح سمندر سے 1630 میٹر بلند ہونے کے باعث یہ زمانہ قدیم سے اہل مکہ کا مصیف یعنی گرمائی پہاڑی مقام رہا ہے۔ اب سعودی حکومت کا گرمائی صدر مقام بھی طائف ہی ہے۔ یہ مکہ سے 65 کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ 1982ء میں یہاں مسلم سربراہی کا نفرنس منعقد ہوئی۔ طائف کا انار دنیا کا بہترین انار ہے جو نہایت میٹھا، رسیلا اور خوش ذائقہ ہے۔ اس کی آبادی سوا دو لاکھ سے زیادہ ہے۔

طائف بنو ثقیف کا شہر ہے۔ مشہور تاریخی شخصیت حجاج بن یوسف ثقیفی کا تعلق اسی شہر سے تھا اور محمد بن قاسم ثقیفی فاتح سندھ و ملتان حجاج کے عم زاد تھے۔ اس سے پہلے عہد فاروقی میں عراق میں رزم آرا اسلامی فوج کے سپہ سالار ابو عبیدہ ثقیفی رضی اللہ عنہ نے معرکہ جسسر (13ھ) میں شہادت پائی تھی۔



جو شخص اپنے گھر سے ہجرت کے ارادے سے نکلا

(حضرت خالد بن حزام بن خویلد اسدی رضی اللہ عنہ)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَنْ يُهَاجِرْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يَجِدْ فِي الْأَرْضِ مُرَاعِمًا كَثِيرًا وَسَعَةً وَمَنْ يَخْرُجْ مِنْ بَيْتِهِ مُهَاجِرًا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ أَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا

”جو شخص اللہ کے راستے میں ہجرت کرے گا وہ زمین میں رہائش کی وسیع گنجائش اور مال کی فراخی پائے گا اور جو شخص

اپنے گھر سے اللہ اور اس کے رسول کی خاطر ہجرت کے ارادے سے نکلے پھر اسے موت آ لے تو بلاشبہ اس کا اجر

و ثواب اللہ تعالیٰ کے ہاں قطعی ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا نہایت رحم کرنے والا ہے۔“ (النساء: 100/4)

حضرت خالد بن حزام بن خویلد بن عبد العزی بن قصى بن كلاب قریشی اسدی، حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کے

بھائی اور حضرت خدیجہ بنت خویلد ام المومنین رضی اللہ عنہا کے بھتیجے تھے۔ ابتدائی دور میں مسلمان ہوئے اور حبشہ کی طرف ہجرت

ثانیہ میں شریک ہوئے مگر راستے میں سانپ نے کاٹ لیا۔ سو وہ حبشہ کی سرزمین میں داخل ہونے سے پہلے فوت ہو گئے۔ تو

ان کے بارے میں فرمان الہی نازل ہوا:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَنْ يَخْرُجْ مِنْ بَيْتِهِ مُهَاجِرًا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ أَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ

”جو شخص اپنے گھر سے اللہ اور اس کے رسول کی خاطر ہجرت کے ارادے سے نکلے پھر اسے راستے میں موت آ لے تو

بلاشبہ اس کا اجر و ثواب اللہ تعالیٰ کے ہاں لازم ہو گیا۔“ (النساء: 100/4)

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ حضرت ضمیر بن جندب رضی اللہ عنہ نے ہجرت کا ارادہ کیا اس وقت وہ اس قدر کمزور اور ضعیف

تھے کہ سواری پر خود سوار نہیں ہو سکتے تھے۔ اپنے گھر والوں سے فرمانے لگے: ”مجھے سواری پر لاد دو اور مشرکین کے علاقے

سے نکال کر رسول اللہ ﷺ کی طرف جانے والے راستے پر پہنچا دو۔“ لیکن وہ رسول اللہ ﷺ تک پہنچنے سے پہلے ہی

راستے میں فوت ہو گئے۔ تو ان کے حق میں یہ آیت اتری۔

تیسرا قول یہ ہے کہ حضرت جندع بن ضمیر لیشی رضی اللہ عنہ مکہ میں مسلمانوں کے کمزور افراد میں شامل تھے۔ وہ بیمار تھے۔

ہجرت نہیں کر سکتے تھے۔ جب انہوں نے ہجرت سے متعلقہ آیات سنی تو گھر والوں سے کہنے لگے: ”جیسے بھی (ممکن) ہو

مجھے مکہ سے نکال دو۔“ ان کا بستر تیار کر کے انہیں اوپر لٹا دیا گیا اور سواری پر رکھ دیا گیا۔ سواری انہیں لیکر چل دی۔ تنہیم کے مقام پر (حرم سے باہر متصل) راستے ہی میں فوت ہو گئے۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔



❁ التفسير المنير : 227/5

❁ صفوة التفاسير : 300/1

❁ أسد الغابة : 92/2

❁ الاستيعاب : 411/1

❁ الإصابة : 2154 (403/1)

خالد بن حزام بن خویلد الأسدی رضی اللہ عنہ

حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ سے خالد بن حزام رضی اللہ عنہ کی سوئے حبشہ ہجرت کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں: ”مجھے ان کے نکلنے کی توقع تھی اور میں حبشہ میں ان کی آمد کا منتظر تھا۔ جب مجھے ان کی وفات کی خبر ملی تو مجھے شدید صدمہ پہنچا۔ اس لیے کہ وہ بنو اسد بن عبد العزیٰ میں سے تھے۔ حبشہ میں بنو اسد بن عبد العزیٰ کا کوئی آدمی میرے ساتھ نہ تھا۔“

(الإصابة: 2/ 196)

ضمہ بن جندب رضی اللہ عنہ: مختلف راویوں نے ان کا نام ضمہ بن جندب، جندع بن ضمہ یا جندب بن ضمہ بیان کیا ہے (الإصابة: 1/ 618)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں بنو لیث کا ایک آدمی جس کا نام جندب بن ضمہ ہے وہ بڑا مالدار تھا اور اس کے چار بیٹے تھے۔ انہوں نے کہا: ”اے اللہ! میں بنفس نفیس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کروں گا۔ علاوہ ازیں میں مشرکوں کی کثرت والے علاقے سے نکل کر دارالہجرت چلا جاؤں گا۔ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں رہوں گا جہاں مہاجرین و انصار کی کثرت ہوگی۔“ اس نے اپنے بیٹوں سے کہا مجھے سوار کر کے دارالہجرت کی طرف لے چلو (کیونکہ وہ انتہائی بوڑھے اور کمزور تھے) میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رہنا چاہتا ہوں۔ جب وہ تنعیم پہنچا تو فوت ہو گیا۔ (أسد الغابہ: 1/ 566)



نصیبین کے جن (جزیرہ کے جن)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قُلْ أُوحِيَ إِلَيَّ أَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوا إِنَّا سَمِعْنَا قُرْآنًا عَجَبًا ۖ يَهْدِي إِلَى الرُّشْدِ فَآمَنَّا بِهِ وَلَوْ كُنْ نُشْرِكَ بِرَبِّنَا أَحَدًا ۝

”کہہ دیجیے مجھے وحی کی گئی ہے کہ جنوں کی ایک جماعت نے قرآن مجید سنا تو انہوں نے اپنی قوم کے پاس جا کر کہا: ”ہم نے عجیب قرآن سنا ہے جو ہدایت کی طرف لے جاتا ہے۔ ہم تو اس پر ایمان لے آئے۔ ہم ہرگز اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔“ (الجن: 2, 1/72)

سورۃ احقاف میں یوں ارشاد الہی ہے:

وَإِذْ صَرَفْنَا إِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُونَ الْقُرْآنَ ۖ فَلَمَّا حَضَرُوهُ قَالُوا أَنصِتُوا ۖ فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا إِلَىٰ قَوْمِهِمْ مُنْذِرِينَ ۚ ۝۹ قَالُوا يَقَوْمَنَا إِنَّا سَمِعْنَا كِتَابًا أُنْزِلَ مِنْ بَعْدِ مُوسَىٰ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِي إِلَى الْحَقِّ وَإِلَى طَرِيقٍ مُسْتَقِيمٍ ۝۱۰ يَقَوْمَنَا أَجِيبُوا دَاعِيَ اللَّهِ وَآمِنُوا بِهِ يَعْفِرْ لَكُمْ مِّن ذُنُوبِكُمْ وَيُجِزْكُمْ مِّن عَذَابِ آلِئِمٍ ۝۱۱ وَمَنْ لَّا يُجِبْ دَاعِيَ اللَّهِ فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ فِي الْأَرْضِ وَلَيْسَ لَهُ مِن دُونِهِ أَوْلِيَاءُ ط ۝۱۲ وَأُولَٰئِكَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۝۱۳

”ہم نے آپ کی طرف جنوں کی ایک جماعت بھیجی تاکہ وہ قرآن کو غور سے سنیں۔ جب وہ حاضر ہوئے تو آپس میں کہنے لگے: ”خاموش ہو جاؤ۔ جب قراءت مکمل ہو گئی تو وہ اپنی قوم کے پاس جا کر ان کو تنبیہ کرنے لگے اور کہا: ”اے ہماری قوم! ہم نے ایک کتاب سنی ہے جو موسیٰ علیہ السلام کے بعد اتاری گئی ہے، وہ اپنے سے پہلے آنے والی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے، راہ حق دکھاتی ہے اور صراطِ مستقیم کی طرف راہنمائی کرتی ہے۔ اے ہماری قوم! اللہ کی طرف دعوت دینے والے اس شخص کی بات مانو اور اس پر ایمان لاؤ، نتیجتاً وہ (اللہ) تمہارے گناہ معاف کر دے گا اور تمہیں دردناک عذاب سے بچالے گا۔ جو شخص اللہ کی طرف دعوت دینے والے کی بات نہیں مانے گا تو وہ اللہ تعالیٰ کو زمین میں عاجز نہ کر سکے گا۔ اللہ کے سوا کوئی اس کا مددگار نہیں ہوگا۔ ایسے لوگ واضح گمراہی میں ہیں۔“

جنوں کے قرآن سننے کی خبر دینے کا مقصد عرب اور قریش کو تنبیہ کرنا ہے کہ تم سے تو جن بہتر ہیں جو سنتے ہی ایمان لے آئے اور تم ابھی تک سستی اور غفلت کا شکار ہو۔ جن نہ صرف ایمان لائے بلکہ واپس جا کر اپنی قوم کو بھی تبلیغ کرنے لگے۔ جبکہ مشرکین جن کی زبان میں قرآن اترا، تکذیب اور استہزاء میں لگے رہے حالانکہ وہ جانتے تھے کہ یہ معجز کلام ہے۔ اس کا

مقابلہ نہیں کیا جاسکتا۔ بلاشبہ اس کتاب کو لانے والے حضرت محمد ﷺ امی تھے جو لکھنا پڑھنا نہ جانتے تھے۔ غرض جنوں اور انسانوں کے موقف میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ جنوں والی رات حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ موجود تھے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

”جنوں کا نمائندہ میرے پاس آیا تو میں اس کے ساتھ چل پڑا۔ پھر میں نے ان پر قرآن مجید کی تلاوت کی۔“
یہ جزیرہ کے جن تھے۔ تفسیر درمنثور میں ہے: ”کہا گیا کہ سات جن نصیبین سے تعلق رکھتے تھے۔“





نصیبین (الجزیرہ) سے جنوں کی آمد

طائف (شوال 10 نبوی) سے واپسی پر نبی کریم ﷺ وادی نخلہ میں دس دن ٹھہرے۔ اس دوران نصیبین (ترکی) سے آنے والے جنوں کی ایک جماعت آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ انہوں نے نبی کریم ﷺ سے قرآن سنا اور آپ ﷺ پر ایمان لے آئے۔ یہ واقعہ جس مقام پر پیش آیا وہ الزیمہ یا السیل الکبیر تھا کیونکہ یہ دونوں نخلہ میں واقع ہیں۔ اس موقع پر سورہ احقاف کی آیات 28 تا 32 نازل ہوئیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جن حضرت موسیٰ علیہ السلام اور کتب ساوی پر ایمان رکھتے تھے۔ اب انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے قرآن سنا تو اس کتاب اور نبی کریم ﷺ پر ایمان لے آئے۔ مفسرین کا زیادہ تر اتفاق اس بات پر ہے کہ جنوں کا یہ وفد نصیبین سے آیا تھا اور اس موقع پر سورہ جن نازل نہیں ہوئی بلکہ سورہ احقاف کی مذکورہ بالا آیات کا نزول ہوا تھا۔ (تفہیم القرآن حاشیہ سورہ احقاف)

تاہم اس سے پہلے نبوت کے ابتدائی دور کا واقعہ ہے کہ نبی کریم ﷺ مکہ مکرمہ سے عکاظ شریف لے جا رہے تھے۔ راستے میں آپ نے چند صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ صبح کی نماز ادا کی۔ اس دوران جنوں کی ایک جماعت وہاں سے گزری جو مشرکین اور منکرین رسالت تھے۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی زبان سے قرآن کی تلاوت بغور سنی اور آپ ﷺ پر ایمان لے آئے۔ اس موقع پر سورہ جن نازل ہوئی تھی۔ (تفہیم القرآن حاشیہ سورہ جن)

نصیبین: الجزیرہ (جلہ و فرات کا درمیانی علاقہ) کا یہ تاریخی شہر جنوبی ترکی میں شامی سرحد پر واقع ہے۔ اس کے بالمقابل سرحد پار شام کا شہر القامشلی ہے۔ شمالی عراق کے شہر موصل اور نصیبین کا درمیانی فاصلہ تقریباً اڑھائی سو کلومیٹر ہے۔ ماضی میں موصل سے شام جانے والے قافلے نصیبین سے گزرتے تھے۔ معجم البلدان کے مطابق نصیبین اور اس کی نواحی بستیوں میں 40 ہزار باغات تھے۔ شہنشاہ فارس نوشیروان ساسانی (متوفی 579ء) نے جب اس کا محاصرہ کیا تو شہر فتح نہیں ہو رہا تھا۔ اس نے طیرانشاہ سے بڑی تعداد میں بچھو منگوائے اور انہیں شیشے کی بوتلوں میں بھر بھر کے عزا دہ (منجنیق کی طرح کا آلہ) کے ذریعے شہر میں پھینکا تو اہل شہر ان بوتل بموں کی تاب نہ لا سکے اور شہر فتح ہو گیا۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ عہد عثمانی میں شام کے گورنر تھے جب عامل نصیبین نے شکایت کی کہ اہل شہر بچھوؤں کی کثرت سے مصیبت میں گرفتار ہیں۔ معاویہ رضی اللہ عنہ کے حسب الحکم بچھو مارنے کا معاوضہ مقرر کر دیا گیا تو لوگ بچھوؤں کے درپے ہو گئے حتیٰ کہ ان موذیوں کی تعداد نہ ہونے کے برابر ہو گئی۔ (معجم البلدان)



بابرکت ماحول والا علاقہ (بیت المقدس اور اردگرد)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَأَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِينَ كَانُوا يُسْتَضَعُونَ مَشَارِقَ الْأَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِي بَرَكْنَا فِيهَا ۖ وَتَبَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنَىٰ عَلَىٰ بَنِي إِسْرَءِيلَ ۖ بِمَا صَبَرُوا ۖ وَدَمَرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهُ وَمَا كَانُوا يَعْرِشُونَ ﴿١٣٧﴾

”ہم نے بنی اسرائیل کو جنہیں کمزور اور ضعیف سمجھا جاتا تھا بابرکت زمین کے مشرق و مغرب کا مالک بنادیا۔ اور تیرے رب کا کلمہ حسنی بنی اسرائیل پر صادق آیا کیونکہ انہوں نے بہت صبر کیا تھا۔ اور ہم نے وہ سب کچھ تباہ و برباد کر دیا جو فرعون اور اس کی قوم (فخریہ) بناتے تھے اور جو انہوں نے عالیشان عمارتیں بنائی تھیں۔“ (الاعراف: 137/7) ارشاد باری تعالیٰ ہے:

سُبْحَنَ الَّذِي أَسْرَىٰ بِعَبْدِهِ ۚ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَا الَّذِي بَرَكْنَا حَوْلَهُ لِنُرِيَهُ مِنَ الْأَيْنَاطِ ۚ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ﴿١٣٨﴾

”پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے کو رات کے کچھ حصے میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک سیرا کرئی، جس کے ماحول کو ہم نے بابرکت بنایا ہے تاکہ ہم اپنے بندے کو اپنی کچھ نشانیاں دکھائیں۔ بلاشبہ وہی خوب سننے والا دیکھنے والا ہے۔“ (الاسراء: 1/17) ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قُلْنَا يٰنَادِ كُوْنِي بُرْدًا وَسَلِّمْ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ﴿١٣٩﴾ وَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمْ الْاٰخِسِرِيْنَ ﴿١٤٠﴾ وَنَجَّيْنٰهٗ وَوَوَّطَاۤ اِلٰى الْاَرْضِ الَّتِي بَرَكْنَا فِيْهَا لِلْعٰلَمِيْنَ ﴿١٤١﴾

ہم نے حکم دیا: ”اے آگ! ابراہیم کے لیے ٹھنڈک اور سلامتی بن جا۔“ کافروں نے اس کے خلاف بڑی چال چلی تھی مگر ہم نے ان کو خائب و خاسر کر دیا۔ پھر ہم نے اسے اور (اس کے بھتیجے) لوط کو ایسی زمین میں پہنچا دیا جہاں ہم نے سب جہان والوں کے لیے برکت رکھی تھی۔“ (الانبیاء: 69/21... 71) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَلَسَلِّمُنَ الرِّیْحَ عَاصِفَةً تَجْرِيۢ بِأَمْرِ رَبِّ اِلَى الْاَرْضِ الَّتِي بَرَكْنَا فِيْهَا ۖ وَكُنَّا بِكُلِّ شَيْءٍ عَلٰمِيْنَ ﴿١٤٢﴾

”اور ہم نے تیز ہوا سلیمان کے تابع کر رکھی تھی۔ وہ اس کے حکم سے اس علاقے کی طرف چلتی تھی جہاں ہم نے برکت رکھی تھی۔ ہم ہر چیز کو جاننے والے ہیں۔“ (الانبیاء: 81/21) اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس اور اس کے اردگرد مختلف قسم کی برکات رکھی تھیں۔ حسی بھی معنوی بھی۔ بیت المقدس کے

ارد گرد سے مراد شام کا علاقہ ہے جو انبیاء علیہ السلام کا مرکز اور پاکباز فرشتوں کی فرودگاہ رہا ہے۔

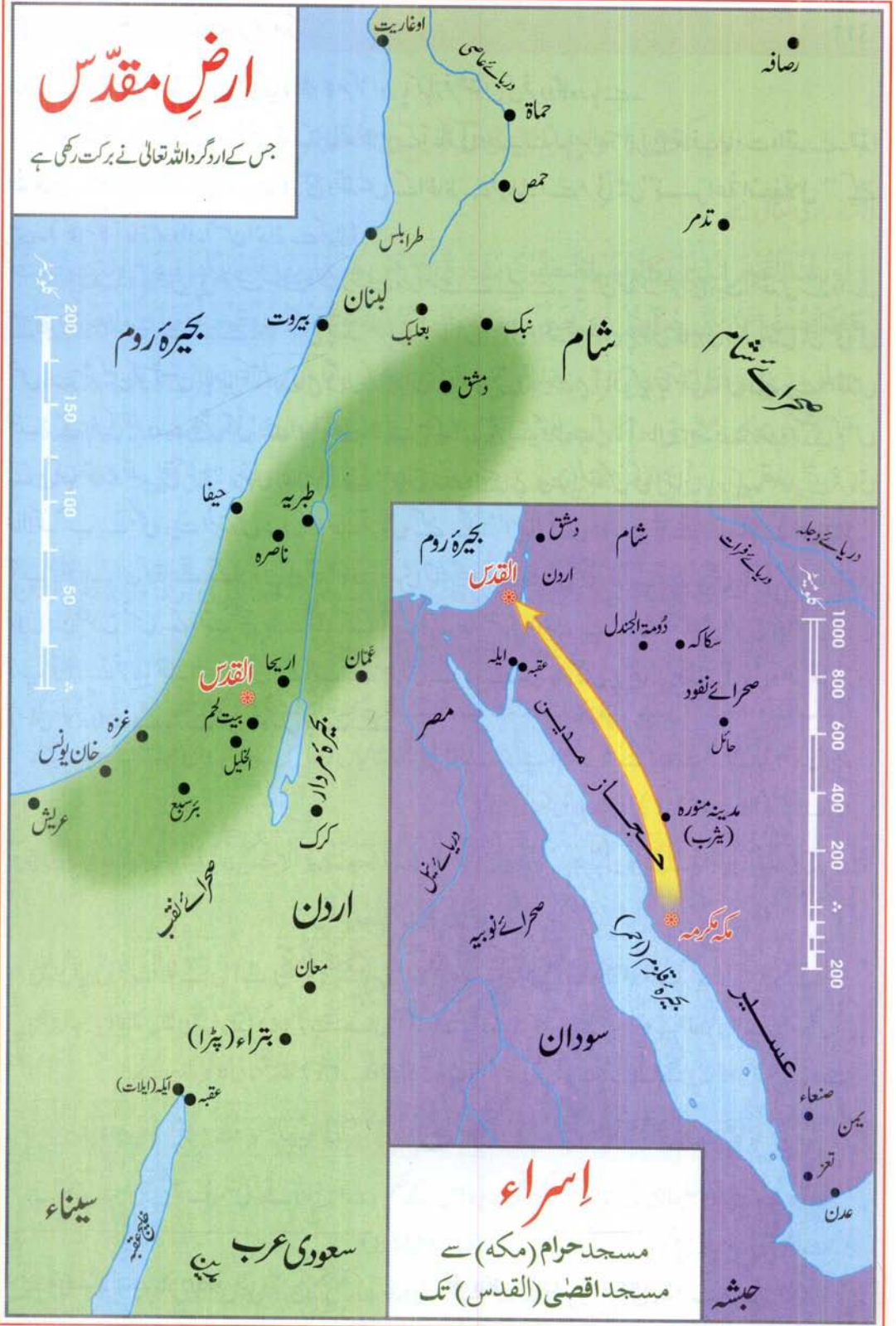
﴿سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَى﴾ کے ساتھ کلام کے آغاز کی وجہ یہ ہے کہ اسراء و معراج خلاف عادت واقعہ ہے۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے کلام کا آغاز کمال قدرت اور تسبیح و تقدیس کے الفاظ سے فرمایا۔ اسے عربی میں ”بَرَاْعَةُ اسْتِهْلَال“ کہتے ہیں۔ (کلام کا آغاز عمدہ اور احسن انداز سے کرنا)

﴿بَعْبِدِهِ﴾ میں اپنی طرف نسبت اظہار شرف و کرامت کے لیے ہے۔ یہ ممکن تھا کہ معراج بیت المقدس کے واسطہ کے بغیر براہ راست بیت اللہ سے ہوتا، لیکن چونکہ معراج تو خالص آسمانی واقعہ تھا جس پر کوئی ظاہری دلیل نہیں بن سکتی تھی جس سے مشرکین کو مطمئن کیا جاسکتا اور عام لوگوں کو معراج کی تصدیق و قبولیت پر آمادہ کیا جاسکتا۔ اس لیے بیت المقدس تک زمینی سفر کی ضرورت پیش آئی جسے اسراء کہا جاتا ہے تاکہ اس معجزے کو ثابت کرنا آسان ہو۔ ورنہ سدرۃ المنتہی کو کس نے دیکھا تھا جو تصدیق کرتا؟ رسول اللہ ﷺ نے معراج سے واپسی پر بیت المقدس کی انتہائی باریک تصویر کشی فرمائی حالانکہ آپ نے کبھی بیت المقدس نہ دیکھا تھا۔ قریش کہنے لگے: ”اچھا! ہمیں ہمارے قافلے کے بارے میں بتاؤ۔“ آپ ﷺ نے ان کو قافلے کے اونٹوں کی تعداد اور دوسری تمام تفصیلات بتائیں حتیٰ کہ آپ نے یہ بھی بتا دیا کہ تمہارا قافلہ فلاں دن طلوع شمس کے وقت پہنچ جائے گا۔ آگے آگے ایک خاکستری اونٹ ہے۔ اور واقعاً اسی طرح ہوا جس طرح آپ ﷺ نے فرمایا تھا۔ البتہ قریش نے آپ سے معراج کے بارے میں کچھ نہیں پوچھا کیونکہ یہ آسمانی واقعہ تھا اور وہ آسمانی موجودات کے بارے میں کچھ نہیں جانتے تھے۔



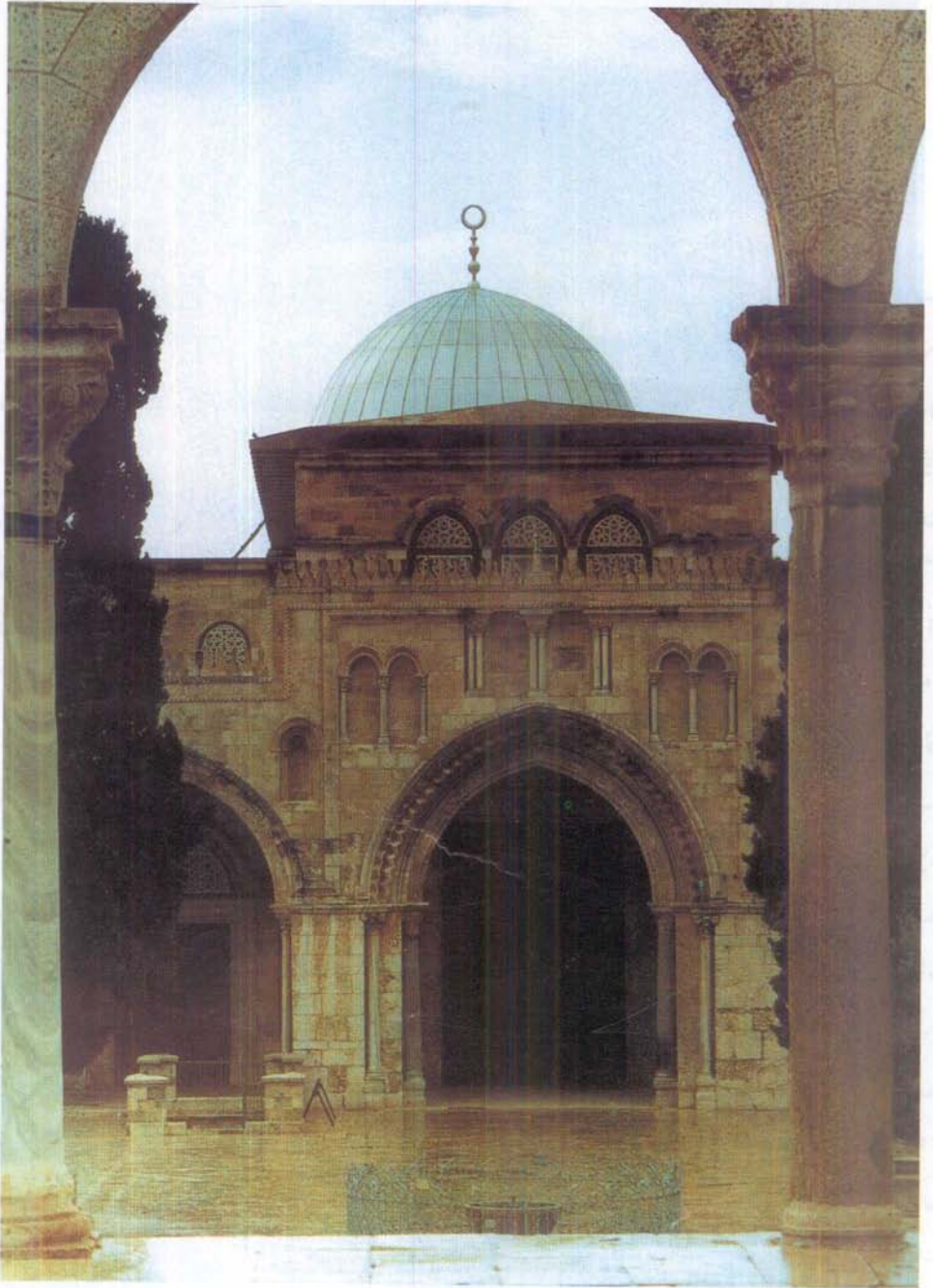
ارض مقدس

جس کے ارد گرد اللہ تعالیٰ نے برکت رکھی ہے



اسراء

مسجد حرام (مکہ) سے
مسجد اقصیٰ (القدس) تک



مسجد اقصیٰ



قبۂ صخرہ کا بیرونی منظر

اسراء..... مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک

سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے بھتیجے لوط علیہ السلام نے برکت والی سرزمین یعنی فلسطین (بیت المقدس) کی طرف ہجرت کی تھی۔ ان کے تقریباً 600 سال بعد اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو قوم فرعون کی غلامی سے نجات دلا کر اس بارکت سرزمین میں جگہ دی، پھر مزید اڑھائی تین سو سال بعد حضرت داود اور حضرت سلیمان علیہما السلام کو یہاں بادشاہت عطا ہوئی۔ 620ء میں نبی کریم ﷺ جبریل علیہ السلام کی رہنمائی میں مکہ سے بیت المقدس پہنچے اور وہاں سے معراج آسمانی کے لیے تشریف لے گئے۔

بیت المقدس: بیت المقدس یا بیت المقدس کو القدس بھی کہتے ہیں۔ یہاں مسلمانوں کا قبلہ اول، مسجد اقصیٰ اور قبة الصخرہ واقع ہیں۔ اسے یورپی زبانوں میں یروشلم کہتے ہیں۔ ”بیت المقدس“ سے مراد ”مبارک گھر“ یا ایسا گھر ہے جس کے ذریعے گناہوں سے پاک ہوا جاتا ہے۔ پہلی صدی ق م میں جب رومیوں نے یروشلم پر قبضہ کیا تو انہوں نے اسے ایلیا کا نام دیا تھا۔ مکہ مکرمہ سے بیت المقدس کا فاصلہ تقریباً 1300 کلومیٹر ہے۔ شہر بیت المقدس 31 درجے 45 دقیقہ عرض بلد شمالی اور 35 درجے 13 دقیقہ طول بلد مشرقی پر واقع ہے۔ بیت اللحم اور الخلیل اس کے جنوب میں ہیں اور رام اللہ شمال میں۔ بیت المقدس پہاڑیوں پر آباد ہے۔ انہی میں سے ایک پہاڑی کا نام کوہ صہیون (Zion) ہے جس کے نام پر یہودیوں کی عالمی تحریک صہیونیت قائم کی گئی ہے۔

مسجد اقصیٰ: حضرت یعقوب علیہ السلام نے وحی الہی کے مطابق مسجد بیت المقدس (مسجد اقصیٰ) کی بنیاد ڈالی اور اس کی وجہ سے بیت المقدس شہر آباد ہوا۔ پھر عرصہ دراز کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام (961 ق م) کے حکم سے مسجد اور شہر کی تعمیر کی تجدید کی گئی۔ اسی لیے یہود مسجد بیت المقدس کو ہیکل سلیمانی کہتے تھے۔

ہیکل سلیمانی کی تباہی: ہیکل سلیمانی اور بیت المقدس کو 586 ق م میں شاہ بابل (عراق) بخت نصر نے مسمار کر دیا تھا اور وہ دس لاکھ یہودیوں کو غلام بنا کر اپنے ساتھ عراق لے گیا تھا۔ بیت المقدس کے اس دورِ بربادی میں حضرت عزیر علیہ السلام کا وہاں سے گزر ہوا تو انہوں نے اس شہر کو مردہ پایا اور تعجب ظاہر کیا کہ کیا یہ شہر کبھی پھر آباد ہوگا؟ اس پر اللہ نے انہیں موت دے دی اور جب سو سال بعد وہ جاگے تو یہ دیکھ کر حیران ہوئے کہ بیت المقدس پھر آباد اور پر رونق شہر بن چکا ہے۔ بخت نصر کے بعد 539 ق م میں شہنشاہ فارس کوروش کبیر (سائرس اعظم) نے بابل فتح کر کے بنی اسرائیل کو فلسطین واپس جانے کی اجازت دے دی تھی اور انہوں نے بیت المقدس شہر اور ہیکل سلیمانی پھر تعمیر کر لیے تھے۔ یروشلم پر دوسری تباہی رومیوں کے دور میں نازل ہوئی۔ رومی جرنیل ٹائٹس نے 70ء میں یروشلم شہر اور ہیکل سلیمانی دونوں مسمار کر دیے۔

اسلامی عہد میں مسجد اقصیٰ کی تعمیر: 137 ق م میں رومی شہنشاہ ہیڈرین نے شوریدہ سر یہودیوں کو بیت المقدس اور فلسطین سے جلا وطن کر دیا۔ چوتھی صدی عیسوی میں رومیوں نے عیسائیت قبول کر لی اور بیت المقدس میں گر جا تعمیر کیا۔ جب نبی کریم ﷺ معراج کو جاتے ہوئے بیت المقدس پہنچے اس وقت یہاں کوئی باقاعدہ مسجد تھی نہ ہیکل چنانچہ قرآن میں اس جگہ ہی کو مسجد اقصیٰ کہا گیا جہاں حضرت یعقوب علیہ السلام نے مسجد بنائی تھی۔ 17ھ یعنی 639ء میں عہد فاروقی میں عیسائیوں سے کیے گئے ایک معاہدے کے تحت بیت المقدس پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ خلیفہ عبد الملک کے عہد میں مسجد اقصیٰ کی تعمیر عمل میں آئی اور صخرہ معراج پر قبۃ الصخرہ بنایا گیا۔ 1099ء (492ھ) میں یورپی صلیبیوں نے بیت المقدس پر قبضہ کر کے 70 ہزار مسلمان شہید کر دیے۔ 1187ء (583ھ) میں سلطان صلاح الدین ایوبی نے بیت المقدس کو عیسائیوں کے قبضے سے چھڑایا۔

بیت المقدس پر یہودیوں کا قبضہ: پہلی جنگ عظیم کے دوران ستمبر 1917ء میں انگریزوں نے بیت المقدس اور فلسطین پر قبضہ کر کے یہودیوں کو یہاں آباد ہونے کی عام اجازت دے دی۔ یہود و نصاریٰ کی سازش کے تحت نومبر 1947ء میں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے دھاندلی سے کام لیتے ہوئے فلسطین کو عربوں اور یہودیوں میں تقسیم کر دیا اور جب 14 مئی 1948ء کو یہودیوں نے اسرائیل کے قیام کا اعلان کر دیا تو پہلی عرب اسرائیل جنگ چھڑ گئی۔ اس جنگ کے نتیجے میں اسرائیلی فلسطین کے 78 فیصد رقبے پر قابض ہو گئے، تاہم مشرقی یروشلم (بیت المقدس) سمیت غرب اردن کا علاقہ اردن کے قبضے میں آ گیا۔ تیسری عرب اسرائیل جنگ (جون 1967ء) میں اسرائیلیوں نے بقیہ فلسطین اور بیت المقدس پر بھی تسلط جمایا۔ یوں مسلمانوں کا قبلہ اول اب یہودیوں کے قبضے میں ہے۔ 70ء کی تباہی سے ہیکل سلیمانی کی ایک دیوار کا کچھ حصہ بچا ہوا ہے جہاں 2 ہزار سال سے یہودی زائرین آ کر رویا کرتے تھے۔ اسی لیے اسے دیوار گریہ (Wailing Wall) کہا جاتا ہے۔ اب یہودی مسجد اقصیٰ کو گرا کر ہیکل تعمیر کرنے کے منصوبے بناتے رہتے ہیں جنہیں مسلم ممالک کے کامل اتحاد ہی سے ناکام بنایا جاسکتا ہے۔ اسرائیل نے بیت المقدس کو اپنا دار الحکومت بنا رکھا ہے۔



ہجرت

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَإِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِيُثْبِتُوكَ أَوْ يَقْتُلُوكَ أَوْ يُخْرِجُوكَ وَيَمْكُرُونَ وَيَمْكُرُ اللَّهُ ۗ
وَاللَّهُ خَيْرُ الْمَكْرِينَ ﴿٣٠﴾

”جب کافر لوگ آپ کے بارے میں تدبیریں سوچ رہے تھے کہ تجھے قید کر دیں یا قتل کر دیں یا نکال دیں۔ وہ بھی تدبیریں کر رہے تھے اور اللہ بھی تدبیر کر رہا تھا اور اللہ تعالیٰ کی تدبیر ہی بہتر ہوتی ہے۔“ (الانفال: 30/8)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِلَّا تَنْصَرُوهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللَّهُ إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِينَ كَفَرُوا ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ
لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا فَأَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَيْهِ وَأَيَّدَهُ بِجُنُودٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِينَ
كَفَرُوا السُّفْلَىٰ ۗ وَكَلِمَةُ اللَّهِ هِيَ الْعُلْيَا ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٣١﴾

”اگر تم نبی کی مدد نہیں کرو گے تو (کوئی اثر نہ ہوگا کیونکہ) اللہ تعالیٰ نے اس وقت بھی اس کی مدد فرمائی تھی جب اسے کافروں نے نکالا تھا۔ وہ دوسا تھی تھے اور غار میں چھپے ہوئے تھے اور نبی اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا: غم نہ کر اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس پر سکون و اطمینان نازل فرمایا اور نظر نہ آنے والے لشکروں کے ساتھ اس کی مدد کی اور کافروں کی بات کو ذلیل کر دیا۔ اللہ کی بات ہی بلند و غالب رہتی ہے۔ اللہ تعالیٰ غالب اور خوب حکمت والا ہے۔“ (التوبہ: 40/9)

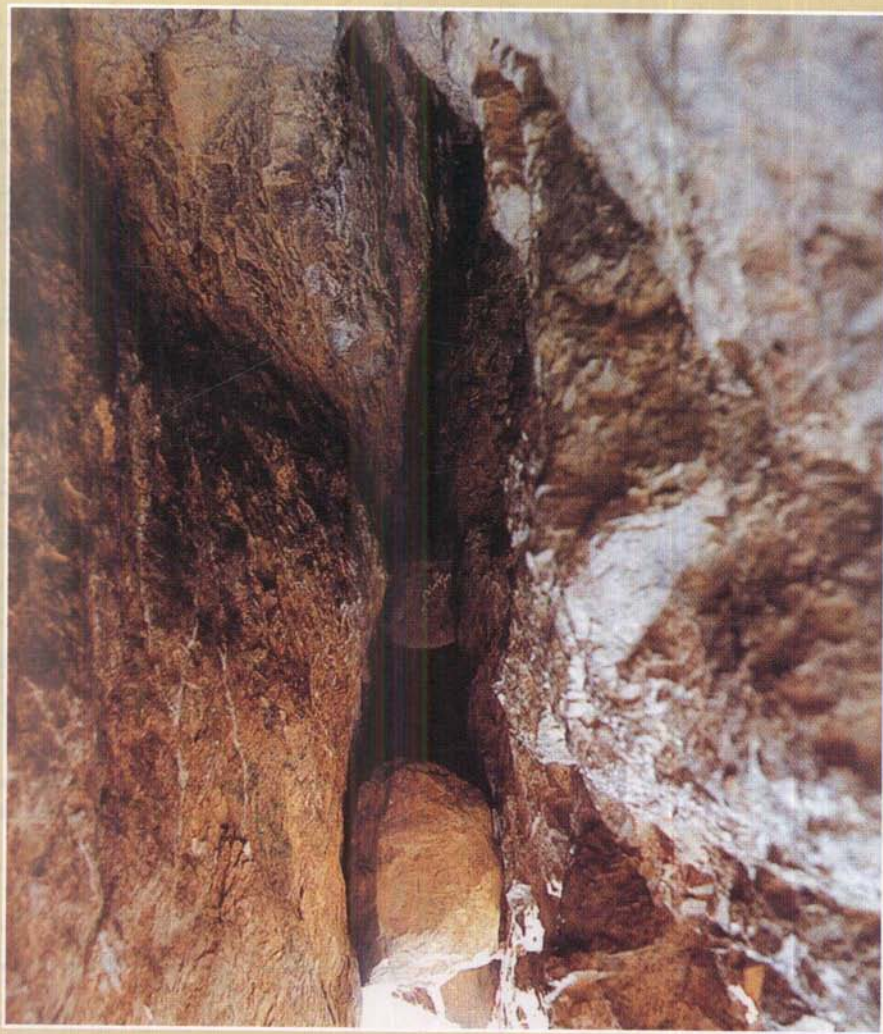
بیعت عقبہ اولیٰ اور ثانیہ کے بعد قریش نے محسوس کیا کہ معاملہ ان کے ہاتھ سے نکل رہا ہے اس لیے ان کے سردار دار الندوہ میں اکٹھے ہوئے تاکہ ان واقعات کی روک تھام کریں جو ان کی منشا کے خلاف ہو رہے ہیں۔ کافی بحث و تمحیص اور مشورے کے بعد چند حل پیش کیے گئے:

- آپ (ﷺ) کو قید کر دیا جائے تاکہ آپ اللہ کو پیارے ہو جائیں۔
- آپ کو ایک اونٹ پر باندھ کر مکہ مکرمہ سے نکال دیا جائے اور اونٹ کو کسی صحراء میں ہانک دیا جائے۔
- ہر قبیلے سے ایک ایک مضبوط جوان منتخب کیا جائے اور وہ سب مل کر یک بارگی آپ پر تلواریں چلا دیں۔ تاکہ بنو ہاشم قصاص نہ لے سکیں۔ خون بہا کے سوا کوئی طریقہ نہ ہوگا اور وہ سب قبائل پر تقسیم ہو جائے گا۔ اسی آخری رائے کو عمل درآمد کے لیے اختیار کیا گیا۔

- نتیجتاً ہجرت عمل میں آئی۔ البتہ حزم و احتیاط کے تمام اسباب اختیار کیے گئے، مثلاً ہجرت رات کے اندھیرے میں خفیہ طور پر کی گئی۔ ایک ماہر ہنما ساتھ رکھا گیا تا کہ وہ غیر معروف راستے سے لے کر جائے۔ ادھر قریش نے حضرت محمد ﷺ کو زندہ یا مردہ ہر حالت میں لانے والے کے لیے بہت بڑے انعام کا اعلان کر رکھا تھا۔ ہجرت کے چند اہم نتائج یہ ہوئے:
- (۱) مسلمان ایک جگہ (مدینہ طیبہ) اکٹھے ہو گئے، اس طرح وہ علانیہ دعوت دے سکتے تھے۔
 - (۲) اسلامی حکومت مضبوط بنیادوں پر قائم ہو گئی اور حالات سازگار ہو گئے۔
 - (۳) دعوت اسلامی کی عالمگیریت واضح ہو گئی۔
 - (۴) عبداللہ بن ابی ابن سلول کی قیادت میں منافقوں کا گروہ پیدا ہو گیا۔
 - (۵) شام کو جانے آنے والی قریشی تجارت خطرے کی زد میں آ گئی۔



✽ الکامل فی التاریخ: 53/2	✽ ابن سعد: 227/1
✽ عیون الأثر: 81/2	✽ ابن ہشام: 89/2
✽ مروج الذهب: 85/2	✽ البدایة والنہایة: 170/3
✽ الوفا بأحوال المصطفی: 235/1	✽ الطبری: 370/2



غار ثور والا پہاڑ

ہجرت نبوی

جب کفار مکہ نے دارالندوہ کے اجلاس میں نبی کریم ﷺ کو ہلاک کرنے کا منصوبہ بنالیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو مکہ مکرمہ سے ہجرت کا حکم دیا، چنانچہ آپ ﷺ نے اپنے چچا زاد حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلا کر تاکید کی کہ ”میرے بستر پر میری چادر اوڑھ کر لیٹ جاؤ اور صبح لوگوں کی امانتیں واپس کر کے یثرب چلے آنا۔“ پھر اسی رات آپ ﷺ دروازے پر کفار کے مقرر کردہ قاتلوں کی آنکھوں میں دھول ڈالتے ہوئے اپنے گھر سے نکلے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاں پہنچے اور انہیں ساتھ لے کر شہر سے جنوب کو ہو لیے۔

مکہ مکرمہ سے روانگی: رسول اللہ ﷺ نے ایک مشرک عبداللہ بن اریقظ سے کچھ رقم پر طے کر لیا تھا کہ وہ ان کو خفیہ راستوں سے مدینہ لے جائے گا۔ لہذا نبی کریم ﷺ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنی دونوں اونٹنیاں اسکے سپرد کر دی تھیں کہ وقت مقررہ تک وہ ان کو چراتا رہے اور سنبھال کر رکھے۔ جب آپ ﷺ مکہ مکرمہ سے نکلے تو علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ اور ان کے اہل خانہ کے سوا کسی کو آپ کے نکلنے کا علم نہ تھا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی معیت میں آپ ﷺ غار ثور پہنچے اور اس میں داخل ہو گئے۔ ادھر عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہ اپنے والد کی ہدایت کے مطابق دن بھر قریش میں رہتے، ان کی باتیں سنتے، پھر شام کے بعد غار ثور میں آکر بتاتے جبکہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے غلام عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ مکہ کے چرواہوں کے ساتھ مل کر بکریاں چراتے اور شام کے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بکریاں ان کے پاس لے آتے۔ رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ ان بکریوں کا دودھ پیتے اور ضرورت ہوتی تو بکری ذبح کر کے گوشت بھی کھاتے۔ یوں جمعے، ہفتے اور اتوار کی تین راتیں گزر گئیں اور مکہ مکرمہ والے تھک ہار کر بیٹھ گئے تو عبداللہ بن اریقظ دونوں اونٹنیاں اور اپنا ایک اونٹ لے کر آگئے اور پھر پیر 4 ربیع الاول کی شب تینوں نے یثرب کی راہ لی۔ ایک اونٹنی پر نبی کریم ﷺ سوار تھے اور دوسری پر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور ان کے پیچھے عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ بیٹھے تھے۔ آگے آگے عبداللہ بن اریقظ راستہ بتاتا جا رہا تھا۔

ادھر جب مشرکین کو رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے نکل جانے کا پتہ چلا تو ابوجہل نے ان کی گرفتاری کے لیے سو اونٹ انعام مقرر کر دیا تھا۔ قریش تلاش کرتے ہوئے اس پہاڑ پر بھی آچڑھے تھے جہاں آپ ﷺ تشریف فرما تھے بلکہ وہ غار کے منہ کے پاس بھی پھرتے رہے لیکن وہ آپ ﷺ کو نہ دیکھ سکے۔

سفر یثرب کے دوران آپ ﷺ کا کھوج لگانے والوں میں سراقہ بن مالک بن جعشم بھی تھے جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ وہ آپ ﷺ کے قریب پہنچے تو ان کے گھوڑے کے پاؤں زمین میں دھنس گئے۔ یہ معجزہ دیکھ اور حضور ﷺ سے امان پا کر سراقہ لوٹ گئے۔

یثرب میں نبی اکرم ﷺ کا شدت سے انتظار ہو رہا تھا۔ آپ ﷺ شہر کے نزدیک پہنچے تو مسلمانوں نے مسلح ہو کر (ایک پتھر یلے میدان) میں آپ کا باضابطہ استقبال کیا اور پھر اسلحہ کی چھاؤں میں آپ کو لے کر مدینہ کی طرف چلے۔ راستے میں آپ دائیں طرف کو مڑے اور بستی قباء میں بنو عمرو بن عوف کے ایک صاحب کلثوم بن ہدم کے ہاں اترے۔ یہ پیر کا دن تھا، تاریخ 8 ربیع الاول تھی اور آپ کی بعثت کا تیر ہوا سال تھا۔ مصنف ”رحمۃ للعالمین“ کے مطابق اس روز عیسوی تاریخ 23 ستمبر 622ء تھی۔ آپ قباء میں چودہ دن ٹھہرے جیسا کہ صحیح بخاری میں سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ قباء سے روانہ ہوئے تو تھوڑے ہی فاصلے پر نماز جمعہ کا وقت ہو گیا، رسول اللہ ﷺ نے بنو سالم بن عوف کے علاقے میں ”وادی رانونا“ کے مقام پر دوسرے حاضرین سمیت جمعہ ادا فرمایا۔ آپ ﷺ نے اس مقام پر ایک مسجد کی بنیاد رکھی جسے بعد میں ”مسجد جمعہ“ کہا جانے لگا۔

مدینہ منورہ میں تشریف آوری: رسول اللہ ﷺ نے جب قباء سے مدینہ تشریف لانے کا ارادہ فرمایا تو اپنے ننھیال ”بنو نجار“ کو پیغام بھیجا۔ وہ ہتھیار سجا کر آئے تو رسول اللہ ﷺ سوار ہو کر ان کے جلو میں چلے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ کے پیچھے سوار تھے۔ بنو نجار اور مسلمانوں کا ایک ہجوم آپ ﷺ کے ارد گرد تھا۔ کسی گھر کے پاس سے گزرتے تو اس گھر والے آپ سے اترنے کی درخواست کرتے مگر آپ ﷺ فرماتے: ”میری اونٹنی کو چلنے دو، یہ اللہ کے حکم سے رکے گی۔“ رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی ”قصواء“ چلتی رہی حتیٰ کہ جب وہ بنو مالک بن نجار کے محلہ میں پہنچی تو وہاں رکی جہاں بعد میں آپ ﷺ کی مسجد کا دروازہ بنا۔ اور وہ جگہ سیدنا ابوبکر انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر کے سامنے تھی۔ یوں ابوبکر انصاری رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ کی میزبانی کا شرف ملا۔

نبی کریم ﷺ کی تشریف آوری کی خوشی میں حبشی لوگوں نے نیزوں اور خنجروں سے کھیل دکھایا۔ پردہ نشین عورتیں بھی چھتوں پر چڑھ چڑھ کر دیکھ رہی تھیں۔ چھوٹے چھوٹے بچے اور بچیاں خوشی سے نعرے لگا رہے تھے:

”اللہ کے رسول آگئے، اللہ کے رسول آگئے..... صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم۔“

مقامات ہجرت نبوی

جبل ثور: یہ پہاڑ مکہ سے قریباً ساڑھے چار کلومیٹر جنوب میں ہے۔ اس پہاڑ کے اوپر واقع ایک غار میں نبی کریم ﷺ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ہجرت کے دوران تین دن اور تین راتیں گزاریں۔ غار کا بڑا دہانہ تقریباً ایک میٹر چوڑا ہے اور چھوٹا دہانہ تقریباً نصف میٹر کھلا ہے۔ اس کا طول اٹھارہ بالشت اور عرض گیارہ بالشت ہے۔

جبل ثور کی بلندی 759 میٹر ہے یعنی یہ پہاڑ جبل نور سے 120 میٹر زیادہ اونچا ہے۔ ثور پہاڑ کی چوٹی کا رقبہ تقریباً 30 مربع میٹر ہے۔ غار ثور میں سیدھے کھڑے ہوں تو سر چھت سے لگتا ہے۔ اس غار میں نبی کریم ﷺ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ نے تین راتیں گزاری تھیں۔

طریق الہجرة: جاہد ہجرت نبوی کے ساتھ ساتھ اب دورویہ کشادہ سڑک تعمیر کی جا چکی ہے جس کو طریق سریع کہا جاتا

ہے۔ اس کے نتیجے میں قظیمہ، رابغ، مستورہ، مفرق اور بدر والا راستہ متروک ہو گیا ہے جو طریق سلطانی کہلاتا تھا۔ طریق سرلیج (تیز رفتار راستہ) پر مکہ معظمہ سے چل کر سرف، بطن مر، عسفان، ثنیۃ الغزال، غدیر الاشطاط، کدید، امج، خلیص، قدید، المشلل، کلیہ، الجحفہ، بدر، الصفراء، المنصرف، الرویثہ اور الروحاء کے مقامات آتے ہیں جبکہ طریق الہجرت پر حدیبیہ، خیمہ ام معبد، رابغ الرمل، ثنیۃ المَرہ، مولجہ لقف، مولجہ حجاج، مرجح مجاج، بطن ذی کشر، الجداجد، دوسلم، بطن رئم، ملل، ذوالحلیفہ (آبار علی) اور قباء آتے ہیں۔

قباء: یہ ایک کنویں کا نام تھا۔ بستی کا نام بھی اسی کنویں کی وجہ سے معروف ہو گیا۔ قباء کو عالیہ بھی کہا جاتا تھا۔ یہ مدینہ منورہ سے تقریباً سواتین کلومیٹر جنوب میں مکہ کے راستے پر واقع ہے۔ قباء کے کنویں بئر اریس کا پانی کھاری تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنا لعاب مبارک ڈالا تو پانی میٹھا ہو گیا۔ یہیں عین الزرقاء نامی چشمہ ہے۔ قباء کے ارد گرد کا علاقہ نہایت زرخیز اور اہل مدینہ کی سیرگاہ رہا ہے۔

یثرب: تمام عربی مؤرخین اس بات پر متفق ہیں کہ ”یثرب“ دراصل سیدنا نوح علیہ السلام کی نسل میں سے ایک آدمی کا نام تھا جس نے اس شہر کی بنیاد رکھی۔ اس کے نام پر اس شہر کا نام بھی ”یثرب“ پڑ گیا۔ یثرب کے ابتدائی باشندوں میں تین بڑے بڑے قبیلے تھے:

(1) **عمالیق:** جس شخص کے نام پر اس شہر کا نام ”یثرب“ پڑا، اس کا قبیلہ ”عَمَلِیق“ عمالیق میں سے تھا۔ یہ لوگ ”عملیق بن لاوذ بن سام بن نوح“ کی نسل سے تھے۔ پہلے وہ بابل کے علاقہ میں رہتے تھے پھر جزیرہ نمائے عرب کے مختلف علاقوں میں بکھر گئے۔ ان میں سے کچھ یثرب کے علاقہ میں جاگزیں ہوئے۔ یہ بات شک و شبہ سے بالا ہے کہ وہ عرب تھے اور علامہ طبری کے نزدیک ان کے جد امجد ”عملیق“ عربی زبان کے بانی تھے۔

(2) **یہود:** جب مسلمانوں نے یثرب کی طرف ہجرت کی تو وہاں کئی یہودی قبائل آباد تھے اور اس بات پر بھی مؤرخین متفق ہیں کہ یثرب کے اکثر یہودی، فلسطین سے ہجرت کر کے آنے والوں کی نسل سے تھے۔ ان میں سے کچھ لوگ بخت نصر کے حملہ (586 ق م) کے بعد بھاگ کر آئے تھے۔ پھر 70ء اور 135ء میں رومیوں نے یہود کو تشدد کا نشانہ بنایا تو باقی لوگ بھی فلسطین سے ہجرت کر گئے۔ ان میں سے بعض یثرب میں فروکش ہوئے۔ علاقہ یثرب میں پہنچنے والے اولین یہودی قبائل بنو قریظہ، بنو نضیر اور بنو یہدل تھے۔ پھر ان کے بعد اور قبائل بھی آتے گئے۔

(3) **اؤس اور خزرج:** یہ دو قحطانی قبیلے تھے جو ”سد مأرب“ کی تباہی کے بعد یمن سے ہجرت کر کے یثرب پہنچے۔ رائج بات یہ ہے کہ یہ دونوں قبیلے تیسری صدی عیسوی میں یثرب آئے۔

مدینہ منورہ کے نام

الْمَدِیْنَةُ: یہ اس شہر کا سب سے مشہور نام ہے کیونکہ جناب رسول اللہ ﷺ نے یہاں ہجرت فرمائی حتیٰ کہ یہیں مدفون ہوئے۔

کتابہ: مدینہ کو ”طابہ“ بھی کہا جاتا ہے۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے اس پیارے شہر کا نام ”طابہ“ رکھا ہے۔“ (صحیح مسلم، حدیث: 1385، مسند احمد: 5/106)

طابہ اور طیبہ طیب کے معنی میں ہیں کیونکہ آپ ﷺ کی برکت سے یہ شہر شرک سے پاک ہو گیا۔
یثرب: یہ اس شہر کا اولین نام ہے۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے اس کا یہ نام تبدیل فرما کر ”الْمَدِينَة“ رکھ دیا۔ ممکن ہے تبدیلی کی وجہ یہ ہو کہ لغت میں ”یثرب“ کے معنی ’ملا مت‘ فساد اور خرابی ہیں۔ صحیحین میں سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

”میں نے خواب میں دیکھا کہ میں مکہ مکرمہ چھوڑ کر ایسے علاقے کی طرف ہجرت کر رہا ہوں جس میں کھجوروں کے درخت بہت زیادہ ہیں۔ میں نے سمجھا شاید یہ ”یَمَامَہ“ یا ”هَجْر“ ہو لیکن معلوم ہوا کہ یہ مدینہ یعنی یثرب ہے۔“ (صحیح البخاری، حدیث: 3622، صحیح مسلم، حدیث: 2272)

یا قوت حموی نے معجم البلدان میں اس کے 29 نام لکھے ہیں مثلاً عذرء، قُذسیہ، عاصمہ، مسکینہ، محبوبہ، مختارہ، مجبورہ، مُحَرَّمہ، مبارکہ، مرحومہ، محفوظہ..... بعض ائمہ کا قول ہے کہ سورہ بنی اسرائیل کے الفاظ ”مُذَخَلٌ صِدْق“ سے مراد مدینہ منورہ اور ”مُخْرَجٌ صِدْق“ سے مراد مکہ مکرمہ ہے۔ (معجم البلدان: 5/83)
مدینہ منورہ: پیغمبر اسلام کا شہر مدینہ منورہ 39 درجے 50 دقیقے طول بلد مشرقی اور 24 درجے 32 دقیقے عرض بلد شمالی پر واقع ہے۔ یہ مکہ مکرمہ سے تین سو میل اور پنج سے ایک سو تیس میل کے فاصلے پر واقع ہے اور سطح سمندر سے 600 میٹر بلندی پر ہے۔ اس کے شمال میں جبل احد اور جنوب میں جبل غیر ہیں اور یہ دونوں مدینہ منورہ سے چار چار کلومیٹر کے فاصلے پر ہیں۔ شہر کے مغرب اور مشرق میں حرة الوبرة اور حرة الواقع سیاہ نوکیلے پتھروں کے علاقے ہیں اور میلوں کی مسافت میں پھیلے ہوئے ہیں۔ شہر کے ارد گرد کئی وادیاں ہیں جن میں وادی العقیق اور وادی رانواناء قابل ذکر ہیں۔ ان میں بہت سے باغات اور کھیت ہیں اور یہ اہل مدینہ منورہ کی سیرگاہیں ہیں۔

مدینہ منورہ میں چوبیس سے زیادہ پانی کے چشمے ہیں جن میں اہم ترین عین الرزقاء ہے۔ اس کا اجرا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حکم سے ہوا تھا۔ مدینہ کا پانی ہلکا، سرد اور شیریں ہے۔ شہر کی آب و ہوا گرمیوں میں سخت گرم اور سردیوں میں سخت سرد ہوتی ہے۔ مدینہ منورہ کے مشرقی جانب کھجور، انگور اور انار بکثرت ہوتے ہیں۔ جنوب میں قباء، عوالی اور عقیق کی سیاہ مٹی میں گندم، جو، انار، رنگ برنگ کے پھول اور سبزیاں پیدا ہوتی ہیں۔

مدینے میں یہود کے قبیلے 20 سے زیادہ تھے۔ بنو قینقاع اور دوسرے یہود میں عداوت چلی آتی تھی کیونکہ بنو قینقاع بنو خزرج کے ساتھ یوم بعاث میں شریک تھے اور بنو نضیر اور بنو قریظہ نے بنو قینقاع کا بڑی بے دردی سے خون بہایا تھا۔ مدینہ منورہ میں یہود کے قلعہ بند محلے (یا گڑھیاں) آطام یا طم کہلاتے تھے۔ یہود کی مادری زبان عبرانی تھی، مگر جاز آ کر ان کی زبان رفتہ رفتہ عربی ہو گئی تھی اور وہ اسی زبان میں روزمرہ کا کام کرتے تھے۔ عبرانی ان کی مذہبی اور تعلیمی زبان تھی۔

یہود کے علاوہ مدینہ میں عیسائی بھی موجود تھے۔ قبائل اوس مدینہ منورہ کے جنوب و مشرق میں اور خزرج وسطیٰ اور شمالی علاقے میں آباد تھے۔ یہود ان دونوں قبیلوں کو لڑاتے رہتے تھے تاکہ وہ ان کا استحصال کرتے رہیں۔ اوس و خزرج کے درمیان آخری جنگ بعثت تھی جو ہجرت سے پانچ سال پہلے ہوئی تھی۔ مدینہ میں کئی بازار تھے جن میں سب سے اہم سوق بنی قیہاق تھا جو سونے اور چاندی کے زیورات و مصنوعات اور کپڑے والوں کا خاص بازار تھا۔ مدینے کے بعض گھروں کے ساتھ باغ بھی تھے۔ بیٹھنے کے لیے کرسی بھی استعمال ہوتی تھی۔ عورتوں میں کپڑا بننے اور کاٹنے کا عام رواج تھا۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد: 20)

مکہ مکرمہ کے غریب الوطن مہاجر نہایت بے سروسامانی کی حالت میں آئے تھے، لہذا نبی کریم ﷺ نے مہاجرین و انصار میں باہمی ہمدردی اور امداد و اعانت کے لیے بھائی چارے کا ایک معاہدہ کرادیا۔ اسی زمانے میں آپ ﷺ نے یہود اور دیگر اقوام مدینہ منورہ سے امن و امان کا معاہدہ کیا، جو بیشاق مدینہ منورہ کہلاتا ہے۔ مدینہ منورہ آنے پر نماز باجماعت کا اہتمام اور اذان کا حکم ہوا۔ یہاں آپ ﷺ نے جو مسجد تعمیر کی وہ مسجد نبوی کہلاتی ہے۔

مدینہ منورہ میں اسلام کو شان و شوکت نصیب ہوئی۔ جہاد کا حکم ملا۔ روزہ، زکوٰۃ، حج، نکاح و طلاق، غلاموں، اسیروں، دشمنان دین اور حدود و تعزیرات کے متعلق احکام نازل ہوئے اور دین اسلام نقطہ عروج کو پہنچ گیا۔ یہیں غزوہ احد اور غزوہ خندق لڑے گئے۔ یہیں سے نبی کریم ﷺ نے شاہان وقت کو دعویٰ خطوط لکھے۔ مدینہ منورہ ہی سے مسلمان ذوق جہاد اور شوق شہادت سے سرشار ہو کر دنیا کی تسخیر کے لیے روانہ ہوئے۔

مدینہ بطور دار الخلافہ: خلافت اسلامیہ کا پہلا دار الحکومت 11 تا 36 ھ مدینہ منورہ تھا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے یہاں مرکزی بیت المال قائم کیا۔ مسجد نبوی ﷺ کی توسیع کی۔ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ تک ہر منزل پر چوکیاں، سرائیں اور حوض تعمیر کرائے۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا اہم کارنامہ بھی مسجد نبوی کی تعمیر و توسیع ہے۔ انہوں نے ساری عمارت میں منقش پتھر لگوائے اور ستونوں کو سیسے سے مضبوط کیا اور عہد صدیقی کے قرآن مجید کے مدون نسخے کی نقلیں کرا کر مدینہ منورہ سے تمام ممالک اسلامیہ میں بھجوائیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جنگ جمل کے بعد کوفہ واپس آ کر مدینے کی بجائے اس کو مرکز خلافت قرار دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے مصالحت کر لی اور مرکز خلافت دمشق منتقل ہو گیا۔ اب مدینہ منورہ کی حیثیت ایک صوبائی شہر کی رہ گئی، اگرچہ اس کی علمی اور دینی مرکزیت اب بھی باقی تھی۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ بھی دستبرداری کے بعد مدینہ منورہ چلے آئے تھے۔ مدینہ منورہ میں نبی کریم ﷺ کا مرقد مبارک ہے اور پہلے تین خلفائے راشدین اور بہت سے صحابہ اور صحابیات رضی اللہ عنہم، امام مالک رحمہ اللہ اور دیگر تابعین اور تبع تابعین یہاں دفن ہیں۔

مدینہ منورہ مختلف ادوار میں اموی، عباسی، عبیدی، زنگی، ایوبی، ملوک اور عثمانی سلطنتوں میں شامل رہا۔ عثمانی ترکوں نے 1908ء میں دمشق سے مدینہ تک ریلوے لائن بچھائی جسے پہلی جنگ عظیم کے دوران انگریزوں کے ایجنٹ شریف مکہ

الحسین کے بدوفوجیوں نے تباہ کر دیا۔ جنگ کے بعد شریف الحسین نے حجاز میں اپنی بادشاہت قائم کر لی۔ والی رنجہ سلطان عبدالعزیز بن سعود نے 1924ء میں حجاز پر قبضہ کرنے کے بعد ملک الحجد والحجاز کا لقب اختیار کر کے ملک میں امن وامان قائم کیا اور 1930ء کی دہائی میں تیل کی دریافت اور برآمد سے ملک کی خوشحالی اور اقتصادی ترقی کا نیا دور شروع ہوا۔ مدینہ منورہ کی موجودہ ترقی و خوشحالی شاہ فیصل بن عبدالعزیز اور ان کے جانشینوں شاہ خالد مرحوم اور شاہ فہد کی مرہون منت ہے جنہوں نے مسجد نبوی کی توسیع و تزئین پر کروڑوں پونڈ صرف کیے اور جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کی توسیع و تکمیل کی۔ مدینہ منورہ کی آبادی 3 لاکھ نفوس سے زائد ہے۔ ان میں ہندی (پاک و ہند کے)، بخاری (ترکستانی) اور شامی مہاجرین کی بھی خاصی تعداد ہے۔



مسجد قباء (مسجد تقویٰ)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَا تَقُمْ فِيهِ أَبَدًا لِمَسْجِدٍ أُسِّسَ عَلَى التَّقْوَىٰ مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ أَحَقُّ أَنْ تَقُومَ فِيهِ ۚ فِيهِ رِجَالٌ يُحِبُّونَ أَنْ يَتَطَهَّرُوا ۗ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُطَهَّرِينَ ﴿١٠٨﴾

”(اے نبی!) آپ مسجد ضرار میں کبھی نہ کھڑے ہوں۔ وہ مسجد جس کی بنیاد شروع دن سے تقویٰ پر رکھی گئی ہے یہ حق رکھتی ہے کہ آپ اس میں جا کر کھڑے ہوں۔ اس مسجد میں ایسے لوگ ہیں جو پاک صاف رہنا پسند کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ بھی پاک صاف رہنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔“ (التوبہ: 108/9)

”قباء“ مدینہ منورہ کے قریب ایک بستی ہے جس میں ”مسجد تقویٰ“ قائم ہے۔ اور یہ اسلامی دور کی سب سے پہلی مسجد ہے۔ اس مسجد کی بنیاد شروع دن ہی سے تقویٰ پر رکھی گئی ہے۔ آپ ﷺ نے جب ہجرت فرمائی تو سوموار سے جمعرات تک قباء میں قیام فرمایا۔ جمعۃ المبارک کے دن آپ مدینہ منورہ کے ارادے سے سوار ہوئے اور جمعہ کی نماز بنو سالم بن عوف بن عمرو بن عوف بن خزرج کی مسجد میں ادا فرمائی۔ یہ پہلا جمعہ تھا جو آپ ﷺ نے مدینہ منورہ میں پڑھا۔

غزوہ تبوک (9 ہجری) سے کچھ پہلے 12 منافقوں نے مسجد ضرار بنائی اور رسول اللہ ﷺ سے اس میں بطور افتتاح نماز کی ادائیگی کا مطالبہ کیا۔ آپ نے فرمایا: (اِنِّیْ عَلٰی جَنَاحِ سَفَرٍ وَ حَالِ شُغْلٍ وَلَوْ قَدْ قَدِمْنَا اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰی اَتَيْنَاكُمْ فَصَلَّیْنَا لَكُمْ فِيْهِ) (تفسیر ابن کثیر، تفسیر سورہ توبہ آیت: 107، 108) ”فی الحال تو میں سفر کی مصروفیات میں مشغول ہوں۔ واپسی پر تمہارے پاس آئیں گے اور ان شاء اللہ اس مسجد میں نماز پڑھیں گے۔“ تبوک سے واپسی کے بعد اللہ تعالیٰ نے مندرجہ ذیل آیات نازل فرمادیں:

وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَكُفْرًا وَتَفْرِيقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِينَ وَإِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ مِنْ قَبْلُ وَلِيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَا اِلَّا الْحُسْنٰی وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ﴿١٠٩﴾ لَا تَقُمْ فِيهِ اَبَدًا لِمَسْجِدٍ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰی مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُومَ فِيْهِ رِجَالٌ يُحِبُّوْنَ اَنْ يَتَطَهَّرُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَهَّرِيْنَ ﴿١١٠﴾ اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهُ عَلَى تَقْوٰی مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٌ اَمْ مَنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهُ عَلَى شَفَا جُرْفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهِ فِي نَارٍ جَهَنَّمَ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿١١١﴾ لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِیْ بَنَوْا رِيبَةً فِیْ قُلُوْبِهِمْ اِلَّا اَنْ تَقَطَّعَ قُلُوْبُهُمْ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ ﴿١١٢﴾

”جن لوگوں نے مسلمانوں کو نقصان پہنچانے اظہار کفر، مؤمنین میں تفرقہ ڈالنے اور اللہ اور اس کے رسول کے مخالفین کو

اڈھ مہیا کرنے کے لیے مسجد بنائی وہ آپ کے سامنے آ کر قسمیں اٹھائیں گے کہ ہمارا ارادہ خالص نیکی کا ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ یہ لوگ جھوٹے ہیں۔ آپ اس مسجد میں کبھی بھی جا کر کھڑے نہ ہوں۔ یقیناً وہ مسجد جس کی بنیاد شروع دن سے تقویٰ پر رکھی گئی ہے، حقدار ہے کہ آپ اس میں جایا کریں۔ اس میں ایسے لوگ ہیں جو پاک صاف رہنے کو پسند کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ بھی پاک صاف رہنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔ جس شخص نے اپنی عمارت کی بنیاد اللہ کے تقویٰ اور رضامندی پر رکھی، کیا وہ بہتر ہے یا وہ شخص جس نے اپنی عمارت کی بنیاد گڑھے کے کھودے ہوئے کنارے پر رکھی جس کی وجہ سے وہ اپنی عمارت سمیت جہنم میں جاگرا؟ اللہ تعالیٰ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ ان کی تعمیر کردہ یہ عمارت ہمیشہ ان کے دلوں میں نفاق کا سبب بنی رہے گی الا یہ کہ ان کے دل کٹ جائیں۔ اللہ تعالیٰ خوب علم و حکمت والا ہے۔“ (التوبہ: 107/9... 110)

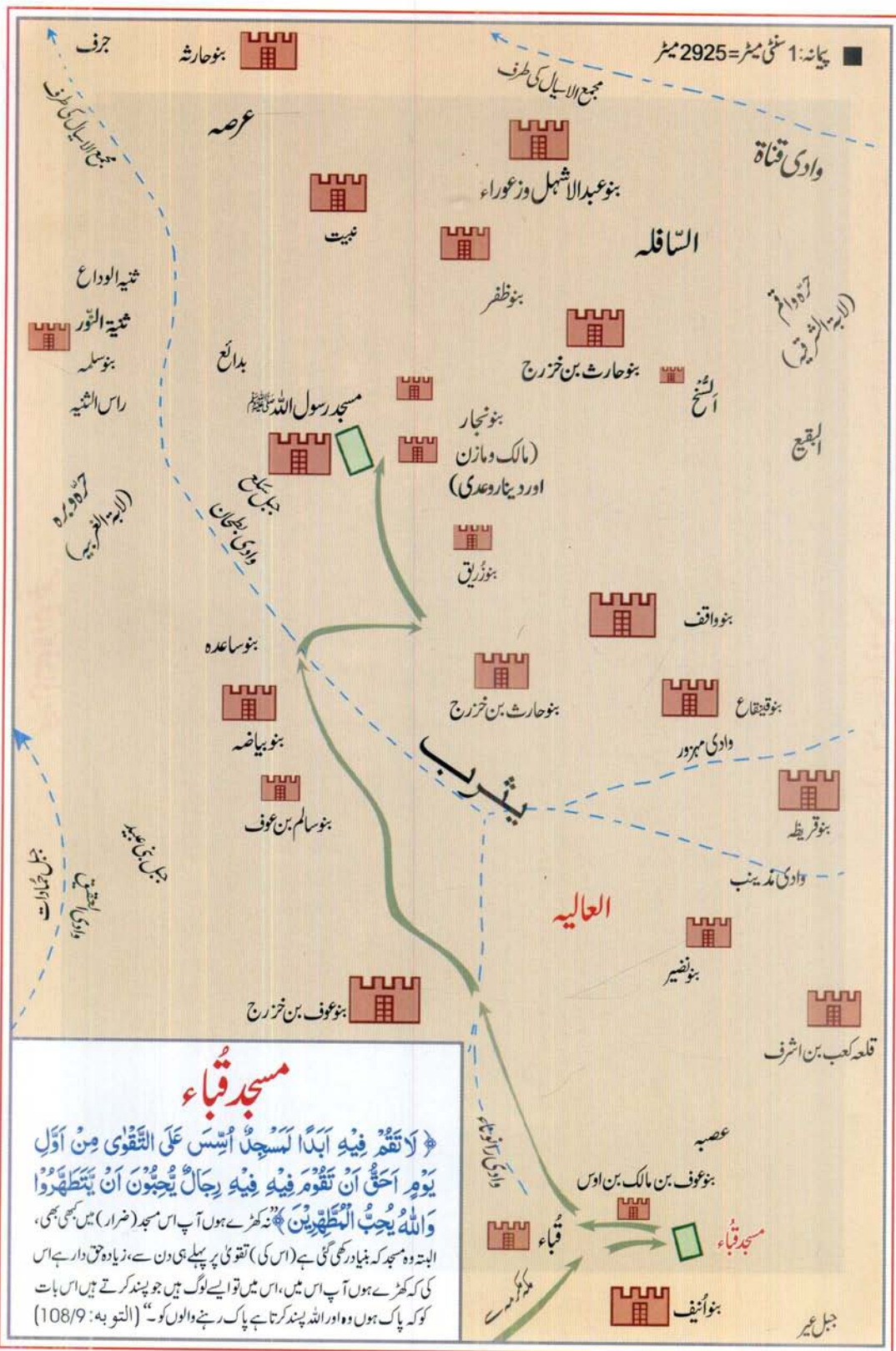


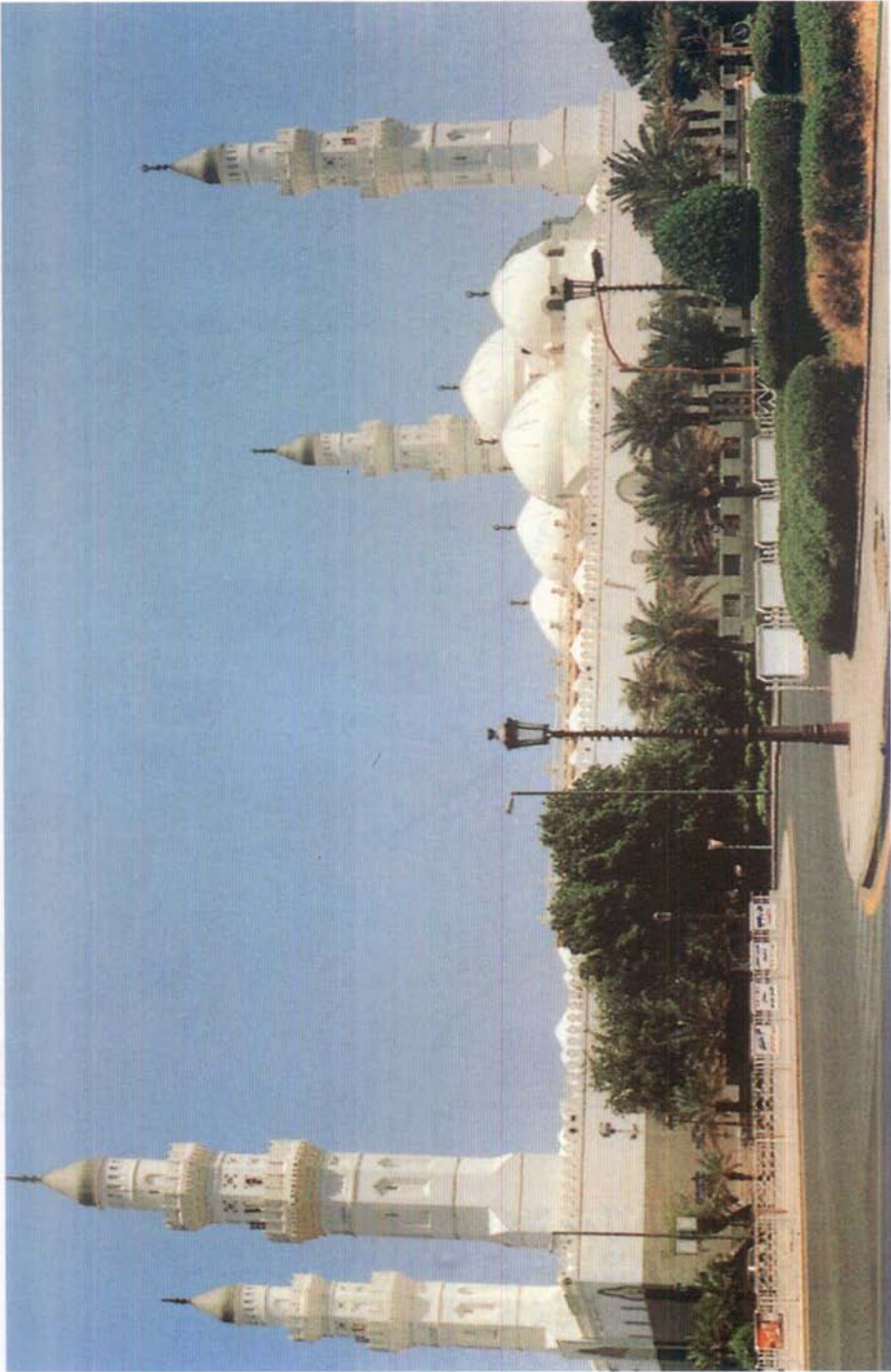
❁ صفوة التفاسیر: 518/1

❁ تفسیر ابن کثیر: 1339/2

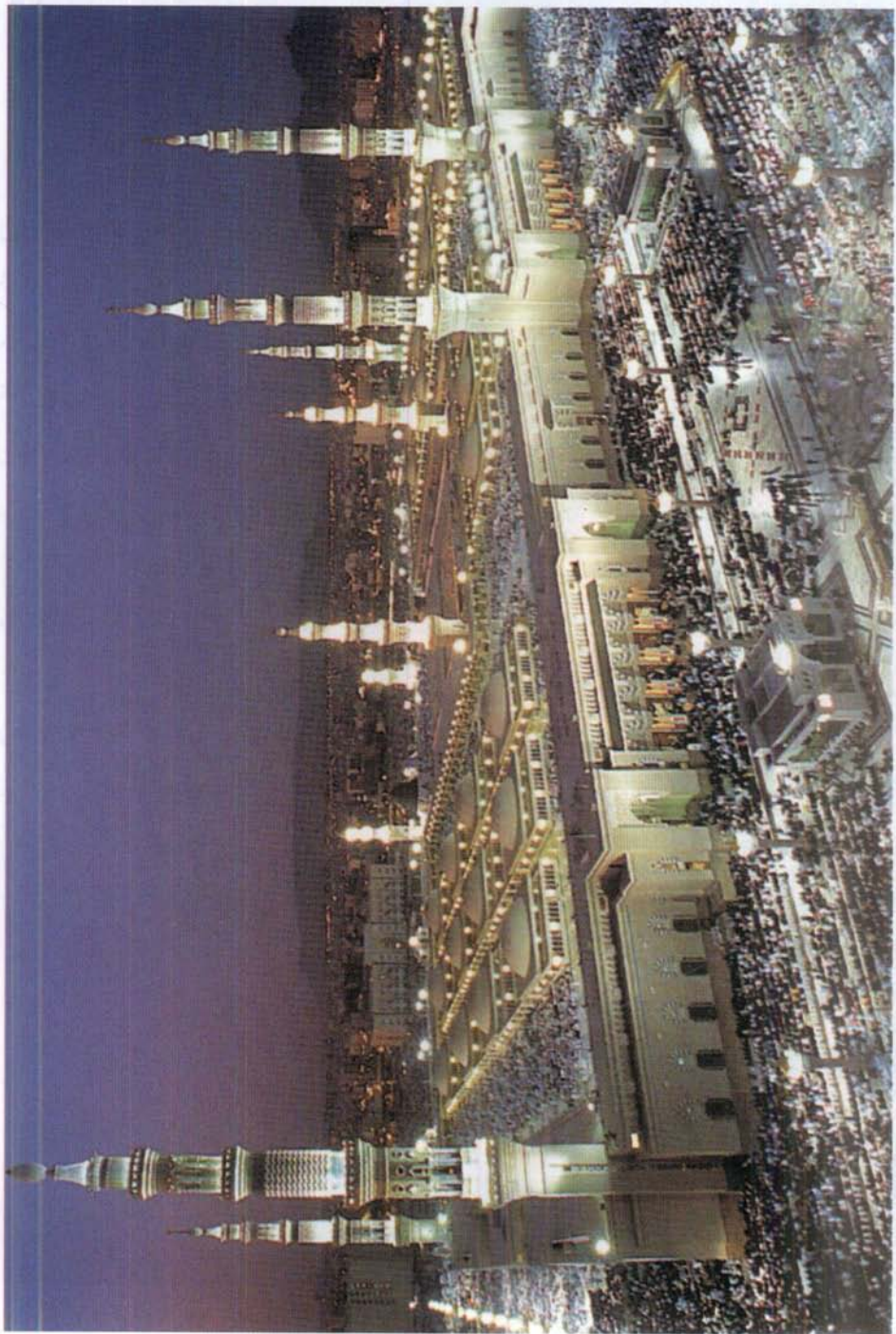
❁ التفسیر المنیر: 38/11

❁ الدر المنثور: 276/3





مسجد قبا کا فضائی منظر



مسجد نبوی (مدینہ منورہ)



مدینہ منورہ میں آتش فشانی سنگریزے (حرہ)

مسجد قباء

احمد بن یحییٰ بن جابر کہتے ہیں: پہلے پہل ہجرت کر کے آنے والوں میں سے جو قباء میں قیام پذیر ہوئے انہوں نے ایک مسجد بنائی جس میں وہ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے سال بھر نمازیں پڑھتے رہے۔ جب رسول اللہ ﷺ نے ہجرت فرمائی تو آپ نے قباء میں قیام فرمایا اور قباء کی مسجد میں نماز ادا کی۔ یہی مسجد تقویٰ کہلاتی ہے۔ مسجد قباء کو جاتے ہوئے سڑک کے بائیں جانب مسجد جمعہ ہے۔ نبی کریم ﷺ نے مدینے میں تشریف آوری سے پہلے اسی میں نماز جمعہ ادا کی تھی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں مسجد قباء کی تجدید و توسیع ہوئی۔ عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ (گورنر مدینہ) اور پھر عثمانی خلیفہ سلطان محمود خان نے 1831ء میں اس کی تعمیر نو کی۔ فیصل شہید نے 1970ء میں اسے از سر نو 6 میٹر بلند چبوترے پر استوار کیا۔ اس وقت اس کا ایک سادہ مینار وسط میں گنبد اور رقبہ 40 میٹر مربع تھا۔ 1988ء کی شاندار توسیع کے بعد مسجد قباء کا رقبہ 15 ہزار مربع میٹر ہو گیا ہے اور اس میں 10 ہزار نمازیوں کے لیے گنجائش ہے۔ اس کی چھت پر 58 چھوٹے اور تین بڑے گنبد ہیں اور چار پر شکوہ مینار ہیں۔ ساری مسجد مرکزی طور پر ایئر کنڈیشنڈ ہے۔

مسجد قباء کے اندر رسول اللہ ﷺ کی حدیث مبارک مرقوم ہے کہ ”جو شخص گھر سے پاک صاف ہو کر نکلا اور اس مسجد میں داخل ہو کر 2 رکعت نماز پڑھی اسے عمرہ یعنی حج اصغر کا ثواب ہوگا۔“ مسجد کے صدر دروازے پر آیت تائیس مسجد کے نیچے ترکی زبان میں قطعہ تاریخ کندہ ہے جس میں ”امام المسلمین شاہ جہان سلطان محمود خان“ کے عجز اور گناہ گاری کا اظہار کر کے خدمت تعمیر کی قبولیت اور بخشش کی دعا کی گئی ہے۔ (حرم مدینہ از پروفیسر عبدالرحمن عبد، ص: 12 وما بعد)



سَرِيَّةَ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ جَحْشٍ

(نخلہ وادی کی طرف)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ قَتَلَ فِيهِ قَتَالٌ فِيهِ كَبِيرٌ وَصَدُّ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَكَفَرُوا بِهِ وَ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ وَ أَخْرَجَ أَهْلَهُ مِنْهُ أَكْبَرُ عِنْدَ اللَّهِ وَ الْفِتْنَةُ أَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ وَلَا يَذَالُونَ يُقَاتِلُونَكُمْ حَتَّى يَرُدُّوكُمْ عَنْ دِينِكُمْ إِنِ اسْتَطَاعُوا وَمَنْ يَرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَيَسْتَوْهُوَ كَافِرٌ فَأُولَئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأُولَئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ①
إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَجْهَهُمْ وَإِنِ سَبِيلِ اللَّهِ أُولَئِكَ يَرْجُونَ رَحْمَتَ اللَّهِ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ②

”یہ لوگ آپ سے حرمت والے مہینے کے دوران میں لڑائی کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ کہہ دیجیے: ”اس مہینے میں لڑائی کرنا کبیرہ گناہ ہے، لیکن اللہ کے راستے سے روکنا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرنا، مسجد حرام سے لوگوں کو روکنا اور حرم کے رہنے والوں کو وہاں سے نکالنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑا جرم ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ شرک قتل سے بھی بڑا جرم ہے۔ اور یہ کافر آپ سے لڑتے رہیں گے یہاں تک کہ تمہیں تمہارے دین سے واپس نکال لیں بشرطیکہ یہ ان کے بس میں ہو۔ (یاد رکھو!) جو شخص اپنے دین سے مرتد ہو جائے اور پھر کفر ہی کی حالت میں مرجائے تو ایسے لوگوں کے اعمال دنیا و آخرت میں ضائع ہو جائیں گے۔ یہ لوگ آگ میں جائیں گے اور ہمیشہ اس میں رہیں گے۔ البتہ جو لوگ ایمان پر قائم رہیں اور اللہ تعالیٰ کے راستہ میں ہجرت و جہاد کریں یہ لوگ یقیناً اللہ کی رحمت کے سزاوار ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ (ایسے لوگوں کے لیے) بہت غفور و رحیم ہیں۔“ (البقرة: 217/218)

رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبد اللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کو جمادی الآخر 2 ہجری میں بارہ مہاجرین پر امیر مقرر کر کے بھیجا کہ وہ قریش کے ایک تجارتی قافلے کی گھات لگائیں۔ اس قافلے میں عمرو بن حضرمی اور تین دوسرے افراد شامل تھے۔ عمرو مارا گیا، دو شخص قید ہو گئے اور اسلامی لشکر تجارتی قافلے کو جس میں طائف کا تجارتی مال تھا، مدینے ہانک لایا۔ اس دن رجب کی پہلی تاریخ تھی۔ لشکر والوں نے سمجھا 30 جمادی الآخر ہے۔ جب لشکر واپس پہنچا تو آپ نے فرمایا: (وَاللَّهِ مَا أَمَرْتُكُمْ بِقِتَالٍ فِي الشَّهْرِ الْحَرَامِ) (دلائل النبوة للبيهقي: 19/3) ”واللہ! میں نے تمہیں حرمت والے مہینے میں لڑائی کا حکم نہیں دیا تھا۔“ قریش نے بھی شور مچا دیا: ”اب تو محمد ﷺ نے حرمت والے مہینے میں لڑائی شروع کر دی ہے حالانکہ اس مہینے میں تو ہر خوف والا بے خوف ہو جاتا ہے۔ اور لوگ بے خوف و خطر اپنے معاشی امور میں مصروف ہوتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے مندرجہ بالا آیات نازل فرمائیں۔“



حضرت عبداللہ بن جحش

عبداللہ بن جحش بن رباب ابو محمد الاسدیؓ کی والدہ رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی اُمیہ تھی۔ رسول اللہ ﷺ کے دار ارقم میں داخل ہونے سے قبل آپ نے اسلام قبول کیا، ہجرت کی اور عاصم بن ثابت بن ارح کے گھر ٹھہرے۔ آپ غزوہ بدر میں شریک ہوئے۔ غزوہ احد میں ان کا ایمان افروز قصہ یوں ہے:

”حضرت سعد بن ابی وقاصؓ فرماتے ہیں: احد کے دن حضرت عبداللہ بن جحش نے مجھ سے کہا: آؤ دعا نہ کر لیں؟ دونوں ایک طرف ہوئے پہلے حضرت سعدؓ نے دعا کی: ”اے اللہ! کل جب میری ملاقات کسی دشمن سے ہو تو وہ بہادر اور سخت غصے والا ہو، میں اسے تیری خاطر قتل کر کے اس کا سامان لے لوں۔“ حضرت عبداللہ نے آمین کہا۔ پھر حضرت عبداللہ نے دعا کی: ”اے اللہ! کل میری ملاقات بہادر اور سخت غصے والے جوان سے ہو۔ تیری خاطر میں اس سے لڑوں وہ مجھ سے لڑے۔ پھر وہ مجھے قتل کر کے میری ناک اور کان کاٹ دے۔ میں جب تیرے حضور پیش ہوں تو تو مجھ سے پوچھے: اے عبداللہ! تیری ناک اور کان کیوں کاٹے گئے؟ میں کہوں: اے اللہ! تیرے اور تیرے رسول کی خاطر۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تو نے سچ کہا۔“

غزوہ احد کے شہداء کی جب تدفین ہوئی تو حضرت عبداللہ بن جحشؓ اور ان کے ماموں حضرت حمزہ بن عبدالمطلبؓ کو ایک ہی قبر میں دفنایا گیا۔

بطن نخلہ: مکہ سے طائف کے راستے میں ایک جگہ کا نام ہے۔ ”بیلۃ الجن“ والا واقعہ بھی اسی کے بارے میں ہے۔ ابن ولاد کہتے ہیں: یہ دو وادیاں ہیں: (1) نخلہ شامیہ (2) نخلہ یمامہ۔ بطن مر کے پاس یہ دونوں وادیاں جمع ہو جاتی ہیں۔ (معجم ما سئعم: 1304/4)

سریہ بطن نخلہ: رجب 2 ہجری موافق جنوری 624ء میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن جحش اسدیؓ کو بارہ مہاجرین کے ہمراہ مکہ اور طائف کے درمیان مقام ”نخلہ“ کی طرف روانہ کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے عبداللہ بن جحشؓ کو ایک خط دیا اور فرمایا کہ وہ اسے دو دن کے سفر کے بعد کھولے چنانچہ حضرت عبداللہؓ دو دن سفر کرتے رہے۔ دوسرے دن کے بعد جب خط کھولا تو اس میں درج تھا: ”جب تو میرا یہ خط پڑھے تو سفر جاری رکھنا یہاں تک کہ وادی نخلہ پہنچ جائے جو مکہ اور طائف کے درمیان ہے وہاں قریش کے قافلے کی گھات میں لگ جانا اور ان کی خبریں ہمیں پہنچانا“ عبداللہؓ نے اپنے ساتھیوں کو مطلع کیا۔ جب بطن نخلہ پہنچے تو قریش کا قافلہ گزرا جس کے پاس زبیب (خشک میوہ) چڑا اور تجارت کا دیگر سامان تھا۔ اس قافلے میں عمرو بن الحضرمی، عثمان اور نوفل (یہ دونوں عبداللہ بن المغیرہ کے بیٹے تھے) اور حکم بن کیسان تھے جو بنو مغیرہ کے غلام تھے حضرت عبداللہ بن جحشؓ نے اپنے ساتھیوں سے مشورہ کیا کہ آج رجب کی آخری تاریخ ہے جو

حرمت والا مہینہ ہے، اگر ہم ان سے لڑائی کریں تو بیشک حرمت کی پامالی کا ڈر ہے۔ اگر ان کو آج رات چھوڑ دیتے ہیں تو وہ حدود حرم میں داخل ہو جائیں گے، لہذا انہوں نے قافلے پر حملہ کر دیا۔ عمرو بن الحضرمی کو قتل کر دیا اور عثمان اور حکم کو قیدی بنا کر ساتھ لیا اور قافلے کو ہانک کر مدینہ لے آئے جبکہ نوفل مکہ بھاگ گیا۔ اس حرکت پر رسول اللہ ﷺ ناراض ہوئے، چنانچہ قیدیوں کو چھوڑ دیا گیا اور مقتول کا خون بہا (دیت) ادا کر دیا۔ (الرحیق المختوم: 180، 181)



طبقات ابن سعد کے مطابق سرایا کی تفصیل

نمبر شمار	لشکر کا قائد	تاریخ	جگہ	مسلمان	مشرکین
1	حمزہ بن عبدالمطلب	رمضان 1ھ	ساحل بحر احمر	30 مہاجر	30 آدمی
2	عُبیدہ بن حارث بن مطلب	شوال 1ھ	بطن رابغ	60 مہاجر	200 آدمی
3	سعد بن ابی وقاص	ذوالقعدہ 1ھ	غدير خم کے قریب خوار	20 مہاجر	قافلہ قریش
4	عبدالله بن جحش اسدی	رجب 2ھ	وادی نخلہ	12 مہاجر	قافلہ قریش
5	عمیر بن عدی بن خرشہ خطمی	رمضان 2ھ	مدینہ منورہ	اکیلے عمیر	عصماء بنت مروان
6	سالم بن عمیر عمری	شوال 2ھ		اکیلے سالم	ابوعفک یہودی
7	محمد بن مسلمہ اور ابو نائلہ	ربیع الاول 3ھ	مدینہ کے مضافات	5 مسلمان	کعب بن اشرف
8	زید بن حارثہ	جمادی الآخر 3ھ	قرۃ نجد	100 سوار	قافلہ صفوان
9	ابو سلمہ مخزومی	محرم 3ھ	قطن	150 آدمی	بنو اسد
10	عبدالله بن اُنیس	محرم 3ھ	غرّہ	صرف عبداللہ	سفیان بن خالد ہذلی
11	منذر بن عمر وساعدی	صفر 3ھ	بئر معونہ	70 انصار	بنو سلیم
12	مرثد بن ابی مرثد غنوی	صفر 3ھ	رجیع	10 آدمی	قارہ اور عضل
13	محمد بن مسلمہ	10 محرم 3ھ	قُرطاء	30 سوار	بنو بکر
14	عکاشہ بن محصن اسدی	ربیع الاول 6ھ	غمر (بنو اسد)	40 آدمی	
15	محمد بن مسلمہ	ربیع الآخر 6ھ	بنو ثعلبہ	10 آدمی	بنو ثعلبہ
16	ابو عبیدہ بن جراح	ربیع الآخر 6ھ	ذوالقصدہ	40 آدمی	بنو محارب
17	زید بن حارثہ	ربیع الآخر 6ھ	جموم	کئی صحابہ	بنو سلیم
18	زید بن حارثہ	جمادی الاولیٰ 6ھ	عَیص	170 سوار	ساحل بحر
19	زید بن حارثہ	جمادی الآخر 6ھ	طَرَف	15 آدمی	بنو ثعلبہ

نمبر شمار	لشکر کا قائد	تاریخ	جگہ	مسلمان	مشرکین
20	زید بن حارثہ	جمادی الآخر 6ھ	حِمْصَی	500 آدمی	بنو جذام
21	زید بن حارثہ	رجب 6ھ	وادی قریٰ	کئی صحابہ	وادی قریٰ کے یہودی
22	عبدالرحمن بن عوف	شعبان 6ھ	دُومۃ الجندل	کئی صحابہ	بنو کلب
23	علی بن ابی طالب	شعبان 6ھ	فدک	100 آدمی	بنو سعد
24	زید بن حارثہ	رمضان 6ھ	وادی قریٰ	کئی صحابہ	فزارہ
25	عبداللہ بن عتیک	رمضان 6ھ	خیبر	5 آدمی	ابورافع نضری
26	عبداللہ بن رواحہ	شوال 6ھ	خیبر	30 آدمی	أسیر بن زارم
27	کرز بن جابر فہری	شوال 6ھ	عربینہ	20 سوار	عربینہ
28	عمرو بن امیہ ضمری	6ھ	مکہ	2 آدمی	ابوسفیان
29	عمر بن خطاب	شعبان 7ھ	تُرَبَّہ	30 آدمی	ہوازن
30	ابو بکر الصدیق	شعبان 7ھ	نجد (ضریۃ)		بنو کلاب
31	بشیر بن سعد انصاری	شعبان 7ھ	فدک	30 آدمی	بنو مُزَہ
32	غالب بن عبداللہ لیثی	رمضان 7ھ	مِیْفَعۃ (بطن نخل)	130 آدمی	بنو عوال اور بنو عبد بن ثعلبہ
33	بشیر بن سعد انصاری	شوال 7ھ	یمن و جبار	300 آدمی	بنو غطفان
34	ابن ابی العوجاء سلمی	ذوالحجہ 7ھ	بنو سلیم	50 آدمی	بنو سلیم
35	غالب بن عبداللہ لیثی	صفر 8ھ	کُذَید	200 آدمی	بنو ملوح
36	غالب بن عبداللہ لیثی	صفر 8ھ	فدک	200 آدمی	بنو مُزَہ
37	شجاع بن وہب اسدی	ربیع الاول 8ھ	سِیّ	24 آدمی	ہوازن
38	کعب بن عمیر غفاری	ربیع الاول 8ھ	ذات أطلّاح	15 آدمی	شامی علاقے کے مشرک
39	زید بن حارثہ، جعفر بن ابی طالب اور عبداللہ بن رواحہ	جمادی الاولیٰ 8ھ	بلقاء	3000 آدمی	ایک لاکھ رومی
40	عمرو بن عاص	جمادی الآخر 8ھ	ذات السلاسل	300 آدمی اور 30 سوار	قضاء
41	ابو عبیدہ بن جراح	رجب 8ھ	قَبَلِیّہ	300 آدمی	جہینہ

نمبر شمار	لشکر کا قائد	تاریخ	جگہ	مسلمان	مشرکین
42	ابو قتادہ بن ربیعہ انصاری	شعبان 8ھ	خضِرہ	15 آدمی	غطفان
43	ابو قتادہ بن ربیعہ انصاری	رمضان 8ھ	بطنِ اضم	8 آدمی	فتح مکہ سے قبل دشمن کو دھوکہ دینے کے لیے
44	خالد بن ولید	رمضان 8ھ	نخلہ	30 سوار	عزّی بت گرانے کیلئے
45	عمرو بن عاص	رمضان 8ھ	سواع بت کی طرف	کئی صحابہ	بنو ہذیل
46	سعد بن زید اشہلی	رمضان 8ھ	مُشَلَّل	20 سوار	منات بت گرانے کیلئے
47	خالد بن ولید	شوال 8ھ	مکہ کے جنوب میں	350 آدمی	بنو جذیمہ
48	طفیل بن عمرو دوسی	شوال 8ھ	ذوالکفین بت گرانے کے لیے		
49	عُیْنَہ بن حصن فزاری	محرم 9ھ	بنو تمیم	50 آدمی	بنو تمیم
50	قطبہ بن عامر بن حدیدہ	صفر 9ھ	تبالہ	20 آدمی	بنو خثعم
51	ضحاک کلابی	ربیع الاول 9ھ	زَجْ لاوہ	کئی صحابہ	بنو کلاب
52	علقمہ بن مجزز مدلجی	ربیع الآخر 9ھ	جدہ	300 آدمی	حبشی جماعت
53	علی بن ابی طالب	ربیع الآخر 9ھ	فُلَس کی طرف جو قبیلہ طی کا بت تھا	100 آدمی 50 سوار	بنو طی
54	عکاشہ بن محسن اسدی	ربیع الآخر 9ھ	عذرہ اور بِلَی کا علاقہ	کئی صحابہ	جناب
55	خالد بن ولید	ربیع الاول 10ھ	نعجوان	کئی صحابہ	بنو عبد المدان
56	علی بن ابی طالب	رمضان 10ھ	یمن	300 سوار	مذحج



بدر کبریٰ

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ بِبَدْرِ ۖ وَأَنْتُمْ أَذِلَّةٌ ۖ فَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿١٢٣﴾ إِذْ تَقُولُ لِلْمُؤْمِنِينَ اَلَنْ يَكْفِيَكُمْ اَنْ يُمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلَاثَةِ اَلْفٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُنْزِلِينَ ط بَلَىٰ ۖ اِنْ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا وَيَأْتُوكُم مِّنْ فَوْرِهِمْ هَذَا يُمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اَلْفٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُسَوِّمِينَ ﴿١٢٤﴾ وَمَا جَعَلَهُ اللَّهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوبُكُمْ بِهِ ط وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ ﴿١٢٥﴾

”بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے بدر کے میدان میں تمہاری مدد فرمائی جب تم کمزور تھے۔ سو تم اللہ سے ڈرتے رہو تا کہ تم شکر گزار بن سکو۔ جب آپ مومنوں سے کہہ رہے تھے: ”کیا تمہیں یہ کافی نہیں کہ تمہارا رب کریم تین ہزار نازل شدہ فرشتوں کے ساتھ تمہاری مدد فرمائے؟ کیوں نہیں! بلکہ اگر تم صبر کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو اور اگر کافر فوری طور پر تم پر حملہ آور ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ پانچ ہزار مقرر شدہ فرشتوں کے ساتھ تمہاری مدد فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اس مدد کو تمہارے لیے خوشخبری بنادیا تا کہ تمہارے دل اس سے مطمئن ہو جائیں۔ یاد رکھو! مدد صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے آتی ہے۔ وہی غالب خوب حکمت والا ہے۔“ (آل عمران: 123/3... 126)

جب مسلمان مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کر گئے تو قریش نے مسلمان مہاجرین کی املاک ضبط کر لیں۔ اب قریش کو اپنے تجارتی قافلوں کے بارے میں مسلمانوں کی طرف سے تشویش تھی کیونکہ مسلمانوں کی قوت مدینہ منورہ میں مجتمع ہو چکی تھی۔ مسلمانوں نے بھی تجارتی قافلوں کو روکنے کا ذہن بنایا۔ اس کے نتیجے میں 17 رمضان 2 ہجری 13 مارچ 624ء کو بدر کے میدان میں عظیم معرکہ برپا ہوا۔ کیونکہ مسلمانوں نے قریش کا اقتصادی اور معاشی محاصرہ شروع کرتے ہوئے قریش کے ایک تجارتی قافلے کو روکنے کی کوشش کی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ بِبَدْرِ ۖ وَأَنْتُمْ أَذِلَّةٌ ۖ فَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿١٢٣﴾

”بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے بدر کے میدان میں تمہاری مدد فرمائی جب تم کمزور تھے۔ سو تم اللہ سے ڈرتے رہو تا کہ تم شکر گزار بن سکو۔“ (آل عمران: 123/3)

اس وقت مسلمان مالی طور پر اور جنگی تیاری و تربیت کے لحاظ سے کمزور تھے۔ بدر میں مسلمانوں کی فتح کے اہم نتائج یہ ہوئے:

(۱) مسلمانوں کے رعب و دبدبے میں اضافہ ہو گیا کیونکہ تمام جزیرہ عرب میں ان کی فتح کی دھوم مچ گئی۔

(۲) بت پرست قریشیوں کا تکبر اور غرور یہ صدمہ برداشت نہ کر سکا اور منہ کے بل زمین پر آ رہا۔

(۳) یہودیوں کا حسد چھپ نہ سکا۔ انہوں نے علانیہ مخالفت شروع کر دی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قَدْ بَدَأَ الْبَغْضَاءُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ ۖ وَمَا تُخْفِي صُدُورُهُمْ أَكْبَرُ ۚ

”ان کی زبانوں سے بغض ظاہر ہو چکا ہے جب کہ دلوں میں چھپی دشمنی اس سے کہیں بڑھ کر ہے۔“

(آل عمران: 118/3)

نتیجہ یہ ہوا کہ بنو قریظہ کو مدینہ منورہ سے جلا وطن ہونا پڑا۔ کیونکہ انہوں نے علانیہ دشمنی شروع کر دی تھی اور مسلمانوں کے ساتھ کیے ہوئے معاہدے توڑ ڈالے تھے۔

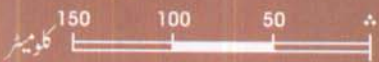


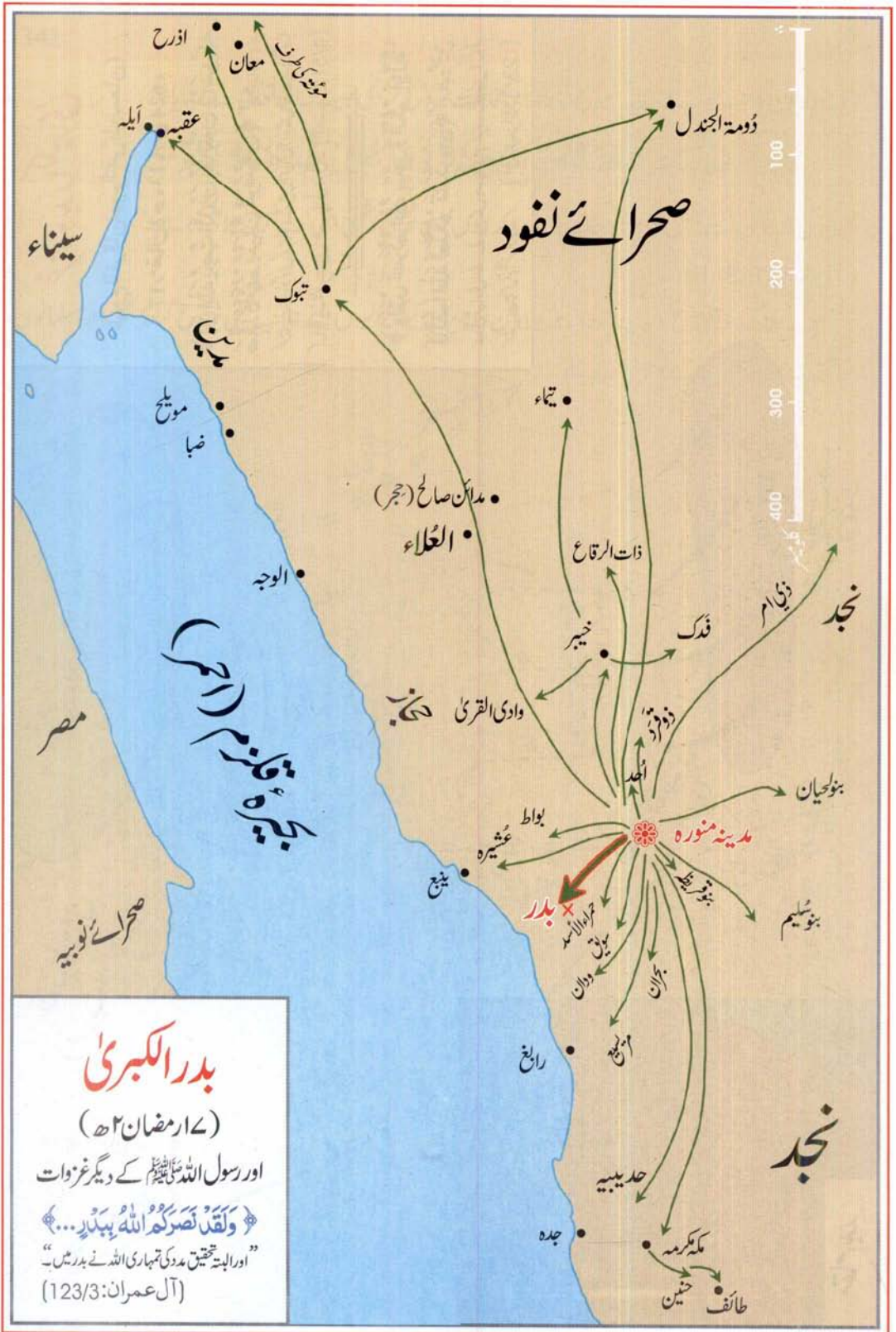
17 رمضان 13، 13 ربيع 624هـ

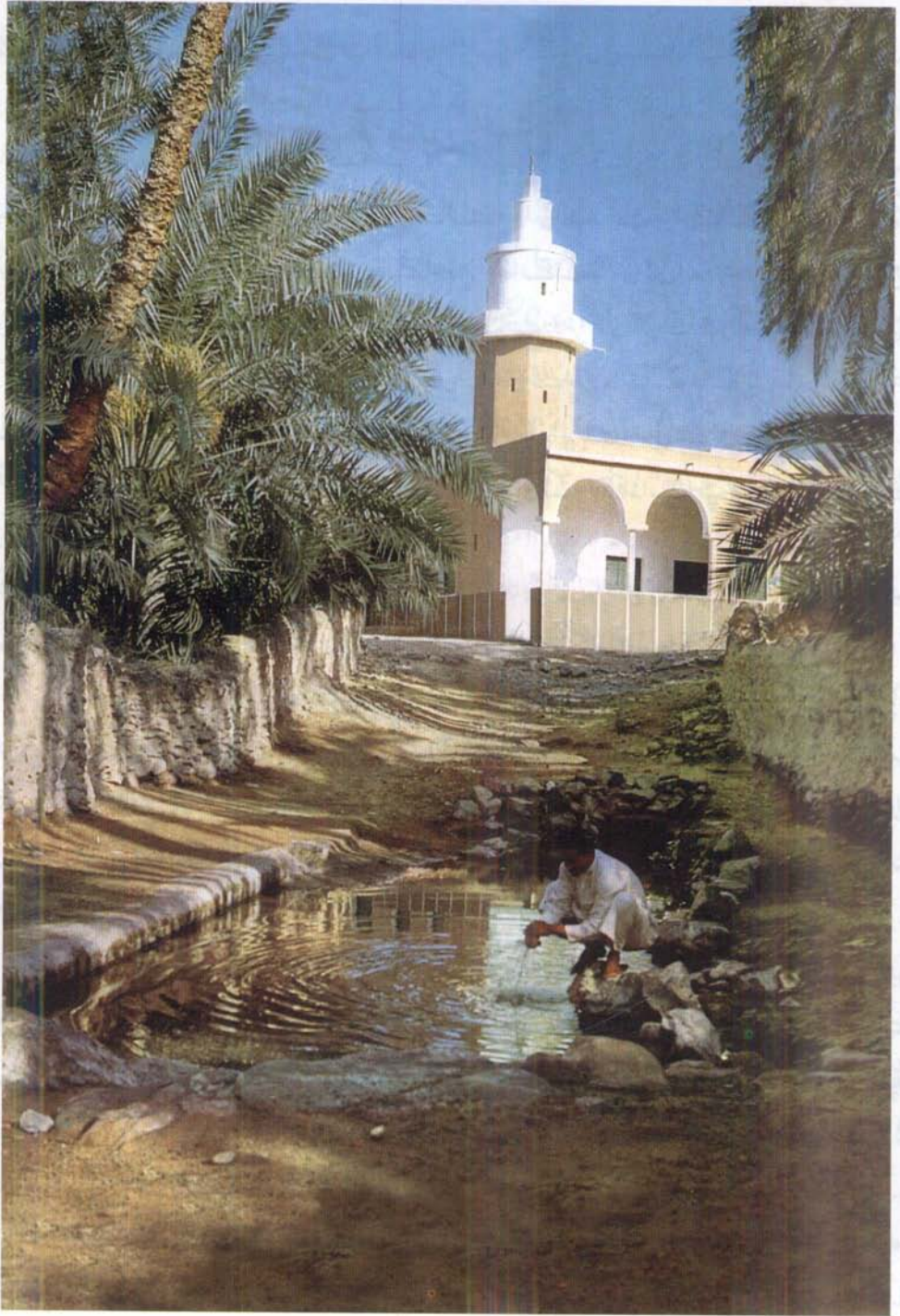
کہ وہ ایک عمارت ہیں سیدہ پلائی ہوئی۔ (الصف: 4/61)

وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُسْكِرُونَ ﴿١٠٠﴾ اور البتہ تحقیق

مدد کی تمہاری اللہ نے بدر میں جب کہ تم کھڑے ہوئے پس ڈرو تم
 (آل عمران: 123/3) اللہ سے تا کہ تم شکر کرو۔“







بدر کا چشمہ اور مسجد عیش

غزوہ بدر الکبریٰ

بدر: یہ مدینہ منورہ سے جنوب مغرب میں 155 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ اسے ہر طرف سے بلند پہاڑوں نے گھیر رکھا ہے۔ اس میں کئی کنویں اور باغات تھے جہاں قافلے عموماً پڑاؤ ڈالتے تھے۔ اس میں آمدورفت کے تین راستے ہیں۔ ایک جنوب میں ہے جسے (الْعُدْوَةُ الْقُصْوَى) ”دور کا ناکہ“ کہا جاتا ہے دوسرا شمال میں ہے جو (الْعُدْوَةُ الدُّنْيَا) ”قریب کا ناکہ“ کہلاتا ہے تیسرا شمالی راستے کے قریب ہی مشرق میں ہے اسی سے اہل مدینہ آتے جاتے ہیں۔ مکہ سے شام آنے جانے والے قافلوں کا کاروانی راستہ اسی احاطے کے اندر سے گزرتا تھا لہذا یہ بات آسانی سے کہی جاسکتی تھی کہ اس احاطے میں قریش کے قافلے اترنے کے بعد مسلمان تینوں راستوں کو بند کر دیں گے اور قافلہ اپنے آپ کو ان کے حوالے کرنے پر مجبور ہو جائے گا۔

غزوہ بدر: رمضان المبارک سن دو ہجری میں رسول اللہ ﷺ کو اطلاع ملی کہ ابوسفیان کا تجارتی قافلہ شام سے لوٹ رہا ہے۔ اس کی خبر لینے کے لیے آپ ﷺ نے دو آدمی مقام ”حَوْرَاء“ تک بھیجے تھے۔ یہ وہی قافلہ تھا جس کے تعاقب میں تین ماہ قبل آپ ﷺ ”ذو العُشَيْرَةِ“ تک گئے تھے مگر وہ بچ کر نکل گیا تھا۔ اب آپ ﷺ نے اس کی واپسی کی اطلاع پاتے ہی صحابہ کرام کو نکلنے کی دعوت دی چنانچہ 313، 314 یا 317 صحابہ آپ ﷺ کے ساتھ تیار ہوئے۔ آپ ﷺ نے مدینہ میں حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا اور صحابہ کو ساتھ لے کر مدینہ سے مکہ کے قدیم راستے پر چلے۔ آپ ﷺ وادی عقیق پہنچے۔ پھر ”ذو الحُلَيْفَةِ“ سے ہو کر ”ذات الحِشْشِ“ آئے وہاں سے آپ ”ثُرْبَان“ ”مِلَل“ ”غَمِيسُ الْحَمَامِ“ اور ”السِّيَالِہ“ سے ہوتے ہوئے ”فُجَّ الرَّوْحَاءِ“ پہنچے۔ پھر آپ نے ”شَنُوكَہ“ اور ”عِرْقُ الطَّيْبِہ“ سے گزرتے ہوئے ”سَجَسَج“ پہنچ کر پڑاؤ ڈالا اس گاؤں کو ”الروحاء“ بھی کہتے ہیں۔ یہاں آپ نے ابولبابہ بن عبدالمند ر رضی اللہ عنہ کو ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کی جگہ روانہ کیا۔ یہاں سے کوچ کر کے آپ ”المنصرف“ پہنچے اور مکہ کے راستے کو بائیں جانب چھوڑ کر ”النَّازِيَةِ“ کے راستے پر چلنے لگے۔ وادی ”رُحْقَان“ سے گزر کر جب ”الصَّفْرَاءُ“ کے قریب پہنچے تو بنو ساعدہ کے حلیف بَسْبَس بن الجُھَنی اور بنو النُّجَّار کے حلیف عدی بن ابی الزغباء الجھنی کو بدر روانہ کیا تاکہ وہ آپ ﷺ کو ابوسفیان اور قافلے کی خبریں پہنچائیں۔

”الصفرَاء“ کی طرف چلتے ہوئے جو دو پہاڑوں کے درمیان ایک گاؤں ہے آپ نے ان پہاڑوں کے نام دریافت کیے تو ایک کا نام ”مُسْلِح“ اور دوسرے کا نام ”مُخْرِي“ بتایا گیا آپ نے ان کے بانیوں کے متعلق سوال کیا تو لوگوں نے جواب دیا کہ بنو غفار کے دو قبیلے ”بنو نَفَار“ اور ”بنو حِرَاق“ یہاں آباد ہیں۔ آپ ﷺ نے ان کے ناموں سے فال پکڑتے ہوئے (کہ کہیں ان کا وبال ہم پر نازل نہ ہو جائے) کتر کر گزرنے میں عافیت سمجھی۔ ”صفرَاء“ کی

دائیں جانب سے گزر کر جب ”ذفران“ کے قریب پڑاؤ ڈالا تو آپ ﷺ کو خبر ملی کہ قریش مکہ اپنے تجارتی قافلے کی حفاظت کے لیے نکلے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کو قریش مکہ کے عزائم سے آگاہ کیا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور بہت اچھی بات کہی، پھر حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور بہت اچھی بات کہی، پھر حضرت مقداد بن عمرو رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے انہوں نے کہا: ”اے اللہ کے رسول! آپ اللہ کی رائے (حکم) کے مطابق چلتے رہیے ہم آپ کو بنی اسرائیل کی طرح جواب نہیں دیں گے جیسے انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جواب دیا تھا: ﴿فَاذْهَبْ أَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا إِنَّا هَاهُنَا قَاعِدُونَ﴾ (المائدہ: ۲۴/۵) لیکن ہم یہ کہتے ہیں: آپ اپنے رب کے حکم سے لڑیں، ہم بھی آپ کے ساتھ لڑیں گے۔ اللہ کی قسم! آپ ہمیں ”برک الغماد“ تک لے کر جائیں، ہم آپ کے ساتھ جانے کو تیار ہیں.....“

پھر آپ ﷺ نے ”ذفران“ سے کوچ کیا تو ”نسایا“ (اصافر) کے راستے پر چلے۔ اس کے بعد ایک جگہ اترے جسے ”الدّیّۃ“ کہتے ہیں۔ پھر ”حنّان“ کو اپنی دائیں جانب چھوڑ دیا جو ریت کا ایک بہت بڑا ٹیلہ بلکہ پہاڑ ہے۔ آخر کار رسول اللہ ﷺ نے ”بدر“ کے قریب پڑاؤ ڈالا۔ مندرجہ بالا مقامات کی مختصر تفصیل ملاحظہ کیجیے:

(1) **عقیق:** یہ مدینہ میں ایک وادی کا نام ہے اس کا نام عقیق اس لیے ہے کہ یہ ”حرہ“ یعنی آتش فشاں پتھر یلے علاقے سے کٹی ہوئی ہے کیونکہ عقیق کا معنی ہے ”کٹنا“۔ عقیق نامی دو وادیاں ہیں: عقیق اکبر اور عقیق اصغر۔ العقیق کو وادی مبارک بھی کہا گیا ہے جیسا کہ حج کی احادیث میں آتا ہے۔ یہ مدینہ سے مکہ کے راستہ پر مدینہ کے مغرب میں واقع ہے۔

(2) **ذوالحلیفہ:** یہ ایک کنواں ہے جو بنی ہاشم اور بنی خفاجہ کے درمیان واقع ہے۔ رسول ﷺ جب حج یا عمرہ کے لیے مدینہ سے نکلتے تو اس جگہ اترتے۔ حج کی حدیث میں اس جگہ کو میقات مقرر کیا گیا ہے۔ مسجد نبوی سے فاصلہ تقریباً دس گیارہ کلومیٹر ہے۔

(3) **ذات الجیش:** یہ ایک وادی ہے جو ذوالحلیفہ اور بڑھان کے درمیان واقع ہے، ”ذات الجیش“، ”کوالات الجیش“ بھی کہا گیا ہے۔ یہ ذوالحلیفہ سے سواتین کلومیٹر دور ہے جبکہ مدینہ سے تقریباً تیرہ کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔

(4) **تُرْبَان:** ذات الجیش اور ملل کے درمیان ایک وادی ہے جس میں بہت زیادہ پانی ہوتا ہے۔ یہ مدینہ سے 29 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔

(5) **مَلَل:** یہ ایک جگہ کا نام ہے جو مدینہ سے 45 کلومیٹر کی مسافت پر ہے۔ یہ مدینہ سے مکہ کے راستے سے بائیں جانب ہے۔ یہاں کنویں بکثرت پائے جاتے ہیں جن کی تعداد چھتک بیان کی جاتی ہے۔ ملل سے پانچ کلومیٹر کے فاصلے پر پتھروں کو اندر سے کھود کر بڑے بڑے حوض بنائے گئے ہیں (جن میں بارشوں کا پانی جمع رہتا ہے)۔

(6) **غَمِيس الحَمَام:** حمام عربی میں کبوتر کو کہتے ہیں اور اسی کی طرف یہ منسوب ہے۔ یہ ملل اور ”صخیرات“ کے درمیان واقع ہے۔

(7) **صُخَيْرَات الیمام:** یہ ”السَّيَالَة“ اور ”فرش“ کے درمیان واقع ہے۔ اس کو ”صُخَيْرَات الثَّمَام“ بھی کہتے

ہیں۔ تمام یا ثمامہ یہ ایک نرم سی گھاس ہے جو تکیے بھرنے کے کام آتی ہے۔

(8) **السَّيَّالَة**: مدینہ منورہ سے تقریباً 46 کلومیٹر دور ہے۔ یہ ایک بڑی بستی ہے۔ یہاں بہت سے کنویں ہیں جن میں ایک ”بشر الرشید“ نامی کنواں سب سے بڑا ہے۔ مدینہ سے مکہ جانے والوں کے پہلے پڑاؤ کا یہی مقام ہے۔

(9) **فَجَّ الرُّوحَاءِ**: اکثر کی رائے کے مطابق ”الروحاء“ راحت و آرام سے ماخوذ ہے۔ اس علاقے میں ”مُزَيْنَة“ آباد تھے۔ مدینہ سے دور اتوں یعنی 65 کلومیٹر کا فاصلہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس وادی کے متعلق فرمایا ہے: ﴿وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَيُهْلَنَنَّ ابْنُ مَرْيَمَ بِفَجِّ الرُّوحَاءِ حَاجًّا أَوْ مُعْتَمِرًا أَوْ لَيْثِيْنَهُمَا﴾ (صحیح مسلم، الحج، باب إهلال النبي ﷺ وهدیه، حدیث: ۱۲۵۲) ”اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! ابن مریم (علیہ السلام) فَجَّ الرُّوحَاءِ سے حج یا عمرہ یا دونوں کا احرام باندھیں گے۔“ یعنی حج قرآن کریں گے۔

(10) **شَنُوكَة**: ”العُدْيَة“ اور ”الْجَار“ جو ساحل سمندر ہے کے درمیان واقع ہے ”الجار“ سے تقریباً 25 کلومیٹر اور بیچ سے تقریباً 50 کلومیٹر دور ہے۔

(11) **عِرْقُ الطُّبِيَّةِ**: ”علامہ السہیلی“ کہتے ہیں: ”الطُّبِيَّة“ کیکر کے مشابہ ایک درخت ہے جس سے سایہ حاصل کیا جاتا ہے۔ ”الصفراء“ علاقے کی ایک جگہ کا نام ہے۔ واقدی کہتے ہیں: یہ ”الروحاء“ سے 5 کلومیٹر دور ہے۔

(12) **سَجَسَج** اور ”الروحاء“ ایک جگہ کے دو نام ہیں۔

(13) **الْمُنْصَرَفُ**: یہ مکہ اور بدر کے راستے میں ایک جگہ ہے۔ یہاں پہنچ کر آپ ﷺ نے مکہ کے راستے کو بائیں جانب چھوڑ دیا اور دائیں جانب النازیہ کے راستے پر ہولے۔

(14) **النازیہ**: یہ مکہ سے مدینہ آتے ہوئے راستہ میں ”صفراء“ کے قریب ایک چشمہ ہے۔

(15) **رَحْقَان**: ”النازیہ“ اور ”الصفراء“ کے درمیان ایک وادی ہے۔

(16) **الصفراء**: بیچ کے بالائی علاقے میں ایک سرسبز و شاداب گاؤں ہے۔ یہاں چشموں کی بہتات ہے بلکہ گاؤں کی ضرورت سے زائد پانی بیچ کی طرف نکل جاتا ہے۔ یہاں ”جھینہ“ ”انصار“ اور ”نہد“ قبیلے آباد تھے۔ اس کے چشموں میں سے سب سے زیادہ پانی والا چشمہ ”البحیرہ“ کے نام سے موسوم تھا۔

(17) **ذُفْرَان**: لغت میں ”ذفران“ مہک، خوشبودار اور تازہ ہوا کو کہتے ہیں۔ یہ ”صفراء“ کے قریب ایک وادی ہے۔

(18) **برک الغماد**: مکہ سے پانچ راتیں دور سمندر کے پاس ایک جگہ ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ یمن میں ایک جگہ ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ ”هَجْر“ (بحرین) کے دور دراز علاقے میں ایک جگہ ہے۔

(19) **ثَنَابَا**: (أَصَافِر) یہ مختلف گھاٹیاں ہیں جہاں رسول اللہ ﷺ چل کر بدر پہنچے۔ أَصَافِرُ أَصْفَرُ کی جمع ہے جس کے معنی ہیں خالی ہونا۔ (یہ گھاٹیاں سبزے سے خالی ہیں۔)

(20) **الدَّبَّة**: اصافر اور بدر کے درمیان ایک شہر ہے۔ اس کے معنی ہیں دوریتوں کے جمع ہونے کی جگہ۔ ”ریت کے ٹیلے

کو بھی دَبّہ کہتے ہیں۔

(21) الحنان: لغت میں اس کے معنی شفقت و مہربانی کے ہیں۔ بدر کے علاقے میں ایک بہت بڑا ریتلا پہاڑ کی مانند

ٹیلہ ہے۔ (معجم البلدان: مُعْجَم مَا اسْتُعْجِم)



رسول اللہ ﷺ کے غزوات کی تفصیل

نمبر شمار	غزوہ	تاریخ	اہم وجوہات
1	وَدَّان (ابواء)	صفر 2ھ	رسول اللہ ﷺ کا پہلا غزوہ جس میں آپ بنفس نفیس شریک ہوئے۔ مقصد قریش کا تجارتی قافلہ روکنا تھا۔
2	بُواط (رَضَوٰی)	ربیع الاول 2ھ	قریش کے قافلے کو روکنا۔
3	غُصَیْرہ	جمادی الآخر 2ھ	قریش کے قافلے کو روکنا۔
4	بدر الاولیٰ (سفوان)	جمادی الآخر 2ھ	کرز بن جابر فہری کا پیچھا کرنا کیونکہ اس نے مدینہ منورہ کے جانور لوٹ لیے تھے۔
5	بدر الکبریٰ	رمضان 2ھ	قریش کے قافلے کو روکنا۔
6	بنو قینقاع	شوال 2ھ	یہود کی بدعہدی اور حسد۔
7	بنو سُلیم	شوال 2ھ	رسول اللہ ﷺ بنو سلیم اور غطفان کا زور توڑنے کے لیے قرقرۃ الکدر تک تشریف لے گئے۔
8	سَوِیق	ذوالحجہ 2ھ	ابوسفیان نے بدر کا انتقام لینے کے لیے مدینہ پر چڑھائی کی تھی۔ اس کو بھگانے کے لیے یہ کارروائی ہوئی۔
9	ذو اَمَر	ربیع الاول 3ھ	بنو ثعلبہ اور محارب کا زور توڑنا تاکہ وہ مدینہ پر حملہ کرنے کے قابل نہ رہیں۔
10	بُحران	جمادی الاول 3ھ	بنو سلیم کا زور توڑنا۔
11	أُحُد	شوال 3ھ	قریش کے مدینہ منورہ پر حملے کا جواب اور دفاع۔
12	حمرأ الاسد	شوال 3ھ	ابوسفیان کے مدینہ منورہ پر اچانک حملے کا توڑ۔
13	بنو نضیر	ربیع الاول 4ھ	بنو نضیر نے رسول اللہ ﷺ کو شہید کرنے کا پروگرام بنایا تھا اس لیے ان کو جلاوطن کر دیا گیا۔
14	ذات الرقاع	محرم 4ھ	انمار اور ثعلبہ کی جتھہ ہندی کا سد باب۔
15	بدر الآخرة	شعبان 4ھ	ابوسفیان کی دعوت کا جواب۔
16	دُومَة الجندل	ربیع الاول 5ھ	کچھ لوگ اکٹھے ہو کر لوٹ مار اور مدینہ منورہ پر حملہ کرنا چاہتے تھے۔

نمبر شمار	غزوہ	تاریخ	اہم وجوہات
17	مربیع	شعبان 5ھ	بنو مصطلق (خزاعہ کی شاخ) کو بتر بتر کرنا۔
18	خندق (احزاب)	شوال 5ھ	قریش کی سرکردگی میں آنے والے لشکروں کا سد باب۔
19	بنو قریظہ	ذوالقعدہ 5ھ	بنو قریظہ کی بدعہدی اور غزوہ خندق میں عین محاصرے کے وقت دشمنوں کی مدد۔
20	بنو لحيان	ربیع الاول 6ھ	رجیع میں صحابہ کو قتل کرنے والے بنو لحيان کی سرکوبی۔
21	ذی قرد (غابہ)	ربیع الاول 6ھ	عیینہ بن حصن فزاری کی سرکوبی جس نے مدینہ منورہ کے جانور لوٹ لیے تھے۔
22	حدیبہ	ذوالقعدہ 6ھ	بیت اللہ کا عمرہ، مگر قریش نے روک دیا۔
23	خیبر	محرم 7ھ	مدینہ منورہ پر حملے کے لیے یہود کی جتھہ بندی اور منصوبہ سازی۔
24	مؤتہ	جمادی الاول 8ھ	آپ ﷺ اس میں شریک نہیں ہوئے مگر آپ نے مکمل تفصیل بیان فرمائی جیسے کہ آپ شریک ہوں۔
25	فتح مکہ	رمضان 8ھ	قریش کی طرف سے صلح حدیبیہ کی خلاف ورزی۔
26	حنین و طائف	شوال 8ھ	بنو ثقیف کی جتھہ بندی کا سد باب۔
27	تبوک (عسره)	رجب 9ھ	مدینہ منورہ پر حملے کی تیاری کرنے والے رومیوں کی روک تھام۔

رسول اللہ ﷺ نے کوئی جنگ خود شروع نہیں کی۔ آپ کی ہمیشہ یہ خواہش ہوتی تھی کہ ذرہ بھر انسانی خون نہ بہایا جائے لیکن جب سر پر آن پڑتی تھی تو آپ اس کے لیے بھی تیار رہتے تھے کیونکہ آپ ﷺ ”نبی الرحمة“ کے ساتھ ساتھ ”نبی الملاحمہ“ (جنگ کے لیے تیار رہنے والے نبی) بھی تھے۔ آپ لوگوں پر رحمت اور شفقت کرنے والی عظیم شخصیت تھے مگر جنگی تیاری، حرب و ضرب، کامیابی اور فتح کے حصول کے لحاظ سے بھی عظیم شخصیت تھے۔

باقی رہا تجارتی قافلوں کو روکنا! تو یہ کام آپ نے قریش کے علاوہ کسی اور قبیلے کے ساتھ نہیں کیا حالانکہ قبائل بے شمار تھے اور ان کے قافلے شب و روز آزادانہ آتے جاتے تھے۔ دراصل قریش ہی نے شعب ابی طالب کے دل دوز منصوبے کے ساتھ مسلمانوں سے اقتصادی جنگ کا آغاز کیا تھا اور ہجرت کر جانے والے مسلمانوں کے اموال و املاک کو ناحق ضبط کر لیا تھا۔ مسلمانوں نے جوابی کارروائی کی اور یہ ان کا مسلمہ حق تھا۔



بَنُو قَيْنِقَاع

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قُلْ لِلَّذِينَ كَفَرُوا سَعْيُهُمْ وَ يُحْشَرُونَ إِلَىٰ جَهَنَّمَ وَ بِئْسَ الْمِهَادُ ﴿١١٧﴾

”ان کافروں سے کہہ دیجیے: ”عنقریب تم مغلوب ہو جاؤ گے اور جہنم کی طرف اکٹھے کیے جاؤ گے۔ جہنم بہت برا ٹھکانا ہے۔“ (آل عمران: 12/3)

مزید ارشاد الہی ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا بَطَانَةً مِّنْ دُونِكُمْ لَا يَأُولُونَكُمْ خَبَالًا وَدُّوا مَا عَنِتُّمْ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاءُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ ۖ وَمَا تُخْفِي صُدُورُهُمْ أَكْبَرُ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْآيَاتِ إِن كُنْتُمْ تَعْقِلُونَ ﴿١١٨﴾

”اے ایمان والو! تم مومنین کے سوا کسی کو اپنا دوست نہ سمجھو۔ یہ لوگ تمہیں خراب کرنے میں سستی نہ کریں گے۔ ان کی تو خواہش ہے کہ تم مشقت و مصیبت میں پڑے رہو۔ ان کی زبانوں سے بغض چٹکا پڑ رہا ہے اور ان کے دلوں میں چھپی دشمنی اس سے کہیں بڑھ کر ہے۔ ہم نے تمہارے لیے نشانیاں واضح کر دی ہیں۔ اگر تم عقلمندی سے کام لو۔“ (آل عمران: 118/3)

رسول اللہ ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو آپ نے یہودیوں سے معاہدہ کیا کہ وہ آپ کے خلاف کسی کی مدد نہیں کریں گے اور اگر کسی دشمن نے مدینے پر حملہ کر دیا تو وہ آپ کی مدد کریں گے۔ لیکن جب 2 ہجری میں بدر کے میدان میں قریش کے نامی گرامی مشرک مارے گئے تو یہودیوں نے آپ کے خلاف حسد اور بغاوت کے جذبات ظاہر کیے بلکہ کہنے لگے: ”محمد (ﷺ) کا مقابلہ ایسے لوگوں سے ہوا ہے جوڑنا نہیں جانتے تھے اگر ہم جیسوں سے پالا پڑا تو دن کو تارے نظر آنے لگیں گے۔ اللہ کی قسم! اگر محمد (ﷺ) نے ان لوگوں کے سردار قتل کر دیے ہیں تو ہمارے لیے زندہ رہنے سے مر جانا بہتر ہے۔“ اس طرح انہوں نے بدعہدی کا اظہار کیا اور حیلوں بہانوں سے مسلمانوں کی توہین شروع کر دی حتیٰ کہ ایک مسلمان عورت ان کی منڈی میں اپنے زیورات بیچنے لگی وہ ایک سنار کے پاس بیٹھی تھی کہ اس سنار نے اس کے کپڑے کا ایک کونہ اس کی پشت سے باندھ دیا۔ جب وہ اٹھی تو ستر کھل گیا۔ سنار اور اس کے ساتھی ہنسنے لگے۔ وہ عورت مدد کے لیے چیخی تو ایک مسلمان نے جوش میں آ کر اس سنار کو قتل کر دیا۔ یہودیوں نے آؤ دیکھنا نہ تاؤ فوراً اس مسلمان کو قتل کر دیا۔ اس طرح بنو قینقاع وہ پہلا یہودی قبیلہ بن گیا جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کیے گئے معاہدے کو توڑ ڈالا۔

مسلمانوں نے 15 دن تک ان کا محاصرہ جاری رکھا۔ آخر کار انہوں نے ہتھیار ڈال دیے۔ لیکن عبداللہ بن ابی ابن سلول کی وجہ سے ان کو یہ رعایت حاصل ہوگئی کہ انہیں مدینہ منورہ سے جلا وطن کر کے شمال کی طرف بھیجنے پر اکتفا کیا گیا۔



غزوہ بنو قینقاع

بنو قینقاع: رسول اللہ ﷺ کی مدینے میں تشریف آوری سے پہلے تین یہودی قبیلے: بنو نضیر، بنو قریظہ اور بنو قینقاع آباد تھے۔ بقول ابن خلدون یہ لوگ مدینے کی ایک جانب رہتے تھے۔ ان کے پاس کھیت تھے نہ باغات۔ وہ تاجر تھے یا سنار۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اسی قبیلے سے تھے۔ بنو قینقاع کے سات سو جنگجو آدمی تھے جن میں سے تین سوزرہ پوش تھے۔ مدینے میں تشریف لانے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے مذکورہ تینوں قبائل سے ایک تحریری معاہدہ کیا جس کی رو سے تمام مسلمان ایک الگ امت قرار پائے اور یہود الگ قوم۔ یہودیوں اور مسلمانوں کے لیے پوری مذہبی آزادی کا اعلان کیا گیا۔ فریقین کے باہمی جھگڑوں اور تنازعات کے فیصلے کے لیے آنحضرت ﷺ کی ذات گرامی کی طرف رجوع کرنے کا معاہدہ طے پایا کہ اگر کوئی دشمن مسلمانوں کے خلاف مدینے پر حملہ آور ہوگا تو فریقین مل کر اس کا مقابلہ کریں گے اور مسلمان اور یہودی اپنے اپنے آدمیوں کا خرچ برداشت کریں گے۔ اسی معاہدے میں مدینے کو حرم قرار دیا گیا۔

غزوہ بنو قینقاع: غزوہ بدر کے بعد مدینہ کے یہودی قبائل نے اپنے کیے ہوئے معاہدے کی خلاف ورزیاں شروع کر دیں کیونکہ انہیں اسلام کی شان و شوکت ایک آنکھ نہ بھاتی تھی چنانچہ ان میں سب سے پہلے بنو قینقاع نے عہد توڑ دیا، نیز ایک مسلمان خاتون کی بے حرمتی کی اور ایک مسلمان کے قتل کا ارتکاب کیا جس پر ان کے پیدا کردہ فتنے کا سد باب ضروری ہو گیا۔ نبی کریم ﷺ نے مدینہ پر ابولبابہ ابن منذر رضی اللہ عنہ کو نائب مقرر فرمایا، لواء (جھنڈا) جس کا رنگ سفید تھا، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو تھمایا اور 15 شوال 2ھ کو بنو قینقاع کے قلعوں کا محاصرہ کر لیا۔ یہ محاصرہ ذی قعدہ شروع ہونے تک جاری رہا۔ 15 دن کے شدید محاصرے کے بعد بنو قینقاع نے ہتھیار ڈال دیے۔ آپ نے ان کی عورتوں اور بچوں سمیت سب کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا، مگر عبداللہ بن ابی منافق نے بیچ میں آکر ان کے قتل کا معاملہ رکوا دیا اور انہیں ”اذرعات“ شام کے علاقے میں جلا وطن کر دیا گیا۔ وہاں تھوڑی ہی مدت میں ان میں سے اکثر مر گئے۔

آپ نے ان کے مال میں سے اپنے لیے تین کمائیں، دو زر رہیں، تین تلواریں، تین نیزے اور خمس حاصل کیا اور باقی مال اپنے اصحاب (رضی اللہ عنہم) میں تقسیم کر دیا۔ (طبقات ابن سعد جز: 2۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 16 ص: 585-586)



غزوہ اُحد

(15 سوال 3ھ)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللَّهُ وَعْدَهُ إِذْ تَحُسُّونَهُمْ بِإِذْنِهِ حَتَّى إِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِي الْأَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِمَّنْ بَعْدَ مَا أَرْسَلَكُمْ مِمَّا تَحِبُّونَ مِنْكُمْ مِمَّنْ يُرِيدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مِمَّنْ يُرِيدُ الْآخِرَةَ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ وَاللَّهُ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ ﴿١٥١﴾

”اللہ تعالیٰ نے تم سے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا تھا جب تم انہیں اللہ تعالیٰ کے حکم سے گاجر مولیٰ کی طرح کاٹ رہے تھے حتیٰ کہ جب تم ہی بزدل ہو گئے، آپس میں جھگڑنے لگے اور نبی کی نافرمانی کی (تو تمہیں نقصان اٹھانا پڑا) جبکہ تم اپنی پسندیدہ چیز دیکھ چکے تھے۔ تم میں سے کچھ لوگ دنیا کا ذہن رکھتے تھے اور کچھ آخرت کے طالب تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے تم کو ان سے پھیر دیا (پسپا کر دیا) تاکہ وہ تمہیں آزمائش میں ڈالے۔ بہر صورت اللہ تعالیٰ نے تم کو یہ غلطی معاف کر دی۔ اللہ تعالیٰ ایمان والوں پر بہت فضل کرنے والا ہے۔“ (آل عمران: 152/3)

قریش بدر کے مقتولین کا بدلہ لینے کے لیے مکہ سے چلے اور مالی اخراجات پورے کرنے کے لیے انہوں نے اپنے تجارتی اثاثوں کا پورا منافع صرف کر دیا۔ ادھر مدینہ منورہ میں رسول اللہ ﷺ نے جنگی نقشہ مرتب فرمایا۔ حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں پچاس تیر اندازوں کا دستہ ”جبل عینین“ (جبل رماۃ) پر مقرر کیا گیا تاکہ ضرورت کے وقت قریش کے سوار دستے کو روکا جاسکے۔

شروع میں قریش کو ہزیمت اٹھانا پڑی، لیکن تیر انداز دستے کی اکثریت رسول اللہ ﷺ کے تاکید فرماں سے غافل ہو گئی۔ آپ نے فرمایا تھا: (لَا تَبْرَحُوا إِنْ رَأَيْتُمُونَا ظَهَرْنَا عَلَيْهِمْ فَلَا تَبْرَحُوا إِنْ رَأَيْتُمُوهُمْ ظَهَرُوا عَلَيْنَا فَلَا تُعِينُونَا..... الخ) (صحیح البخاری، المغازی، حدیث: 4043) ”تم اپنی جگہ نہ چھوڑنا۔ اگر تم یہ دیکھو کہ ہم غالب آگئے ہیں تب بھی اپنی جگہ ہی پر رہنا اور اگر دیکھو کہ وہ ہم پر غالب آگئے ہیں تو تم ہماری مدد کے لیے ہرگز نہ آنا..... الخ“ ایک روایت کے الفاظ ہیں: (إِنْ رَأَيْتُمُونَا تَخَطَفْنَا الطَّيْرُ) ”اگر تم دیکھو کہ ہمیں پرندے نوچ رہے ہیں پھر بھی تم یہ جگہ نہ چھوڑنا۔“

کبھی کبھی ایک لمحہ پوری جنگ کا نتیجہ بدل کر رکھ دیتا ہے۔ ایسا ہی ہوا۔ تیر انداز دستہ ہٹا تو قریش کی دلی مراد برآئی اور وہ اپنے بدر کے مقتولین کا بدلہ لینے میں کامیاب ہو گئے۔ البتہ مسلمانوں کی جمعیت ختم نہ کر سکے اور نہ شام کی طرف اپنا

تجارتی راستہ ہی کھول سکے۔ اللہ تعالیٰ نے جنگِ اُحد کی حقیقت حال کے بارے میں سورہ آل عمران کے آخر میں مندرجہ ذیل آیات نازل فرمائیں:

إِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُوهُمْ ۖ وَإِنْ تَضِيقْكُمْ سَيِّئَةٌ يَفْرَحُوا بِهَا ۖ وَإِنْ تَصِيرُوا وَتَتَّقُوا لَا يَضُرَّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا ۖ إِنَّ اللَّهَ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ ۝ (۱۳۰) وَإِذْ غَدَوْتَ مِنْ أَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِينَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ۖ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝ (۱۳۱) إِذْ هَمَّتْ طَائِفَتَيْنِ مِنْكُمْ أَنْ تَفْشَلَا ۖ وَاللَّهُ وَلِيُّهُمَا ۖ وَ عَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ۝ (۱۳۲) وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ بِبَدْرٍ ۖ وَأَنْتُمْ أَذِلَّةٌ ۖ فَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُشْكُرُونَ ۝ (۱۳۳) إِذْ يَقُولُ لِلمُؤْمِنِينَ أَلَنْ يَكْفِيَكُمْ أَنْ يُبَدِّلَكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلَاثَةِ آفٍ مِنَ الْمَلَكَةِ مُنْزَلِينَ ۖ بَلَىٰ ۖ إِنْ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا وَيَأْتُوكُمْ مِنْ فُورِهِمْ هَذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ آفٍ مِنَ الْمَلَكَةِ مُسَوِّمِينَ ۝ (۱۳۴) وَمَا جَعَلَهُ اللَّهُ إِلَّا بُشْرَىٰ لَكُمْ ۖ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوبُكُمْ بِهِ ۖ وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ ۝ (۱۳۵) لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَوْ يَكْبِتَهُمْ فَيَنْقَلِبُوا خَائِبِينَ ۝ (۱۳۶) لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَإِنَّهُمْ ظَالِمُونَ ۝ (۱۳۷) وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۖ يَغْفِرُ لِمَن يَشَاءُ ۖ وَيُعَذِّبُ مَن يَشَاءُ ۖ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝ (۱۳۸) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا الرِّبَا أَضْعَافًا مُّضَاعَفَةً ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝ (۱۳۹) وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ ۖ وَ أَطِيعُوا اللَّهَ وَ الرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ۝ (۱۴۰) وَسَارِعُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَ جَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمُوتُ وَالْأَرْضُ ۖ أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ ۝ (۱۴۱) الَّذِينَ يُنْفِقُونَ فِي السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ وَالْكُلُوبِ الْغَيْظِ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ ۖ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ۝ (۱۴۲) وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاجِشَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللَّهَ فَاسْتَغْفَرُوا لِذُنُوبِهِمْ ۖ وَمَن يَغْفِرِ الذُّنُوبَ إِلَّا اللَّهُ ۖ وَلَمْ يُصِرُّوا عَلَىٰ مَا فَعَلُوا وَهُمْ يَعْلَمُونَ ۝ (۱۴۳) أُولَٰئِكَ جَزَاءُ هُم مَّغْفِرَةٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَ جِئَتْ تَجْرِي مِّن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۖ وَلَنُجْزِيَ الْعَمِلِينَ ۖ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِكُمْ سُنَنٌ ۖ فَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكْذِبِينَ ۝ (۱۴۴) هَذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِينَ ۝ (۱۴۵) وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا ۖ وَأَنْتُمْ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ ۝ (۱۴۶) إِنْ يَمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهُ ۖ وَتِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ۖ وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَيَتَّخِذَ مِنكُمْ شُهَدَاءَ ۖ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ ۝ (۱۴۷) وَلِيُخَصَّ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَيَمْحَقَ الْكَافِرِينَ ۝ (۱۴۸) أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تُدْخِلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللَّهُ الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الضَّالِّينَ ۝ (۱۴۹) وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ أَنْ تُلَاقَوْهُ ۖ فَقَدْ رَآيْتُمُوهُ ۖ وَأَنْتُمْ تَنْظُرُونَ ۝ (۱۵۰) وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ

مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَى أَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَنْقَلِبْ عَلَى عَقْبَيْهِ فَكُنْ يَضُرَّ اللَّهُ
 شَيْئًا وَسَيَجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ ﴿١٣٣﴾ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تَمُوتَ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ كَتَبْنَا مُوَدَّعَاتِهَا وَمَنْ
 يُرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهِ مِنْهَا وَمَنْ يُرِدْ ثَوَابَ الْآخِرَةِ نُؤْتِهِ مِنْهَا وَسَيَجْزِي الشَّاكِرِينَ ﴿١٣٤﴾ وَكَانَ
 مِنْ نَبِيِّ قَتَلَ مَعَهُ رِبِّيُونَ كَثِيرٌ فَمَا وَهَنُوا لِمَا أَصَابَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَمَا ضَعُفُوا وَمَا اسْتَكَانُوا
 وَاللَّهُ يُحِبُّ الصَّابِرِينَ ﴿١٣٥﴾ وَمَا كَانَ قَوْلُهُمْ إِلَّا أَنْ قَالُوا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَإِسْرَافَنَا فِي
 أَمْرِنَا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ﴿١٣٦﴾ فَآتَاهُمُ اللَّهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ
 الْآخِرَةِ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴿١٣٧﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ تَطِيعُوا الَّذِينَ كَفَرُوا يُرْذِلْكُمُ عَلَى
 أَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوا خَاسِرِينَ ﴿١٣٨﴾ بَلِ اللَّهُ مَوْلَاكُمْ وَهُوَ خَيْرُ النَّاصِرِينَ ﴿١٣٩﴾ سَنُلْقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا
 الرُّعْبَ بِمَا أَشْرَكُوا بِاللَّهِ مَا لَمْ يُنَزَّلْ بِهِ سُلْطَانٌ وَمَا لَهُمْ لَهَا بِشَيْءٍ مَشْوَى الظَّالِمِينَ ﴿١٤٠﴾ وَلَقَدْ
 صَدَقَكُمُ اللَّهُ وَعْدًا إِذْ تَحْسُونَهُمْ بِإِذْنِهِ حَتَّى إِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِي الْأَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِمَّنْ بَعْدَ
 مَا أَرَاكُمْ مَا تَحْبُونَ مِّنْكُمْ مَّنْ يُرِيدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُرِيدُ الْآخِرَةَ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ
 وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ وَاللَّهُ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ ﴿١٤١﴾ إِذْ تَضَعُونَ وَلَا تَلُونَ عَلَى أَحَدٍ وَالرَّسُولُ
 يَدْعُوكُمْ فِي أَخْرَاكُمْ فَأَتَابَكُمْ عَمَّا بَغِمَ لَكُمْ لِكَيْلَا تَحْزَنُوا عَلَى مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَا أَصَابَكُمْ وَاللَّهُ خَبِيرٌ
 بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿١٤٢﴾ ثُمَّ أَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ بَعْدِ الْغَمِّ أَمْنَةً نُّعَاسًا يَغْشَى طَآئِفَةً مِّنْكُمْ وَطَآئِفَةٌ قَدْ
 أَهَمَّتْهُمْ أَنْفُسُهُمْ يَظُنُّونَ بِاللَّهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ يَقُولُونَ هَلْ لَنَا مِنَ الْأَمْرِ مِنْ شَيْءٍ
 قُلْ إِنَّ الْأَمْرَ كُلَّهُ لِلَّهِ يُخْفُونَ فِي أَنْفُسِهِمْ مَا لَا يُبْدُونَ لَكَ يَقُولُونَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ
 مَا قُتِلْنَا ههنا قُلْ لَوْ كُنْتُمْ فِي بُيُوتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِينَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ إِلَى مَضَاجِعِهِمْ
 وَلِيَبْتَلِيَ اللَّهُ مَا فِي صُدُورِكُمْ وَلِيُمَحَّصَ مَا فِي قُلُوبِكُمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿١٤٣﴾ إِنَّ الَّذِينَ
 تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ إِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطَانُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوا وَلَقَدْ عَفَا اللَّهُ عَنْهُمْ
 إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ ﴿١٤٤﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ كَفَرُوا وَقَالُوا لِإِخْوَانِهِمْ إِذَا ضَرَبُوا فِي
 الْأَرْضِ أَوْ كَانُوا غَزَى لَوْ كَانُوا عِنْدَنَا مَا مَاتُوا وَمَا قُتِلُوا لِيَجْعَلَ اللَّهُ ذَلِكَ حَسْرَةً فِي قُلُوبِهِمْ
 وَاللَّهُ يُحْيِي وَيُمِيتُ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿١٤٥﴾ وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِنَ اللَّهِ
 وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ ﴿١٤٦﴾ وَلَئِنْ مُتُّمْ أَوْ قُتِلْتُمْ لَا إِلَى اللَّهِ تَحْشَرُونَ ﴿١٤٧﴾ فِيمَا رَحْمَةً مِنَ اللَّهِ لَئِنْ
 لَهُمْ وَلَوْ كُنْتُمْ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَا نَقُصُّوا مِنْ حَوْلِكُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ

فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ ﴿٥٨﴾ إِنَّ يَنْصُرْكُمُ اللَّهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۚ وَإِنْ يَخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِي يَنْصُرْكُم مِّنْ بَعْدِهِ ۚ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴿٥٩﴾ وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَغُلُّ ۚ وَمَنْ يَغْلُلْ يَأْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۚ ثُمَّ تُوَفَّى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿٦٠﴾ أَفَمِنَ أَتَّبَعَ رِضْوَانُ اللَّهِ كَمَنْ بَاءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللَّهِ وَمَا وَهْ جَهَنَّمَ ۚ وَبَشَّ الصَّيِيرُ ﴿٦١﴾ هُمْ دَرَجَتْ عِنْدَ اللَّهِ ۚ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِمَا يَعْمَلُونَ ﴿٦٢﴾ لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَإِنْ كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿٦٣﴾ أَوْ لَمَّا أَصَابَتْكُمْ مُّصِيبَةٌ قَدْ أَصَبْتُمْ مِثْلَيْهَا قُلْتُمْ أَنَّى هَذَا قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ أَنفُسِكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٦٤﴾ وَمَا أَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ فَبِإِذْنِ اللَّهِ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿٦٥﴾ وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ نَافَقُوا ۚ وَقِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ ادْفَعُوا قَالُوا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَا اتَّبَعْنَاكُمْ ۚ هُمْ لِلْكَفَرِ يَوْمَئِذٍ أَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْإِيمَانِ يَقُولُونَ بِأَفْوَاهِهِمْ مَا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ ۚ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُونَ ﴿٦٦﴾ الَّذِينَ قَالُوا لِإِخْوَانِهِمْ وَقَعَدُوا لَوْ أَطَاعُونَا مَا قُتِلُوا قُلْ فَادْرَءُوا عَنْ أَنفُسِكُمُ الْمَوْتَ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿٦٧﴾ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْواتًا بَلْ أَحْيَاءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ ﴿٦٨﴾ فَرِحِينَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَيَسْتَبْشِرُونَ بِالَّذِينَ لَمْ يَلْحَقُوا بِهِمْ مِنْ خَلْفِهِمْ أَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٦٩﴾ يَسْتَبْشِرُونَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ وَفَضْلٍ ۚ وَأَنَّ اللَّهَ لَا يُضَيِّعُ أَجْرَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿٧٠﴾ الَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِلَّهِ وَالرَّسُولِ مِنْ بَعْدِ مَا أَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۚ لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا مِنْهُمْ وَاتَّقُوا أَجْرٌ عَظِيمٌ ﴿٧١﴾ الَّذِينَ قَالَهُمُ النَّاسُ إِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ إِيمَانًا ۚ وَقَالُوا حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ ﴿٧٢﴾ فَانْقَلَبُوا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ وَفَضْلٍ لَّمْ يَنسَسْهُمْ سُوءٌ ۚ وَاتَّبَعُوا رِضْوَانُ اللَّهِ ۚ وَاللَّهُ ذُو فَضْلٍ عَظِيمٍ ﴿٧٣﴾ إِنَّمَا ذَلِكُمُ الشَّيْطَانُ يُخَوِّفُ أَوْلِيَاءَهُ ۚ فَلَا تَخَافُوهُمْ ۚ وَخَافُوا إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ ﴿٧٤﴾ وَلَا يَحْزَنْكَ الَّذِينَ يُسَارِعُونَ فِي الْكُفْرِ ۚ إِنَّهُمْ لَن يَضُرُّوا اللَّهَ شَيْئًا ۚ يُرِيدُ اللَّهُ الْأَلَّاجِعَ لَهُمْ حَظًّا فِي الْآخِرَةِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿٧٥﴾ إِنَّ الَّذِينَ اشْتَرُوا الْكُفْرَ بِالْإِيمَانِ لَن يَضُرُّوا اللَّهَ شَيْئًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٧٦﴾ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّمَا نُطِلُّ لَهُمْ خَيْرٌ لَّا أَنفُسِهِمْ ۚ إِنَّمَا نُطِلُّ لَهُمْ لِيُزَادُوا إِثْمًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ ﴿٧٧﴾ مَا كَانَ اللَّهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتَّى يَمِيزَ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ ۚ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهِ مَنْ يَّشَاءُ ۚ فَأَمْنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ ۚ وَإِنْ تُؤْمِنُوا وَتَتَّقُوا فَلَكُمْ أَجْرٌ عَظِيمٌ ﴿٧٨﴾ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخُلُونَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ

مِنْ فَضْلِهِ هُوَ خَيْرٌ لَّهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ سَيُطَوَّقُونَ مَا بَخُلُوا بِهِ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَاللَّهُ مِيرَاثُ السَّمَوَاتِ
 وَالْأَرْضِ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ۝ لَقَدْ سَمِعَ اللَّهُ قَوْلَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ فَقِيرٌ وَنَحْنُ أَغْنِيَاءُ م
 سَنَكْتُبُ مَا قَالُوا وَقَتْلَهُمُ الْأَنْبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۖ وَنَقُولُ ذُوقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ ۝ ذَٰلِكَ بِمَا قَدَّمْتُمْ أَيْدِيكُمْ
 وَأَنَّ اللَّهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ ۝ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ عَهْدُ الْإِنَّا إِلَّا نُوْمَنَ لِرَسُولٍ حَتَّىٰ يَأْتِينَا
 بِقُرْبَانٍ تَأْكُلُهُ النَّارُ قُلْ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ قَبْلِي بِالْبَيِّنَاتِ وَبِالذِّى قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوهُمْ إِنْ كُنْتُمْ
 صَادِقِينَ ۝ فَإِنْ كَذَّبُوكَ فَقَدْ كَذَّبَ رَسُولٌ مِّنْ قَبْلِكَ جَاءُوا بِالْبَيِّنَاتِ وَالزُّبُرِ ۖ وَالْكِتَابُ الْمُنِيرُ ۝
 كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ وَإِنَّمَا تُوَفَّقُونَ أُجُورَكُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ ۖ فَمَن زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ
 فَقَدْ فَازَ وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُورِ ۝ لَتُبْلَوُنَّ فِيْ أَمْوَالِكُمْ وَأَنفُسِكُمْ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِينَ
 أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا أَذًى كَثِيرًا ۖ وَإِنْ تَصِيدُوا وَ تَتَّقُوا فَإِنَّ ذَٰلِكَ مِنْ عَزَمِ
 الْأُمُورِ ۝ وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَتُبَيِّنُنَّهُ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُونَهُ ۖ فَنَبَذُوهُ
 وَرَاءَ ظُهُورِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ۖ فَبُئْسَ مَا يَشْتَرُونَ ۝ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَفْرَحُونَ بِمَا آتَوْا
 وَيُجِبُونَ أَنْ يُحْصَدُوا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِنَ الْعَذَابِ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ وَلِلَّهِ
 مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ إِنْ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ الْيَلِ
 وَالنَّهَارِ لَآيَاتٍ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ ۝ الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَمًا وَقُعُودًا ۖ وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي
 خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَٰذَا بَاطِلًا ۖ سُبْحَنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ رَبَّنَا إِنَّكَ مَنْ
 تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ أَخْزَيْتَهُ ۖ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ ۝ رَبَّنَا إِنَّا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُنَادِي لِلْإِيمَانِ أَنْ
 آمِنُوا بِرَبِّكُمْ فَأَمْنًا ۖ رَبَّنَا فَاعْفُ رَنَا ذُنُوبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّئَاتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْأَبْرَارِ ۝ رَبَّنَا وَآتِنَا
 مَا وَعَدْتَنَا عَلَىٰ رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيَمَةِ ۖ إِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْبِعَادَ ۝ فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ أَنِّي
 لَا أُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَىٰ ۖ بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ ۖ فَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَأُخْرِجُوا مِنْ
 دِيَارِهِمْ وَأُودُوا فِي سَبِيلِي وَقَتَلُوا وَقَتِلُوا لَأُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَأُدْخِلَنَّهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ
 تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ ۖ وَاللَّهُ عِنْدَهُ حُسْنُ الثَّوَابِ ۝ لَا يَغُزَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي
 الْبِلَادِ ۖ مَتَاعٌ قَلِيلٌ ۖ ثُمَّ مَا لَهُمْ جَهَنَّمُ ۖ وَبُئْسَ الْمِهَادُ ۝ لَكِنِ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي
 مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا نَزَّلَا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ ۖ وَمَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ لِّلْأَبْرَارِ ۝ وَإِنَّ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ
 لَمَن يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِمْ خُشِعِينَ لِلَّهِ لَا يَشْتَرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ ثَمَنًا قَلِيلًا

أُولَٰئِكَ لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۖ إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ﴿١٤٩﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا
وَصَابِرُوا وَرَاطِبُوا ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿١٥٠﴾

”اگر تمہیں کوئی مفاد پہنچتا ہے تو ان کو بہت تکلیف ہوتی ہے اور اگر تمہیں کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو یہ بہت خوش ہوتے ہیں۔ اگر تم ثابت قدم رہو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو تو ان کی کوئی چال تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ یقیناً اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ جس وقت آپ گھر سے نکل کر مومنین کے لیے لڑائی کے مقامات متعین فرما رہے تھے اللہ تعالیٰ خوب سننے جاننے والا تھا۔ پھر جب تم میں سے دو قبیلہ پھسلنے لگے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کا ہاتھ پکڑ لیا۔ حقیقت یہ ہے کہ صاحب ایمان لوگوں کو اللہ پر توکل کرنا چاہیے۔ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے بدر کے مقام پر تمہاری مدد فرمائی تھی جبکہ تم اس وقت بالکل کمزور تھے۔ سو تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو تا کہ تم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کر سکو۔ جب آپ مومنین سے کہہ رہے تھے: ”کیا تمہیں یہ کافی نہیں کہ تمہارا پروردگار تین ہزار نازل شدہ فرشتوں کے ساتھ تمہاری مدد کرے؟ کیوں نہیں! بلکہ اگر تم صبر سے کام لو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور کافرا بھی تم پر حملہ آور ہو جائیں تو تمہارا رب پانچ ہزار مقرر شدہ فرشتوں کے ساتھ تمہاری مدد فرمائے گا۔“ اللہ تعالیٰ نے اس مدد کو تمہارے لیے خوشخبری بنا دیا تا کہ تمہارے دل مطمئن ہو جائیں (یاد رکھو!) مدد اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے آسکتی ہے جو غالب خوب حکمت والا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارادہ تھا کہ کافروں کا ایک بازو کاٹ دے اور انہیں رسوا کرے تاکہ وہ ناکام واپس لوٹ جائیں۔ (البتہ ایک بات ذہن میں رہے) اس معاملہ میں آپ کو اختیار حاصل نہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی مرضی ہے کہ کسی کی توبہ قبول کرے یا اسے عذاب دے کیونکہ وہ ظالم ہیں۔ آسمانوں اور زمین کے تمام اختیارات اللہ ہی کے ہاتھ میں ہیں جسے چاہے معاف کرے جسے چاہے عذاب دے۔ اللہ تعالیٰ بہت معاف کرنے والا نہایت رحم کرنے والا ہے۔ اے ایمان والو! سود گنا چو گنا کر کے نہ کھاؤ۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو تا کہ تم کامیاب ہو سکو۔ نیز آگ سے بچو جو دراصل کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو تا کہ تم پر اللہ کی رحمت برے اور تیزی دکھاؤ اپنے رب کی بخشش حاصل کرنے کے لیے اور اس جنت کے حصول کے لیے جس کا عرض آسمانوں اور زمین کے برابر ہے۔ وہ جنت متقی لوگوں کے لیے تیار کی گئی ہے۔ جو خوشحالی اور تنگ حالی میں سخاوت کرتے ہیں۔ اپنے ذاتی غصے کو پی جاتے ہیں۔ اور لوگوں سے درگزر کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اسی قسم کے نیکوکار لوگوں سے محبت رکھتا ہے جن سے اگر گناہ ہو جاتا ہے یا وہ اپنے آپ پر ظلم کر بیٹھتے ہیں تو فوراً اللہ کو یاد کرتے ہیں اور اپنے گناہ کی معافی طلب کرتے ہیں۔ واقعاً اللہ تعالیٰ کے سوا کون گناہ معاف کر سکتا ہے؟ نیز وہ اپنے گناہ پر اصرار نہیں کرتے حالانکہ وہ جانتے ہیں (کہ اللہ تعالیٰ گناہ معاف کرتا ہے۔) ان کا بدلہ یہ ہے کہ انہیں اپنے رب کی طرف سے بخشش حاصل ہوگی اور ایسے باغات ملیں گے جن کے نیچے دریا بہتے ہیں۔ وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ اور نیکی کرنے والوں کے

لیے یہ اجر کیا ہی خوب ہے! تم سے پہلے بھی بہت سے واقعات گزر چکے ہیں؛ ذرا زمین میں چل پھر کر دیکھو جھٹلانے والوں کا انجام کیا ہوا؟ یہ کتاب سب لوگوں کے لیے بیان اور ہدایت ہے، البتہ نصیحت صرف متقین کے لیے ہے۔ تم کمزور نہ پڑو زیادہ غم نہ کھاؤ آخر کار غالب تم ہی ہو گے، یہ تمہارے ایمان کا تقاضا ہے۔ اگر تمہیں زخم لگے ہیں تو کیا ہوا؟ کافروں کو بھی تو ایسے زخم لگے ہیں۔ یہ دن ہم لوگوں میں بدلتے رہتے ہیں تاکہ پتہ چل جائے کون حقیقتاً ایمان لایا ہے اور تمہیں مرتبہ شہادت حاصل ہو سکے۔ ورنہ اللہ تعالیٰ ان کافر ظالموں کو تو پسند نہیں کرتا نیز اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ ایمان والوں کو خالص (چھانٹ) کر دیں اور آخر کار کافروں کو ملیا میٹ کر دیں۔

کیا تم سمجھے ہو کہ یونہی جنت میں داخل ہو جاؤ گے؟ حالانکہ ابھی تک اللہ نے یہ جانا نہیں کہ تم میں سے جہاد کرنے والے کون ہیں اور صبر کرنے والے کون ہیں۔ اس سے پہلے تم تو خود موت (شہادت) کی خواہش ظاہر کرتے تھے اب تم اسے اپنی کھلی آنکھوں سے دیکھ چکے ہو (تو گھبراتے کیوں ہو؟) یاد رکھو! محمد (ﷺ) بھی ایک رسول ہیں۔ ان سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے ہیں۔ اب اگر وہ فوت ہو جائیں یا جنگ میں شہید ہو جائیں تو کیا تم اٹلے پاؤں دین سے پھر جاؤ گے؟ جو شخص اٹلے پاؤں دین سے پھر جائے وہ اللہ تعالیٰ کا ذرہ بھر نقصان نہ کر سکے گا۔ اللہ تعالیٰ شکر گزار لوگوں کو ضرور بدلہ دیں گے۔ کسی شخص کے بس میں نہیں کہ اللہ کے حکم کے بغیر مر سکے بلکہ موت مقررہ وقت پر لکھی ہوئی ہے۔ جو شخص دنیا میں بدلہ چاہتا ہے ہم اسے دنیا میں بدلہ دیتے ہیں اور جو شخص آخرت کے ثواب کا طالب ہو ہم اسے آخرت کا ثواب عطا کرتے ہیں۔ ہم شکر گزار بندوں کو ضرور بدلہ دیتے ہیں۔ ان سے پہلے کتنے ہی نبی گزرے جن کے ساتھ مل کر بہت سے اللہ والوں نے کافروں سے لڑائی کی، لیکن وہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں پہنچنے والی تکلیفوں کی وجہ سے سست نہیں پڑے نہ وہ کمزور ہوئے نہ عاجز آئے۔ اللہ تعالیٰ اس قسم کے صابر لوگوں کو پسند فرماتے ہیں۔ انہوں نے صرف یہ کہا: ”اے ہمارے پروردگار! ہمیں ہمارے گناہ معاف فرما اور جو ہم سے زیادتی ہوئی اس سے بھی صرف نظر فرما۔ ہمیں ثابت قدم رکھ اور کافروں کے خلاف ہماری مدد فرما۔“ تو اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیا اور آخرت میں بہترین ثواب عطا فرمایا۔ اللہ تعالیٰ ایسے نیکو کار لوگوں سے محبت فرماتے ہیں۔

اے ایمان والو! اگر تم کافروں کی بات مانو گے تو وہ تمہیں تمہارے دین سے مرتد کر دیں گے۔ نتیجتاً تم خسارے میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ ہی تمہارا دوست ہے اور وہ بہترین مددگار ہے۔ ہم کافروں کے دلوں میں ان کے شرک کی وجہ سے رعب ڈال دیں گے۔ ان کا ٹھکانا آگ ہوگا اور یہ ظالموں کے لیے بہت برا ٹھکانا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تم سے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا تھا جب تم کافروں کو اللہ کے حکم سے ملیا میٹ کر رہے تھے حتیٰ کہ جب تم بزدل ہو گئے، آپس میں جھگڑنے لگے اور نبی کی نافرمانی کی (تو معاملہ الٹ گیا) حالانکہ اللہ تعالیٰ تمہیں تمہاری پسندیدہ چیز (فتح) دکھا چکا تھا۔ تم میں سے کچھ دنیا کا ذہن رکھتے تھے اور کچھ آخرت کے طالب تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے تمہیں ان سے پھیر دیا (پسپا کر دیا) تاکہ وہ تمہیں آزمائش میں ڈالے۔ ویسے اللہ تعالیٰ نے تمہاری یہ غلطی معاف کر دی ہے۔ اور اللہ

تعالیٰ مومنین پر بہت فضل کرنے والا ہے۔ جب تم بگڑتے جا رہے تھے اور مڑ کر کسی کو نہ دیکھتے تھے جبکہ اللہ کا رسول تمہارے پیچھے سے تمہیں بلاتا تھا۔ اس کی سزا میں اللہ تعالیٰ نے تمہیں غم پر غم پہنچائے تاکہ آئندہ کے لیے تم کسی فوت ہونے والی چیز اور کسی پہنچنے والی مصیبت پر غم نہ کیا کرو۔ یقین رکھو! اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے بخوبی واقف ہے۔ پھر اس غم کے بعد تمہیں سکون پہنچانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے تم پر اونگھ نازل فرمائی جو تم میں سے مخلص لوگوں پر چھا رہی تھی۔ البتہ منافق گروہ کو اپنی جان کے لالے پڑے تھے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں ناحق جاہلیت والے گمان قائم کر رہے تھے۔ وہ کہہ رہے تھے: ”کیا ہمیں بھی اس معاملہ میں کوئی اختیار ہے؟ کہہ دیجیے!“ ”اختیارات تو سب اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں۔“ دراصل ان کے دل میں کوئی اور بات ہے جسے وہ آپ کے سامنے ظاہر نہیں کر رہے۔ وہ دراصل یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اگر ہمیں جنگ کے معاملہ میں کوئی اختیار ہوتا تو ہم یہاں یوں نہ مارے جاتے۔ فرمادیجیے! ”اگر تم اپنے گھروں میں بند ہوتے پھر بھی جن کی قسمت میں قتل ہونا لکھا ہے وہ خود بخود اپنی قتل گاہوں میں جا پہنچتے۔“ اللہ چاہتا ہے کہ تمہارے دلوں کی باتیں ظاہر کر دے اور تمہارے قلبی ایمان کو خالص کر دے۔ اللہ تعالیٰ دلوں کی باتوں کو بخوبی جانتا ہے۔ جس دن مومنوں اور کافروں کا مقابلہ ہوا تھا اس دن جو لوگ بھاگے تھے دراصل انہیں شیطان نے ان کی بعض غلطیوں کی وجہ سے پھسلا دیا تھا۔ البتہ اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف کر دیا ہے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا نہایت بردبار ہے۔

اے ایمان والو! تم ان کافروں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے جنگ کے لیے جانے والے اپنے بھائیوں کے بارے میں کہا: ”اگر وہ ہمارے پاس ہوتے تو نہ مرتے نہ مارے جاتے۔“ اللہ تعالیٰ اسی طرح ان کے دلوں میں حسرتیں پیدا کرتا ہے جبکہ زندگی موت تو اللہ دیتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو بخوبی دیکھ رہا ہے۔ واللہ! اگر تم اللہ کے راستے میں مارے جاؤ یا طبعی موت مر جاؤ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حاصل ہونے والی بخشش اور رحمت ان کافروں کے جمع کیے ہوئے مال سے بدرجہا بہتر ہوگی۔ واللہ! اگر تم مر جاؤ یا مارے جاؤ ہر صورت تم اللہ تعالیٰ کے پاس جمع ہو گے یہ اللہ تعالیٰ کی عظیم رحمت ہے کہ آپ ان کے لیے نرم دل ہیں۔ بالفرض آپ بدخلق یا سخت دل ہوتے تو یہ سب آپ کے پاس سے بھاگ جاتے، لہذا ان سے درگزر کیجیے، ان کے لیے بخشش کی دعا کیجیے اور معاملات میں ان سے مشورہ کیا کیجیے، لیکن جب فیصلہ کر لیں تو اللہ پر توکل کرتے ہوئے ڈٹ جائیے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ متوکل لوگوں کو پسند فرماتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ تمہاری مدد فرمائے تو کوئی تم پر غالب نہیں آسکتا اور اگر وہ تمہیں چھوڑ دے تو کون ہے جو تمہاری مدد کر سکے؟ ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ کرنا چاہیے۔ نبی کے بارے میں یہ تصور بھی نہیں کیا جاسکتا کہ وہ خیانت کرے۔ جو شخص خیانت کرے گا وہ قیامت کے دن اپنی خیانت لے کر آئے گا۔ پھر ہر شخص کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور کسی پر ذرہ بھر بھی ظلم نہ کیا جائے گا۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا طالب ہو کیا وہ اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے غصے کا حقدار بن گیا جبکہ اس کا ٹھکانا تو جہنم ہے اور جہنم بہت برا ٹھکانا

ہے اور ان کے لیے اللہ کے ہاں بلند درجات ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کے اعمال کو بغور دیکھ رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مومنین پر احسان عظیم فرمایا کہ ان میں انہی (کی نسل) میں سے ایک عظیم الشان رسول بھیجا جو ان پر اس کی آیات تلاوت فرماتا ہے، ان کا تزکیہ نفس کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت سکھاتا ہے۔ بلاشبہ لوگ اس کی تشریف آوری سے پہلے واضح طور پر گمراہ تھے۔ تعجب ہے جب تمہیں مصیبت پہنچی جس سے دگنی تم انہیں پہنچا چکے تھے، تم کہنے لگے یہ کدھر سے آ پڑی؟ فرما دیجیے! یہ سب تمہارا اپنا کیا دھرا ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ جو مصیبت تمہیں جنگ کے دن پہنچی وہ اللہ کے حکم سے تھی تاکہ ایمان والے منافقوں سے ممتاز ہو جائیں۔ اور اس لیے کہ اللہ مومنوں کو بھی دیکھ لے اور منافقوں کو بھی۔ منافقوں سے کہا گیا: ”آؤ اللہ کے راستے میں لڑو یا کم از کم دفاع ہی کرو۔“ وہ کہنے لگے: ”اگر ہمیں حقیقی لڑائی کا یقین ہوتا تو ہم ضرور تمہارے ساتھ چلتے۔“ حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ اس دن ایمان کی بجائے کفر سے زیادہ قریب تھے۔ وہ اپنی زبانوں سے وہ بات کہتے تھے جو ان کے دل میں نہ تھی۔ اللہ تعالیٰ ان کی چھپی باتوں کو بھی خوب جانتا ہے۔ یہ خود تو جنگ سے بیٹھے رہے اور اپنے جانے والے ساتھیوں کے بارے میں کہنے لگے: ”اگر وہ ہماری مان لیتے تو نہ مارے جاتے۔“ کہہ دیجیے! ”اپنے آپ کو موت سے بچالینا اگر سچے ہو۔“ آپ اللہ کے راستے میں شہید ہونے والوں کو ”مردے“ نہ سمجھیں۔ وہ تو اپنے رب کے حضور زندہ ہیں، کھاپی رہے ہیں، اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ فضیلت پر بہت خوش ہیں اور وہ اپنے ان بھائیوں سے بھی بہت خوش ہو رہے ہیں جو ان سے (شہادت سے) پیچھے رہ گئے کہ ان پر کوئی خوف نہیں اور نہ وہ غم میں مبتلا ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور فضل و احسان پر بہت خوش ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ وہ لوگ جنہوں نے باوجود شدید زخمی ہونے کے اللہ اور اس کے رسول کے حکم پر لبیک کہا۔ ان نیکو کار اور متقی لوگوں کے لیے اجر عظیم تیار ہے۔ جنہیں لوگوں نے ڈرایا کہ ”کافر دوبارہ تم سے لڑنے کے لیے جمع ہو چکے ہیں ان سے بچ جاؤ۔“ لیکن اس سے ان کا ایمان مزید مضبوط ہو گیا اور انہوں نے کہا: ”ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے۔“ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان سے صحیح سلامت واپس آئے۔ ان کو کچھ بھی گزند نہ پہنچا، بلکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل کی۔ اور اللہ تعالیٰ فضل عظیم کرنے والا ہے۔ یہ شیطان تھا جو تمہیں اپنے ساتھیوں سے ڈرا رہا تھا۔ تم ہرگز ان سے نہ ڈرو بلکہ مجھ ہی سے ڈرو یہ تمہارے ایمان کا تقاضا ہے۔ آپ ان لوگوں کی بنا پر غمگین نہ رہا کریں، جو کفر کی طرف بھاگے جاتے ہیں۔ یقیناً یہ اللہ تعالیٰ کا ذرہ بھر نقصان نہ کر سکیں گے۔ اللہ تعالیٰ کا ارادہ یہ ہے کہ ان کا آخرت میں کوئی حصہ نہ رہے اور انہیں عذاب عظیم پہنچے۔ جن لوگوں نے ایمان کی بجائے کفر اختیار کیا بلاشبہ وہ اللہ تعالیٰ کا کوئی نقصان نہ کر سکیں گے اور انہیں دردناک عذاب بھیلنا ہوگا۔ کافر یہ نہ سمجھیں کہ ہم انہیں جو ڈھیل دے رہے ہیں وہ ان کے لیے بہتر ہے، بلکہ ہم تو انہیں اس لیے ڈھیل دے رہے ہیں کہ ان کے گناہوں میں اضافہ ہو۔ ان کے لیے رسوا کن عذاب ہے۔ اللہ تعالیٰ مومنوں کو اس صورت حال پر نہیں رکھ سکتا تھا جس پر تم تھے، بلکہ وہ برے بھلے کو الگ کرنا چاہتا تھا۔ اللہ تعالیٰ تمہیں

ہر غیب پر مطلع نہیں کر سکتا البتہ اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں میں سے جسے چاہتا ہے غیب پر اطلاع دینے کے لیے منتخب فرماتا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں پر پختہ ایمان رکھو۔ اگر تم (مضبوط) ایمان رکھو گے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو گے تو تمہارے لیے اجر عظیم ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے مال میں بخل کرنے والے اس مال کو اپنے لیے اچھا نہ سمجھیں بلکہ وہ ان کے لیے شربن جائے گا۔ روز قیامت بخل والے مال کو ان کے گلے میں طوق بنا دیا جائے گا۔ یاد رکھو! آسمانوں اور زمین کا حقیقی مالک و وارث اللہ تعالیٰ ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے بخوبی واقف ہے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی بات سن لی ہے جنہوں نے کہا: ”اللہ محتاج ہے اور ہم مالدار ہیں۔“ ہم ان کی باتوں کو لکھ رہے ہیں اور ان کے اس کرتوت کو بھی کہ انہوں نے انبیاء کو ناحق قتل کیا۔ ہم انہیں (قیامت کے دن) کہیں گے: ”آگ کا عذاب چکھو۔“ یہ سلوک تم سے تمہارے اپنے کرتوتوں کی بنا پر ہو رہا ہے ورنہ اللہ تعالیٰ تو اپنے بندوں پر ذرہ بھر ظلم نہیں کرتا۔ یہ کہتے ہیں: ”اللہ تعالیٰ نے ہم سے وعدہ لیا ہے کہ ہم کسی رسول پر اس وقت تک ایمان نہ لائیں جب تک وہ ہمارے پاس ایسی قربانی لے کر نہ آئے جسے آگ کھائے۔“ کہہ دیجئے! مجھ سے پہلے بہت سے رسول معجزات خصوصاً وہ نشانی لے کر آئے جو تم کہتے ہو۔ تو پھر تم نے انہیں قتل کیوں کیا؟ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو جواب دو۔“ اگر انہوں نے آپ کو جھٹلادیا ہے تو کوئی تعجب کی بات نہیں آپ سے پہلے بہت سے رسول معجزات، صحیفے اور روشن کتاب لے کر آئے مگر انہیں جھٹلادیا گیا۔ (سن لو!) ہر شخص نے موت کو چکھنا ہے، پھر قیامت کے دن تمہیں تمہارا اجر پورا پورا دیا جائے گا۔ تو جو شخص آگ سے دور کر دیا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا وہ کامیاب ہو گیا۔ باقی رہی دنیا کی زندگی تو وہ دھوکے کا سامان ہے۔ جان و مال کے سلسلے میں تمہیں ضرور آزمایا جائے گا اور تم اہل کتاب اور مشرکین کی طرف سے بہت سی تکلیف دہ باتیں سنو گے۔ اگر تم صبر کرو اور بچتے رہو تو یقیناً یہ بہت اہم کام ہے۔ اور جب اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب سے وعدہ لیا تھا کہ تم لازماً یہ کتاب لوگوں کے سامنے بیان کرو گے اور اسے نہیں چھپاؤ گے لیکن انہوں نے اسے پشت پیچھے پھینک ڈالا اور اس کے بدلے دنیا کا ذلیل مال وصول کیا۔ انتہائی برا ہے وہ مال جو وہ حاصل کرتے ہیں۔ جو لوگ اپنے غلط کاموں پر خوش ہوتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ بغیر کسی نیکی کے ان کی تعریف کی جائے، آپ قطعاً یہ نہ سمجھیں کہ وہ عذاب سے نجات پا جائیں گے۔ ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ آسمانوں اور زمین کی ملکیت اور بادشاہی و اختیارات صرف اللہ کے پاس ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر خوب قدرت رکھنے والا ہے۔

بلاشبہ آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور رات اور دن کی تبدیلی میں عقل مند لوگوں کے لیے بے شمار نشانیاں ہیں۔ وہ لوگ جو کھڑے بیٹھے اور لیٹے اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے رہتے ہیں اور آسمان و زمین کی تخلیق میں غور و فکر کرتے رہتے ہیں (پھر پکار اٹھتے ہیں): ”اے ہمارے رب! تو نے یہ سب کچھ بے فائدہ پیدا نہیں کیا۔ تو ہر قسم کے عیب و نقص سے پاک ہے۔ لہذا ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔ اے ہمارے پروردگار! جسے تو آگ میں داخل کر دے اس کو تو تو نے

رسوا و ذلیل کر دیا اور ایسے ظالموں کا کوئی مددگار نہ ہوگا۔ اے ہمارے پروردگار! ہم نے ایک دعوت دینے والے کو ایمان کی طرف بلاتے سنا کہ اپنے پروردگار پر ایمان لاؤ تو ہم ایمان لے آئے۔ اے ہمارے رب! ہمارے گناہ معاف فرما، ہماری غلطیاں مٹا دے اور وفات کے بعد ہمیں نیک لوگوں کا ساتھ نصیب فرما۔ اے ہمارے رب! ہمیں وہ چیزیں عطا فرما جن کا تو نے اپنے رسولوں کی زبانی ہم سے وعدہ کیا ہے اور ہمیں قیامت کے دن رسوا نہ کرنا۔ بلاشبہ تو وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔“ تو ان کے رب نے ان کی دعا قبول فرمائی کہ تم میں سے کسی کام کرنے والے کے نیک عمل کو میں ضائع نہیں کروں گا، خواہ وہ مذکر ہو یا مؤنث۔ تم سب ایک جیسے ہو۔ لہذا جن لوگوں نے ہجرت کی اور اپنے گھروں سے نکالے گئے اور انہیں میری خاطر تکلیف دی گئی پھر وہ لڑے اور شہید ہوئے تو یقیناً میں ان کی برائیاں مٹا ڈالوں گا اور انہیں ایسے باغات میں ضرور داخل کروں گا جن میں نہریں چلتی ہیں یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بدلہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں بہترین بدلہ ملتا ہے۔ ان کافروں کا مختلف شہروں میں چلنا پھرنا تجھے خیر نہ کرے۔ یہ تھوڑی دیر کے لیے مفاد حاصل ہو رہا ہے۔ بالآخر ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور جہنم بہت برا ٹھکانا ہے۔

لیکن جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے رہے ان کے لیے باغات ہونگے جن میں نہریں چلتی ہوں گی۔ وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مہمانی ہوگی۔ اور جو کچھ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے وہ نیک لوگوں کے لیے بہت اچھا ہوگا۔ اہل کتاب میں سے کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ پر صحیح ایمان رکھتے ہیں۔ وہ اس کتاب کو بھی مانتے ہیں جو تمہاری طرف اتاری گئی اور اس کتاب کو بھی جو ان کی طرف اتاری گئی۔ وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی آیات کو بدل کر دنیا کا ذلیل و قلیل مال حاصل نہیں کرتے۔ بلاشبہ ان لوگوں کے لیے ان کے رب کے ہاں اجر تیار ہے۔ یاد رکھیں اللہ تعالیٰ کا حساب بہت تیز ہے۔

اے ایمان والو! صبر کرو دشمن کے مقابلے میں ان سے بڑھ کر ثابت قدم رہو، سرحدیں مضبوط رکھو اور ہر وقت اللہ سے ڈرتے رہو۔ امید ہے تم کامیاب ہو جاؤ گے۔“ (آل عمران: 120/3... 200)



غزوہ اُحد

جبل اُحد: یہ مدینہ منورہ کی شمالی جانب واقع ایک پہاڑ ہے جو مسجد نبوی سے ساڑھے پانچ کلومیٹر دور ہے۔ آج کل مدینہ منورہ کی آبادی اس پہاڑ تک پہنچ چکی ہے بلکہ اس کے ارد گرد پھیلی ہوئی ہے۔ اُحد پہاڑ حرم میں داخل ہے کیونکہ حرم کی حد اس کے شمال میں ”ثور پہاڑ“ تک ہے۔ اُحد پہاڑ کی لمبائی مشرق سے مغرب کی جانب تقریباً 6 کلومیٹر ہے اور اس کا رنگ سرخی مائل ہے۔

اُحد کی جنوبی جانب غزوہ اُحد کے شہداء کی قبریں ہیں اور صحیح قول کے مطابق شہدائے اُحد کی تعداد 70 ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اُحد پہاڑ پر چڑھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ابو بکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم بھی تھے۔ پہاڑ ملنے لگا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اُحد! پرسکون ہو جا، تجھ پر ایک نبی، ایک صدیق اور دو شہید ہیں۔“ (صحیح بخاری، حدیث: 3675، تاریخ مدینہ منورہ۔ دارالسلام)

غزوہ اُحد: حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع بھیجی کہ مشرکین مکہ بڑے جوش و خروش سے مدینے پر حملہ کرنے کی تیاری کر رہے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے 5 شوال 3ھ کو دو خبر رساں جن کے نام مونس اور انس تھے، خبر لانے کے لیے بھیجے۔ انہوں نے آکر اطلاع دی کہ قریش کا لشکر مدینہ کے قریب آ گیا ہے اور مدینہ کی چراگاہ (عریض) کو ان کے گھوڑوں نے صاف کر دیا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے مشورہ کیا۔ مہاجرین نے عموماً اور انصار میں سے اکابر نے رائے دی کہ عورتیں باہر قلعے میں بھیج دی جائیں اور شہر میں پناہ گزین ہو کر مقابلہ کیا جائے۔ عبد اللہ بن ابی ابن سلول جسے اب تک کبھی شریک مشورہ نہیں کیا گیا تھا اس نے بھی یہی رائے دی۔ لیکن ان نو خیز صحابہ نے، جنہیں جنگ بدر میں شریک مشورہ نہیں کیا گیا تھا اصرار کیا کہ شہر سے نکل کر حملہ کیا جائے۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی رائے پر شہر سے باہر لڑنے کا فیصلہ کر لیا۔

قریش بدھ کے دن مدینہ کے قریب پہنچے اور کوہ اُحد کے پاس پڑاؤ ڈالا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن نماز جمعہ پڑھ کر ایک ہزار صحابہ کے ساتھ شہر سے نکلے۔ عبد اللہ بن ابی تین سو کی جمعیت کو یہ کہہ کر واپس لے گیا کہ ”محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے میری رائے نہیں مانی۔“ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اب صرف سات سو صحابہ رہ گئے۔ ان میں سے ایک سوزرہ پوش تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُحد کو پشت پر رکھ کر صف آرائی کی۔ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو علم عنایت کیا۔ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ رسالے کے افسر مقرر ہوئے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو اس حصہ فوج کی کمان ملی جو زورہ پوش نہ تھے۔ پشت کی طرف احتمال تھا کہ دشمن ادھر سے حملہ کر سکتا ہے لہذا وہاں ایک درے میں 50 تیر انداز تعینات کیے گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں تاکید کی کہ خواہ لڑائی میں فتح ہو جائے پھر بھی وہ اپنی جگہ سے نہ ہٹیں۔ حضرت عبد اللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ ان تیر اندازوں کے

افر مقرر ہوئے۔

مسلمانوں کو فتح حاصل ہوگئی اور کفار میدان جنگ سے بھاگنے لگے۔ مجاہدین مال غنیمت سمیٹنے میں مصروف ہو گئے۔ یہ دیکھ کر درے پر مقرر لوگوں نے بھی اپنی جگہ چھوڑ دی اور مال غنیمت اکٹھا کرنے لگے۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ جو ابھی دائرہ اسلام میں داخل نہیں ہوئے تھے انہوں نے عقب خالی دیکھ کر حملہ کر دیا۔ اس اچانک حملے سے مسلمانوں میں بھگدڑ مچ گئی اور تقریباً 70 افراد شہید ہو گئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی زخمی ہوئے۔

(تلخیص از الکامل: 2/44 تا 52۔ البدایہ والنہایہ 4/10 تا 49۔ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم شبلی نعمانی: 1/217۔

تاریخ طبری: 3/61 تا 75)



حمراء الاسد (16 شوال 3 ہجری)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

الَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِلَّهِ وَالرَّسُولِ مِنْ بَعْدِ مَا أَصَابَهُمُ الْقَرْحُ لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا مِنْهُمْ وَاتَّقُوا أَجْرٌ عَظِيمٌ ﴿١٧٤﴾ الَّذِينَ قَالُوا لَهُمُ النَّاسُ إِنَّ النَّاسَ قَدْ جَعَلُوا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فزَادَهُمُ إِيمَانًا ۖ وَقَالُوا حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ ﴿١٧٥﴾ فَانْقَلَبُوا بِنِعْمَةِ رَبِّهِمْ إِلَىٰ دِيَارِهِمْ فَأَتَىٰ خِثْيَاءَ الْأُتَىٰ ﴿١٧٦﴾ وَاللَّهُ ذُو فَضْلٍ عَظِيمٍ ﴿١٧٧﴾

”جن لوگوں نے شدید زخمی ہونے کے باوجود اللہ اور اس کے رسول کی آواز پر لبیک کہا ایسے نیکو کار اور متقی لوگوں کے لیے اجر عظیم تیار ہے۔ جن سے لوگوں نے کہا: ”کافر تمہارے مقابلے کے لیے دوبارہ جمع ہو چکے ہیں ان سے ڈر جاؤ۔“ لیکن اس بات نے ان کے ایمان کو مزید مضبوط کر دیا اور وہ جواب میں کہنے لگے: ”ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے۔“ لہذا مومن اپنے اللہ کے انعام و فضل سے صحیح سالم لوٹ آئے انہیں کوئی گزند نہ پہنچی بلکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی رضا مندی حاصل کر لی۔ اور اللہ تعالیٰ عظیم فضل والا ہے۔“ (آل عمران: 172/3... 174)

جنگ احد سے اگلے دن رسول اللہ ﷺ نے بنفس نفیس مسلمانوں کی معیت میں ابوسفیان اور مشرکین کا پیچھا کیا تاکہ انہیں معلوم ہو جائے کہ جنگ احد میں پہنچنے والے نقصان نے مسلمانوں کو کمزور یا پست ہمت نہیں کیا۔ (وہ اب بھی ان کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔) رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھی مسلمان ”حمراء الاسد“ مقام تک پہنچے۔ وہاں اتفاقاً معبد بن ابی معبد خزاعی مسلمانوں کے پاس سے گزرا۔ بنو خزاعہ خواہ مسلمان تھے یا کافر (مسلمانوں کے شروع ہی سے خیر خواہ اور) رسول اللہ ﷺ کے راز دار تھے۔ معبد تیزی کے ساتھ ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں کے پاس پہنچا۔ اس وقت مشرکین مکہ اور مدینہ کے درمیان مقام ”روحاء“ میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ معبد نے ابوسفیان سے کہا: ”محمد (ﷺ) اپنے ساتھیوں سمیت تمہارے پیچھے آرہے ہیں۔ ان کی تعداد بہت زیادہ ہے اور وہ سخت غصے کی حالت میں ہیں۔“ یہ سن کر ابوسفیان اور اس کے ساتھی چپکے سے کھسک گئے۔

”حمراء الاسد“ میں مسلمان رات کے وقت پانچ سو جگہ آگ جلاتے تھے۔ جو بہت دور سے نظر آتی تھی اور یوں محسوس ہوتا تھا کہ مسلمان کئی ہزار ہیں اور ان کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ قرآن مجید میں اس کا تذکرہ یوں ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

الَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِلَّهِ وَالرَّسُولِ مِنْ بَعْدِ مَا أَصَابَهُمُ الْقَرْحُ لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا مِنْهُمْ وَاتَّقُوا أَجْرٌ

عَظِيمٌ ۖ اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا ۖ وَ قَالُوْا
حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ﴿١٤٧﴾

”جن لوگوں نے شدید زخمی ہونے کے باوجود اللہ اور اس کے رسول کی آواز پر لبیک کہا ان نیکوکار اور متقی لوگوں کے لیے اجر عظیم تیار ہے۔ ان سے لوگوں نے کہا: ”کافر تمہارے مقابلے کے لیے جمع ہو چکے ہیں ان سے ڈر جاؤ۔“ لیکن اس بات نے ان کے ایمان کو مزید مضبوط کر دیا اور وہ کہنے لگے: ”ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے۔“ (آل عمران: 172/3-173)

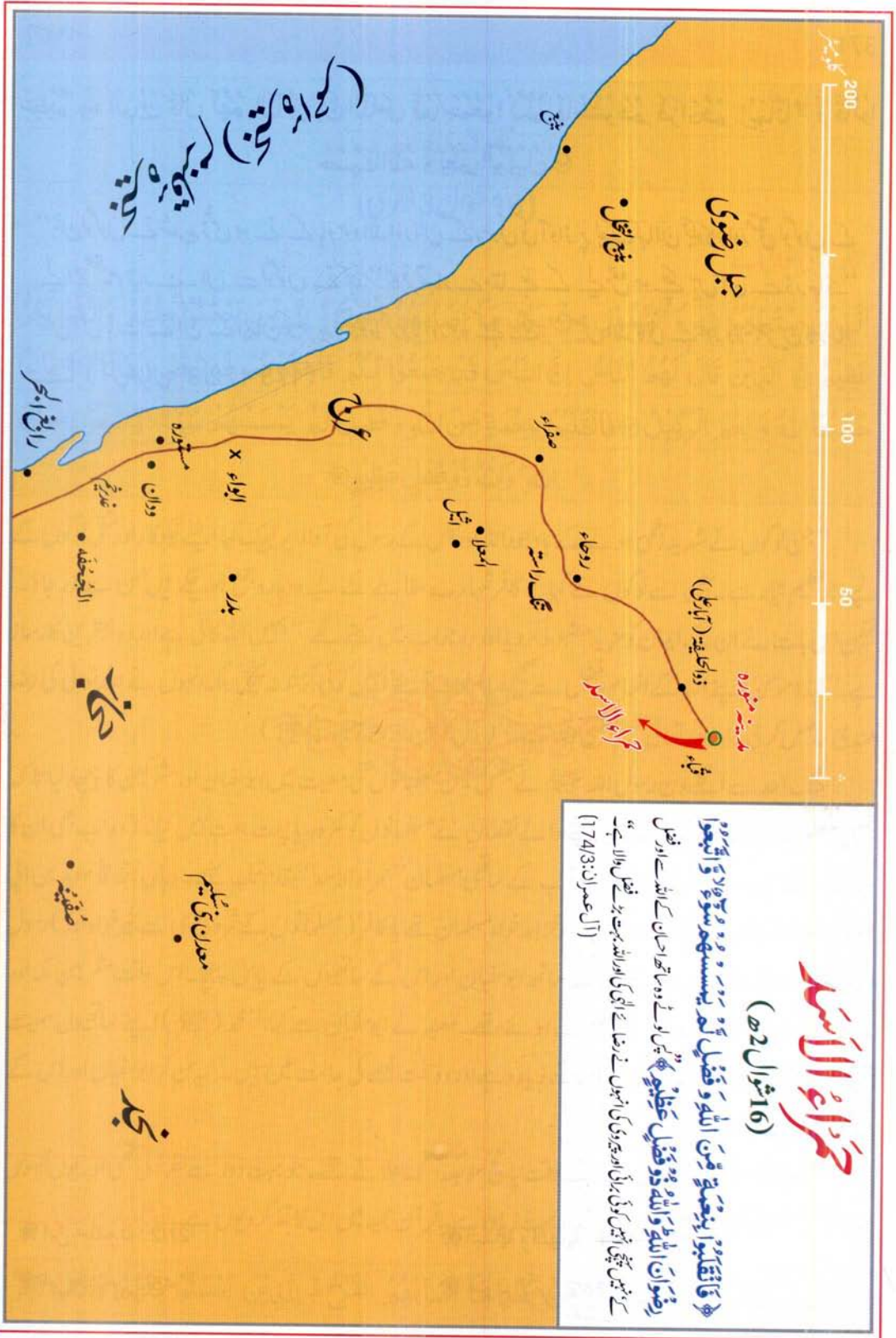


❁ البداية والنهاية : 47/4

❁ عيون الأثر : 38/2

❁ ابن خلدون : 27/2

❁ ابن هشام : 45/3



مدینہ منورہ میں یہودی قلعوں کے آثار



غزوہ حمراء الاسد

18 شوال سن 3 ہجری کو مجاہدین احد سے لوٹے تو ہفتہ اور اتوار کی درمیانی رات انصار کے سرداروں نے آپ ﷺ کے دروازے کے پاس اور مہاجرین نے اپنے زخمیوں کی مرہم پٹی کرتے ہوئے گزاری۔ صبح اتوار کو جب رسول اللہ ﷺ نے فجر کی نماز پڑھائی تو بلال رضی اللہ عنہ سے کہا: ”لوگوں میں اعلان کر دو کہ اللہ کے رسول ﷺ نے تمہیں دشمن (قریش مکہ) کی تلاش (تعاقب) کا حکم دیا ہے اور ہمارے ساتھ صرف وہ جائے گا جس نے کل (غزوہ احد میں) ہمارے ساتھ جنگ میں شرکت کی تھی۔“ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ”میرے والد نے احد کے دن مجھے میری بہنوں کے پاس چھوڑا تھا، اس لیے میں جنگ میں شریک نہ ہو سکا تھا۔ میں نے عرض کی، آپ مجھے اپنے ساتھ چلنے کی اجازت دیں۔“ رسول اللہ ﷺ نے ان کو اجازت دے دی۔

نبی اکرم ﷺ نے جھنڈا منگوایا، جو ابھی تک کھولا نہیں گیا تھا، اسے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تھما دیا۔ بعض کا خیال ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو جھنڈا دیا تھا۔

رسول اللہ ﷺ اس حال میں (دشمن کے تعاقب میں) نکلے کہ آپ کا چہرہ مبارک مجروح تھا، پیشانی مبارک پھٹی ہوئی تھی، دندان مبارک زخمی تھے اور نچلا ہونٹ مبارک بھی کٹا ہوا تھا۔ آپ کے داہنے کندھے میں شدید درد تھا جہاں بد بخت ابن قمیہ نے تلوار کا وار کیا تھا۔ آپ ﷺ کے گھٹنوں پر بھی خراشیں تھیں۔ اہل عوالی بھی جمع ہو کر آگئے۔ رسول اللہ ﷺ اپنے گھوڑے پر سوار ہوئے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ چلے آپ نے اسلم قبیلہ کے تین آدمی آگے روانہ کیے ان میں سے دو آدمی مقام حمراء الاسد میں کفار تک پہنچ گئے۔ کفار کے تیر انداز مشورے دے رہے تھے کہ واپس جا کر مسلمانوں پر ایک بار پھر حملہ کیا جائے، جبکہ صفوان بن امیہ روک رہا تھا۔ اسی اثناء میں انہوں نے دو آدمی دیکھے تو وہ ان پر پل پڑے اور انہیں شہید کر ڈالا اور چلے گئے۔

رسول اللہ ﷺ صحابہ کو لے کر حمراء الاسد پہنچے اور وہاں پڑاؤ ڈالا۔ دونوں شہیدوں کو ایک ہی قبر میں دفنایا۔ یہاں مسلمان رات کے وقت پانچ سو چولہوں میں آگ جلاتے تھے تاکہ دور سے نظر آجائے۔ مسلمانوں کے پڑاؤ اور ان کی آگ کی خبریں ہر طرف پھیل گئیں۔ اللہ تعالیٰ نے دشمن کے دل میں رعب ڈال دیا اور اس نے پلٹ پر حملہ کرنے کی جرأت نہ کی۔ اللہ کے رسول ﷺ واپس آگئے اور مدینہ میں جمعہ کے روز داخل ہوئے۔ اس مہم میں پانچ دن آپ مدینہ سے باہر رہے اور حضرت عبد اللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو امیر مقرر کیا تھا۔ (طبقات ابن سعد: 2/48، 49)

حمراء الاسد: مدینے سے عقیق کے راستے پر ذوالحلیفہ کے بائیں طرف تقریباً 13 کلومیٹر دور ایک بستی ہے۔ الحمراء نام کے اور بھی کئی شہر ہیں، جیسے اندلس میں قصر الحمراء، بیت المقدس کے نواح میں اور مصر میں بھی ایک قریہ کا نام الحمراء ہے۔

بنو نضیر (ریح الاول 4، ہجری)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

مَا آفَاءَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ الْقُرَىٰ فَلِلَّهِ وَاللِّرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ ۚ كَيْ لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ ۚ وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ ۚ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝ لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا وَيَنْصُرُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ ۝

”اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو ان بستیوں والوں سے جو مفت کی غنیمت عطا فرمائی جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی مرضی کے مطابق رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں پر صرف کی جائے گی تاکہ وہ صرف مالدار لوگوں ہی میں نہ گھومتی رہے۔ اور اللہ کے رسول (ﷺ) جو کچھ تمہیں دیں وہ لے لو اور جس سے روک دیں اس سے رک جاؤ۔ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی سزا بہت سخت ہے۔ یہ غنیمت ان فقیر مہاجرین کو دی جائے گی جن کو ان کے گھروں اور مالوں سے بے دخل کر دیا گیا۔ وہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور رضامندی کے طلبگار ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کے مددگار ہیں۔ یہی لوگ سچے مسلمان ہیں۔“ (الحشر: 8/59)

رسول اللہ ﷺ اپنے چند صحابہ کے ساتھ بنو عامر کے دو مقتولوں کی دیت میں تعاون حاصل کرنے کے لیے بنو نضیر کے علاقے میں گئے۔ کیونکہ مسلمانوں اور بنو عامر کے درمیان معاہدہ قائم تھا۔ اور یہودیوں نے آپ سے عہد کر رکھا تھا کہ دیت وغیرہ کی ادائیگی میں وہ باقاعدہ حصہ ڈال کریں گے۔ جب آپ نے ان سے مدعا بیان کیا تو وہ ظاہراً کہنے لگے: ”ابو القاسم ﷺ! ہم آپ کے مطالبے کے مطابق ضرور حصہ ڈالیں گے۔ یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ آپ تشریف لائے ہیں لہذا ہم آپ کو کھانا کھلائے بغیر واپس نہیں جانے دیں گے۔ اتنی دیر میں دیت کا انتظام بھی ہو جائے گا۔“ رسول اکرم ﷺ ان کے گھروں میں سے ایک گھر کی دیوار کے ساتھ بیٹھے تھے۔ انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ ایسا موقع پھر کبھی نہیں ملے گا۔ کون یہ جرات کرے گا کہ چھت پر چڑھ کر بھاری پتھر آپ پر گرا دے؟ ہمیں ہمیشہ کے لیے نجات مل جائے گی۔ اسلام قوت کے استعمال کا بھی قائل ہے اور درگزر کا حامی بھی ہے۔ لیکن درگزر کا یہ مطلب نہیں کہ مسلمان مار کھاتے رہیں اور کفار کی سازشوں کا شکار بنتے رہیں بلکہ درگزر وہاں ہونی چاہیے جہاں درگزر سے مسلمانوں کی حفاظت یقینی ہو۔

رسول اللہ ﷺ کو وحی سے پتہ چل گیا۔ آپ وہاں سے اٹھ آئے اور ایک صحابی محمد بن مسلمہ انصاری کو ان کے پاس بھیجا تاکہ وہ انہیں بتائیں کہ انہوں نے یہ سازش تیار کی تھی۔ ان کو پتہ چلا تو انہیں سانپ سونگھ گیا۔ وہ کوئی عذر پیش کر سکے نہ

انکار کر سکے۔ آپ نے انہیں دس دن کی مہلت دی کہ ”اگر دس دن کے بعد ان میں سے کوئی نظر آیا تو اسے بلا دروغ قتل کر دیا جائے گا۔“ یہاں رحم کی گنجائش نہ تھی کیونکہ یہاں درگزر کے مقابلے میں دشمنی کا مظاہرہ کیا جا رہا تھا عہد توڑا جا رہا تھا اور سازشیں تیار کی جا رہی تھیں۔

منافقوں نے بنو نضیر کی حمایت شروع کر دی۔ (منافق اعظم) عبد اللہ بن ابی ابن سلول انہیں کہنے لگا: ”تم اپنے گھروں سے ہرگز نہ نکلنا بلکہ قلعہ بند ہو جاؤ۔“ رسول اللہ ﷺ نے ان کا محاصرہ کر لیا اور چند دن بعد ان کے درختوں کو آگ لگانے اور کاٹنے کا حکم ارشاد فرمایا۔ اس سے بنو نضیر کو معاملے کی شدت کا احساس ہو گیا حالانکہ صرف چھ درختوں کو آگ لگائی گئی تھی۔ نتیجتاً انہوں نے شکست قبول کر لی اور اسلحہ چھوڑ کر باقی سامان چھ سوانٹوں پر لا کر لے گئے اور جا کر خیبر میں رہنے لگے اللہ تعالیٰ نے ان آیات کریمہ میں بنو نضیر سے مفت حاصل ہونے والے مال کی بابت یوں تذکرہ فرمایا۔ **ارشاد باری تعالیٰ ہے:**

مَا آفَاءَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ الْقُرَىٰ فَلِلَّهِ وَاللِّرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ ۚ كَيْ لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ ۚ وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ ۚ وَمَا نَهَكُمُ عَنْهُ فَأَنْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝ لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا وَيَنْصَرُّوْنَ إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ ۝

”اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو ان بستیوں والوں سے جو مفت کی غنیمت عطا فرمائی جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی مرضی کے مطابق رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں پر صرف کی جائے گی تاکہ وہ صرف مالدار لوگوں ہی میں نہ گھومتی رہے۔ اور اللہ کے رسول جو کچھ تمہیں دیں وہ لے لو اور جس سے روک دیں اس سے رک جاؤ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی سزا بہت سخت ہے۔ یہ غنیمت ان فقیر مہاجرین کو دی جائے گی جن کو ان کے گھروں اور مالوں سے بے دخل کر دیا گیا۔ وہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور رضامندی کے طلبگار ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کے مددگار ہیں۔ یہی لوگ سچے مسلمان ہیں۔“ (الحشر: 7/59)

اور ان کی بابت مزید فرمایا:

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ نَافَقُوا يَقُولُونَ لِإِخْوَانِهِمُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَیْنِ أُوْخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نُطِيعُ فِیْكُمْ أَحَدًا أَبَدًا ۖ وَإِنْ قُوتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ ۖ وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ۝ لَیْنِ أُوْخْرِجُوا لَا يَخْرُجُونَ مَعَهُمْ ۖ وَلَیْنِ قُوتِلُوا لَا يَنْصُرُونَهُمْ ۖ وَلَیْنِ نَّصَرُوهُمْ لَیُوْلُنَّ الْأَدْبَارَ ثُمَّ لَا يَنْصُرُونَ ۝ لَا أَنْتُمْ أَشَدُّ رَهْبَةً فِی صُدُورِهِمْ مِنَ اللَّهِ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا یَفْقَهُونَ ۝ لَا یَقَاتِلُونَكُمْ جَمِیعًا إِلَّا فِی قُرَىٰ مُحَصَّنَةٍ أَوْ مِنْ وَرَاءِ جُدٍ ۖ بَأْسُهُمْ بَيْنَهُمْ شَدِیدٌ ۖ تَحْسَبُهُمْ جَمِیعًا وَقُلُوبُهُمْ شَتَّىٰ ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ

قَوْمٌ لَا يَعْقِلُونَ ﴿١٧﴾ كَمَثَلِ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَرِيبًا ذَاتُوا أَلْمَامًا وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿١٨﴾ كَمَثَلِ الشَّيْطَانِ إِذْ قَالَ لِلْإِنْسَانِ اكْفُرْ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ إِنِّي بَرِحْتُ مِنْكَ إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ رَبَّ الْعَالَمِينَ ﴿١٩﴾ فَكَانَ عَاقِبَتَهُمَا أَنَّهُمَا فِي النَّارِ خَالِدِينَ فِيهَا وَذَلِكَ جَزَاءُ الظَّالِمِينَ ﴿٢٠﴾

”کیا آپ نے دیکھا نہیں کہ منافقین اپنے کافر یہودی ساتھیوں کو جا جا کر کہتے ہیں: ”اگر تم نکالے گئے تو ہم بھی تمہارے ساتھ جائیں گے اور ہم تمہارے بارے میں کسی کی بات نہیں مانیں گے۔ اگر تم سے لڑائی کی گئی تو ہم تمہاری بھرپور مدد کریں گے حالانکہ اللہ تعالیٰ قسم کھاتا ہے کہ یہ جھوٹے ہیں۔ اگر یہودیوں کو نکالا گیا تو یہ منافق قطعاً ان کے ساتھ نہیں جائیں گے۔ اور اگر ان سے جنگ ہوئی تو یہ ہرگز ان کی مدد نہیں کریں گے۔ بالفرض اگر یہ ان کی مدد کریں بھی تب بھی پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے پھر ان کی کوئی مدد نہیں کی جائے گی۔ یقین رکھو! ان منافقوں کے دلوں میں تمہارا ڈر اللہ تعالیٰ سے بھی زیادہ ہے۔ ان کا یہ طرز عمل اس لیے ہے کہ وہ بے وقوف قوم ہے۔ یہ مل کر کبھی آپ سے لڑائی نہیں کر سکتے بلکہ یا تو بند قلعوں میں لڑیں گے یا کوئی چھاپہ مار کارروائی کر سکتے ہیں۔ یہ آپس میں ایک دوسرے کے سخت خلاف ہیں۔ آپ ظاہراً ان کو متفق دیکھتے ہیں لیکن ان کے دل ایک دوسرے سے نہیں ملتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ بے عقل لوگ ہیں۔ ان کی مثال ان لوگوں جیسی ہے جو ان سے تھوڑا عرصہ قبل جلاوطن ہوئے۔ انہوں نے اپنی شرارتوں کا مزا چکھا اور آخرت میں ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔ باقی رہے منافق تو وہ شیطان جیسے ہیں۔ وہ بھی انسان سے کہتا ہے: ”کفر کر۔“ لیکن جب وہ کافر بن جاتا ہے تو شیطان صاف کہہ دیتا ہے کہ میرا تجھ سے کوئی تعلق نہیں۔ مجھے تو اللہ رب العالمین سے ڈر لگتا ہے۔ پس دونوں کا انجام یہ ہوا کہ دونوں آگ میں جائیں گے۔ ہمیشہ وہیں رہیں گے۔ ظالموں کا بدلہ ایسا ہی ہوتا ہے۔“ (الحشر: 11/59... 17)



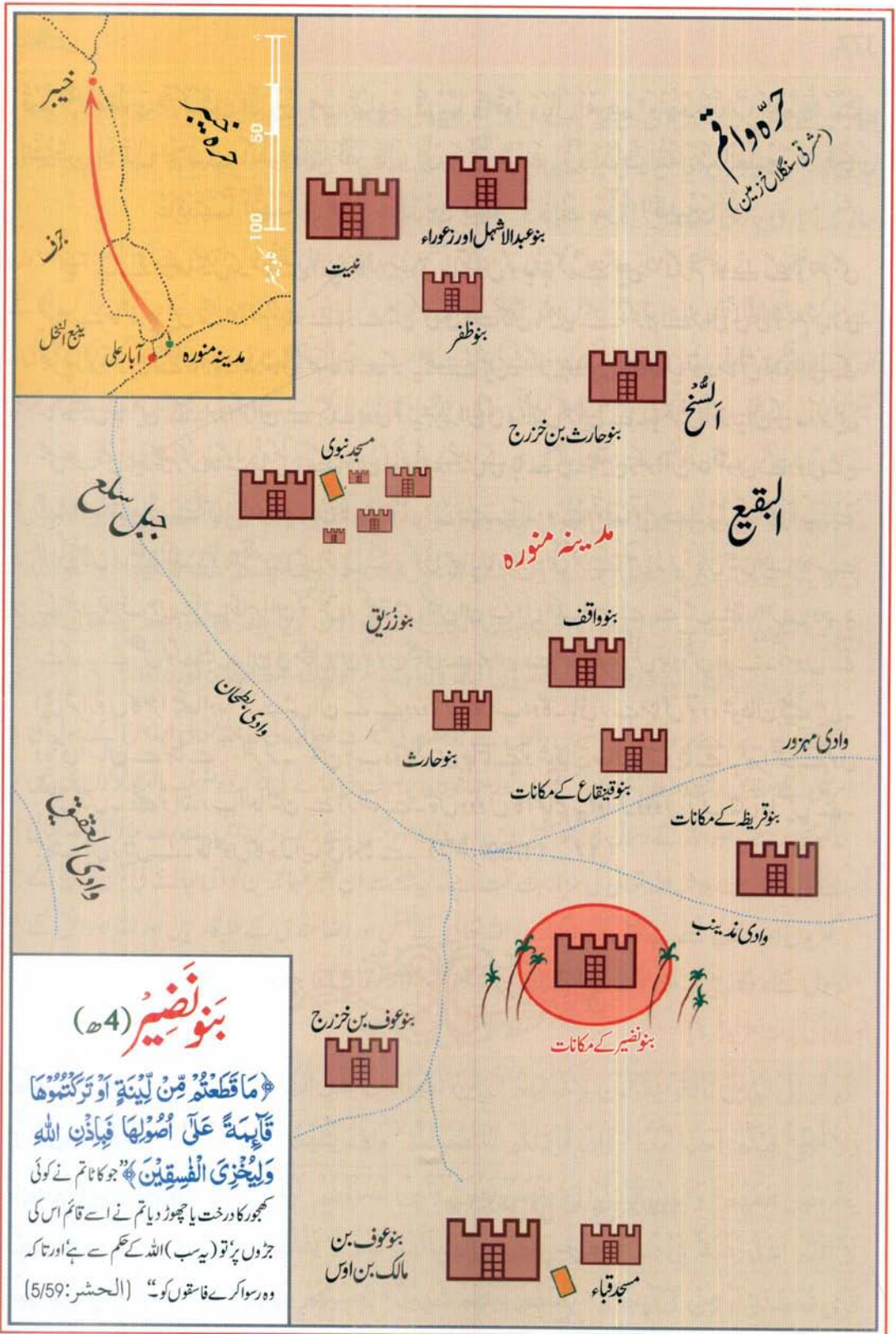
❁ الکامل فی التاریخ : 119/2

❁ عیون الأثر : 48/2

❁ ابن هشام : 108/3

❁ البداية والنهاية : 74/4

❁ الطبري : 550/2



غزوہ بنو نضیر

مدینہ میں آباد بنو نضیر ان یہودی قبیلوں میں سے ایک تھا جو اسرائیلی جنگوں کے بعد رومیوں کے دباؤ کی تاب نہ لا کر فلسطین سے یثرب اٹھ آئے تھے۔ الیعقوبی کا کہنا ہے کہ یہ لوگ عربی قبیلہ بنو جذام کی ایک شاخ تھے جو یہودی مذہب اختیار کر کے پہلے جبل نضیر پر آباد ہوئے۔ اس بنا پر بنو نضیر کے نام سے موسوم ہوئے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ ایک خالص یہودی قبیلہ تھا جس کا تعلق یہود خیبر سے تھا۔ بنو نضیر بھی مدینہ کے دوسرے یہودیوں کی طرح عربوں کے سے نام رکھتے تھے، مگر ان سے الگ تھلگ رہتے تھے اور ایک خاص زبان بولتے تھے۔ یہ لوگ کھیتی باڑی، ساہوکارہ، اسلحہ سازی اور جواہرات کے بیوپار کے ذریعے خاصے امیر تھے۔ ایک قول یہ ہے کہ بنو نضیر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔ ان کی اراضی وادی بطنان اور بؤیرہ میں اور رہائش شہر کے جنوب میں تھی۔ سورۃ الحشر انہی کے بارے میں نازل ہوئی۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 22/243، 244)

غزوہ بنو نضیر: غزوہ بنو نضیر ربیع الاول سن 4 ہجری میں پیش آیا۔ ہوا یوں کہ عمرو بن امیہ ضمری کے ہاتھوں دو کلابی قتل ہو گئے جن کی دیت معاہدے کے مطابق مسلمانوں اور یہودیوں پر پڑتی تھی۔ رسول اللہ ﷺ جب دیت کے بارے میں بات کرنے کے لیے بنو نضیر کے پاس پہنچے تو انہوں نے کہا: ”ابوالقاسم! آپ یہاں بیٹھیں ہم آپ کا کام کرتے ہیں۔“ اس دوران میں انہوں نے آپ ﷺ کو قتل کرنے کا مشورہ کیا جس کی اطلاع اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو دے دی اور آپ ﷺ چپکے سے اٹھ کر آ گئے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی آپ ﷺ کے پیچھے آ گئے۔ انہوں نے دریافت کیا: ”اللہ کے رسول! آپ اٹھ کر آ گئے اور ہمیں خبر نہ کی؟“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”یہود نے دھوکہ دینے کی کوشش کی اور اللہ نے مجھے بتا دیا۔“ آپ ﷺ نے محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو پیغام دے کر ان کی طرف بھیجا کہ وطن سے نکل جاؤ، یہاں رہنے کی اجازت نہیں اور اس کے لیے دس دن کی مہلت ہے۔ مگر وہ نہ گئے مدینے ہی میں رکے رہے۔ عبداللہ بن ابی نے انہیں تسلی دی کہ میں تمہارے ساتھ ہوں اور تمہارے حلیف بنو غطفان بھی تمہارا ساتھ دیں گے۔ یہود نے رسول اللہ ﷺ کی طرف پیغام بھیجا کہ ہم نہیں نکلیں گے، آپ جو کرنا چاہتے ہیں کر لیں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے صحابہ کو تیار کیا اور عصر کی نماز بنو نضیر کی آبادی میں جا کر ادا کی، جنڈا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس تھا اور مدینہ میں ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو نائب مقرر کیا۔ آپ ﷺ نے ان کے قلعوں کا محاصرہ کر لیا اور ان کی مدد کے لیے کوئی بھی نہ آیا۔ محاصرے کے دوران آپ ﷺ نے ان کی کھجوریں کاٹنے اور جلانے کا حکم دیا۔ یہ دیکھ کر وہ کہنے لگے کہ ہم یہاں سے جاتے ہیں لیکن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اب تمہاری بات قابل قبول نہیں، البتہ تم صرف اتنا سامان ساتھ لے سکتے ہو جو تمہارے اونٹ اٹھالیں، اس سے زیادہ کی اجازت نہیں اور نہ اسلحہ لے جاسکتے ہو۔ یہودیوں نے یہ شرط مان لی۔ آپ نے ان کا پندرہ روز تک محاصرہ کیا۔ جب وہ اپنا سامان اٹھا رہے تھے تو اپنے ہی ہاتھوں اپنے گھروں

کو خراب کر رہے تھے۔ آپ نے انہیں جلا وطن کر دیا۔ ان کے اس اخراج پر آپ نے محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو نگران بنایا۔ وہ اپنا سامان اور عورتیں اور بچے 600 اونٹوں پر لاد کر لے گئے۔ مدینہ سے نکل کر وہ خیبر آباد ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اموال اور اسلحے پر قبضہ کر لیا۔ اسلحے میں 50 زرہیں 50 خود اور 340 تلواریں ہاتھ آئیں۔ یہ سامان اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے خاص تھا، یعنی اس کا خمس نہیں نکالا اور نہ کسی کو اس میں سے حصہ دیا، البتہ بعض مہاجرین کو اس علاقے کے کنویں الاٹ کیے تھے۔ (طبقات ابن سعد: 2/57، 58)

بنو جذام: یہ نزار کی نسل سے تھے مگر اموی دور حکومت میں انہوں نے دعویٰ کیا کہ وہ کہلان بن سبا کی اولاد میں سے ہیں۔ بنو جذام قبل از اسلام شام اور فلسطین کی سرحدوں پر آباد تھے اور رومیوں کے زیر اثر سطحی قسم کے عیسائی بن گئے تھے۔ موتہ کے مقام پر بنو جذام حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے لشکر سے ٹکرائے۔ انہوں نے 15ھ/636ھ میں جنگ یرموک میں بھی رومیوں کا ساتھ دیا۔ اس کے بعد وہ مسلمان ہو گئے اور فتوحات شام میں حصہ لیا۔ روح بن زنباع جس نے مروان بن حکم کا نام بحیثیت خلیفہ تجویز کیا وہ بنو جذام کا رئیس اعظم تھا۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد: 7)

بنو غطفان: غطفان بن سعد بن قیس عیلان کی چراگا ہیں خیبر اور حجاز سے لے کر بنوطی کے پہاڑوں تک پھیلی ہوئی تھیں۔ قبیلہ غطفان کی دو بڑی شاخیں تھیں: اشجع بن ریث بن غطفان یثرب کے قرب و جوار میں آباد تھے اور بغیض بن ریث، شربہ اور ربذہ کے گرد و نواح میں رہتے تھے۔ بنو بغیض، عبس اور ذبیان میں تقسیم ہو گئے تھے۔ داحس وغیرہ کی جنگ کے فریق یہی عبس اور ذبیان تھے۔ بنو غطفان غزوہ خندق میں کفار مکہ کے ساتھ شریک رہے۔ انہوں نے 8ھ میں فتح مکہ سے کچھ پہلے اسلام قبول کر لیا۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد: 2/14)



یہود خیر

فرمان الہی ہے:

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أَوْتُوا نَصِيبًا مِّنَ الْكِتَابِ يُؤْمِنُونَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوتِ وَيَقُولُونَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا هَؤُلَاءِ أَهْدَىٰ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا سَبِيلًا ۖ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ ۖ وَمَن يَلْعَنِ اللَّهُ فَلَن تَجِدَ لَهُ نَصِيرًا ۝٥٦

”کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو کتاب کا ایک حصہ دیا گیا؟ اس کے باوجود وہ بتوں اور شیطان پر ایمان رکھتے ہیں حتیٰ کہ وہ کافروں کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ مسلمانوں سے زیادہ ہدایت یافتہ ہیں۔ ان لوگوں پر اللہ تعالیٰ نے لعنت ڈال دی ہے اور جس پر اللہ تعالیٰ نے لعنت ڈال دی ہو اس کے لیے تم کوئی مددگار نہیں پاؤ گے۔“
(النساء: 51/4، 52)

جب بنو نضیر کو گذشتہ اسباب کی بنا پر جلاوطن کر دیا گیا تو ان کے بڑے بڑے سردار مثلاً: حُجَيِّ بن اخطب، سَلَام بن مِشْکَم، کِنَانہ بن اَبی الحَقِیق اور هُوْذہ بن قیس واکلی قریش کے پاس مکہ مکرمہ پہنچے اور انہیں رسول اللہ ﷺ کے خلاف خوب بھڑکایا اور پیشکش کی کہ ہم تمہارا ہر قسم کا ساتھ دیں گے آؤ مل کر مسلمانوں کو ختم کر ڈالیں۔

ابوسفیان نے انہیں خوش آمدید کہا اور انکی خوب آؤ بھگت کی اور کہا: ”جو محمد (ﷺ) کے خلاف ہماری مدد کرے اس سے بڑھ کر ہمیں کون عزیز ہو سکتا ہے؟ لیکن ہمیں تم پر اطمینان نہیں ہے لہذا ہمارے بتوں کو سجدہ کرو تب ہم مانیں گے۔ یہودیوں نے بلا تامل سجدہ کر دیا۔ پھر قریش نے ان یہودیوں سے کہا: ”تم اہل کتاب اور اہل علم ہو۔ ہمارے اور محمد (ﷺ) کے اختلاف کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ کیا ہمارا دین بہتر ہے یا محمد (ﷺ) کا؟ کیا ہم راہ راست پر ہیں یا محمد (ﷺ)؟“ یہودی کہنے لگے: ”تمہارا دین اس کے دین سے بہتر ہے اور تم اس کی بجائے حق کے نزدیک ہو اور تم زیادہ ہدایت یافتہ ہو کیونکہ تم بیت اللہ کی تعظیم کرتے ہو، حایوں کے کھانے پینے کا اہتمام کرتے ہو، اللہ کے نام پر جانور ذبح کرتے ہو اور اپنے آباء و اجداد کے دین پر ہو لہذا تم اس سے زیادہ حق پر ہو۔“ تب اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق یہ آیات نازل فرمائیں:

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أَوْتُوا نَصِيبًا مِّنَ الْكِتَابِ يُؤْمِنُونَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوتِ وَيَقُولُونَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا هَؤُلَاءِ أَهْدَىٰ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا سَبِيلًا ۖ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ ۖ وَمَن يَلْعَنِ اللَّهُ فَلَن تَجِدَ لَهُ نَصِيرًا ۝٥٦

”کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو کتاب کا ایک حصہ دیا گیا؟ اس کے باوجود وہ بتوں اور شیطان پر ایمان رکھتے ہیں حتیٰ کہ وہ کافروں کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ مسلمانوں سے زیادہ ہدایت یافتہ ہیں۔ ان لوگوں پر اللہ تعالیٰ نے لعنت ڈال دی ہے اور جس پر اللہ تعالیٰ نے لعنت ڈال دی ہو اس کے لیے تم کوئی مددگار نہیں پاؤ گے۔“

(النساء: 51/4، 52)

پھر یہ یہودی غطفان قبیلے کے پاس گئے اور انہیں رسول اللہ ﷺ کے خلاف جنگ پر اکسایا۔ بلکہ ان کو پیشکش کی کہ اگر تم جنگ میں شریک ہو جاؤ تو ہم تمہیں ہر سال خیر کا نصف پھل (بہترین کھجور) دیا کریں گے۔ اس طرح ان کی کوششوں سے قریش، غطفان، بنو مرہ، اشجع، سلیم اور بنو اسد وغیرہ نے مل کر لڑائی کی تیاری شروع کر دی۔ اس کے نتیجے میں شوال 5 ہجری میں جنگ احزاب (خندق) لڑی گئی۔



✽ الطبري : 564/2

✽ عيون الأثر : 55/2

✽ ابن خلدون : 29/2

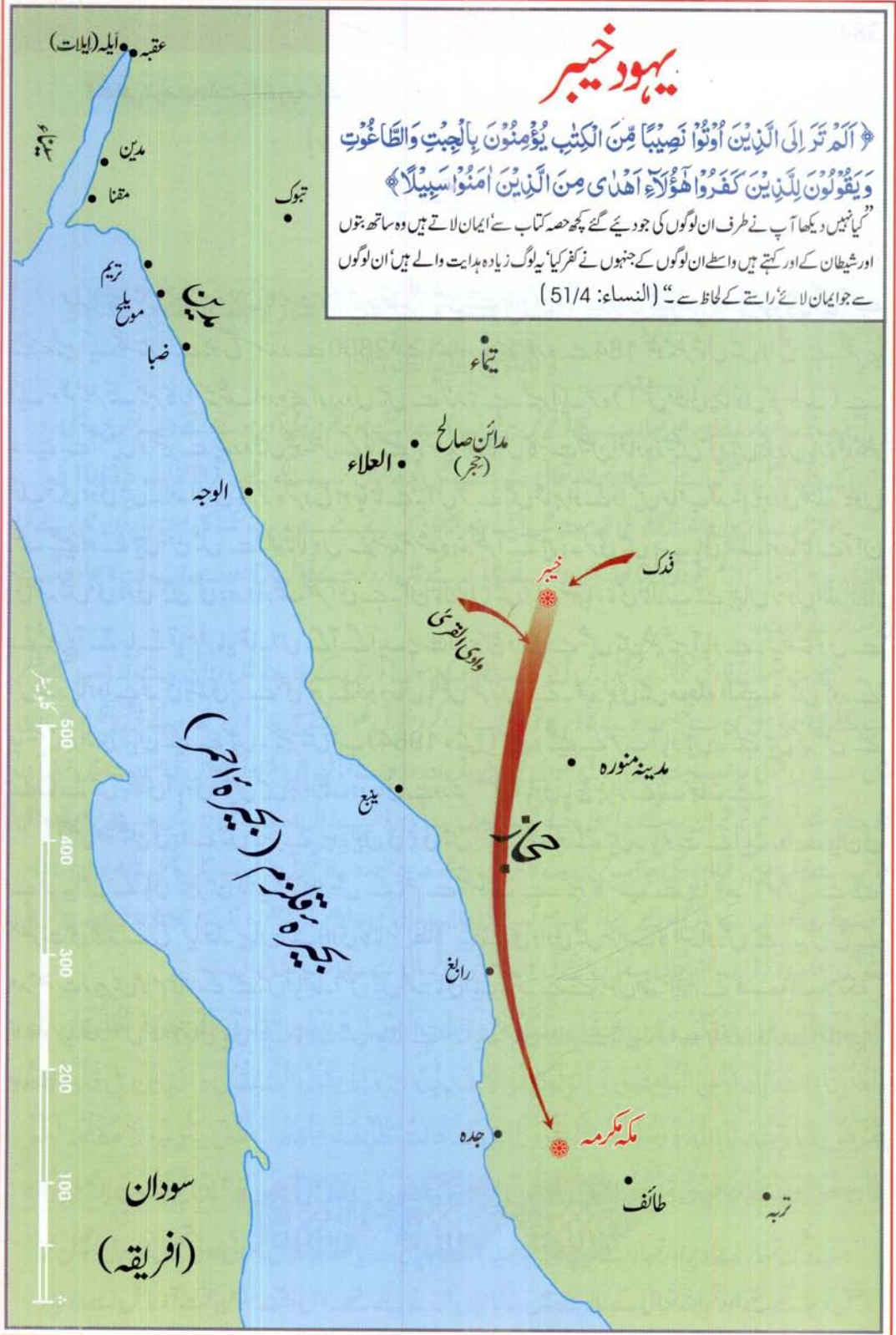
✽ ابن هشام : 137/3

✽ البداية والنهاية : 92/4

یہود خیبر

﴿أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِّنَ الْكِتَابِ يُؤْمِنُونَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوتِ وَيَقُولُونَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا هَؤُلَاءِ أَهْدَىٰ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا سَبِيلًا﴾

”کیا نہیں دیکھا آپ نے طرف ان لوگوں کی جو دیئے گئے کچھ حصہ کتاب سے ایمان لاتے ہیں وہ ساتھ بتوں اور شیطان کے اور کہتے ہیں واسطے ان لوگوں کے جنہوں نے کفر کیا یہ لوگ زیادہ ہدایت والے ہیں ان لوگوں سے جو ایمان لائے راستے کے لحاظ سے۔“ (النساء: 51/4)



خیبر

عہد نبوت میں خیبر یہودیوں کا بہت بڑا گڑھ تھا۔ فلسطین سے جلاوطن ہو کر یہودی قبیلے خیبر اور یثرب میں بھی آجے تھے۔ خیبر ایک نخلستان ہے جو سطح سمندر سے 2800 فٹ بلند اور مدینہ منورہ سے 184 کلومیٹر شمال میں واقع ہے۔ تقریباً ایک سو کلومیٹر تک خیبر کا راستہ تنگ اور پیچدار دروں میں سے گزرتا ہے۔ خیبر ایک حرہ (آتش فشانی چٹانوں کا سلسلہ) ہے۔ مدینے سے آئیں تو شہر سے پندرہ بیس کلومیٹر کے فاصلے پر سفید اور قابل کاشت لیکن افتادہ زمینیں ملتی ہیں جو دس بارہ کلومیٹر تک پھیلی ہوئی ہیں۔ بعد ازاں پھر حرہ شروع ہو جاتا ہے۔ اس حرے میں شاہراہ کے دائیں جانب قدیم یہودی کھنڈر میلوں تک پھیلے ہوئے ہیں جن میں سے کچھ تالابوں کے منہدم شدہ بند نظر آتے ہیں۔ گرمی میں جب پانی خشک ہو جاتا ہے تو ان کی تہہ میں جمی ہوئی مہین مٹی دور دور تک نظر آتی ہے۔ ان تالابوں میں ایک صہباء نامی تالاب ہے جہاں رسول اللہ ﷺ نے خیبر کو آتے جاتے قیام فرمایا تھا۔ اس کے آگے ایک پست اور وسیع وادی ہے جس میں شہر خیبر آباد ہے۔ یہ نخلستانوں سے اس قدر بڑا ہوا ہے کہ کسی بلندی پر سے بھی شہر کے خط و خال بالکل نظر نہیں آتے۔ عہد نبوی میں محلہ الکتابیہ میں کھجور کے چالیس ہزار پیڑ بیان کیے گئے ہیں۔ خیبر میں اب (1964ء میں) عنبرہ قبیلے کے عرب آباد ہیں۔ کہتے ہیں کہ فصل کٹنے کے زمانے میں ہنگامی آبادی پچیس تیس ہزار تک ہو جاتی ہے ورنہ مستقل آبادی پانچ ہزار کے لگ بھگ ہے۔

بعض مؤلفین کی رائے میں خیبر کے یہودیوں کی بولی میں ”خیبر“ قلعہ کو کہتے ہیں۔ یا قوت نے ایک روایت بیان کی ہے کہ یہ اس کے بانی خیبر بن قانیہ بن مہلائیل کے نام سے منسوب ہے۔ خیبر کا سب سے بڑا قلعہ ”القموص“ ہے جسے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فتح کیا تھا۔ یہاں ایک وادی کا نام ”نطاة“ ہے۔ اسی وادی میں مرحب کا قلعہ اور محل تھے۔ یہ محل فتح کے بعد حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے حصے میں آیا تھا۔ الشق میں الحمتہ نامی ایک چشمہ ہے جسے رسول اللہ ﷺ نے ”قسمۃ الملائکۃ“ کا نام دیا تھا۔ اس کا دو تہائی پانی ایک نالے میں جاتا ہے اور ایک تہائی دوسرے میں۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد 9)



جنگ خندق (غزوہ احزاب)

(شوال 5 ہجری)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِذْ جَاءُوكُم مِّن فَوْقِكُمْ وَمِنْ أَسْفَلَ مِنكُمْ وَإِذْ زَاغَتِ الْأَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوبُ الْحَنَاجِرَ
وَتَظُنُّونَ بِاللَّهِ الظُّنُونًا ۝۱۰

”جب لوگ تمہارے اوپر اور تمہارے نیچے (غرض ہر طرف) سے اکٹھے ہو کر تم پر حملہ آور ہو گئے تھے؛ جب نظریں پھٹی رہ گئیں، دل اچھل کر حلق سے آگے اور تم اللہ تعالیٰ کے بارے میں بدگمانیاں کرنے لگے تھے۔“ (الاحزاب: 10/33)

بنو خزاعہ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک وفد بھیجا جس نے مکے سے مدینے تک کا راستہ چار دن میں طے کیا حالانکہ یہ سفر عموماً کم از کم چھ دن لیتا تھا۔ اس وفد نے بتایا کہ مکے میں ارد گرد کے قبائل جمع ہو رہے ہیں۔ ان کا ارادہ مدینے پر حملہ کرنے کا ہے۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے گزارش کی: ”اے اللہ کے رسول! فارس کے علاقے میں رواج یہ ہے کہ جب عظیم لشکر کے حملے کا خطرہ ہو جس سے محصور ہونے کا ڈر ہو تو ہم اپنے ارد گرد خندق کھود لیتے ہیں۔“ اس مشورہ کے پیش نظر نو دس دن میں مدینے کی شمالی جانب بہت بڑی خندق کھودی گئی۔ قریش اور دوسرے قبائل دس ہزار جنگجوؤں کی صورت میں حملہ آور ہوئے تو خندق دیکھ کر حیران رہ گئے۔ انہوں نے مجبوراً خندق سے باہر ڈیرے ڈال دیے۔ اس دور میں مدینے پر صرف اسی جانب سے حملہ ہو سکتا تھا اور یہی جانب لڑائی کے قابل تھی کیونکہ مدینہ منورہ کے مشرق و مغرب میں پتھر پیلے میدان تھے اور جنوب میں کھجوروں کے باغ اور عیر پہاڑ تھا۔ صرف شمالی جانب خالی تھی۔ ادھر مدینہ منورہ میں موجود یہودی قبیلہ بنو قریظہ نے بھی معاہدہ توڑ ڈالا۔ اللہ تعالیٰ نے اس منظر کی یوں تصویر کشی فرمائی ہے۔

إِذْ جَاءُوكُم مِّن فَوْقِكُمْ وَمِنْ أَسْفَلَ مِنكُمْ وَإِذْ زَاغَتِ الْأَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّونَ بِاللَّهِ
الظُّنُونًا ۝۱۰ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُونَ وَزُلْزِلُوا زَلَالًا شَدِيدًا ۝۱۱ وَإِذْ يَقُولُ الْمُنَافِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ
مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ إِلَّا غُرُورًا ۝۱۲ وَإِذْ قَالَتْ طَائِفَةٌ مِّنْهُمْ يَا أَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ
فَارْجِعُوا ۚ وَيَسْتَأْذِنُ فَرِيقٌ مِّنْهُمْ النَّبِيَّ يَقُولُونَ إِنَّ بُيُوتَنَا عَوْرَةٌ ۚ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ ۚ إِنَّ يُرِيدُونَ إِلَّا فِرَارًا ۝۱۳

”جب دشمن تمہارے اوپر اور تمہارے نیچے (ہر جانب) سے تم پر چڑھ آیا تھا، آنکھیں پتھرائی ہوئی تھیں اور دل اچھل کر حلق کو جا لگے تھے اور تم اللہ تعالیٰ کے بارے میں بدگمانیاں کرنے لگے تھے۔ اس وقت مومن سخت آزمائش سے دوچار

تھے اور ان کے دل دہلے ہوئے تھے۔ اس وقت منافق اور بیمار دل والے لوگ کہہ رہے تھے: ”اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے جھوٹے وعدے کیے تھے۔“ منافقوں میں سے ایک گروہ نے کہا: ”اے یثرب والو! تمہارے ٹھہرنے کی کوئی گنجائش نہیں، واپس چلے جاؤ۔“ اور کچھ منافق آپ سے واپسی کی اجازت طلب کرنے لگے تھے کہ ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کے گھر غیر محفوظ نہیں تھے بلکہ وہ بھاگنا چاہتے تھے۔“ (الاحزاب: 10/33... 13)

اس جنگ میں حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو ایک (خطرناک) تیر لگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا خیمہ مسجد نبوی کے قریب ہی لگوا دیا جہاں رفیدہ اسمیہ کا خیمہ تھا۔ (رفیدہ اسمیہ زخمیوں کا علاج کیا کرتی تھیں)

ایک ماہ محاصرے کے بعد نعیم بن مسعود اشجعی آپ کے پاس آئے وہ مسلمان ہو چکے تھے لیکن ان کے اسلام کا کسی کو پتہ نہ تھا۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گزارش کی کہ ”میں اس نازک موقع پر کیا خدمت سرانجام دے سکتا ہوں؟“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ﴿الْحَرْبُ خَدْعَةٌ﴾ ”جنگ میں دشمن کو دھوکہ دیا جاسکتا ہے۔“ حضرت نعیم رضی اللہ عنہ نے اپنی دانائی اور حکمت کے ساتھ دشمن کے مختلف گروہوں میں پھوٹ ڈال دی۔ ادھر اللہ تعالیٰ نے زبردست آندھی بھیج دی جس نے ان کے خیمے اکھیڑ دیے، دیکیں الٹ دیں اور ان کی آگ بجھادی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ مایوس ہو کر بے نیل مر ام اپنے گھروں کو کھسک گئے اور میدان خالی ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ نے اس احسان کا تذکرہ یوں فرمایا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَاءَتْكُمْ جُنُودٌ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا وَجُنُودًا لَّمْ تَرَوْهَا وَكَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرًا ۝ إِذْ جَاءَكُمْ مِنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ أَسْفَلَ مِنْكُمْ وَإِذْ زَاغَتِ الْأَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّونَ بِاللَّهِ الظُّنُونًا ۝ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُونَ وَزُلْزِلُوا زِلَالًا شَدِيدًا ۝ وَإِذْ يَقُولُ الْمُنَافِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ إِلَّا غُرُورًا ۝ وَإِذْ قَالَتِ طَائِفَةٌ مِّنْهُمْ يَا أَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوا وَيَسْتَأْذِنُ فَرِيقٌ مِّنْهُمُ النَّبِيَّ يَقُولُونَ إِنَّ بُيُوتَنَا عَوْرَةٌ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ إِنَّ يُرِيدُونَ إِلَّا فِرَارًا ۝

”اے ایمان والو! اللہ کے اس احسان کو یاد کرو جب تم پر ہر طرف سے لشکر چڑھ آئے تھے تو ہم نے ان پر آندھی اور ان دیکھے لشکر بھیجے۔ اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو بخوبی دیکھ رہا تھا جب دشمن تمہارے اوپر اور تمہارے نیچے (ہر جانب) سے تم پر چڑھ آیا تھا آنکھیں پھرائی ہوئی تھیں اور دل اچھل کر حلق کو جا لگے تھے اور تم اللہ تعالیٰ کے بارے میں بدگمانیاں کرنے لگے تھے۔ اس وقت مومن سخت آزمائش سے دوچار تھے اور ان کے دل دہلے ہوئے تھے۔ اس وقت منافق اور بیمار دل والے لوگ کہہ رہے تھے: ”اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے جھوٹے وعدے کیے تھے۔ منافقوں میں سے ایک گروہ نے کہا: ”اے یثرب والو! تمہارے ٹھہرنے کی کوئی گنجائش نہیں، واپس چلے جاؤ۔“ اور

کچھ منافق آپ سے واپسی کی اجازت طلب کرنے لگے تھے کہ ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کے گھر غیر محفوظ نہیں تھے بلکہ وہ بھاگنا چاہتے تھے۔“ (سورۃ الاحزاب: 9/33...13)



❁ الطبري : 571/2

❁ الكامل في التاريخ : 125/2

❁ عيون الأثر : 59/2

❁ ابن خلدون : 8/2

❁ ابن هشام : 131/3

❁ البداية والنهاية : 104/4

نہج اللہ
(برسر حق و انوار کی کائنات)

کرہ و مہ
(مغربی سنگلاخ ٹیلے)
ترشی چٹانیں

احزاب کا حملہ

میش

عظفان

سليم

کنانہ

فزارہ

آئج

بنو مضرہ

بنو اسد

احزاب کا حملہ

خندق

بنو حارثہ

مزد

بنو حارثہ

بنو ظفر

بنو عبد اللہ اشمل

اور زکواء

بنو الدواع

بنو جحش

مسلمانوں کی قیادت

بنو حارثہ

بنو حارثہ

بنو حارثہ

بنو حارثہ

بنو حارثہ بن خزرج

آئج

آئج

غزوہ خندق

(غزوہ و احزاب) (شوال 5ھ)

﴿وَإِذْ زَاغَتِ الْبَصَارُ وَالْأَلْبَابُ وَأَقْبَتِ الْخُفُوفُ أَنَّ الْغَابِرَ﴾

”اور جب پھر گھٹیں آ کر کھیں اور پتلی گئے تھے رگڑ گھٹیں تک“

(الاحزاب: 10/33)

خندق کی وسعت

لسبائی: 5544 میٹر

اوسط چوڑائی: 4,62 میٹر

اوسط گہرائی: 3,234 میٹر

ملاحظہ کیجئے خندق کی مٹی نے مدینہ کی جانب ایک بلند دیوار کی بنیاد کی تھی

کرہ و مہ
(مغربی سنگلاخ ٹیلے)
ترشی چٹانیں

غزوہ خندق

قریش مکہ اور مسلمانوں کے مابین تیسرا بڑا معرکہ غزوہ خندق تھا۔ چونکہ قریش، یہود خیبر اور بہت سے گروہ اس میں جھگڑہ بندی کر کے مدینہ منورہ پر چڑھ آئے تھے اس لیے ان کے قرآنی نام ”احزاب“ سے بھی یہ معرکہ منسوب ہے۔ عہد نبوی میں مدینہ کی شمالی سمت کھلی تھی، باقی تین اطراف میں مکانات اور نخلستان تھے جن میں سے دشمن گزرنہ سکتا تھا، چنانچہ کھلی سمت میں خندق کھود کر شہر کے دفاع کا فیصلہ ہوا۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر حمید اللہ لکھتے ہیں: ”تاریخ اسلام میں ایک مشہور واقعہ جو غزوہ خندق کے نام سے مشہور ہے، ذوالقعدہ 5ھ کا محاصرہ مدینہ ہے جس میں مدافعت کے لیے مسلمانوں نے خندق کھودی تھی۔ چوڑائی اور گہرائی کا مورخ ذکر نہیں کرتے، مگر گھوڑا پھلانگ نہ سکنے کی تصریح کی بنا پر شاید یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ دس گز چوڑی اور شاید پانچ گز گہری تھی۔ مسلمان رضا کاروں کی تعداد تین ہزار بیان کی گئی ہے اور ہر دس آدمیوں کی جماعت کو چالیس چالیس ذراع (ہاتھ) لمبی خندق کھودنے کا کام سپرد ہوا۔ ان تین سو ٹولیوں میں سے ہر ایک نے بیس گز یعنی کل 6 ہزار گز یا کوئی ساڑھے تین میل لمبی خندق کھودی۔ مسلمان خندق کی کھدائی سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ قریش، غطفان، بنو مرہ اشجع، سلیم اور بنو اسد پر مشتمل احزاب آپہنچے اور شہر کا محاصرہ کر لیا۔

خندق کی حفاظتی تدابیر: ابن سعد وغیرہ کے مطابق دیار بنی حارثہ کے قلعہ رائج (اور بعض روایتوں میں آطام شیخین) سے جبل ذباب تک کا حصہ مہاجرین کے سپرد ہوا اور وہاں سے جبل بنی عبید اور مذاد سے ہوتے ہوئے مسجد فتح تک انصار متعین کیے گئے۔ (آطام شیخین کی جانشین مسجد شیخین مجھے 1947ء میں جبل سلع اور جبل احد کے درمیان حرہ شرقی کے مغربی کنارے پر نظر آئی اور شاید دو گڑھیوں کی یادگار اس چھوٹی سی مسجد کی چھت پر برجیاں بنائی گئی ہیں غالباً رائج اس کے پاس ہی ہوگا) جبل ذباب پر رسول اللہ ﷺ کھدائی کے وقت خیمہ زن تھے۔ اس کی یادگار میں وہاں ”ذو باب“ یعنی دروازے والی مسجد تعمیر ہوئی جو اب تک ذباب کے نام سے مشہور ہے اور جبل سلع پر واقع ہے۔ جبل بنی عبید کا پتہ نہیں چل سکا۔ گمان ہوتا ہے کہ یہ حرہ غربی میں مسجد قبلتین کے قریب دو پہاڑیوں میں سے مغربی پہاڑی ہوگی۔ جبل مذاد میری دانست میں جبل سلع کے مغرب کی ہلالی شکل کی پہاڑی یا اس سے ملے ہوئے ٹیکرے کا نام ہے۔

مسجد فتح وہ مقام ہے جہاں محاصرہ شروع ہونے پر آنحضرت ﷺ کا خیمہ منتقل ہوا۔ یہاں آپ ﷺ نے اللہ کی بارگاہ میں فتح کی دعا کی تھی۔ یہ ایک مشہور قدیمی زیارت گاہ ہے اور اب تک جبل سلع کی ایک مغربی چوٹی کے محفوظ مقام پر موجود ہے۔ ذباب، بنی عبید، مذاد اور مسجد فتح ایک مربع سا بن جاتا ہے۔ غالباً یہ آباد علاقہ تھا، یہاں اب بھی کچھ باغات موجود ہیں۔ عام فوج اس محفوظ علاقے میں خیمہ زن ہوئی ہوگی۔ ذباب و شیخین کے نیچے کا رقبہ بھی آباد ہوگا کیونکہ 1945ء و ما بعد میں یہاں ایک بڑے شفا خانے کی تعمیر کے لیے جگہ صاف کرائی گئی تو بیسیوں پرانے کنوئیں برآمد ہوئے تھے۔

الواقدی نے لکھا ہے کہ جب خندق کھودی گئی تو شہر کے جنوبی اور مغربی علاقوں کے بسنے والوں نے خندق کو اپنے طور پر عہد نبوی کی عید گاہ (مصلیٰ) جہاں اب مسجد غمامہ ہے) کے قریب سے گزرا اور خاصی دور تک قباء کے رخ بڑھا دیا۔ المطری نے التعریف (تاریخ مدینہ) میں لکھا ہے کہ اب وادی بطحان سابقہ گزرگاہ کو بدل کر اس جگہ سے گزرتی ہے جہاں خندق کا یہ حصہ کھودا گیا تھا۔ اس سے وادی بطحان کی سابقہ گزرگاہ کے ایک حصے کا اگرچہ پتا نہیں چلتا، لیکن مذکورہ ذیلی خندق کے تعین میں موجودہ گزرگاہ سے معقول رہنمائی ہو سکتی ہے۔ الواقدی نے لکھا ہے کہ قباء میں بعض قبائل نے اپنے قلعوں (آطام) کے گرد بھی خندقیں کھودی تھیں۔

محاصرین کا زور نہ چل سکا تو یہود خیبر نے مدینے کے بنوقریظہ کو ننگ و ناموس کا واسطہ دے کر غدراری پر آمادہ کر لیا اور وہ حملے کی تیاری کرنے لگے۔ اس کے سدا باب کے لیے ایک نو مسلم (نعیم بن مسعود الاشجعی العطفانی) نے جس کے اسلام لانے کے خبر ابھی تک پھیلی نہ تھی ایک چال چلی۔ انہوں نے پہلے بنوقریظہ کو سمجھایا کہ جنگی اقدام سے پہلے قریش سے یرغمال حاصل کر لو کہ وہ ادھوری جنگ چھوڑ کر نہ چلے جائیں، ورنہ تم تنہا محمد ﷺ کا مقابلہ نہ کر سکو گے۔ پھر قریش کے پڑاؤ میں جا کر مشہور کیا کہ بنوقریظہ نے آنحضرت ﷺ سے ساز باز کر لی ہے اور دوستی کا ثبوت دینے کے لیے وعدہ کیا ہے کہ قریش کے چند سرداروں کو پکڑ کر آنحضرت ﷺ کے سپرد کر دیں گے۔ پھر یہی خبر اسلامی لشکر میں پھیلائی اور کسی کے دریافت کرنے پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا: (لَعَلْنَا أَمَرْنَا هُمْ بِذَلِكَ) ”ہو سکتا ہے ہم نے انہیں اس بات کا حکم دیا ہو۔“ اس کی اطلاع بھی قریش کے پڑاؤ تک پہنچی تو دشمنوں میں باہمی غلط فہمیاں پختہ ہو گئیں اور بنوقریظہ و قریش کے تعاون کے امکانات ختم ہو گئے۔

اس اثنا میں دشمن کا سامان رسد ختم ہونے لگا اور اللہ تعالیٰ نے قریش اور غطفان پر سخت آندھی بھیجی جس سے ان کی ہانڈیاں الٹ گئیں اور ان کے خیمے اکھڑ گئے، سردی بڑھ گئی، شدید طوفانی ہوائیں چلنے لگیں، قریش اور ان کے ساتھی قبائل مایوسی کے عالم میں محاصرہ اٹھا کر واپس چل دیے اور مطلع صاف ہو گیا۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ، جلد: 9، ص: 6 تا 10)



بنو قریظہ (ذوالقعدہ 5 ہجری)

ابولبابہ: رفاعہ بن عبدالمندر

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَآخَرُونَ اعْتَرَفُوا بِذُنُوبِهِمْ خَلَطُوا عَمَلًا صَالِحًا وَآخَرَ سَيِّئًا عَسَى اللَّهُ أَنْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ
إِنَّ اللَّهَ عَفُورٌ رَحِيمٌ ⑩

”کچھ لوگوں نے اپنے گناہوں کا اعتراف کر لیا۔ انہوں نے ملے جلے کام کیے تھے نیک بھی اور برے بھی۔ امید ہے اللہ ان کی توبہ قبول فرمائے گا۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ بہت معاف کرنے والا نہایت رحم کرنے والا ہے۔“ (التوبہ: 102/9)

غزوہ بنی قریظہ علانیہ بغاوت کا منصفانہ بدلہ تھا۔ انہوں نے طے شدہ معاہدے کو توڑ دیا تھا جس کے رو سے وہ کسی بھی دشمن کے حملہ کے وقت مسلمانوں کی مدد کے پابند تھے اور اس نازک موقع پر جبکہ دس ہزار کا لشکر مدینہ منورہ کے شمال میں اتر چکا تھا وہ دشمن سے مل گئے کیونکہ انہوں نے سمجھ لیا تھا کہ اب کوئی مسلمان زندہ نہ بچ سکے گا۔ ان کا تیاپا نچا ہو کر رہے گا اور ان کا خاتمہ دنوں کی بات ہے۔

بیرونی دشمن کے بھاگ جانے کے بعد مسلمانوں نے بنو قریظہ کا رخ کیا اور ان کا محاصرہ کر لیا۔ اب بنو قریظہ پھنس چکے تھے۔ وہ مسلمانوں سے محاصرے کا سبب نہیں پوچھ سکتے تھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ ہم ”جرم عظیم“ کا ارتکاب کر چکے ہیں۔ البتہ انہوں نے حضرت ابولبابہ انصاری کو بلایا۔ وہ رسول اللہ ﷺ کی اجازت سے ان کے قلعہ میں گئے تو یہودی گریہ و زاری کرنے لگے۔ آخر انہوں نے پوچھا: ”اے ابولبابہ! کیا ہم محمد (ﷺ) کے فیصلے کو مانتے ہوئے لڑائی سے دست کش ہو جائیں؟“ انہوں نے کہا: ”ہاں“ اور ساتھ ہی اپنے حلق کی طرف اشارہ کیا۔ مقصد یہ تھا کہ تمہارے قتل کا فیصلہ ہو چکا ہے۔

ابولبابہ کہتے ہیں: ”اللہ کی قسم! مجھے فوراً احساس ہو گیا کہ میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ خیانت کا مرتکب ہوا ہوں۔“ ابولبابہ فوراً مسجد نبوی میں پہنچے اور اپنے آپ کو مسجد کے ایک ستون (کھجور کے تنے) سے باندھ لیا اور اعلان کر دیا کہ جب تک اللہ تعالیٰ میرے اس گناہ سے میری توبہ قبول نہیں فرمالتا اس وقت تک میں یہیں بندھا رہوں گا۔“

حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ چھ دن اور ایک روایت کے مطابق بیس دن اسی طرح بندھے رہے۔ ان کی بیوی ہر نماز کے وقت آتی اور انہیں نماز کے لیے کھول دیتی وہ وضو اور نماز سے فارغ ہو کر پھر اپنے آپ کو وہیں باندھ لیتے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَآخَرُونَ اعْتَرَفُوا بِذُنُوبِهِمْ خَلَطُوا عَمَلًا صَالِحًا وَآخَرَ سَيِّئًا عَسَى اللَّهُ أَنْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ إِنَّ اللَّهَ عَفُورٌ
رَحِيمٌ ⑪ خُلِدَ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةٌ تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا وَصَلَّ عَلَيْهِمْ إِنَّ صَلَاتَكَ سَكَنٌ لَهُمْ وَاللَّهُ

سَبِّحْ عَلَيْهِمُ ۞ اَلَمْ يَعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَ يَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ
وَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۞

”کچھ لوگوں نے اپنے گناہوں کا اعتراف کر لیا۔ انہوں نے ملے جلے کام کیے تھے۔ کوئی نیک کوئی برے۔ امید ہے اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول فرمائے گا۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ بہت معاف کرنے والا نہایت رحم کرنے والا ہے۔ ان کے مالوں میں سے صدقہ وصول کریں جس کے ساتھ آپ ان کو صاف کریں۔ پھر ان کے لیے دعا کیا کیجیے۔ بلاشبہ آپ کی دعا ان کے لیے دلی سکون کا سبب ہے۔ اللہ تعالیٰ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے۔ کیا وہ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ ہی اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے اور ان کے صدقات وصول فرماتا ہے اور وہی بہت زیادہ توبہ قبول کرنے والا نہایت رحم کرنے والا ہے۔“ (التوبہ: 102/9...104)

بنو قریظہ نے بالآخر حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو اپنے اور مسلمانوں کے درمیان فیصلہ تسلیم کر لیا۔ ان کو رقیہہ اسمیہ کے خیمہ سے یہاں لایا گیا۔ انہوں نے فیصلہ سنایا:

”بنو قریظہ کے تمام بالغ لڑائی کے قابل مرد قتل کر دیے جائیں۔ ان کے مال مسلمانوں میں تقسیم کر دیے جائیں اور ان کے بچوں اور عورتوں کو قیدی بنالیا جائے۔“ غزوہ بنو قریظہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغِيْظِهِمْ لَمْ يَنْاَلُوْا خِيْرًا وَّ كَفٰى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ وَّ كَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا ۝
وَاَنْزَلَ الَّذِيْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ صَيّٰصِيْهِمْ وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ
وَتَاَسِرُوْنَ فَرِيْقًا ۝۱۶ وَاَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ وِدْيَارَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ وَاَرْضًا لَّمْ تَطْغُوْهَا
وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ۝۱۷

”اللہ تعالیٰ نے کافروں کو ان کے غصے سمیت دفع کر دیا۔ وہ کوئی فائدہ حاصل نہ کر سکے۔ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو لڑائی سے بچالیا۔ اللہ تعالیٰ بڑی قوت خوب غلبے والا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے کافروں کی مدد کرنے والے یہودیوں کو ان کے مضبوط قلعوں سے نیچے اتار لیا اور ان کے دلوں میں تمہارا رعب ڈال دیا۔ کچھ کو تم نے قتل کر دیا باقی کو تم نے قیدی بنالیا۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں ان کی زمین، گھر اور مال وراثت میں دے دیے بلکہ ایک ایسا علاقہ بھی تمہیں عطا فرمائے گا جس پر ابھی تمہارے قدم نہیں پہنچے۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر بخوبی قدرت رکھتا ہے۔“ (الاحزاب: 25/33...27)

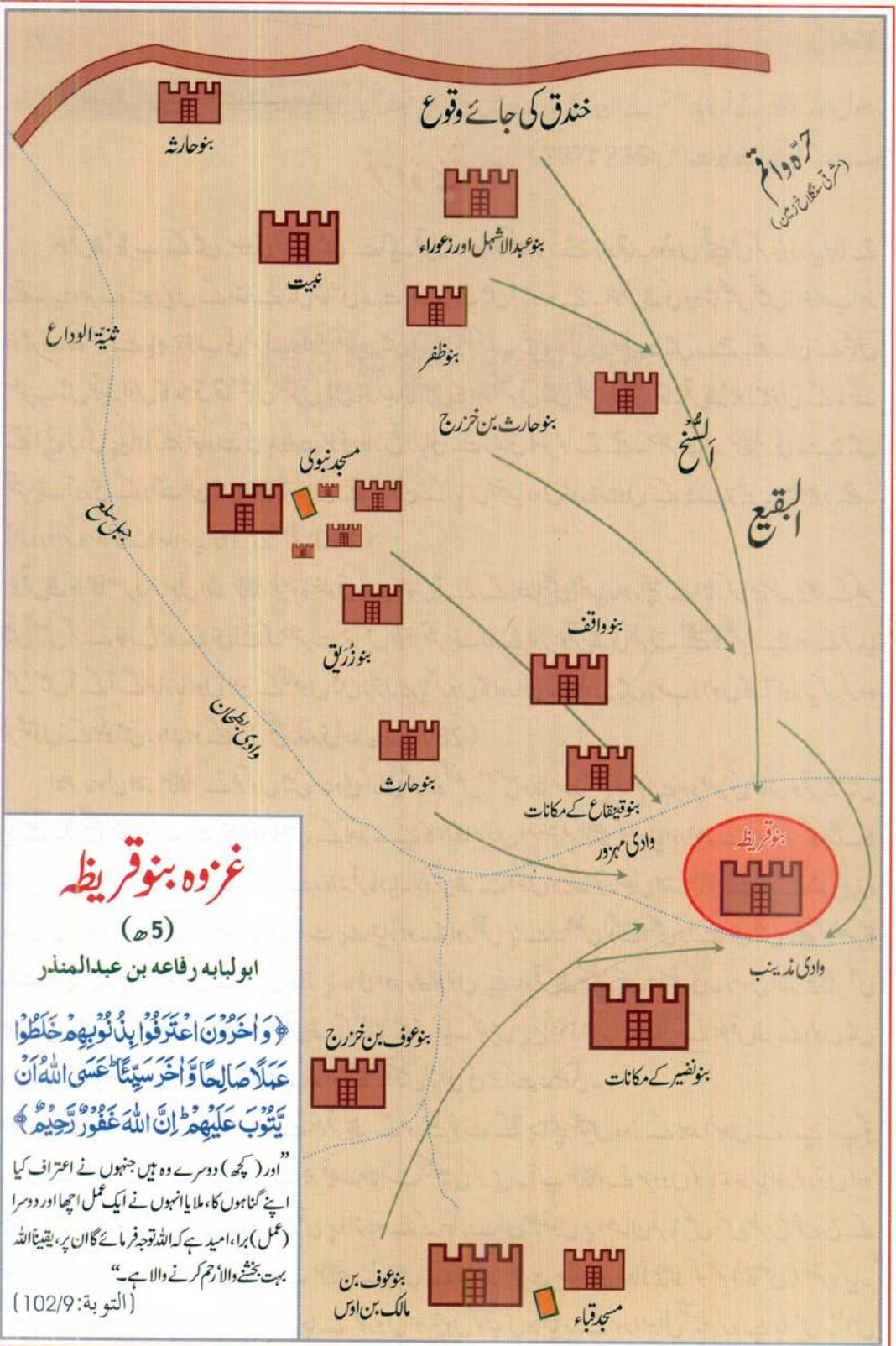
✽ الطبري : 581/2

✽ فتوح البلدان : 34

✽ ابن هشام : 141/3

✽ أسد الغابة : 375/2

✽ الروض الأنف : 268/2



غزوہ بنو قریظہ

بنو قریظہ، یثرب کے تین یہودی قبائل میں سے ایک قبیلہ تھا جو بنو نضیر کا رشتہ دار تھا۔ دونوں قبیلے مل کر بنو نضیر کہلاتے تھے۔ یہ دوسرے یہودیوں کے مقابلے میں خاصی مدت بعد یثرب میں آباد ہوئے۔ بنو قریظہ کی دوشاخیں تھیں: بنو کعب اور بنو عمرو۔ وہ شہر سے باہر جنوب کی طرف وادی مہزور میں اپنے ہم نسب قبیلے ہدل کی معیت میں رہتے تھے۔ ان کے شمال مغرب میں قبیلہ اوس کا علاقہ تھا، شمال مشرق میں بنو عبد الاشمل کا اور مشرق میں الحزہ واقع تھا۔ قریظہ جو زمینوں کے مالک تھے، اپنی زرعی پیداوار، نیز تجارت کی بدولت بڑی فارغ البالی سے زندگی بسر کرتے تھے۔ حضرت محمد ﷺ کی مدینے میں تشریف آوری کے وقت ان میں 750 سپاہی تھے اور ان کے پاس ہتھیاروں اور زرہوں کے بڑے ذخیرے موجود تھے۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 16/2 صفحہ: 110)

بنو قریظہ کا محاصرہ: رسول اللہ ﷺ غزوہ خندق سے واپس آنے کے بعد ابھی ہتھیار اور کپڑے اتار کر ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں غسل کر کے فارغ ہوئے ہی تھے کہ حضرت جبریل علیہ السلام تشریف لائے اور بنو قریظہ کی طرف نکلنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا کہ ”میں آگے آگے جا رہا ہوں، ان کے قلعوں میں زلزلہ برپا کروں گا اور ان کے دلوں میں رعب ڈالوں گا۔“ اور یہ کہہ کر وہ فرشتوں کے جلو میں روانہ ہو گئے۔ (صحیح بخاری، حدیث: 2813)

ادھر رسول اللہ ﷺ نے لوگوں میں منادی کرائی کہ جو شخص ”سمع و طاعت“ پر قائم ہے، وہ عصر کی نماز بنو قریظہ میں پڑھے۔ (صحیح بخاری، حدیث: 946) اس کے بعد مدینے کا انتظام ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو سونپا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جنگ کا پھریرا دے کر ایک جماعت کے ساتھ آگے روانہ فرمادیا۔ بنو قریظہ نے انہیں دیکھا تو رسول اللہ ﷺ کے بارے میں ہرزہ سرائی کی۔ ادھر اعلان سن کر مسلمان بھی جھٹ پٹ تیار ہوئے اور نکل پڑے۔ بعض لوگ ابھی راستے ہی میں تھے کہ عصر کا وقت ہو گیا، چنانچہ کچھ لوگوں نے وہیں نماز پڑھ لی اور کچھ لوگوں نے بنو قریظہ پہنچنے تک مؤخر کی۔ رسول اللہ ﷺ بھی مہاجرین و انصار کے جلو میں نکلے اور بنو قریظہ کے ”انا“ نامی ایک کنویں پر پڑاؤ ڈالا۔ اللہ تعالیٰ نے بنو قریظہ کے دلوں میں رعب ڈال دیا اور وہ اپنی گڑھیوں میں قلعہ بند ہو گئے۔ انہیں لڑائی کی جرأت نہ ہوئی۔

بنو قریظہ کا انجام: محاصرہ کی طوالت سے بنو قریظہ کے حوصلے ٹوٹ گئے، چنانچہ پچیس روز کے بعد انہوں نے اپنے آپ کو رسول اللہ ﷺ کے حوالے کر دیا کہ آپ جو فیصلہ مناسب سمجھیں کریں۔ آپ ﷺ نے مردوں کو باندھ لیا اور عورتوں اور بچوں کو علیحدہ کر لیا۔ قبیلہ اوس کے لوگ عرض پر داز ہوئے کہ ہمارے ان حلیفوں پر احسان فرمائیں جس طرح خزرج کے حلیف بنو قریظہ پر احسان فرمایا تھا۔ آپ ﷺ نے اوس کے سردار حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو حکم (قاضی) مقرر کیا۔ انہوں نے فیصلہ دیا کہ ”مردوں کو قتل کر دیا جائے، عورتوں اور بچوں کو قیدی بنالیا جائے اور اموال تقسیم کر دیے جائیں۔“ اس

پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تم نے ان کے بارے میں ویسا ہی فیصلہ کیا ہے جو سات آسمانوں کے اوپر سے اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے۔“ (تجلیات نبوت: ص: 235 تا 237)



غزوة مُرَيْسِعَ (بنو مُصْطَلِق 5 ہجری)

بنو مصطلق کے سردار حارث بن ضرار نے رسول اللہ ﷺ سے جنگ کرنے کے لیے اپنی قوم اور اعراب میں سے کافی لوگ اکٹھے کر لیے۔ رسول اللہ ﷺ کو پتہ چلا تو آپ 2 شعبان 5 ہجری کو سات سو صحابہ لے کر حارث کے لشکر کو تتر بتر کرنے کے لیے چلے۔ مُرَيْسِعَ کے پانی (چشمے) کے قریب مقابلہ ہوا۔ حارث اور اس کے ساتھیوں کو شکست فاش ہوئی۔ اس غزوہ میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا غلام خزرج کے ایک حلیف جہاہ بن مسعود سے لڑ پڑا۔ حضرت عمر کے غلام نے خزرج کے حلیف کو مارا۔ منافقین کے سردار عبد اللہ بن ابی نے ناراضی کا اظہار کیا اور کہا: ”اللہ کی قسم! اگر ہم مدینہ واپس گئے تو ہم عزت والے ان ذلیلوں کو نکال دیں گے۔“ رسول اللہ ﷺ نے اپنی حکمت عملی سے یہ فتنہ فرو کر دیا۔ آپ نے لوگوں کو کوچ کرنے کا حکم دیا تاکہ وہ چلنے میں مصروف ہو جائیں اور اس فتنے سے غافل ہو جائیں۔ جب زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے عبد اللہ بن ابی کی یہ بات رسول اللہ ﷺ تک پہنچائی تو اس نے جھوٹی قسم کھائی کہ میں نے یہ الفاظ نہیں کہے۔ زید بن ارقم جھوٹ بولتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے زید رضی اللہ عنہ کے حق میں یہ آیت نازل فرمائی:

لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكِرَةً وَتَعِيَهَا أُذُنٌ وَأَعْيَةٌ ⑮

”ہم چاہتے ہیں کہ اس کو تمہارے لیے نصیحت بنائیں اور یاد رکھنے والا کان اسے یاد رکھے۔“ (الحاقۃ: 12/69)

اس لیے حضرت زید کو ذُو الْأُذُنِ الْوَاعِيہ ”یاد رکھنے والے کان کا مالک“ کہا جاتا تھا۔ اور رئیس المنافقین عبد اللہ بن ابی کے بارے میں سورہ منافقین کی (درج ذیل) کئی آیات اتریں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُولُ اللَّهِ لَوَّارُءٌ وَسَهُمٌ ۖ وَرَأَيْتَهُمْ يُصْذَوْنَ وَهُمْ مُسْتَكْبِرُونَ ⑯ سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ أَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ۚ لَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ⑰

هُمُ الَّذِينَ يَقُولُونَ لَا تُنْفِقُوا عَلَى مَنْ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ حَتَّى يَنْفَضُوا ۚ وَإِلَىٰ خَزَائِنِ السَّمَوَاتِ وَ الْأَرْضِ وَلَكِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَا يَفْقَهُونَ ⑱ يَقُولُونَ لَئِنْ رَجَعْنَا إِلَى الْمَدِينَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْأَعَزُّ مِنْهَا الْأَذَلَّ ۚ وَلِلَّهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَلَكِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَا يَعْلَمُونَ ⑲

”جب ان منافقوں کو کہا جاتا ہے: ”آؤ! اللہ کے رسول تمہارے لیے استغفار کریں تو وہ نفی میں سر ہلاتے ہوئے تکبر کے ساتھ منہ موڑ جاتے ہیں۔ آپ ان کے لیے استغفار کریں یا نہ کریں اللہ تعالیٰ انہیں ہرگز معاف نہیں کرے گا۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ فاسق لوگوں کو ہدایت نصیب نہیں فرماتا۔“ یہی لوگ کہتے ہیں: ”تم اللہ کے رسول کے ساتھیوں پر اپنا

مال خرچ نہ کرو تا کہ یہ لوگ بکھر جائیں، حالانکہ آسمانوں اور زمین کے خزانے صرف اللہ کے پاس ہیں، لیکن منافق نہیں سمجھتے۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں: ”اگر ہم مدینے واپس پہنچ گئے تو ہم عزت والے ان ذلیلوں کو مدینے سے نکال دیں گے۔“ حالانکہ عزت تو صرف اللہ کے لیے، اس کے رسول کے لیے اور مومنین کے لیے ہے، لیکن منافق نہیں جانتے۔“ (المنافقون: 5/63...8)

عبداللہ بن ابی نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اس نے اسی جنگ کے دوران میں اپنے اس فتنے کے ساتھ ایک اور فتنہ کھڑا کیا اور اپنے اس جھوٹ کے ساتھ ایک اور جھوٹ گھڑا جسے ”واقعۃ الفک“ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ واقعہ یوں ہوا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو قضائے حاجت کے سلسلے میں اور اپنا ہار تلاش کرتے ہوئے تاخیر ہو گئی اور لشکر چل پڑا۔ حضرت صفوان بن معطل سلمی رضی اللہ عنہ لشکر کی خدمت پر مامور تھے۔ وہ لشکر سے پیچھے پیچھے رہتے تھے تاکہ ان کی گری پڑی اشیاء اٹھالیں۔ جب انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو لیٹے دیکھا تو پہچان لیا اور انہیں اپنا اونٹ پیش کیا۔ وہ اونٹ پر سوار ہو گئیں اور یہ مہار پکڑ کر چلنے لگے۔ دوپہر کے قریب وہ لشکر کو آ ملے۔ جب عبداللہ بن ابی نے یہ دیکھا تو کہا: ”تمہارے نبی کی بیوی نے ایک آدمی کے ساتھ رات گزاری ہے اب دن کو وہ اسے اونٹ پر بٹھا کر لارہا ہے۔ یہ دونوں پاک صاف نہیں ہو سکتے۔“ منافقوں نے اسے جنگ کی آگ کی طرح پھیلادیا اور مدینہ انواہوں اور الزامات سے بھر گیا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت صدیقہ طیبہ و طاہرہ رضی اللہ عنہا کے حق میں مندرجہ ذیل آیات نازل فرمائیں۔ **ارشاد باری تعالیٰ ہے:**

إِنَّ الَّذِينَ جَاءُوا بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ لَا تَحْسَبُوهُ شَرًّا لَّكُم بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ط لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ مَا اكْتَسَبَ مِنَ الْإِثْمِ وَالَّذِي تَوَلَّى كِبْرَهُ مِنْهُمْ لَهُ عَذَابٌ عَظِيمٌ ① لَوْ لَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بِأَنفُسِهِمْ خَيْرًا وَقَالُوا هَذَا إِفْكٌ مُّبِينٌ ② لَوْ لَا جَاءَ وَعَلَيْهِ بَآرِعَةٌ شَهْدَاءٌ فَأُولَئِكَ يَشْهَدُونَ ③ فَادْلُجُوا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ لَسَسَّكُمْ فِي مَا أَفَضْتُمْ فِيهِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ④ إِذْ تَقُولُ لِلَّذِينَ أَقْرَبْتُمْ قُلْتُمْ يَا قَوْمِ هَٰؤُلَاءِ مَنَافِقُونَ بَدَّلُوا مَكَانَهُمْ ⑤ لَكُم بِهِ عِلْمٌ وَتَحْسَبُونَهُ هَيِّنًا ⑥ وَهُوَ عِنْدَ اللَّهِ عَظِيمٌ ⑦ لَوْ لَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ قُلْتُمْ مَا يَكُونُ لَنَا أَنْ نَتَّكِلَ بِهَٰذَا سُبْحَانَكَ هَٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ ⑧ يَعِظُكُمُ اللَّهُ أَنْ تَعُودُوا لِمِثْلِهِ أَبَدًا إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ ⑨ وَيُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الْآيَاتِ ط وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ⑩ إِنَّ الَّذِينَ يُجِبُونَ أَنْ تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ⑪ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ط وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ⑫ وَلَوْ لَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ وَأَنَّ اللَّهَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ⑬ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ ط وَمَنْ يَتَّبِعْ خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ فَإِنَّهُ يَأْمُرُ بِالْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ ط وَلَوْ لَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ مَا زَكَا مِنْكُمْ مِّنْ أَحَدٍ أَبَدًا ⑭ وَلَكِنَّ اللَّهَ يُزَكِّي مَن يَشَاءُ ط وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ⑮ وَلَا يَأْتِلْ أُولَؤُلَافُ الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ يُؤْتُوا

أُولَى الْقُرْبَى وَالْمَسْكِينِ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا ۚ أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ عَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿٢٣﴾ إِنَّ الَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ الْغَافِلَاتِ لُعُنُوا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿٢٤﴾

”بلاشبہ جن لوگوں نے الزام تراشی کی ہے وہ تم میں سے ہی ایک گروہ ہے اور تم اسے اپنے لیے برانہ سمجھو بلکہ نتائج کے لحاظ سے یہ تمہارے لیے بہتر ثابت ہوگا۔ ان میں سے ہر شخص کو اپنے کیے دھڑے کا خمیازہ بھگتنا ہوگا اور جس شخص نے اس میں سب سے زیادہ دلچسپی لی ہے اس کے لیے عذاب عظیم ہے۔ جب تم نے ایسی بات سنی تھی تو مومن مردوں اور عورتوں نے کیوں نہ اپنے بارے میں حسن ظن سے کام لیا اور کیوں نہ کہہ دیا کہ یہ تو صریح جھوٹ ہے؟ کیوں نہ یہ لوگ اپنے الزام پر چار گواہ لائے؟ جب یہ گواہ نہیں لائے تو یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جھوٹے ہیں۔ اور اگر تم پر دنیا و آخرت میں اللہ کا فضل اور احسان نہ ہوتا تو جن باتوں میں تم پڑ گئے تھے اس کی پاداش میں تمہیں عذاب عظیم پہنچتا۔ جب تم زبانوں سے یہ باتیں نقل کرتے تھے اور مونہوں (زبانوں) کے ساتھ وہ باتیں کرتے تھے جن کے بارے میں تمہیں کچھ علم نہ تھا۔ تم اسے معمولی سمجھتے ہو جبکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ گناہ عظیم ہے۔ کیوں نہ ایسے ہوا؟ کہ جب تم نے یہ بات سنی تھی تو کہہ دیتے کہ ایسی بات کرنا ہمیں جائز نہیں۔ سبحان اللہ! یہ تو عظیم بہتان ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہیں نصیحت فرماتا ہے کہ دوبارہ ایسی غلطی کبھی نہ کرنا، اگر تم اپنے ایمان کا پاس رکھتے ہو۔ اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اپنی آیات بیان فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ خوب علم و حکمت والا ہے۔ یقیناً جو لوگ چاہتے ہیں کہ مومنین میں بے حیائی پھیلے ان کے لیے دنیا و آخرت میں دردناک عذاب تیار ہے۔ اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے تم نہیں جانتے۔ اور اگر تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل و رحمت نہ ہوتی اور اللہ تعالیٰ رؤف رحیم نہ ہوتا تو تمہیں سزا ملتی۔

اے ایمان والو! شیطان کے قدموں کی پیروی نہ کرو۔ جو شخص شیطان کے قدموں کے پیروی کرتا ہے وہ نقصان اٹھائے گا کیونکہ شیطان تو بے حیائی اور منکرات کا حکم دیتا ہے۔ اگر تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم نہ ہوتا تو تم میں سے کوئی شخص کبھی بھی پاک نہ رہ سکتا لیکن اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے پاک رکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ خوب سننے والا جاننے والا ہے۔ تم میں سے فضیلت اور فراخی والے لوگ یہ قسم نہ اٹھائیں کہ وہ رشتہ داروں، مساکین اور مہاجرین کو اللہ کے واسطے کچھ نہیں دیں گے بلکہ انہیں چاہیے کہ معاف کر دیں اور درگزر سے کام لیں۔ کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں معاف کر دے۔ اللہ تعالیٰ تو بہت بخشنے والا نہایت رحم کرنے والا ہے۔ یقیناً جو لوگ پاکدامن، گناہ سے غافل مومن عورتوں پر الزام تراشی کرتے ہیں وہ دنیا و آخرت میں ملعون ہیں اور ان کے لیے بہت بڑا عذاب تیار ہے۔“ (النور: 24/11... 23)

✽ الطبري : 604/2

✽ الكامل في التاريخ : 182/2

✽ عيون الأثر : 91/2

✽ ابن خلدون : 33/2

✽ ابن هشام : 182/3

✽ البداية والنهاية : 156/4

افک کا واقعہ

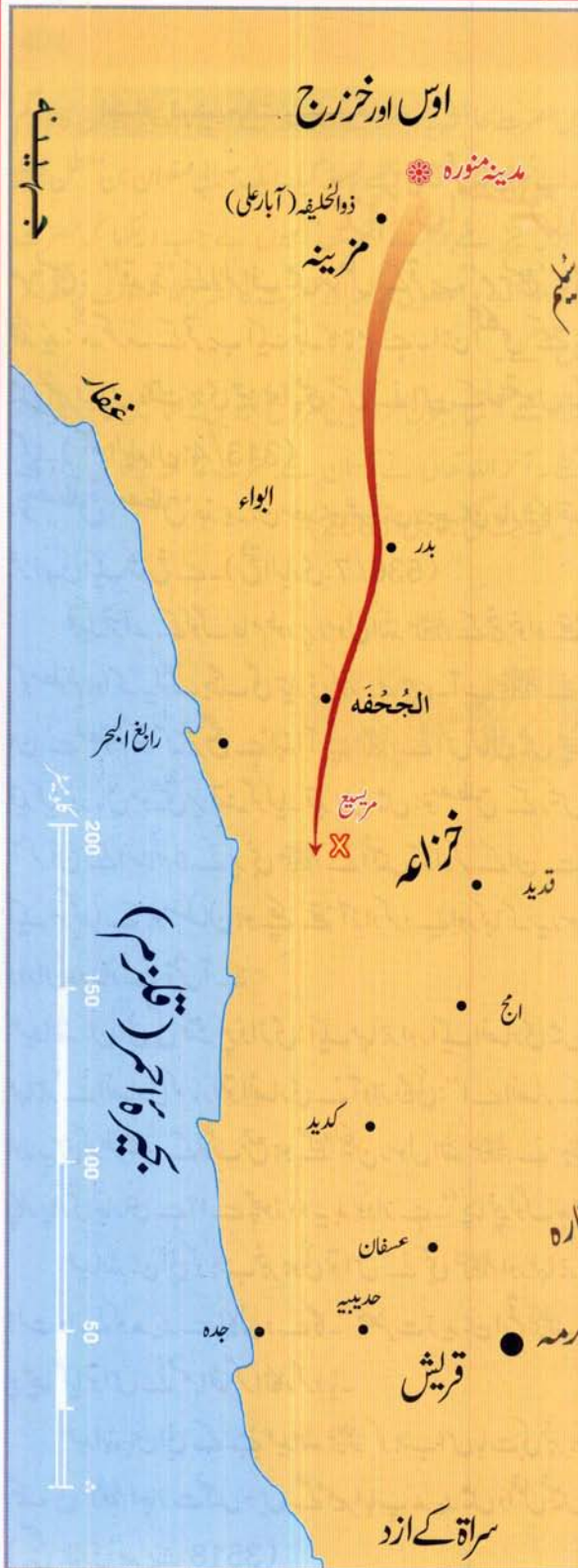
غزوہ بنو مصطلق (خرزاع کی شاخ)

غزوہ مرتسیع (شعبان 5ھ)

﴿إِنَّ الَّذِينَ جَاءُوا بِآلِ فُكٍ عَصَبَةٌ مِّنْكُمْ لَا تَحْسَبُوهُ شَرًّا لَّكُم بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ لِيَكُلَّ امْرِئٌ مِّنْهُمْ مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْإِثْمِ وَالَّذِي تَوَلَّى كِبْرَهُ مِنْهُمْ لَهُ عَذَابٌ عَظِيمٌ﴾
 لائے ہیں جھوٹ (بہتان) ایک گروہ ہے تم ہی میں سے نہ گمان کرو تم اسے برا اپنے لئے بلکہ وہ بہتر ہے تمہارے لئے واسطے ہر ایک شخص کے ان میں سے (مزا ہے اس کی) وہ جو کمایا اس نے گناہ سے، اور وہ شخص جس نے اٹھایا برا بوجھ اس (گناہ) کا ان میں سے، اس کے لئے عذاب عظیم ہے۔

﴿وَلَوْ لَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ قُلْتُمْ مَا يَكُونُ لَنَا أَنْ نَتَكَلَّمَ بِهَذَا سُبْحَنَكَ هَذَا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ﴾
 ”اور کیوں نہیں جب سنا تم نے اس کو، کہا تم نے نہیں لائق ہمارے یہ کہ کلام کریں ہم ساتھ اس بات کے، پاک ہے تو (اے اللہ!) یہ تو بہتان ہے بہت ہی بڑا۔“

﴿إِنَّ الَّذِينَ يُجِبُونَ أَنْ تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ﴾
 بلاشبہ وہ لوگ جو پسند کرتے ہیں یہ کہ پھیلے بے حیائی ان لوگوں میں جو ایمان لائے، ان کے لئے عذاب ہے نہایت دردناک دنیا میں اور آخرت میں۔“ (النور: 19, 16, 11/24)



غزوہ بنی المصطلق (المُریسِیع)

مریسع: ”قدید“ کے اطراف میں ساحل کے قریب ”مریسع“ نامی ایک چشمہ ہے۔

قدید: مکہ مکرمہ کے قریب ایک جگہ کا نام ہے۔ ابن الکھی کہتے ہیں جب تبع یمن لڑائی کے بعد مدینہ سے لوٹا تو قدید میں ٹھہرا۔ اس وقت بڑی تیز ہوا چلی جس نے اس کے ساتھیوں کے خیمے پھاڑ دیے۔ اس وجہ سے اس جگہ کا نام قدید پڑ گیا۔ (معجم البلدان: 4/313)

بنو مصطلق: مصطلق، جذیمہ بن سعد بن عمرو بن ربیعہ بن حارثہ کا لقب ہے۔ اس کی اولاد کو بنو مصطلق کہتے ہیں اور یہ قبیلہ بنو خزاعہ کی ایک شاخ ہے۔ (فتح الباری: 7/536)

قبیلہ خزاعہ کے لوگ عام طور پر رسول اللہ ﷺ کے خیر خواہ تھے، مگر بنو مصطلق، قریش کے طرفدار تھے۔ رسول اللہ ﷺ کو معلوم ہوا کہ یہ لوگ جنگ کی تیاری کر رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے اس خبر کی تحقیق کے لیے بریدہ بن حصیب رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ ان سے معلوم ہوا کہ خبر صحیح ہے لہذا آپ ﷺ نے اس حال میں چھاپہ مارا کہ وہ غافل تھے۔ بعض کو قتل کیا۔ عورتوں، بچوں کو قید کیا اور مال مویشی پر قبضہ کر لیا۔ قیدیوں میں بنو مصطلق کے رئیس حارث بن ضرار کی صاحبزادی جویریہ بھی تھیں۔ مدینہ آ کر ان کے اسلام لانے پر نبی ﷺ نے انہیں آزاد کر کے ان سے شادی کر لی۔ اس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بنو مصطلق کے ایک سو گھرانے، جو مسلمان ہو چکے تھے، آزاد کر دیے اور کہا کہ یہ رسول اللہ ﷺ کے سرال کے لوگ ہیں۔ اس جنگ کے دوران دو حادثے پیش آئے:

عبداللہ بن ابی کی فتنہ پردازی: ایک مہاجر اور ایک انصاری میں ”مریسع“ کے چشمہ پر پانی کی وجہ سے جھگڑا ہو گیا اور مہاجر نے انصاری کو مارا تو انصاری نے آواز لگائی: ”اے انصار کے لوگو!“ اس پر مہاجرین نے آواز لگائی: اے مہاجر و! اور یہ سن کر طرفین کے لوگ جمع ہو گئے، لیکن رسول اللہ ﷺ نے سبقت کی اور فرمایا: ”میں تمہارے اندر ہوں اور جاہلیت کی پکار پکاری جا رہی ہے؟ اسے چھوڑ دو یہ بدبودار ہے۔“ چنانچہ لوگ ہدایت کی طرف پلٹ آئے۔

عبداللہ بن ابی کو جب خبر ہوئی تو اس نے نبی ﷺ اور مہاجرین کے بارے میں ہرزہ سرائی کی اور کہا: ”عزت والا“ ذلت والے کو مدینہ سے نکال دے گا۔“ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے یہ بات نبی ﷺ تک پہنچادی۔ عبداللہ بن ابی سے پوچھا گیا تو اس نے قسم اٹھا کر انکار کر دیا۔

عبداللہ بن ابی کے بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہ کو جب اس بات کی خبر ہوئی تو وہ تلوار سونت کر کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے جب تک نبی ﷺ اجازت نہیں دیں گے، میرا باپ مدینہ میں داخل نہیں ہو سکتا۔ نبی ﷺ نے کہلوا بھیجا کہ اجازت دے دو۔ (صحیح بخاری، حدیث: 3518)

واقعہ افک: غزوہ بنو مصطلق سے واپسی کے دوران میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا قضائے حاجت کے لیے باہر گئیں تو ان کا ہارگم ہو گیا۔ اسے تلاش کرتے ہوئے انہیں تاخیر ہو گئی اور قافلہ بے خبری میں انہیں پیچھے چھوڑ گیا۔ ایک صحابی صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ جو لشکر کے پیچھے پیچھے رہتے تھے تاکہ اہل لشکر کی گری ہوئی چیز ملے تو اسے اٹھالیں انہوں نے جب دیکھا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا لشکر سے پیچھے رہ گئی ہیں تو انہوں نے انا لله وانا اليه راجعون پڑھا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اونٹ پر بٹھا کر سواری کی تکمیل تھامے آگے آگے پیدل چلتے ہوئے لشکر میں آ گئے۔

منافقین کو موقع مل گیا۔ انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق بہتان طرازیں شروع کر دیں۔ منافقین کا پروپیگنڈہ اتنا زوردار تھا کہ کئی مخلص مسلمان بھی اس کی زد میں آ گئے۔ آخر اللہ تعالیٰ نے آسمان سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی براءت نازل کر کے انہیں سرخرو اور منافقین کو روسیہ کر دیا۔ (تلخیص حدیث صحیح بخاری: 2661)



صلحِ حُدَیبِیَہ (بیعتِ رضوان)

ذوالقعدہ 6 ہجری

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنْزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا ۝

”اللہ تعالیٰ مومنوں سے راضی ہو گیا جب وہ درخت کے نیچے آپ کے ہاتھ پر بیعت کر رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کی کیفیت جان لی اور ان پر اطمینان و سکون نازل فرمایا اور ان کو ایک قریبی فتح عطا فرمائی۔“ (الفتح: 18/48)

رسول اللہ ﷺ چودہ سو صحابہ کی معیت میں عمرے کے ارادے سے مکہ مکرمہ کو چلے۔ آپ نے اپنے ساتھ قربانی کے ستر (۷۰) اونٹ بھی لیے۔ البتہ منافع اور کچھ اعرابی اس سفر میں آپ کے ساتھ نہیں گئے۔ قرآن مجید میں اس کا ذکر یوں آیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

سَيَقُولُ لَكَ الْمُخَلَّفُونَ مِنَ الْأَعْرَابِ شَغَلَتْنَا أَمْوَالُنَا وَأَهْلُونَا فَاسْتَغْفِرْ لَنَا ۚ يَقُولُونَ بِالسَّيِّئَةِ مَا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ ۚ قُلْ فَمَنْ يَمْلِكُ لَكُمْ مِنْ اللَّهِ شَيْئًا ۚ إِنْ أَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا أَوْ أَرَادَ بِكُمْ نَفْعًا ۚ بَلْ كَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ۝ بَلْ ظَنَنْتُمْ أَنْ لَنْ يَنْقَلِبَ الرَّسُولُ وَالْمُؤْمِنُونَ إِلَىٰ أَهْلِيهِمْ أَبَدًا ۚ وَزَيَّنَ ذَٰلِكَ فِي قُلُوبِكُمْ ۚ وَظَنَنْتُمْ ظَنًّا سَوْءًا ۚ وَكُنْتُمْ قَوْمًا بُورًا ۝ وَمَنْ لَّمْ يُؤْمِنْ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ فَإِنَّا أَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ سَعِيرًا ۝

”پچھے رہنے والے اعرابی آپ سے کہیں گے: ”ہمیں اپنے اہل و مال میں بہت مصروفیت تھی۔ لہذا آپ ہمارے لیے بخشش کی دعا فرمائیں۔“ یاد رکھو! یہ لوگ اپنی زبانوں کے ساتھ وہ باتیں کرتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں۔ کہہ دیجیے: ”اگر اللہ تعالیٰ تمہیں کچھ نقصان یا نفع پہنچانے کا ارادہ کرے تو کون ہے جو اللہ کی مرضی بدلنے کا اختیار رکھتا ہو؟“ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے بخوبی واقف ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ تم نے یہ سمجھ رکھا تھا کہ اللہ کے رسول اور مومن کبھی اپنے گھروں میں واپس نہیں آئیں گے اور یہ چیز تمہارے دلوں کو بہت اچھی لگتی تھی اور تم مومنوں کے بارے میں بڑی بری باتیں سوچ رہے تھے۔ دراصل تم ہلاک ہونے والے لوگ ہو۔ جو شخص بھی اللہ اور اس کے رسول پر سچا ایمان نہ رکھتا ہو ہم نے ایسے کافروں کے لیے بھڑکتی آگ تیار کر رکھی ہے۔“ (الفتح: 13...11/48)

اس طریقے سے رسول اللہ ﷺ نے قریش کا ہر بہانہ ختم کر دیا۔ خصوصاً یہ کہ آپ نے اور آپ کے ساتھیوں نے عام مسافروں والے ہتھیار لیے ہوئے تھے۔ اس بات نے قریش کے موقف کو بہت کمزور کر دیا۔ حدیبیہ پہنچنے کے بعد رسول اللہ ﷺ کے پاس ان کے کئی سفیر آئے۔ آخر آپ نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو بطور سفیر مکہ مکر مہ بھیجا۔ مشہور ہو گیا کہ قریش نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا ہے۔ نتیجتاً درخت کے نیچے بیعت رضوان ہوئی جس کا نعرہ تھا ”فتح یا شہادت“۔ قریش نے یہ صورت حال دیکھی تو صلح کی پیشکش کرنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے صلح حدیبیہ کے متعلقات کا تذکرہ یوں فرمایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَوْ قَتَلْتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَكُنُوا الْآدْبَارَ ثُمَّ لَا يَجِدُونَ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ۝ سُنَّةَ اللَّهِ الَّتِي قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ ۖ وَلَكِنْ تَجِدُ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا ۝ وَهُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَ أَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْ بَعْدِ أَنْ أَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ ۚ وَكَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرًا ۝

”اگر یہ کافر آپ سے لڑائی لڑتے تو شکست خوردہ ہو کر بھاگ جاتے اور پھر کسی کو اپنا دوست یا مددگار نہ پاتے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا اصول ہے جو اس سے پہلے بھی بارہا ثابت ہو چکا ہے اور تو اللہ کے اصول میں تبدیلی نہ پائے گا۔ اللہ تعالیٰ ہی نے وادیِ رمکہ میں تمہارے ہاتھوں کو ان سے اور ان کے ہاتھوں کو تم سے روک رکھا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں ان پر قابو دے دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو بخوبی دیکھنے والا ہے۔“ (سورہ الفتح: 22/48... 24)

فرمان الہی ہے:

إِنَّ الَّذِينَ يَبَايِعُونَ اللَّهَ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ ۖ فَمَنْ نَكَثَ فَإِنَّمَا يَنْكُثُ عَلَىٰ نَفْسِهِ ۚ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِمَا عَاهَدَ عَلَيْهِ اللَّهُ فَمَسِيئَتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا ۝ سَيَقُولُ لَكَ الْمُخَلَّفُونَ مِنَ الْأَعْرَابِ شَغَلَتْنَا أَمْوَالُنَا وَأَهْلُونَا فَاسْتَغْفِرْ لَنَا ۚ يَقُولُونَ بِالسَّيِّئَةِ مِمَّا كُنْتُمْ فِي قُلُوبِهِمْ ۚ قُلْ فَمَنْ يَمْلِكُ لَكُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا إِنْ أَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا أَوْ أَرَادَ بِكُمْ نَفْعًا بَلْ كَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ۝ بَلْ ظَنَنْتُمْ أَنْ لَنْ يَنْقَلِبَ الرَّسُولُ وَالْمُؤْمِنُونَ إِلَىٰ أَهْلِيهِمْ أَبَدًا وَزَيَّنَ ذَلِكَ فِي قُلُوبِكُمْ ۚ وَظَنَنْتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ ۚ وَكُنْتُمْ قَوْمًا بُورًا ۝ وَمَنْ لَمْ يُؤْمَرْ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ فَإِنَّا أَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ سَعِيرًا ۝ وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ يَعْفُو لِمَنْ يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ ۚ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ۝ سَيَقُولُ الْمُخَلَّفُونَ إِذَا انْطَلَقْتُمْ إِلَىٰ مَعَانِمِ لِنَأْخُذْ بِهَا وَنَحْنُ نَتَّبِعُكُمْ يُرِيدُونَ أَنْ يُبَدِّلُوا كَلِمَ اللَّهِ ۚ قُلْ لَنْ تَتَّبِعُونَا كَذَلِكَ قَالَ اللَّهُ مِنْ قَبْلُ ۚ فَسَيَقُولُونَ بَلْ تَحْسُدُونَنَا بَلْ كَاوُوا

لَا يَفْقَهُونَ إِلَّا قَلِيلًا ۝ قُلْ لِلْمُخَلَّفِينَ مِنَ الْأَعْرَابِ سِتْرُ عَوْنٍ إِلَى قَوْمٍ أُولِي بَأْسٍ شَدِيدٍ ثَقَاتُوا نَهْمُ
 أَوْ يُسْلَمُونَ ۚ فَإِنْ تُطِيعُوا يُؤْتِكُمُ اللَّهُ أَجْرًا حَسَنًا ۚ وَإِنْ تَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ
 عَذَابًا أَلِيمًا ۝ لَيْسَ عَلَى الْأَعْلَى حَرْجٌ وَلَا عَلَى الْأَعْزَجِ حَرْجٌ وَلَا عَلَى الْمَرِيضِ حَرْجٌ ۚ وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ
 وَرَسُولَهُ يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۚ وَمَنْ يَتَوَلَّ يُعَذِّبْهُ عَذَابًا أَلِيمًا ۝ لَقَدْ
 رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنْزَلَ السَّكِينَةَ
 عَلَيْهِمْ وَأَنَابَهُمْ فَتَحَا قَرِيبًا ۝

”جو لوگ آپ کی بیعت کر رہے تھے وہ دراصل اللہ تعالیٰ سے بیعت ہو رہے تھے۔ اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں کے اوپر تھا۔ اب جو بیعت توڑے گا اسے اس کا وبال چکھنا ہوگا اور جو اللہ تعالیٰ سے کیے ہوئے عہد کو پورا کرے گا اسے اللہ تعالیٰ اجر عظیم عطا فرمائے گا۔ پیچھے رہنے والے اعرابی آپ سے کہیں گے: ”ہمیں اپنے اہل و مال میں بہت مصروفیت تھی۔ لہذا آپ ہمارے لیے بخشش کی دعا فرمائیں۔“ یاد رکھو! یہ لوگ اپنی زبانوں کے ساتھ وہ باتیں کرتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں۔ کہہ دیجیے: ”اگر اللہ تعالیٰ تمہیں کچھ نقصان یا نفع پہنچانے کا ارادہ کر لے تو کون ہے جو اللہ کی مرضی بدلنے کا اختیار رکھتا ہو؟“ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے بخوبی واقف ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ تم نے یہ سمجھ رکھا تھا کہ رسول اللہ (ﷺ) اور مومن کبھی اپنے گھروں میں واپس نہ آئیں گے اور یہ چیز تمہارے دلوں کو بہت اچھی لگتی تھی اور تم مومنوں کے بارے میں بڑی بری باتیں سوچ رہے تھے۔ دراصل تم ہلاک ہونے والے لوگ ہو۔ جو شخص بھی اللہ اور اس رسول پر سچا ایمان نہ رکھتا ہو ہم نے ایسے کافروں کے لیے بھڑکتی آگ تیار کر رکھی ہے۔ اللہ ہی کے لیے ہے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی۔ وہ جسے چاہے معاف کر دے جسے چاہے سزا دے۔ اللہ تعالیٰ بہت زیادہ معاف کرنے والا نہایت رحم کرنے والا ہے۔ جب تم غنیمتیں حاصل کرنے کے لیے چلو گے تو (صلح حدیبیہ سے) پیچھے رہنے والے تم سے کہیں گے: ”ہمیں بھی اپنے ساتھ جانے دو۔“ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام بدلنا چاہتے ہیں۔ کہہ دیجیے: ”تم ہرگز ہمارے ساتھ نہیں جاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ اس سے پہلے ہی یہ حکم دے چکا ہے۔“ وہ کہیں گے: ”تم ہم سے حسد کرتے ہو جبکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ بات نہیں سمجھتے مگر نہ ہونے کے برابر۔“ پیچھے رہنے والے اعرابیوں سے کہہ دیجیے: ”کچھ دیر بعد تمہیں ایک سخت جنگجو قوم کے مقابلے کی دعوت دی جائے گی۔ تمہیں ان سے لڑنا ہوگا الا یہ کہ وہ مسلمان ہو جائیں۔ اگر تم اطاعت کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں بہترین اجر عطا فرمائیں گے اور اگر تم بھاگ گئے جس طرح پہلے بھاگے تھے تو اللہ تعالیٰ تمہیں دردناک عذاب دے گا۔ البتہ نابینے، لنگڑے اور بیمار شخص کو کوئی ملامت نہ ہوگی۔ جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا اسے اللہ تعالیٰ ایسے باغات میں داخل فرمائے گا جس کے نیچے نہریں چلتی ہوگی اور جو شخص اعراض کرے گا اسے اللہ تعالیٰ دردناک عذاب دے گا۔ بلاشبہ اللہ

تعالیٰ مومنین سے راضی ہو گیا جب وہ درخت کے نیچے آپ سے بیعت کر رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دلی کیفیت کو جان لیا اور ان پر سکون و اطمینان نازل فرمایا اور انہیں اس کے بدلے ایک قریبی فتح عطا فرمائی۔“ (الفتح: 10/48... 18)

مزید ارشاد باری ہے:

وَهُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَ أَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْ بَعْدِ أَنْ أَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ ۚ وَكَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرًا ۝ ٢٣ هُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْهَدْيِ مَعْكُوفًا أَنْ يَبْلُغَ مَجَلَّةٌ ۖ وَلَوْ لَا رِجَالٌ مُؤْمِنُونَ وَ نِسَاءٌ مُؤْمِنَاتٌ لَمْ تَعْلَمُوهُمْ أَنْ تَطَّوَّهُمْ فُقُصِبَكُمْ مِّنْهُمْ مَّعَرَّةٌ بِغَيْرِ عِلْمٍ لِّيُدْخِلَ اللَّهُ فِي رَحْمَتِهِ مَنْ يَشَاءُ ۚ لَوْ تَزَيَّلُوا لَعَذَّبْنَا الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ۝ ٢٤ إِذْ جَعَلَ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْحَمِيَّةَ الْحَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةَ فَأَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَى رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَأَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوَىٰ وَكَانُوا أَحَقَّ بِهَا وَأَهْلَهَا ۖ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ۝ ٢٥ لَقَدْ صَدَقَ اللَّهُ رَسُولَهُ الرُّؤْيَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلَنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ إِنْ شَاءَ اللَّهُ آمِنِينَ ۚ مُحَلِّقِينَ رُءُوسَكُمْ وَمُقَصِّرِينَ ۚ لَا تَخَافُونَ ۖ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوا فَجَعَلَ مِنْ دُونِ ذَلِكَ فَتْحًا قَرِيبًا ۝ ٢٦ هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ ۖ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا ۝ ٢٧

”اللہ تعالیٰ ہی نے وادی مکہ میں ان کے ہاتھوں کو تم سے اور تمہارے ہاتھوں کو ان سے روک رکھا جبکہ اس نے تمہیں ان پر قابو دے دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو بخوبی دیکھنے والا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے کفر کیا، تمہیں مسجد حرام سے روکا اور تمہاری قربانیوں کو قربان گاہ میں پہنچنے سے رکاوٹ بن گئے۔ اگر مکہ میں بہت سے ایسے مومن مرد اور عورتیں نہ ہوتیں جن کو تم نہیں پہچانتے اور یہ خطرہ نہ ہوتا کہ تم لاعلمی میں ان کو روند ڈالو گے اور تمہیں ان کی وجہ سے شرمندگی لاحق ہوگی (تو فیصلہ کن لڑائی ہوتی)۔ مگر اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل فرماتا ہے۔ اگر وہ مسلمان کافروں سے الگ ہوتے تو ہم کافروں کو دردناک عذاب چکھاتے۔

جب کافروں نے اپنے دلوں میں جاہلی نخوت اور تکبر پال لیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اور مومنوں پر اطمینان و سکون نازل فرمایا اور انہیں تقویٰ کے کلمے پر کاربند کر دیا۔ درحقیقت وہی اس مرتبے کے اہل اور حق دار تھے۔ اللہ تعالیٰ ہر شے (کی قدر و قیمت) کو بخوبی جاننے والا ہے۔ یقین رکھو! اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو سچا اور برحق خواب دکھلایا تھا۔ ان شاء اللہ تم ضرور امن و سلامتی کے ساتھ مسجد حرام میں داخل ہو گے۔ اپنے سرمنڈواؤ گے اور بال کٹواؤ گے۔ تمہیں کسی کا خوف نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ وہ بات جانتا ہے جو تم نہیں جانتے تھے۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے اس خواب کے واقع ہونے (فتح مکہ) سے پہلے ایک قریبی فتح (فتح خیبر) مقدر فرمادی ہے۔

اللہ ذوالجلال نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا ہی اس لیے ہے کہ وہ اس دین کو تمام دینوں پر غالب کر کے رہے گا۔ اور اللہ تعالیٰ ہی کی گواہی کافی ہے۔“ (الفتح: 24/48...28)



❁ الروض الأنف : 38/4

❁ الطبري : 627/2

❁ عيون الأثر : 117/2

❁ ابن خلدون : 34/2

❁ ابن هشام : 201/3

❁ البداية والنهاية : 174/4

حدیبیہ

بیعت رضوان (ذی القعدہ 6ھ)

﴿لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ
تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنْزَلَ
السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا﴾

”اللہ تعالیٰ مومنوں سے راضی ہو گیا جب وہ درخت کے نیچے
آپ کے ہاتھ پر بیعت کر رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے
دلوں کی کیفیت جان لی اور ان پر اطمینان و سکون نازل فرمایا
اور ان کو ایک قریبی فتح عطا فرمائی۔“ (الفتح: 18/48)

حدیبیہ کا مقام

×

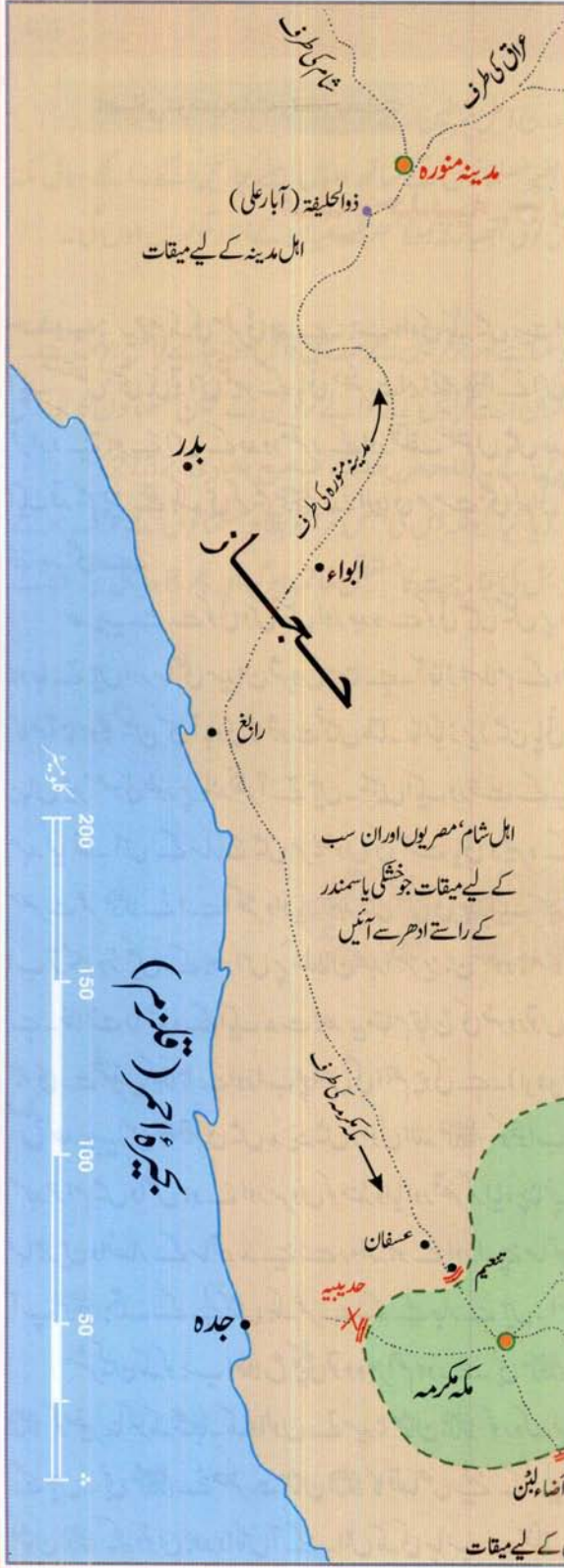
میقات کی علامت

•

آغاز حرم کی علامت

))

حرم کی حدود



200
150
100
50
0

بحر احمر (قلمزم)

اہل شام، مصریوں اور ان سب
کے لیے میقات جو خشکی یا سمندر
کے راستے ادھر سے آئیں

مکہ مکرمہ کی طرف

عراق کی طرف

نجد کی طرف

قرن المنازل

اہل نجد کے لیے میقات

طائف

بجین کی طرف

یہلم

صلح حدیبیہ ... بیعت رضوان

حدیبیہ: یہ حرم مکہ کی مغربی حد ہے۔ جب وادی بکّہ میں بیت اللہ (کعبہ) کی تعمیر ہوئی اور مکہ کی آبادی حضری زندگی کی ایک مستقل بستی بنی تو اس تعمیر کے بانی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس بستی کو ایک حرم (یا سیاسی اصطلاح میں ایک شہری مملکت) قرار دیتے ہوئے اس کے حدود مقرر کیے اور مختلف سمتوں میں حدود حرم پر منارے تعمیر کیے گئے۔ عہد نبوی میں یہ نہ صرف ایک قدیم چیز تھی بلکہ نبی کریم ﷺ نے ان کی مرمت بھی کرائی تھی۔ یہ اب تک چلے آ رہے ہیں۔ ان میں سے ایک حد حدیبیہ بھی ہے۔

حدیبیہ مکہ سے کوئی دس میل اور جدہ سے کوئی تیس میل پر واقع ہے۔ یہاں وہ پہاڑ جو مکہ کو گھیرے ہوئے ہیں ختم ہو جاتے ہیں اور ساحلی میدان شروع ہوتا ہے۔ آغاز اسلام کے وقت یہاں ایک کنواں تو تھا جو مسافروں اور حاجیوں کے کام آتا ہوگا لیکن کسی آبادی کا ثبوت نہیں ملتا۔ غالباً زیر زمین پانی میٹھا اور کافی ہے۔ اسی لیے ببول وغیرہ کے جنگلی درخت یہاں غیر معمولی طور پر بلند نظر آتے ہیں۔ یہیں ایک درخت کے نیچے آنحضرت ﷺ نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم سے جان نثاری کا عہد لیا تھا۔ اس کے سائے میں مریضوں کی صحت یابی وغیرہ کے غیر اسلامی معتقدات تو ہم کی شکل اختیار کرنے لگے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے اکھڑ وادیا۔ بعد میں اس کی جگہ ایک مسجد کی تعمیر عمل میں آئی۔ ترکی دور میں اس پر کوئی کتبہ نہ تھا۔ اب ترمیم و تزئین کے بعد اس پر سلطان عبدالعزیز بن سعود نام کا کتبہ پایا جاتا ہے۔ یہ مسجد نئی سڑک کے کنارے پر واقع ہے۔ خلافت راشدہ کے ایک مدت بعد یہ مقام حجاج کی ضرورتوں کے تحت آباد ہونے لگا اور یہ گاؤں کم از کم آٹھویں صدی ہجری سے شہر سمیٹ کر کہلاتا ہے اور اب پولیس کی اہم چوکی ہے۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 7/958)

صلح حدیبیہ: سن 6 ہجری میں مدینہ میں رسول اللہ ﷺ کو خواب دکھلایا گیا کہ آپ ﷺ اور آپ کے صحابہ امن کے ساتھ مسجد حرام میں داخل ہوئے اور سروں کو منڈوایا اور قصر کرایا، چنانچہ رسول اللہ ﷺ بروز پیر یکم ذی قعدہ 6 ہجری کو چودہ سو مہاجرین و انصار کے ساتھ مدینہ سے روانہ ہوئے اور اپنے ساتھ قربانی کے جانور بھی لے لئے، تاکہ لوگوں کو معلوم ہو کہ آپ ﷺ جنگ کے لیے نہیں بلکہ عمرے کے لیے جا رہے ہیں۔ اسلامی لشکر مکہ مکرمہ کے پاس حدیبیہ آ کر مقیم ہوا۔

مشرکین مکہ کو جب اطلاع پہنچی تو وہ مزاحم ہوئے۔ نبی ﷺ نے اس مسئلے کا پر امن حل نکالنے کے لیے سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو سفیر بنا کر مکہ بھیجا۔ مکہ والوں نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو روک لیا۔ اس پر افواہ پھیل گئی کہ سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ شہید کر دیے گئے ہیں۔ نبی ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قصاص لینے کے لیے صحابہ سے بیعت لی جسے بیعت الرضوان کہتے ہیں۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کچھ دنوں بعد واپس آ گئے۔ اہل مکہ کی جانب سے مختلف سفیر آتے رہے۔ آخر آپ ﷺ اور اہل مکہ کے درمیان

ایک معاہدہ طے پا گیا جسے صلح حدیبیہ کہتے ہیں اور اس میں درج ذیل شرطیں طے ہوئیں:

- (1) رسول اللہ (ﷺ) اس سال مکہ میں داخل ہوئے بغیر مسلمانوں کے ساتھ واپس چلے جائیں گے۔ اگلے سال مکہ آئیں گے اور تین روز قیام کریں گے۔ ان کے پاس کوئی ہتھیار نہ ہوگا، صرف میان کے اندر تلواریں ہوں گی۔
 - (2) فریقین میں دس سال کے لیے جنگ بند رہے گی۔
 - (3) جو محمد (ﷺ) کے ”عہد“ میں داخل ہونا چاہے، داخل ہو سکتا ہے اور جو قریش کے عہد میں داخل ہونا چاہے، داخل ہو سکتا ہے۔
 - (4) قریش کا جو آدمی مسلمانوں کی پناہ میں جائے گا، مسلمان اسے قریش کے حوالے کر دیں گے، لیکن مسلمانوں کا جو آدمی قریش کی پناہ میں آئے گا قریش اسے واپس نہیں کریں گے۔ (تلخیص حدیث صحیح بخاری: 2732)
- اس صلح کو قرآن مجید کی سورہ فتح میں ”فتح مبین“ قرار دیا گیا کیونکہ اس کی بعض شرائط بظاہر مسلمانوں کے خلاف ہونے کے باوجود ان میں خیر کے پہلو تھے۔ صلح حدیبیہ کے بعد قریش کی جارحیت کا مستقل خاتمہ ہو گیا اور پھر 8ھ میں فتح مکہ کے ساتھ ہی پورے عرب میں فروغ اسلام کی راہ ہموار ہو گئی۔



خیبر (محرم 7 ہجری)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنْزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا ۝ وَمَغَانِمَ كَثِيرَةً يَأْخُذُونَهَا ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ۝ (19)

”یقیناً اللہ تعالیٰ مومنوں سے راضی ہو گیا جب وہ درخت کے نیچے آپ کے ہاتھ پر بیعت کر رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کی کیفیت جان لی اور ان پر اطمینان و سکون نازل فرمایا اور ان کو ایک قریبی فتح عطا فرمائی اور بہت سے اموال غنیمت بھی وہ حاصل کریں گے۔ اور اللہ تعالیٰ غالب خوب حکمت والا ہے۔“ (الفتح: 18/48: 19)

مزید فرمان الہی ہے:

لَقَدْ صَدَقَ اللَّهُ رَسُولَهُ الْوَعْدَ بِالْحَقِّ ۚ لَنْدْ خُلْنَا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ إِنْ شَاءَ اللَّهُ أَمِينٌ مُحَلِّقِينَ رُءُوسَكُمْ وَمُقَصِّرِينَ ۚ لَا تَخَافُونَ ۖ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوا ۖ فَجَعَلَ مِنْ دُونِ ذَلِكَ فَتْحًا قَرِيبًا ۝ (26)

”یقین رکھو! اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو برحق سچا خواب دکھلایا تھا۔ ان شاء اللہ تم ضرور امن و سلامتی کے ساتھ مسجد حرام میں داخل ہو گے۔ اپنے سر منڈواؤ گے اور بال کٹاؤ گے۔ تمہیں کسی کا خوف نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ وہ بات جانتا تھا جو تم نہیں جانتے تھے، لہذا اللہ تعالیٰ نے اس خواب (فتح مکہ) کے واقع ہونے سے پہلے تمہارے لیے ایک قریبی فتح (فتح خیبر) مقرر فرمادی۔“ (الفتح: 27/48)

خیبر کے یہودی اس دور کے جگہ قبیلہ غطفان کے پاس گئے اور پیشکش کی کہ اگر تم مسلمانوں کے خلاف جنگ کرو تو ہم تمہیں خیبر کا نصف پھل اور کھجوریں معاوضہ میں دیں گے اسی طرح انہوں نے فدک، یتھاء اور وادی قری کے لوگوں سے بھی مدینہ پر حملہ کرنے کے معاہدے کیے۔

اس لیے رسول اللہ ﷺ حدیبیہ میں حاضر ہونے والے مسلمانوں کو ساتھ لے کر خیبر کی طرف چلے تاکہ یہودی سازشوں اور مسلمانوں کے خلاف کیے گئے معاہدوں کا قلع قمع کیا جاسکے۔ اس وقت خیبر کئی قلعوں پر مشتمل تھا۔ ان میں سے اہم کی تفصیل درج ذیل ہے:

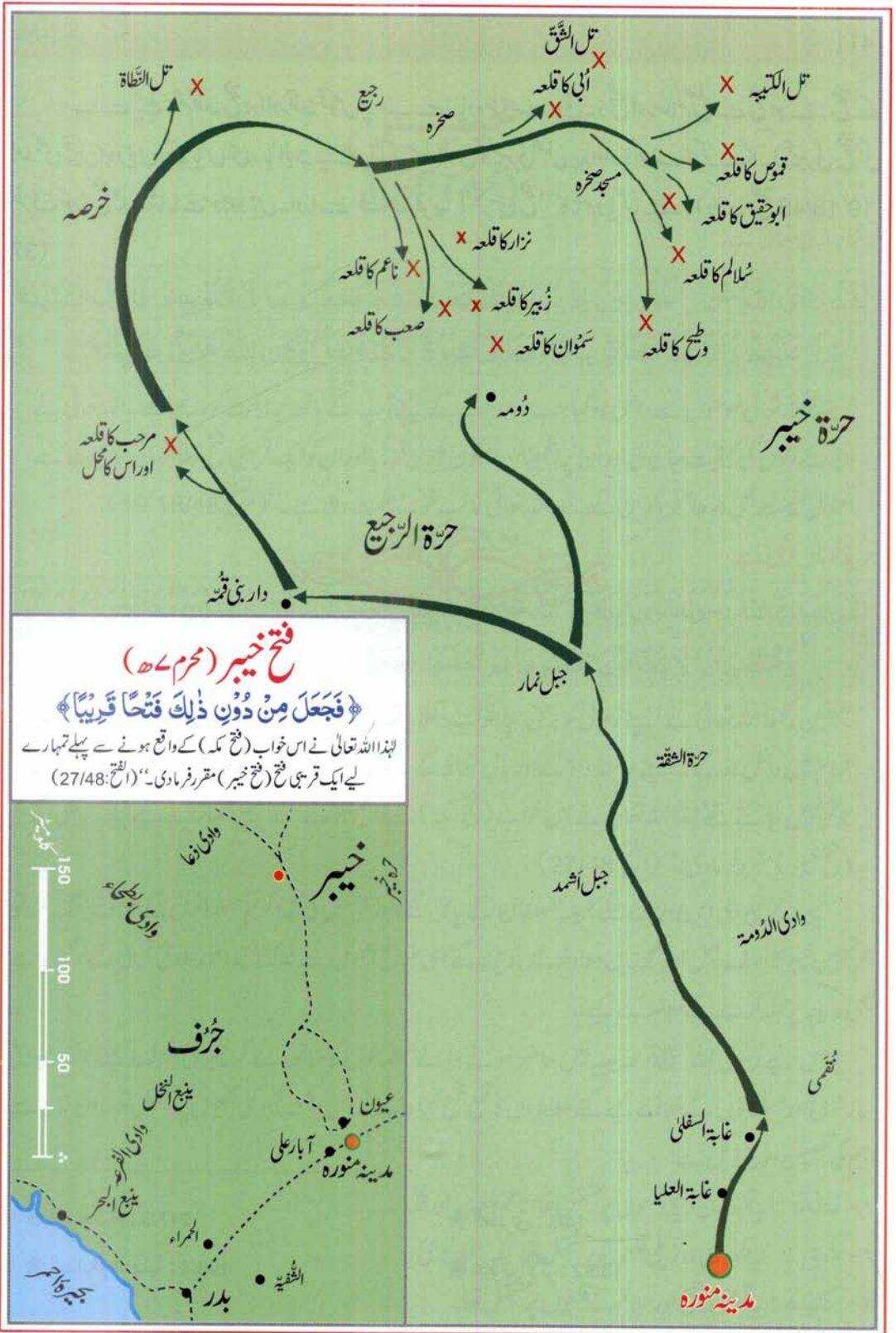
۱- نطاۃ: یہ قلعہ تین ذیلی قلعوں پر مشتمل تھا: ناعم، صُعب اور قلہ۔

۲- شق: یہ قلعہ بھی دو ذیلی قلعوں پر مشتمل تھا ابی، اور بری

۳- کتیبہ: یہ قوس، طیح اور سلام کے قلعوں پر مشتمل تھا۔

سب سے پہلے ناظم قلعہ فتح ہوا اور قلعہ قموص پر سب سے زیادہ مزاحمت ہوئی۔ وٹیح اور سلام صلح سے فتح ہوئے۔ فتح کے بعد بھی خیبر یہودیوں کے پاس ہی رہا البتہ یہ طے پایا کہ مسلمانوں کو خیبر کی مکمل پیداوار کا نصف ملا کرے گا۔ (خیبر کی فتح کی طرف سورہ فتح میں اشارات موجود ہیں۔ اور اسے فتحاً قریباً ”قریبی فتح“ کا نام دیا گیا ہے۔) (دیکھیے الفتح: 18/48، 19، 37)





غزوہ خیبر

تاریخ اسلام میں خیبر کی شہرت سن 7 ہجری موافق 628ء کے غزوہ نبوی کے باعث ہے۔ مدینے سے نکلے ہوئے بنو نضیر خیبر میں آباد ہو چکے تھے اور انہی کی انگلیت پر محاصرہ خندق پیش آیا تھا۔ وہ مسلمانوں کی نئی مملکت کے لیے ایک مستقل خطرہ بن گئے تھے۔ انہی سے نبٹنے کے لیے آنحضرت ﷺ نے حدیبیہ میں قریش کی منہ مانگی شرطوں پر صلح کی تھی اور قریش سے صرف یہ خواہش کی تھی کہ وہ مسلمانوں کی جنگوں میں غیر جانب دار رہیں۔

غزوہ خیبر: صلح حدیبیہ کے ایک مہینے بعد پندرہ سو کی جمعیت لے کر آپ ﷺ مدینے سے روانہ ہوئے۔

اہل خیبر اس زمانے کی عربی بستیوں کی طرح متعدد چھوٹے چھوٹے قبائلی محلوں پر مشتمل تھا۔ ہر محلے کا انتظام مستقل تھا۔ دفاعی لحاظ سے وہ لوگ سات بڑے اور متعدد چھوٹے قلعوں میں محفوظ تھے جن میں سے بعض میں مخدقین بھی نصب تھیں۔ سب سے پہلے ناعم کا قلعہ پھر اندرون شہر کا قلعہ قموص فتح ہوا جو خاندان ابوالحقیق (اور ام المؤمنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا) کا مسکن تھا۔ پھر حصن الشیق اور حصن الطاة اور حصن الکبتیہ سر ہوئے۔ اس کے بعد حصن الوطیح اور حصن السلاہم کوئی دو ہفتوں کی کشمکش کے بعد فتح ہوئے۔ فتح کے بعد آپ ﷺ نے یہودیوں کی جان بخشی کر دی۔ قبضے کے بعد ان کو خیبر ہی میں رہنے دیا اور اس کے لیے شرط یہ رکھی کہ وہ غلے کا نصف مسلمانوں کو ادا کریں گے۔ اس جنگ میں یہودی سردار حُجَی بن اخطب کی بیٹی صفیہ بھی جنگی قیدیوں میں آئی جسے رسول اللہ ﷺ نے اپنے لیے پسند فرمایا۔

خیبر میں یہودیوں کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے تک رہنے دیا گیا۔ اس کے بعد انہیں جلاوطن کر دیا گیا کیونکہ آپ ﷺ نے فرمایا تھا: ”یہودیوں کو جزیرہ عرب سے نکال دو۔“ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ)

خیبر: دیکھیے باب ”یہود خیبر“



عمرہ قضاء (عمرہ قصاص، عمرہ قضیہ)

(ذوالقعدہ 7 ہجری)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَقَدْ صَدَقَ اللَّهُ رَسُولَهُ الرُّسُولَ بِالْحَقِّ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ إِنِ شَاءَ اللَّهُ أَمِنِينَ مُحَرِّقِينَ رُءُوسَكُمْ وَمُقَصِّرِينَ لَا تَخَافُونَ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوا فَجَعَلَ مِنْ دُونِ ذَلِكَ فَتْحًا قَرِيبًا ﴿٢٧﴾

”یقیناً اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو برحق سچا خواب دکھایا تھا۔ ان شاء اللہ تم ضرور امن و اطمینان کے ساتھ مسجد حرام میں داخل ہو گے۔ پھر تم (عمرہ کی ادائیگی کے بعد) اپنے سرمند و اوگے اور بال کٹاؤ گے۔ تمہیں کسی کا خوف نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ وہ بات جانتے تھے جو تم نہیں جانتے تھے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلے تمہارے لیے ایک قریبی فتح مقرر فرمادی۔“ (الفتح: 27/48)

صلح حدیبیہ کے عین ایک سال بعد صلح حدیبیہ کی شروط کے مطابق رسول اللہ ﷺ کے ساتھ دو ہزار مسلمان عمرہ قضاء کے لیے تیار ہو گئے۔ ادھر قریش کے کچھ لوگوں نے مکہ خالی کر دیا اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر چلے گئے وہ کہنے لگے: ”ہم محمد (ﷺ) اور اس کے ساتھیوں کو عمرہ کرتے نہیں دیکھیں گے۔“ نیز قریش نے مشہور کر دیا کہ مسلمانوں کو یشرب کے بخارنے کمزور کر دیا ہے۔ اس لیے آپ ﷺ نے اپنے صحابہ کو ”زل“ اور ”اضطباع“ کا حکم دیا کہ وہ اپنا دھنا کندھاننگا کر کے پہلوانوں کی طرح اچھل اچھل کر طواف کریں۔ نیز آپ ﷺ نے فرمایا: [رَحِمَ اللَّهُ أُمَّراً أَرَاهُمْ الْيَوْمَ مِنْ نَفْسِهِ قُوَّةً] ”اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحمت فرمائے جو مشرکوں کو آج اپنی قوت دکھائے۔“ (البداية و النہایة: 227/4)

لہذا مسلمانوں نے آپ کی ہدایات پر عمل کرتے ہوئے قوت کا خوب مظاہرہ کیا۔ مسلمان مکہ مکرمہ میں انتہائی شان و شوکت سے داخل ہوئے۔ مسلمانوں کو اس شہر سے ڈرا دھمکا کر ہجرت پر مجبور کیا گیا تھا اور دور تک ان کا پیچھا کیا گیا تھا۔ اس کے بعد بدر واحد اور خندق کے میدانوں میں جنگیں ہو چکی تھیں اور مسلمان خیبر تک قابض ہو چکے تھے۔ ان حالات میں مسلمانوں کا حق بنتا تھا کہ شان و شوکت سے داخل ہوں اور رعب کے ساتھ طواف کریں۔ صلح حدیبیہ کی شرائط کے مطابق آپ ﷺ مکہ مکرمہ میں تین دن رہے۔

مسلمانوں کی اس پر شوکت آمد اور بارعب داخلے نے مکہ مکرمہ کی ایک نیک نفس معزز سردار خاتون کو انتہائی متاثر کیا اور ان کا دل رسول اللہ ﷺ کی محبت سے لبریز ہو گیا۔ یہ معزز خاتون میمونہ بنت حارث ہلالیہ تھیں۔ جو اپنی عمر کے چھ بیسویں سال میں تھیں۔ ان کا خاوند ابورہم بن عبد العزی قریشی فوت ہو چکا تھا۔ انہوں نے اپنی خواہش کا اظہار اپنی سگی بہن حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی بیوی ام الفضل سے کیا۔ حضرت عباس یہ خبر لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور گزارش

کی: ”میمونہ بنت حارث نے آپ کے حضور نکاح کی پیشکش کی ہے۔“ اللہ تعالیٰ نے مندرجہ ذیل آیت نازل فرمائی:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَحْلَلْنَا لَكَ أَزْوَاجَكَ الَّتِي أَتَيْتَ أَجُورَهُنَّ وَمَا مَلَكَتْ يَمِينُكَ مِمَّا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَيْكَ وَبَنَاتِ عَمَّكَ
وَبَنَاتِ عَمَّتِكَ وَبَنَاتِ خَالَاتِكَ وَبَنَاتِ خَلَاتِكَ الَّتِي هَاجَرْنَ مَعَكَ وَامْرَأَةً مُؤْمِنَةً إِنْ وَهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ إِنْ أَرَادَ النَّبِيُّ
أَنْ يَسْتَنْكِحَهَا خَالِصَةً لَكَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِي أَزْوَاجِهِمْ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ
لِكَيْلَا يَكُونَ عَلَيْكَ حَرَجٌ ۖ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ٥٠

”اے نبی! ہم نے آپ کے لیے وہ تمام بیویاں حلال کر دی ہیں جن کو آپ نے مہر دے کر ان سے نکاح کیا ہے اور وہ مملوک لونڈیاں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو جنگ وغیرہ میں بطور غنیمت عطا فرمائی ہیں۔ اور آپ کی وہ عمو اور پھوپھی زاد ماموں زاد اور خالہ زاد جنہوں نے آپ کے ساتھ ہجرت کی ہے۔ اور وہ مومن عورت بھی جو خود نبی کریم سے نکاح کی پیشکش کرے بشرطیکہ نبی بھی اس سے نکاح کرنا چاہے۔ لیکن تعدد ازواج کی یہ وسعت صرف آپ کے لیے ہے۔ عام مومن حضرات کے لیے ان کی بیویوں اور مملوکہ لونڈیوں کے بارے میں مقرر شدہ احکام سے ہم بخوبی واقف ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ آپ کو (سیاسی سماجی طور پر) کوئی مشکل اور تنگی لاحق نہ ہو۔ اور اللہ تعالیٰ بہت زیادہ بخشنے والا نہایت رحم کرنے والا ہے۔“ (الاحزاب: 50/33)

رسول اللہ ﷺ نے ان سے شادی کی اور ان کو مدینہ منورہ ساتھ لے آئے۔



عمرة القضاء

(ذی قعدہ 7ھ)

﴿لَقَدْ صَدَقَ اللَّهُ رَسُولَهُ الرُّؤْيَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ إِنْ شَاءَ اللَّهُ أُمَيْنِينَ مُحَلِّقِينَ رُءُوسَكُمْ وَمُقَصِّرِينَ لَا تَخَافُونَ ط﴾

”یقیناً اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو برحق سچا خواب دکھایا تھا۔ ان شاء اللہ تم ضرور امن و اطمینان کے ساتھ مسجد حرام میں داخل ہو گے۔ پھر تم (عمرہ کی ادائیگی کے بعد) اپنے سر منڈواؤ گے اور بال کٹواؤ گے۔ تمہیں کسی کا خوف نہ ہوگا۔ (الف: 27/48)

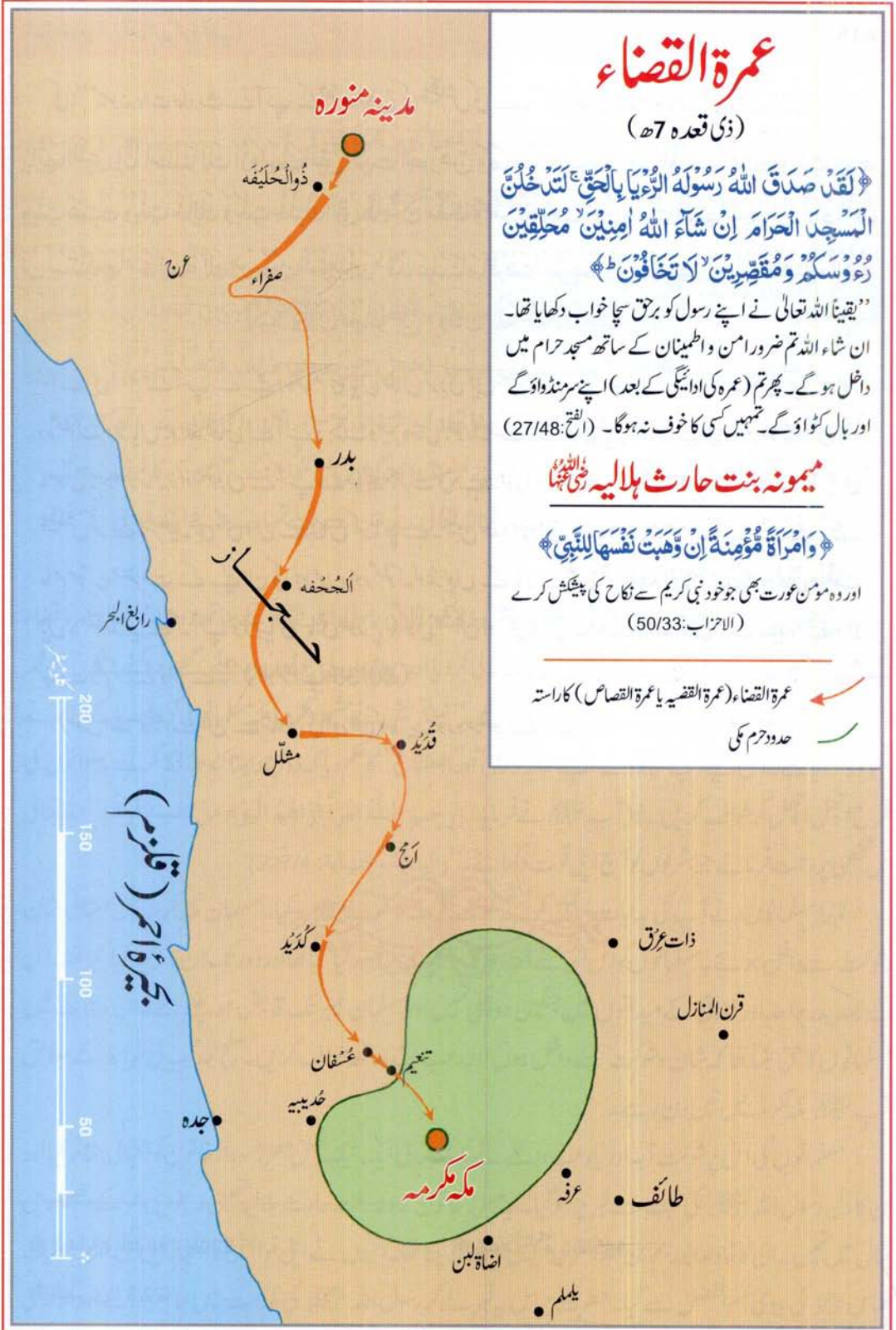
میمونہ بنت حارث ہلالیہ رضی اللہ عنہا

﴿وَأَمْرًا مُؤْمِنَةً إِنْ وَهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ﴾

اور وہ مومن عورت بھی جو خود نبی کریم سے نکاح کی پیشکش کرے (الاحزاب: 50/33)

عمرة القضاء (عمرة القضاء یا عمرة القصاص) کا راستہ

حدود حرم مکی



عمرۃ القضاء

ذی قعدہ 7 ہجری میں رسول اللہ ﷺ اس عمرے کی ادائیگی کے لیے روانہ ہوئے جس پر حدیبیہ کی صلح میں اتفاق ہوا تھا چنانچہ آپ ﷺ نے مدینہ کا انتظام حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو سونپا، قربانی کے ساٹھ اونٹ ساتھ لیے اور ان پر ناجیہ بن جندب اسلمی کو مقرر فرمایا اور ایک سو گھوڑے بھی ہمراہ تھے جن پر محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا۔

پھر ذوالحلیفہ پہنچ کر احرام باندھا اور لبیک پکاری۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی آپ کے ساتھ لبیک پکاری۔ پھر سب نے اپنا سفر جاری رکھا۔ جب وادی ”یانج“ پہنچے تو سارے ہتھیار رکھ دیے اور ان کی حفاظت کے لیے اوس بن خوی انصاری رضی اللہ عنہ کی ماتحتی میں دو سو آدمی وہیں چھوڑ دیے۔ صرف سوار کا ہتھیار یعنی میان میں رکھی ہوئی تلواریں لے کر ”کداء“ کے راستے سے جو ”حجون“ پر جا نکلتا ہے مکہ میں داخل ہوئے۔ اس وقت آپ اپنی اونٹنی قصواء پر سوار تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تلواریں حائل کیے آپ ﷺ کو گھیرے میں لیے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ بھی لبیک پکار رہے تھے اور وہ بھی لبیک پکار رہے تھے۔ اس طرح آپ ﷺ مسجد حرام میں داخل ہوئے۔ چھڑی سے حجر اسود کو چھوا پھر سواری ہی پر طواف کیا۔ مسلمانوں نے بھی طواف کیا۔ وہ قوت و جوانمردی کی شان کے مطابق داہنے کندھے کھولے خانہ کعبہ کے گرد دوڑ رہے تھے۔ مشرکین کعبہ کے شمال میں ”تعیقعان“ پہاڑ پر بیٹھے تھے۔ انہوں نے آپس میں باتیں کرتے ہوئے کہا تھا:

”تمہارے پاس ایک ایسی جماعت آرہی ہے جسے یثرب کے وہابی بخار نے توڑ ڈالا ہے۔“

لیکن جب مسلمانوں کو دیکھا کہ دوڑ کر طواف کر رہے ہیں تو کہنے لگے کہ یہ تو ایسے اور ایسے لوگوں سے بھی ٹکڑے ہیں۔ درحقیقت رسول اللہ ﷺ نے انہیں حکم دیا تھا کہ پہلے تین چکروں میں دوڑ لگائیں، تاکہ مشرکین کو اپنی قوت دکھلائیں، البتہ رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان نہ دوڑیں، کیونکہ یہ حصہ جنوب میں تھا جسے مشرکین دیکھ نہیں رہے تھے۔ طواف سے فارغ ہو کر آپ ﷺ نے صفا اور مروہ کی ”سعی“ کی اور ان کے سات پھیرے لگا کر مروہ کے پاس قربانی کے جانور ذبح کیے اور وہیں اپنا سر منڈوایا۔ مسلمانوں نے بھی یہی کیا۔ اس کے بعد کچھ لوگوں کو ”یانج“ بھیج دیا گیا کہ وہ ہتھیاروں کی حفاظت کریں اور جو لوگ حفاظت پر مامور تھے وہ آکر اپنا عمرہ ادا کر لیں۔

مکہ میں رسول اللہ ﷺ نے تین روز قیام فرمایا۔ چوتھے روز صبح آپ ﷺ نے مکہ چھوڑ کر مدینہ کی راہ لی۔

ذوالحلیفہ: دیکھیے باب ”بدر الکبریٰ“

کداء: یہ مکہ مکرمہ کے بلند علاقے (اعلیٰ) میں محصب کے پاس ایک چھوٹی گھاٹی ہے جو بائیں طرف اترتی ہے اور قبرستان (معلّاء) اس کے دائیں طرف رہ جاتا ہے۔ (معجم البلدان فی الاعلام)

حُجُون: یہ مکہ معظمہ کے بلند علاقے کی ایک پہاڑی ہے جس کے پاس ہی قبرستان ہے۔ یہ بیت اللہ سے ڈیڑھ میل کے فاصلے پر شمال مغرب میں ہے (معجم البلدان فی الاعلام)



جنگ موتہ (جیش امراء)

(جمادی الاولیٰ 8 ہجری)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنْ لَهُمُ الْجَنَّةَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ
وَيُقْتَلُونَ وَعَدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ وَالْقُرْآنِ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ مِنَ اللَّهِ فَاسْتَبْشِرُوا
بِبَيْعِكُمُ الَّذِي بَايَعْتُمْ بِهِ ۚ وَذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ١١١

”بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال خرید لیے ہیں کہ اس کے بدلے ان کو جنت ملے گی۔ وہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرتے ہیں کافروں کو قتل کرتے ہیں اور ان کے ہاتھوں قتل ہوتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے پکا وعدہ ہے جو تورات، انجیل اور قرآن میں مذکور ہے۔ اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر اپنے وعدے کی وفا کرنے والا اور کون ہو سکتا ہے؟ لہذا اپنے اس سودے پر خوش رہو جو تم نے اللہ تعالیٰ سے کیا ہے۔ یہ عظیم کامیابی ہے۔“ (التوبہ: 111/9)

رسول اللہ ﷺ نے 7 ہجری میں بادشاہوں اور گورنروں کو خطوط لکھے اور ان کو اسلام کی دعوت دی۔ خطوط لے جانے والے قاصدوں میں حارث بن عمیر ازدی بھی شامل تھے جنہیں بصری کے گورنر کی طرف بھیجا گیا تھا۔ جب یہ ”موتہ“ کے مقام پر پہنچے تو قیصر کی طرف سے مقرر کردہ شام کے ایک گورنر شرحبیل بن عمرو غسانی سے ان کا ٹاکرا ہوا۔ اس نے رسول اللہ ﷺ کے قاصد کو قتل کر دیا۔ غزوہ موتہ شرحبیل غسانی کی سرکوبی کے سلسلے میں ہوا۔

آپ ﷺ نے تین ہزار مجاہدین پر مشتمل ایک لشکر روانہ کیا اور اس پر حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو امیر مقرر فرمایا۔ آپ نے فرمایا: اگر زید شہید ہو جائے تو جعفر بن ابی طالب امیر ہوں گے۔ وہ بھی شہید ہو جائیں تو عبداللہ بن رواحہ امیر ہوں گے۔ جب یہ لشکر موتہ پہنچا تو پتہ چلا کہ رومی ایک لاکھ سے زائد تعداد میں جمع ہو چکے ہیں۔ ظاہر ہے تین ہزار کا ایک لاکھ تربیت یافتہ مسلح فوج سے کیا مقابلہ؟ لیکن اسلامی لشکر بھڑ گیا۔ اس بے جوڑ مقابلے میں مذکورہ بالا تینوں کمانڈر شہید ہو گئے تو جھنڈا حضرت خالد بن ولید جو سیف اللہ (اللہ تعالیٰ کی تلوار) کے لقب سے مشہور تھے، کو سنبھالنا پڑا۔ جو مزید کوئی نقصان اٹھائے بغیر لشکر کو بحفاظت نکال لائے۔ ورنہ خطرہ تھا کہ پورے کا پورا اسلامی لشکر تہ تیغ ہو جاتا۔

ادھر مدینہ منورہ میں مسلمان اس لشکر والوں سے کہنے لگے ”آؤ بھگوڑو! تم اللہ کے راستے (میدان جنگ) سے بھاگ آئے؟“ رسول اللہ ﷺ کو پتہ چلا تو آپ نے فرمایا: [بَلْ أَنْتُمْ الْكُفْرَارُونَ] ”نہیں! تم تو دوبارہ حملہ کرنے والے ہو۔ میں تمہارا مرکز ہوں۔“ ظاہر ہے مرکز کی طرف مزید مدد حاصل کرنے کے لیے لوٹ آنا میدان جنگ سے فرار نہیں ہوتا۔

اللہ تعالیٰ اپنی محکم کتاب میں فرماتا ہے۔

وَمَنْ يُؤْلِهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبْرَهُ إِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ أَوْ مُتَحَيِّزًا إِلَىٰ فِئَةٍ فَقَدْ بَاءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللَّهِ وَمَا لَهُ جَهَنَّمُ وِبِئْسَ الْمَصِيرُ ۝۱۶ فَلَمْ تَقْتُلُوهُمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ قَتَلَهُمْ وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ رَهَمَ ۝ وَلِيَبْلِي الْمُؤْمِنِينَ مِنْهُ بَلَاءٌ حَسَنًا ۚ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝۱۷

”جو شخص جنگ کے دن پیٹھ پھیر کر بھاگ جائے وہ اللہ کے غصے کا مستحق بن گیا۔ اس کا ٹھکانا جہنم ہے اور جہنم بہت برا ٹھکانا ہے۔ البتہ جو شخص لڑائی میں پینترہ بدلنے کے لیے پیچھے ہٹے یا مزید مدد حاصل کرنے کے لیے اپنے مرکز کا رخ کرے وہ مجرم نہیں۔ یاد رکھو! تم نے کافروں کو قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے انہیں قتل کیا ہے اور (اے نبی کریم!) جب آپ نے ان کی طرف کنکر پھینکے تھے تو درحقیقت آپ نے اپنی قوت سے نہیں پھینکے تھے بلکہ اللہ تعالیٰ نے (ان میں قوت و تاثیر رکھ دی تھی گویا اللہ تعالیٰ نے یہ) پھینکے تھے تاکہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے مومنوں پر احسان فرمائے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے۔“ (الانفال: 16/8، 17)



✽ الطبري : 37/3

✽ الكامل في التاريخ : 158/2

✽ عيون الأثر : 153/2

✽ ابن خلدون : 40/2

✽ ابن سعد : 234/3، 128/2، 341/1

✽ ابن هشام : 8/4

جنگ موتہ

موتہ: اردن کا ایک شہر جو ایک زرخیز میدان میں بحیرہ مردار کے جنوبی کونے کے مشرق میں اور کرک کے جنوب میں دو گھنٹے کی مسافت پر واقع ہے۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 731/21)

جنگ موتہ: شریل بن عمرو غسانی نے رسول اللہ ﷺ کے سفیر حارث بن عیسرازی رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا تو نبی ﷺ نے اس کا قصاص لینے کے لیے تین ہزار کا لشکر حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں روانہ کیا۔

اس لشکر نے جنوبی اردن پہنچ کر معان کے مقام پر پڑاؤ ڈالا۔ وہاں اسے معلوم ہوا کہ ہرقل ایک لاکھ کا لشکر لے کر ”مآب“ میں خیمہ زن ہے اور اس کے ساتھ مزید ایک لاکھ نصرانی عرب بھی شامل ہو گئے ہیں۔ اس اطلاع پر مسلمانوں نے دو راتیں مشورہ کیا کہ آیا رسول اللہ ﷺ کو لکھ کر آپ سے کمک طلب کریں یا جنگ میں کود پڑیں۔ ابن رواحہ رضی اللہ عنہ نے یہ کہہ کر انہیں گرما دیا کہ ”اب آپ لوگ جس بات سے کترارہے ہیں یعنی شہادت“ یہ وہی چیز ہے جس کی طلب میں ہم نکلے ہیں۔“ پھر انہوں نے کہا: ”ہم تعداد اور قوت و کثرت کے بل پر نہیں لڑتے، بلکہ ہماری لڑائی اس دین کے بل بوتے پر ہے جس سے اللہ نے ہمیں نوازا ہے۔ ہمارے سامنے دو خوبیاں ہیں، غلبہ یا شہادت۔“

لوگوں نے کہا: ”واللہ! ابن رواحہ سچ کہتے ہیں۔“ چنانچہ انہوں نے آگے بڑھ کر ”موتہ“ میں پڑاؤ ڈال دیا، پھر وہیں لشکر کو ترتیب دیا اور لڑائی کے لیے تیار ہو گئے۔

اب کیا تھا ایک خوفناک اور سنگین معرکہ شروع ہو گیا، جو تاریخ انسانی کا عجیب ترین معرکہ تھا۔ تین ہزار جانباز، دو لاکھ کے لشکر جبار کا مقابلہ کر رہے تھے اور دو بدوڑے ہوئے تھے۔ ہتھیاروں سے لیس رومیوں کا بھاری بھر کم لشکر دن بھر حملے کرتا اور اپنے بہت سے بہادر گنوا بیٹھتا تھا، لیکن اس مختصر نفری کو پسپا کرنے میں کامیاب نہیں ہوتا تھا۔

مسلمانوں کا ”علم“ پہلے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے لیا۔ وہ لڑتے رہے، یہاں تک کہ دشمن کے نیزوں میں گتھ گئے اور خلعت شہادت سے مشرف ہو کر زمین پر آ رہے۔ ان کے بعد حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے ”علم“ سنبھالا اور خوب جنگ کی۔ جب لڑائی کی شدت عروج کو پہنچی تو وہ اپنے سرخ و سیاہ گھوڑے کی پشت سے کود پڑے اس کی کوچیں کاٹ دیں اور وار پر وار کیے یہاں تک کہ ان کا دایاں ہاتھ کاٹ دیا گیا۔ انہوں نے اب جھنڈا بائیں ہاتھ میں لے لیا اور بلند رکھا، یہاں تک کہ ان کا بایاں ہاتھ بھی کٹ گیا۔ پھر دونوں باقی ماندہ بازوؤں کی مدد سے جھنڈا آغوش میں لے لیا اور وہ آسمانی فضا میں لہراتا رہا، یہاں تک کہ وہ نیزوں اور تیروں کے نوے سے زیادہ زخم کھا کر خلعت شہادت سے سرفراز ہو گئے۔ یہ سارے زخم ان کے جسم کے اگلے حصے میں آئے تھے۔ ان کے بعد حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کی باری تھی۔ انہوں نے جھنڈا لیا، آگے بڑھے، پھر اپنے معمہ نامی گھوڑے سے اتر کر لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔ ان کی شہادت کے بعد حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے علم سنبھال لیا اور (جنگی

چال چلتے ہوئے) اسلامی لشکر کو بحفاظت پیچھے لے آئے۔ (ملخص از فتح الباری، سیرت ابن ہشام، زاد المعاد صحیح بخاری)

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ: حضرت زید بن حارثہ بن شراحیل کلبی کو بچپن ہی میں بنو قین کے غارتگروں نے چرا کر بازار میں بطور غلام فروخت کے لیے پیش کر دیا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بھتیجے حکیم بن حزام بن خویلد نے انہیں خرید لیا اور مکے لاکر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ان کو زمانہ بعثت سے قبل ہدیہاً حضرت محمد ﷺ کی خدمت میں پیش کیا۔ زید رضی اللہ عنہ کے والد حارثہ مکہ مکرمہ پہنچے تاکہ انہیں آزاد کرائیں، لیکن حضرت زید رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے علیحدگی گوارا نہ کی۔ اس پر آپ ﷺ نے انہیں آزادی عطا کی اور اپنا منہ بولا بیٹا بنالیا۔ یوں ان کا نام زید بن محمد (رضی اللہ عنہ) مشہور ہو گیا۔ (اسد الغابہ: 2/350، 351)

حضرت زید رضی اللہ عنہ کی شادی نبی کریم ﷺ کی پھوپھی زاد زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے ہوئی جو طلاق پر منتج ہوئی اور پھر زینب رضی اللہ عنہا نبی کریم ﷺ کے عقد میں آئیں۔

حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ: جعفر بن ابی طالب کی کنیت ابو عبد اللہ اور والدہ کا نام فاطمہ ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سگے بھائی اور ان سے دس سال بڑے تھے۔ جب ابو طالب تنگ دست ہو گئے تو جعفر رضی اللہ عنہ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ انہیں اپنے گھر لے گئے تاکہ اپنے بھائی کے سر سے کچھ بوجھ ہلکا کریں۔ سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والوں میں جعفر رضی اللہ عنہ کا مقام چوبیسواں، اکتیسواں یا تیسواں ہے۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ ان لوگوں میں شامل تھے جنہوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ غزوہ خیبر کے موقع پر یہ حبشہ سے واپس آئے۔ غزوہ موتہ میں ان کے دونوں بازو کٹ گئے تھے۔ اس پر نبی ﷺ نے فرمایا: ”اللہ نے انہیں دو بازوؤں کے عوض دو پر عطا کر دیے ہیں جن کے ذریعے سے یہ جنت میں اڑتے پھرتے ہیں“ اس لیے انہیں جعفر طیار کہا جانے لگا۔ (ملخص از اسد الغابہ جلد: 1- اردو دائرہ معارف اسلامیہ، جلد: 7)

حضرت عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ: ان کا نسب نامہ یوں ہے: عبد اللہ بن رواحہ بن ثعلبہ بن امری القیس الانصاری الخزرجی۔ بڑے مشہور شاعر تھے۔ عقبہ کی رات انہیں بھی نقیب مقرر کیا گیا۔ بدر اور دیگر غزوات میں حاضر ہوئے۔ جنگ بدر کی بشارت مدینہ میں لائے۔ نبی ﷺ نے ان کے متعلق فرمایا: عبد اللہ انتہائی اچھا آدمی ہے۔ وہ غزوہ موتہ میں شہید ہو گئے۔ (الاصابہ: 72/4، 73)

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ: خالد بن ولید بن مغیرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے جلیل القدر صحابی، ایک عظیم سپہ سالار اور تاریخ ساز فاتح تھے۔ ان کی کنیت ابو سلیمان اور لقب سیف اللہ تھا۔ سلسلہ نسب ساتویں پشت (یعنی مرہ بن کعب بن لوی) میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور رسول اللہ ﷺ سے جا ملتا ہے۔ صلح حدیبیہ تک کفار مکہ نے اہل اسلام کے خلاف جتنی جنگیں لڑیں ان میں وہ شریک تھے۔ عمرہ القضاء (7ھ) کے بعد مسلمان ہوئے۔ فتنہ ارتداد کا استیصال کرنے اور قیصر و کسریٰ کی سطوت و شہمت ختم کرنے میں نمایاں کردار ادا کیا۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی وفات ساٹھ سال کی عمر میں محرم (شام) میں ہوئی۔ (ملخص: الاصابہ، اسد الغابہ، الاستیعاب، سیر اعلام النبلاء)

فتح مکہ

(10 رمضان 8 ہجری)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ ۖ وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا ۖ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْ لَهُ ۚ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا ۝

”جب اللہ تعالیٰ کی مدد اور اصل فتح آچکی اور آپ نے دیکھ لیا کہ لوگ اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہو رہے ہیں تو آپ اپنے رب کی حمد و تسبیح میں مشغول ہو جائیں اور مسلسل استغفار کیا کریں (یعنی آخرت کی تیاری فرمائیے۔) بلاشبہ اللہ تعالیٰ بہت زیادہ توبہ قبول فرمانے والا ہے۔“ (النصر: 1/110...3)

رمضان 8 ہجری میں قریش نے خود ہی صلح حدیبیہ کی طے شدہ شرائط کو توڑ ڈالا جو انہوں نے بڑی ضد اور اصرار کے ساتھ منوائی تھیں۔ وہ جان چکے تھے کہ صلح حدیبیہ نے اسلام کی نشر و اشاعت کے لیے بہترین فضا مہیا کر دی ہے۔ دو سال سے بھی کم عرصہ میں جو کہ صلح حدیبیہ کی مدت بنی اتنے لوگ مسلمان ہوئے کہ اس سے پہلے تقریباً بیس سال کے عرصے میں بھی اتنے لوگ مسلمان نہ ہوئے تھے۔

بات یوں بنی کہ قریش نے مسلمانوں کے حلیف بنو خزاعہ کے خلاف ان کے دشمن بنو بکر کی مدد کی جس کے نتیجے میں خزاعہ کے بہت سے آدمی مارے گئے۔ عمرو بن سالم خزاعی مدینے پہنچا اور رسول اللہ ﷺ کو صورت حال سے مطلع کیا۔ ادھر ابوسفیان بھی مدینے آیا تاکہ شرائط صلح کی خلاف ورزی کی تلافی کر سکے لیکن کسی مسلمان نے اس کی طرف توجہ بھی نہ کی۔ اسے یہ کہنا پڑا۔ ”میں نے اصحاب رسول ﷺ کو ٹٹول ٹٹول کر دیکھا مگر میں نے کوئی قوم اپنے قائد و بادشاہ کی اس قدر فرمان بردار نہیں دیکھی۔“

8 ہجری رمضان المبارک میں آپ ﷺ نے فتح مکہ کے قصد سے چلنے کا قطعی فیصلہ فرمایا۔ لیکن آپ نے یہ فیصلہ قریش سے مخفی رکھا۔ اتفاقاً حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ نے قریش کو مطلع کرنے کی کوشش کی حالانکہ وہ مخلص بدری مسلمان تھے۔ ان کا خیال یہ تھا کہ اس طرح قریش پر ایک احسان ہو جائے گا اور وہ میرے اہل و عیال کی حفاظت کریں گے جبکہ رسول اللہ ﷺ کا پروگرام یہ تھا کہ اچانک حملہ کیا جائے تاکہ وہ مقابلے کی کوشش نہ کر سکیں۔ اس طرح حرم پاک خون ریزی سے محفوظ رہے۔ اللہ تعالیٰ نے حاطب کے بارے میں یہ آیات نازل فرمائیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ تُلْقُونَ إِلَيْهِم بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوا بِمَا جَاءَكُمْ

مِّنَ الْحَقِّ يُخْرِجُونَ الرُّسُولَ وَإِيَّاكُمْ أَن تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ بِرِكَمٍ ۖ إِن كُنتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِي سَبِيلِي وَابْتِغَاءَ
مَرْضَاتِي تُسِرُّونَ إِلَيْهِمْ بِالْهُدُودِ ۖ وَأَنَا أَعْلَمُ بِمَا أَخْفَيْتُمْ وَمَا أَعْلَنْتُمْ ۖ وَمَن يَفْعَلْهُ مِنكُم فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ
السَّبِيلِ ① إِن يَتَقَفُّوكُم يَكُونُوا لَكُمْ أَعْدَاءً ۖ وَيَبْسُطُوا إِلَيْكُمْ أَيْدِيَهُمْ ۖ أَلَسَنَتُهُم بِالشُّؤْءِ وَوَدُّوا لَوْ
تَكْفُرُونَ ② لَن تَنْفَعَكُم أَرْحَامُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ ۖ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَفْصِلُ بَيْنَكُمْ ۖ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ③

”اے ایمان والو! تم میرے اور اپنے مشترکہ دشمن کو دوست نہ بناؤ۔ تم ان سے دوستی کرنا چاہتے ہو حالانکہ انہوں نے تمہارے پاس آنے والے حق کا صاف انکار کیا ہے۔ انہوں نے اللہ کے رسول کو اور خود تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا صرف اس بنا پر کہ تم اپنے رب اللہ پر ایمان لے آئے ہو تعجب ہے تم میرے راستے میں اور میری رضامندی کے حصول کے لیے جہاد کے لیے بھی نکلتے ہو اور ان سے خفیہ طور پر دوستی بھی کرنا چاہتے ہو؟ (یاد رکھو!) میں تمہاری ہر ظاہر اور باطن بات کو جانتا ہوں۔ جو شخص یہ طرز عمل اختیار کرے وہ سیدھے راستے سے قطعاً بھٹک چکا ہے۔ اگر وہ تم پر قابو پالیں تو تمہارے سخت دشمن ثابت ہونگے اور اپنے ہاتھوں اور زبانوں سے تمہیں ہر ممکن تکلیف پہنچائیں گے۔ ان کی تو زبردست خواہش ہے کہ تم بھی کافر بن جاؤ۔ (یاد رکھو!) تمہارے رشتہ دار اور آل اولاد قیامت کے دن تمہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچائیں گے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے درمیان فیصلے فرمائے گا۔ اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو بخوبی دیکھ رہا ہے۔“ (الممتحنہ: 1/60...3)

مسلمانوں کا لشکر 10 ہزار کی تعداد میں رسول اللہ ﷺ کی زیر قیادت چلا۔ ذوطوی اور اذخر کے مقام پر آپ ﷺ نے لشکر کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا:

- ① ایک حصہ حضرت زبیر بن عوام کے تحت مقرر فرمایا کہ وہ مکہ کی شمالی جانب سے داخل ہو۔
 - ② دوسرا حضرت خالد بن ولید کی قیادت میں جنوبی جانب سے داخل ہوا۔
 - ③ تیسرا قیس بن سعد بن عبادہ کے ماتحت مغربی جانب سے داخل ہوا۔
 - ④ چوتھا ابوعبیدہ بن جراح کی زیر ہدایت جبل ہند کی طرف سے داخل ہوا۔
 - ⑤ پانچواں حصہ رسول اللہ ﷺ کی معیت میں ”حجون“ کے مقام پر پہنچا جو کہ اسلامی لشکر کا مرکز تھا۔
- اس اچانک حملے نے قریش کو بدحواس کر دیا۔ ان کو یقین ہو گیا کہ وہ مزاحمت نہیں کر سکتے، لہذا یہ ”نبی مہاجر“ (ﷺ) اپنے لشکر کے ساتھ فاتحانہ شان سے بیس رمضان المبارک 8 ہجری کو مکہ مکرمہ میں داخل ہوا۔ اس وقت آپ بار بار سورہ نصر کی تلاوت فرما رہے تھے۔ **ارشاد باری تعالیٰ ہے:**

إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ ۖ وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا ۖ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْ لَهُ ۚ
إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا ۝

”جب اللہ کی مدد آچکی اور واضح فتح حاصل ہوگئی اور آپ نے دیکھ لیا کہ لوگ اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہو رہے ہیں۔ سو آپ اپنے رب کی تحمید و تسبیح میں مشغول ہو جائیں اور مسلسل استغفار کیا کریں۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ بہت توبہ قبول کرنے والا ہے۔“ (النصر: 1/110...3)

آپ نے بتوں کو توڑ پھوڑ دیا ساتھ ساتھ آپ یہ آیت تلاوت فرما رہے تھے:

وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ ذَهُوْقًا ﴿٨١﴾

”کہہ دیجیے! حق آگیا اور باطل ختم ہو گیا۔ بلاشبہ باطل ختم ہونے والی چیز ہے۔“ (الاسراء: 81/17)

پھر عام معافی کا اعلان فرمایا: [اذْهَبُوا فَأَنْتُمْ الطُّلُقَاءُ] ”جاؤ! تم سب آزاد ہو۔“ (تاریخ الطبری: 174/3)

دل فتح ہو گئے اور تمام قریش خوش خوشی دائرۂ اسلام میں داخل ہو گئے۔ سب کو یقین آچکا تھا کہ اسلام ہی حق ہے جزیرۂ عرب سے بت پرستی ہوا ہوگئی۔ بالخصوص قریش اور ثقیف کے اسلام قبول کرنے کے بعد اور آئندہ سال 9 ہجری میں جزیرۂ عرب کے کونے کونے سے وفد آنے لگے اور اپنے اسلام کا اعلان کرنے لگے۔ حتیٰ کہ اس سال کو عام الوفود کہا جانے لگا۔



❁ الطبري : 51/3

❁ الكامل في التاريخ : 163/2

❁ عيون الأثر : 167/2

❁ ابن خلدون : 42/2

❁ ابن سعد : 135/2

❁ ابن هشام : 30/4

❁ البداية والنهاية : 285/4

فتح مکہ (20 رمضان 8ھ)

﴿إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ﴾

”جب آجائے مدد اللہ کی اور فتح“ (النصر: 1/110)

مکہ اور مدینہ سے ہونے والی
مدینہ منورہ جانے والا راستہ

ذی طوی
اذاخر

عراق کا راستہ

نہر بن عوام

ابوعبیدہ بن جراح

جبل ہند

الخجوج

قبر خدیجہ رضی اللہ عنہا

عرفات کا راستہ

کداء

قیس بن سعد بن عبادہ

خندومہ

بیت رسول اللہ ﷺ

جبل ابی قُبیس

ابجیل

بیت کا راستہ

خالد بن ولید

جدہ کا راستہ

مکہ مکرمہ

مسجد الحرام

صفاء

زمن

ابراہیم

ابن کلاب

ابن کلاب

ابن کلاب

ابن کلاب

ابن کلاب

فتح مکہ

حدیبیہ میں جو معاہدہ فریقین کے مابین طے پایا تھا اس میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ دس سال تک جنگ نہیں ہوگی۔ نیز قبائل عرب کو اختیار ہے کہ وہ جس فریق کے ساتھ چاہیں مل سکتے ہیں۔ اور فریقین میں سے کسی کو دوسرے کے حلیف پر ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہیں ہوگی۔ اس کے باوجود قبیلہ بنو خزاعہ جو مسلمانوں کا حلیف بن گیا تھا اس کے حریف بنو بکر قریش کے معاون بن گئے اور ان کی حمایت میں قریش نے حرم کے اندر بنو خزاعہ کو قتل کیا۔ اس سانحہ کے بعد بنو خزاعہ کے لوگ شکایت لے کر دربار محمدی ﷺ میں حاضر ہوئے۔ نبی اکرم ﷺ نے قریش کے پاس قاصد بھیجا کہ وہ مقتولین کا خون بہا ادا کریں یا بنو بکر کی حمایت چھوڑ دیں، ورنہ پھر اعلان کر دیں کہ حدیبیہ کا معاہدہ ٹوٹ گیا ہے۔

یہ شرائط سن کر قریش کی جانب سے قرطہ بن عمر نے کہا کہ ہمیں تیسری شرط منظور ہے (زرقانی جلد 2)۔ لیکن جب رسول اللہ ﷺ کا قاصد قریش کا یہ فیصلہ سن کر مدینہ طیبہ روانہ ہو گیا، تو بعد میں قریش کو ندامت ہوئی۔ انہوں نے فوراً ابوسفیان کو تجدید عہد کے لیے مدینہ بھیجا۔ وہ بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے مگر اب رسول اللہ ﷺ کعبہ شریف کو بتوں کی نحوست سے پاک کرنے کا فیصلہ کر چکے تھے۔ اس لیے آپ ﷺ نے تجدید عہد سے گریز کیا اور ابوسفیان کے لوٹ جانے کے بعد تطہیر کعبہ کے لیے لشکر کشی کی تیاریاں شروع فرمادیں۔ غرض 10 رمضان المبارک 8ھ کو آپ ﷺ مکہ مشرفہ کی طرف بڑھے۔ دس ہزار مسلح جاں نثار ہمرکاب تھے۔ مراظہ ان میں جو مکہ معظمہ سے ایک منزل کے فاصلہ پر تھا محمدی فوج فروکش ہوئی۔ آپ ﷺ کے ارشاد کے مطابق تمام فوج نے الگ الگ آگ روشن کی جس سے تمام صحرا وادی امین بن گیا۔ قریش کو بھی خبر پہنچ چکی تھی، انہوں نے تحقیق حال کی لیے حکیم بن حزام (سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بھتیجے) ابوسفیان اور براء بن ورقاء کو بھیجا۔

خیمہ نبوی کے محافظ دستہ نے انہیں گرفتار کر کے بارگاہ رسالت میں پیش کر دیا۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ گویا ہوئے کہ اب کفر کے استیصال کا وقت آ گیا ہے۔ مگر سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے ان کی جان بخشی کی استدعا کی جسے شرف قبولیت سے نوازا گیا۔ ابوسفیان کے گزشتہ تمام کارنامے سب کے سامنے تھے۔ ان میں سے ہر ایک فعل اس کے قتل کا متقاضی تھا۔ لیکن نبی اکرم ﷺ نے بے پایاں عفو سے کام لیتے ہوئے چپکے سے ابوسفیان سے کہہ دیا لا تخف (مت ڈرو)۔ اس خلق عظیم کا اثر قلب ابوسفیان پر اس قدر جلد ہوا کہ وہ فوراً حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ رحمت للعالمین ﷺ نے فرمایا کہ انہیں پہاڑ کی چوٹی پر کھڑا کریں تاکہ الہی افواج کے جلال کا مظاہرہ کر لیں۔ تھوڑی دیر بعد لشکر اسلام موج در موج مکہ مکرمہ کی طرف بڑھا۔ آپ نے مکہ معظمہ پہنچ کر زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کو علم نبوی مقام حجون میں نصب کرنے کا فرمایا۔ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو اسلامی فوج کی کمان کرتے ہوئے زیریں علاقہ سے داخل ہونے کا حکم صادر فرمایا اور خود بالائی سمت سے تشریف لائے۔ (صحیح بخاری، کتاب المغازی)

قریش میں اس لشکر جرار کے مقابلہ کی جرأت نہیں تھی۔ انہیں جان کے لالے پڑ گئے۔ لیکن رحمت للعالمین ﷺ نے اپنے جاں نثاروں سے فرمایا کہ جب تک کوئی شخص حملہ آور نہ ہو اس پر تلوار نہ اٹھائی جائے۔ جو شخص ہتھیار ڈال دے اسے قتل نہ کیا جائے۔ جو آدمی ابوسفیان کے گھر پناہ لے اسے امان دی جائے۔ جو آدمی اپنے گھر کا دروازہ بند کر لے اسے پر چڑھائی نہ کی جائے۔ جو کوئی کعبہ شریف میں داخل ہو جائے اسے امن دیا جائے اور جو شخص بھاگ جائے اس کا تعاقب نہ کیا جائے۔ (صحیح مسلم، کتاب الجہاد باب فتح مکہ، حدیث: 1780)

فتح مکہ کے موقع پر نبی ﷺ نے منیٰ میں خیف بنی کنانہ کے مقام پر قیام فرمایا تھا۔ یہی وہ جگہ تھی جہاں کفار نے مسلمانوں کے خلاف باہم متحد رہنے کا عہد و پیمان کیا تھا۔ (بخاری جلد 1)

کعبۃ اللہ جو سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی عظیم الشان یادگار تھا، اس کی آغوش میں 360 بت جاگزیں تھے جنہیں امام الانبیاء ﷺ لائٹھی کی ٹھوکر سے گراتے اور یہ آیت پڑھتے جاتے تھے: ﴿جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا﴾ (صحیح بخاری، کتاب المغازی)

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ کعبہ شریف میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور سیدنا اسماعیل علیہ السلام کے بت بھی تھے جن کے ہاتھ میں تیر دے رکھے تھے۔ نبی ﷺ نے انہیں اور دیگر سب بتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر کر باہر پھینکوا دیا۔ آپ نے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ کعبہ کی دیواروں پر جتنی تصویریں بنی ہیں انہیں مٹا دیں۔ جب کعبہ شریف شرک کی آلائشوں سے پاک صاف ہو گیا تو نبی ﷺ نے عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ سے چابی طلب فرمائی اور حضرت بلال اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہما کے ساتھ کعبہ شریف میں داخل ہو کر نوافل ادا فرمائے۔ (صحیح بخاری، کتاب المغازی)

اس کے بعد آپ نے قریش کے سامنے توحید و رسالت پر مبنی ایک فصیح و بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا جس میں عام معافی کا اعلان ان الفاظ میں فرمایا: (لَا تَشْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ اِذْهَبُوْا فَاَنْتُمْ الطُّلُقَاءُ) ”تم سے آج کوئی مواخذہ نہیں۔ جاؤ تم سب آزاد ہو۔“

20 رمضان المبارک 8ھ بروز جمعہ مکہ معظمہ فتح ہوا۔ اور دس یا پندرہ دن قیام کرنے کے بعد حضور ﷺ حنین تشریف لے گئے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: نبی ﷺ کے ساتھ ہم دس دن مکہ میں رہے اور نماز قصر پڑھتے رہے۔ البتہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں 19 دن قیام کرنے کا ذکر پایا جاتا ہے۔ (صحیح بخاری، کتاب المغازی)

فتح مکہ کے سیاسی اثرات: مکہ معظمہ فتح ہونے کے بعد قریش کا جاہ و جلال اور شان و شوکت خاک میں مل گئی۔ عرب کے تمام قبائل اس انتظار میں تھے کہ قریش اور مسلمانوں میں سے کون سا فریق غالب اور فاتح بنتا ہے تاکہ وہ بھی اسی کی رفاقت اختیار کریں چنانچہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی عملی تصویر ساری دنیا نے دیکھ لی:

﴿اِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا﴾ ”جب اللہ تعالیٰ کی مدد اور فتح آگئی اور آپ نے دیکھ لیا کہ لوگ فوج در فوج دین اسلام میں داخل ہو رہے ہیں۔“

9ھ میں قبائل عرب کے نمائندہ وفود اس کثرت سے بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے کہ اس سال کا نام ہی ”عام الوفود“ مشہور ہو گیا۔ بنو تمیم، ملوک حمیر، اہل نجران، سلامان، ازد، ہمدان، ملوک کندہ، عبد قیس، بنو حنیفہ، کندہ، وائل بن حجر، مذحج، محارب، حضرموت، عیس، خولان اور طے کے وفود آئے۔ گویا کہ سارا عرب اٹھ کر پروانہ وار شمع رسالت کے گرد جمع ہو گیا۔

مرالظہر ان امر یا مڑوے کو کہتے ہیں۔ مرالظہر ان مکہ سے مدینہ کے راستے پر 25 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ اس کو وادی فاطمہ بھی کہتے ہیں۔

کدید: مکہ سے مدینے کے راستے پر عسفان اور قدید کے درمیان ایک وادی ہے جس میں پانی بکثرت ہوتا ہے۔ یہاں کھجور کے باغات ہیں۔ فتح مکہ کے سفر میں آپ ﷺ نے اور صحابہ کرام نے روزہ رکھا ہوا تھا۔ جب کدید پہنچے تو روزے سے صحابہ کو خاصی مشقت ہوئی، لہذا آپ ﷺ نے روزہ افطار کیا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی افطار کر دیا۔ (معجم ما استعجم:

(1119/4، 1120)

حجون: دیکھیے باب ”عمرة القضاء“۔



حنین اور طائف

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ فِي مَوَاطِنَ كَثِيرَةٍ ۖ وَ يَوْمَ حُنَيْنٍ ۖ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمُ مُدْبِرِينَ ﴿٥﴾ ثُمَّ أَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَى رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَأَنْزَلَ جُنُودًا لَمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِينَ كَفَرُوا ۖ وَذَلِكَ جَزَاءُ الْكَافِرِينَ ﴿٦﴾ ثُمَّ يَتُوبُ اللَّهُ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ عَلَى مَن يَشَاءُ ۖ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿٧﴾

”اللہ تعالیٰ نے بہت سے مقامات پر تمہاری مدد فرمائی، خصوصاً ”حنین“ میں (بھی تمہاری مدد فرمائی۔) جب تمہیں اپنی کثرت پر ناز ہونے لگا تھا، لیکن تمہاری کثرت نے تم کو کچھ فائدہ نہ دیا۔ اور زمین باوجود وسیع ہونے کے تم پر تنگ ہو گئی پھر تم پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ تب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اور مومنین پر سکون و اطمینان نازل فرمایا اور ایسے لشکر اتارے جنہیں تم دیکھ نہیں سکتے تھے اور کافروں کو عذاب میں مبتلا کیا۔ کافروں کی یہی سزا ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ جس کی چاہے گا تو بہ قبول فرمائے گا اور اللہ تعالیٰ بہت غفور رحیم ہے۔“ (التوبہ: 25/9... 27)

20 رمضان 8 ہجری کی فتح مکہ کے بعد ہوازن اور ثقیف میں سراسیمگی کی لہر دوڑ گئی کیونکہ بت پرستی کا خاتمہ ہو چکا تھا اور یہ دونوں قبیلے سمجھتے تھے کہ قریش کے بعد اب مسلمانوں کا اگلا ہدف اور نشانہ ہم ہی ہونگے۔ ان کے عقل مند لوگ کہنے لگے: ”اب محمد (ﷺ) کے سامنے ہم تک پہنچنے میں کوئی رکاوٹ نہیں۔“ اس لیے انہوں نے فیصلہ کیا کہ آپ کے حملہ آور ہونے سے قبل ہم آپ پر حملہ کر دیں۔ ہوازن کے سردار مالک بن عوف نصری نے اپنے قبیلے اور ثقیف کو اکٹھا کر لیا۔ ارد گرد کے قبائل بنو نصر، بنو جشم، سعد بن بکر اور بنو ہلال کے کچھ لوگ بھی ان سے مل گئے۔ البتہ ہوازن میں سے کعب اور کلاب کے قبائل شریک نہ ہوئے۔ بنو جشم میں ایک جہاندیدہ شخص دُرید بن صممہ بھی تھا جس کی عمر 120 سال ہو چکی تھی اور اس کی نظر بھی جاتی رہی تھی۔ وہ لڑائی میں حصہ تو نہیں لے سکتا تھا البتہ اس کے مشورے، جنگی تجربے اور مہارت و معرفت سے فائدہ اٹھایا جاسکتا تھا۔

بنو ثقیف کا سردار کنانہ بن عبد یلیل تھا۔ اس کے ساتھ قارب بن اسود بن مسعود بن معتب بھی اہم شخص تھا۔ بنو مالک میں ذوالحمار شمیج بن حارث اور اس کا بھائی احمر بن حارث تھے۔ لیکن تمام لوگوں کا اصل قائد مالک بن عوف نصری ہی تھا۔ وہ فوج کے ساتھ ساتھ لوگوں کے تمام اموال و اولاد بھی میدان جنگ میں لے آیا تھا۔ اس نے ہوازن کے علاقے میں وادی اوطاس میں پڑاؤ ڈالا۔ اس کے پاس بیس ہزار سے زائد جنگجو تھے۔

آپ ﷺ 6 شوال 8 ہجری میں 12 ہزار کے لشکر کے ساتھ ان کی طرف بڑھے۔ آپ ﷺ کے لشکر میں دس ہزار تو فتح مکہ والا لشکر تھا اور دو ہزار مکہ کے نو مسلم تھے۔ آپ ﷺ 10 شوال کو وادی حنین میں پہنچے۔ مالک بن عوف بھی اپنے لشکر سمیت وادی اوطاس سے اٹھ کر وادی حنین میں آ گیا۔ دُرید بن صمہ کے مشورے سے کچھ لشکری وادی کی گھاٹیوں اور تنگ راستوں میں چھپ کر بیٹھ گئے تاکہ مسلمان لشکر پر اچانک پل پڑیں۔ آپ نے وادی حنین میں اپنا لشکر اتارا۔ ان کے سامنے کفار کے گھڑ سوار جنگجو تھے۔ انہوں نے دیکھتے ہی اسلامی لشکر پر حملہ کر دیا۔ ادھر ہوازن اور ثقیف کے تیرا انداز دستوں نے مسلمانوں کے گھوڑوں پر یکبارگی تیروں کی بوچھاڑ کر دی۔ مسلمانوں میں بھگدڑ مچ گئی۔ لیکن رسول اللہ ﷺ اور آپ کے قریبی چند صحابہ ثابت قدم رہے۔ پھر آپ کی کوششوں سے بھاگنے والے بھی واپس لوٹ آئے۔ آپ نے اپنے ساتھیوں کی مدد سے ایسا زوردار حملہ کیا کہ شکست فتح میں بدل گئی۔ مندرجہ ذیل آیات میں اسی صورت حال کا تذکرہ ہے:

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ فِي مَوَاطِنَ كَثِيرَةٍ ۚ وَيَوْمَ حُنَيْنٍ ۖ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُم مَّدْيَنَ ۖ ثُمَّ أَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَى رَسُولِهِ ۖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَأَنْزَلَ جُنُودًا لَمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِينَ كَفَرُوا ۖ وَذَلِكَ جَزَاءُ الْكَافِرِينَ ۖ ثُمَّ يَتُوبُ اللَّهُ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ عَلَى مَنْ يَشَاءُ ۖ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿٢٥﴾

”یقیناً اللہ تعالیٰ نے بہت سے مقامات پر تمہاری مدد فرمائی، خصوصاً ”حنین“ میں (بھی تمہاری مدد فرمائی۔) جب تمہیں اپنی کثرت پر ناز ہونے لگا تھا، لیکن تمہاری کثرت نے تم کو کچھ فائدہ نہ دیا۔ اور زمین باوجود وسیع ہونے کے تم پر تنگ ہو گئی پھر تم پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ تب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اور مومنین پر سکون و اطمینان نازل فرمایا اور ایسے لشکر اتارے جنہیں تم دیکھ نہیں سکتے تھے اور کافروں کو عذاب میں مبتلا کیا۔ کافروں کی یہی سزا ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ جس کی چاہے گا توبہ قبول فرمائے گا۔ اور اللہ تعالیٰ بہت غفور رحیم ہے۔“ (التوبہ: 25/9..... 27)

بنو ہوازن پسپا ہوئے تو ایسے بکھرے کہ جدھر منہ اٹھا، بھاگ کھڑے ہوئے۔ کچھ تو طائف کے قلعہ میں پناہ گزین ہو گئے۔ مالک بن عوف بھی ان میں شامل تھا۔ کچھ واپس اوطاس میں چلے گئے اور وہاں مورچہ بند ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو عامر اشعری کی زیر قیادت ایک لشکر ان کی طرف روانہ فرمایا۔ خود آپ ﷺ نے طائف کی طرف رخ کیا اور جا کر ان کا محاصرہ کر لیا۔ محاصرہ بیس سے زائد دن تک جاری رہا۔ طائف والے قلعہ کے اندر سے پتھر وغیرہ پھینکتے تھے۔ آپ نے نوفل بن معاویہ سے پوچھا: [مَاتَرَى فِي الْمَقَامِ عَلَيْهِمْ] (تاریخ الطبری: 3/187) ”کیا خیال ہے؟ ٹھہرنا چاہیے؟“ وہ کہنے لگے: ”اے اللہ کے رسول! یوں سمجھیں، لومڑی بل میں داخل ہو گیا ہے۔ آپ صبر سے بیٹھے رہیں گے تو آخر کار پکڑ لیں گے اور اگر چھوڑ کر چل دیں گے تو وہ آپ کا کوئی نقصان نہ کر سکے گا۔“ جناب رسول اللہ ﷺ نے اعلان فرمادیا: [إِنَّا قَافِلُونَ غَدًا إِنْ شَاءَ اللَّهُ] (صحیح البخاری، التوحید، حدیث: 7480) ”کل ہم واپس چلیں گے ان شاء اللہ۔“

”ثقیف سمجھ گئے کہ جب سب عرب بیعت کر کے مسلمان ہو چکے ہیں تو ہم اکیلے کیسے ان کا مقابلہ کر سکتے ہیں، لہذا انہوں نے اپنا ایک وفد مدینہ منورہ بھیجا۔ یہ رمضان المبارک 9 ہجری کی بات ہے۔ آپ نے ان سے اس شرط پر مصالحت کر لی کہ وہ مسلمان ہو جائیں۔ آپ نے ان پر حضرت عثمان بن ابی العاص ثقفی کو امیر مقرر فرمایا۔ اس طرح عرب کے ساتھ جس جنگ کا آغاز بدر سے ہوا تھا وہ حنین میں ختم ہو گئی۔ یہ دونوں جنگیں بہت اہم ہیں۔ اس لیے عموماً ان کو اکٹھا ذکر کیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے بدر و حنین۔



❁ الطبري : 72/3

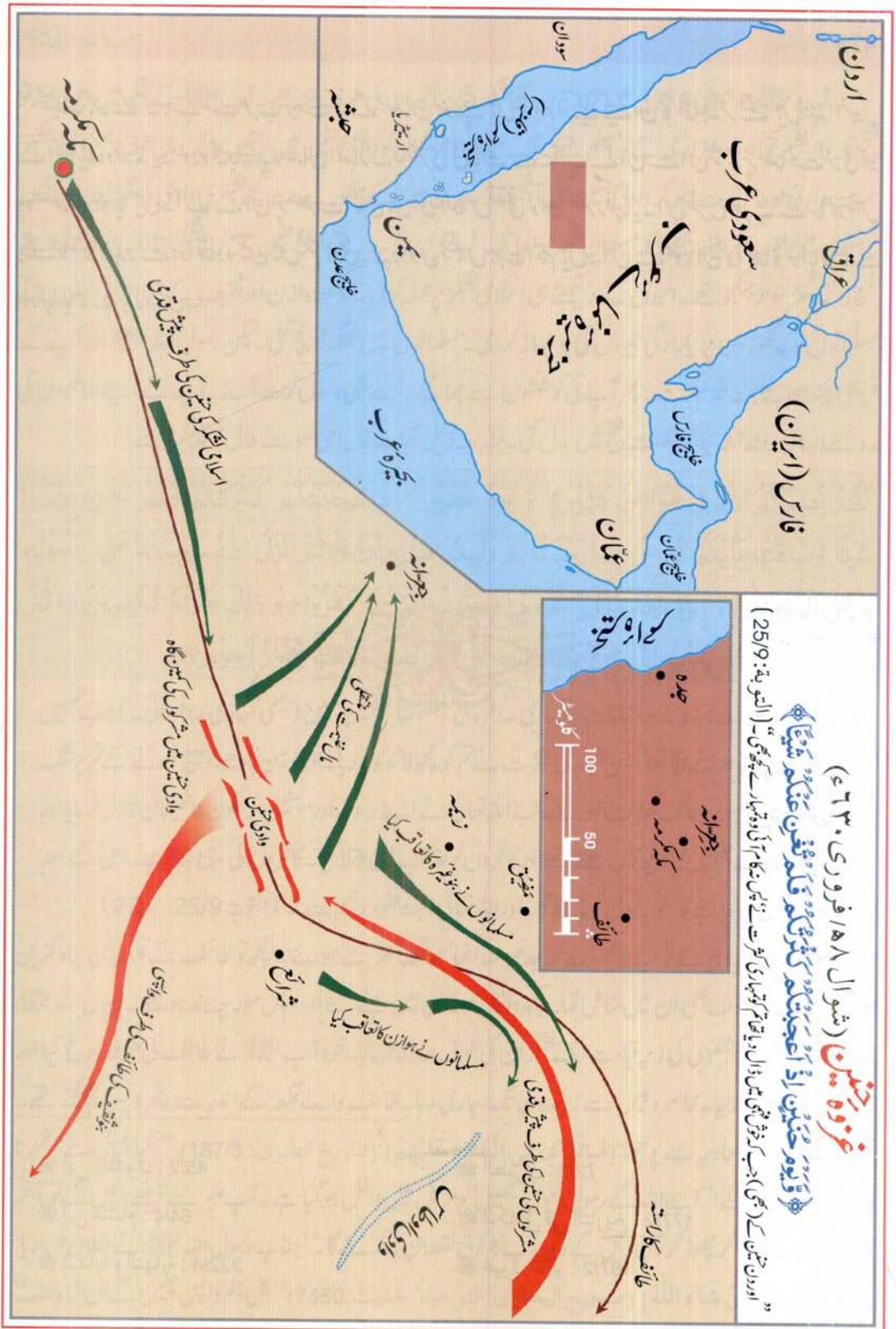
❁ الكامل في التاريخ : 177/2

❁ عيون الأثر : 187/2

❁ ابن خلدون : 45/2

❁ ابن هشام : 64/4

❁ البداية والنهاية : 322/4



اضافی توضیحات و تشریحات

حنین و طائف

حنین: یہ مکہ مکرمہ اور طائف کے درمیان ایک تنگ اور دشوار گزار گھاٹی تھی۔ جو مؤلف یا جغرافیہ نگار اس کا ذکر کرتے ہیں وہ متضاد روایتیں بیان کرتے ہیں۔ [در اصل یہ گھاٹی مکہ سے تین میل کے فاصلے پر واقع تھی، لیکن] کوئی مکہ سے اسے اونٹ کی ایک روزہ مسافت، کوئی دو اور کوئی چار دن کی مسافت قرار دیتا ہے۔ بظاہر یہ محض ایک غیر آباد اور بے آب و گیاہ مقام تھا جو 8ھ کے غزوہ نبوی کے باعث تاریخ اسلام میں شہرت پا گیا اور بعد میں کبھی آباد نہ ہوا۔ چونکہ دشمن نے اپنی عورتوں، بچوں اور ریوڑوں کے ساتھ یہاں پڑاؤ ڈالا تھا اس لیے یقین کرنا چاہیے کہ یہاں پانی کافی تھا اور اس بنا پر کچھ سرسبزی اور شاید نخلستان بھی ہو۔

غزوہ حنین: فتح مکہ کے بعد جب خفیہ اطلاعات اور پھر خصوصی فرستادہ جاسوسوں سے یقینی طور پر معلوم ہوا کہ قبائل ہوازن مسلمانوں پر حملے کی تیاریاں کر رہے ہیں تو نبی کریم ﷺ نے پیش قدمی کر کے ان کو شکست دی اور مفروروں کے تعاقب میں پہلے اوطاس آئے اور پھر آپ طائف تشریف لے گئے۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 696/8)

حنین کے بعد آپ نے طائف کا رخ کیا۔ راستے میں مالک بن عوف نصری کے قلعے سے گزرے تو اسے ڈھانے کا حکم دیا۔ جب آپ ﷺ طائف پہنچے تو دشمن ایک سال کی خوراک کا انتظام کر کے قلعہ بند ہو چکا تھا لہذا اس کا محاصرہ کر لیا۔ پہلے مسلمانوں کا پڑاؤ قریب تھا اس لیے دشمن نے تدبیر بنا کر مسلمانوں کو زخمی کر دیا لہذا وہ اس مقام پر اٹھ آئے جہاں طائف کی مسجد ہے۔ مسلمانوں نے دشمن کو ہتھیار ڈالنے پر مجبور کرنے کے لیے کئی تدبیریں اختیار کیں، لیکن کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی۔

محاصرے کو تقریباً بیس دن اور ایک روایت کے مطابق پورا مہینہ گزر گیا لہذا رسول اللہ ﷺ نے نوفل بن معاویہ دلمی سے مشورہ کیا۔ انہوں نے کہا: ”لومڑی اپنے بھٹ میں گھس گئی ہے اگر آپ ڈٹ گئے تو پکڑ لیں گے۔ اگر چھوڑ بھی دیں تو یہ آپ کا کچھ بگاڑ نہیں سکتی۔“ یہ سن کر آپ ﷺ نے کوچ کا اعلان فرما دیا۔ (تجلیات نبوت ص: 316-317)

طائف: طائف مکہ مکرمہ سے 96 کلومیٹر جنوب مشرق میں واقع ہے۔ مزید دیکھیے باب ”قریتان“ (دوبستیاں)۔



تبوک (غزوۃ العسرة)

(رجب 9 ہجری)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَقَدْ تَابَ اللَّهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ فِي سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيغُ قُلُوبَ فَرِيقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ إِنَّهُ بِهِمْ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ﴿١٦﴾ وَعَلَى الثَّلَاثَةِ الَّذِينَ خُلِفُوا حَتَّىٰ إِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ أَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوا أَن لَّا مَلْجَأَ مِنَ اللَّهِ إِلَّا إِلَيْهِ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوبُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿١٧﴾

”یقیناً اللہ تعالیٰ نے نبی کریم اور مہاجرین و انصار کی توبہ قبول فرمائی ہے جو انتہائی تنگی کے وقت میں نبی کریم کے ساتھ (تبوک) گئے جب کہ بعض لوگوں کے دل ٹیڑھے ہونے لگے تھے۔ پھر اللہ نے ان کی توبہ قبول فرمائی۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ لوگوں کے ساتھ بہت نرمی اور شفقت کرنے والا ہے۔ خصوصاً تین اشخاص کی توبہ قبول فرمائی جن کا معاملہ مؤخر کر دیا گیا تھا۔ حتیٰ کہ جب زمین باوجود وسیع ہونے کے ان پر تنگ ہو گئی اور وہ خود اپنے آپ سے تنگ آ گئے اور انہوں نے سمجھ لیا کہ اللہ سے بچنے کی کوئی جگہ نہیں علاوہ اس کے دامنِ عفو کے۔ تو اللہ نے ان کی توبہ قبول فرمائی تاکہ وہ دوبارہ ایسی غلطی نہ کریں۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہی بہت زیادہ توبہ قبول کرنے والا نہایت رحم کرنے والا ہے۔“ (التوبہ:

117/9، 118)

رسول اللہ ﷺ کو پتہ چلا کہ رومیوں نے شام میں لشکر کثیر جمع کر لیا ہے بلکہ انہوں نے کچھ لشکر بلقاء (اردن) میں بھی بھیج دیا ہے۔ اب دو ہی طریقے تھے یا تو ان کو مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کا کھلا موقع دیا جاتا یا شام جا کر ان سے دفاعی جنگ لڑی جاتی۔

رسول اللہ ﷺ نے دوسرا طریقہ پسند کیا کیونکہ یہ قوت و غیرت اور عزت والا راستہ تھا۔ آپ نے تبوک کی طرف نکلنے کا اعلان عام فرمادیا۔ صورتِ حال یہ تھی کہ انتہائی تنگدستی کا وقت تھا، گرمی شدید تھی اور قحط سالی بھی تھی۔ مگر تیس ہزار مجاہدین کا لشکر تیار ہو گیا۔ جن کے ساتھ دس ہزار شہسوار تھے۔

رسول اللہ ﷺ رجب 9 ہجری میں چلے اور تبوک میں خیمہ زن ہوئے۔ لیکن اس وقت تک رومی مسلمانوں کی جرأت دیکھ کر واپس جا چکے تھے اس لیے آپ نے اردگرد کے علاقے میں کارروائی شروع کر دی اور تبوک کو مرکز قرار دیا۔ آپ نے حضرت خالد بن ولید کو ذؤمۃ الجندل کی طرف بھیجا۔ ایلہ کا حکمران ”یُوْحَنَّا بن دُؤْبہ“ خود آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور جزیہ دینا قبول کیا۔ اسی طرح ”جرُبَاء“ اور ”أَذْرَح“ کے حکمران بھی خود حاضر ہوئے اور جزیہ پر مصالحت کی۔

غزوۃ تبوک سے چند چیزوں کا گہرا تعلق ہے اور ان کا ذکر قرآن مجید میں بھی ہوا:

① تنگی کا وقت:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَقَدْ تَابَ اللَّهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ فِي سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيغُ قُلُوبَ فَرِيقٍ مِنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ إِنَّهُ بِهِمْ رَعُوفٌ رَحِيمٌ ﴿١١٤﴾ وَعَلَى الثَّلَاثَةِ الَّذِينَ خَلَفُوا حَتَّىٰ إِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ أَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوا أَن لَّا مَلْجَأَ مِنَ اللَّهِ إِلَّا إِلَيْهِ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوبُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿١١٥﴾

”یقیناً اللہ تعالیٰ نے نبی کریم اور مہاجرین و انصار کی توبہ قبول فرمائی ہے جنہوں نے انتہائی تنگی کے وقت میں نبی کریم کا ساتھ دیا جب کہ کچھ لوگوں کے دل ٹیڑھے ہونے لگے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں توبہ کی توفیق دی۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ساتھ بہت شفقت و رحمت رکھتا ہے۔ خصوصاً وہ تین اشخاص جن کا فیصلہ مؤخر کر دیا گیا تھا، حتیٰ کہ جب زمین باوجود وسیع ہونے کے ان کے لیے تنگ ہو گئی بلکہ وہ خود اپنے آپ سے بھی تنگ آ گئے اور انہیں یقین ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ سے بچنے کی کوئی گنجائش نہیں سوائے اسی کے دامنِ عفو کے۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی۔ تاکہ وہ دوبارہ یہ غلطی نہ کریں۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہی بہت زیادہ توبہ قبول کرنے والا نہایت رحم کرنے والا ہے۔“ (التوبہ: 114/115)

(117/9/118)

② رونے والے: رسول اللہ ﷺ نے تبوک کی طرف نکلنے کا اعلان عام فرمایا تو کچھ صحابہ آ کر آپ سے کہنے لگے: ”ہمیں سواری مہیا فرمائیے“ آپ نے فرمایا: ”اللہ کی قسم! میرے پاس تمہارے لیے کوئی سواری نہیں۔“ وہ روتے ہوئے واپس چلے گئے کیونکہ ان کے لیے جہاد سے پیچھے رہنا بھی بہت شاق تھا اور ان کے پاس تھا بھی کچھ نہیں تھا کہ اخراجات یا سواری کا انتظام کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے انہی کی بابت یہ آیت نازل فرمائی:

وَلَا عَلَى الَّذِينَ إِذَا مَا اتَّوَكَّلُوا لَتَذِمَّ لَهُمْ قُلْتُ لَا أَحَدٌ مَّا أَحْبَبْتُكُمْ عَلَيْهِ تَوَكَّلُوا وَاعْيُنُهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا أَلَّا يَجِدُوا مَا يُنْفِقُونَ ﴿٩٦﴾

”ان لوگوں پر کوئی گناہ نہیں جو آپ کے پاس آئے تھے کہ آپ انہیں سواری مہیا فرمائیں مگر آپ نے فرمایا تھا کہ میرے پاس بھی کوئی گنجائش نہیں کہ میں تمہیں سواری مہیا کر سکوں۔ تو وہ آنکھوں سے آنسو برساتے ہوئے اس غم میں واپس لوٹے کہ ہمارے پاس اخراجات کے لیے کوئی چیز نہیں۔“ (التوبہ: 92/9)

یہ رونے والے بنو عمر و بن عوف بن عمیر انصاری قبیلہ کے سات آدمی تھے: سالم بن عمیر، ثعلبہ بن زید، عبد اللہ بن مغفل

علیہ بن زید، عمرو بن حمام بن جموح، ہرمی بن عبد اللہ اور عرابض بن ساریہ فزاری۔
بنو واقف قبیلہ سے ایک شخص تھے: حرمی بن عمرو۔

بنو مازن بن نجار سے بھی ایک شخص تھے: عبد الرحمن بن کعب۔
بنو معلیٰ میں سے سلمان بن صخر۔

بنو حارثہ میں سے عبد الرحمان بن یزید۔

بنو سلمہ میں سے عمرو بن عتّمہ اور عبد اللہ بن عمرو مزی۔

بعض کے نزدیک مُقَرَّن کے تین بیٹے معقل، سوید اور نعمان اور بعض کے نزدیک ان سے مراد ابو موسیٰ اشعری اور ان کے دوسرے بیٹے ساتھی۔

③ **مُخَلَّفُونَ** (جھوٹے بھانے تراش کر پیچھے رہنے والے): رسول اللہ ﷺ نے تبوک کا عزم فرمایا تو کچھ اعرابیوں نے جنگ میں شرکت سے بچنے کے لیے جھوٹے عذر پیش کیے۔ یہ بنو غفار کے بیسی (82) آدمی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں معذور تسلیم نہیں فرمایا۔ ان کی بابت فرمایا:

لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيبًا وَسَفَرًا قَاصِدًا لَاتَّبَعُوكَ وَلَكِنْ بَعَدَتْ عَلَيْهِمُ السُّفَّةُ وَ سَيَخْلِفُونَ بِاللّٰهِ
لَوْ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ يُهْلِكُونَ أَنْفُسَهُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ۖ عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ لِمَ أَذْنَتْ
لَهُمْ حَتَّىٰ يَتَّبِعِينَ لَكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَ تَعْلَمَ الْكَذِبِينَ ۖ لَا يَسْتَأْذِنُكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ
الْآخِرِ أَنْ يُجَاهِدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ وَاللّٰهُ عَلِيمٌ بِالْمُتَّقِينَ ۖ

”اگر قریبی غنیمت اور معمولی سفر ہوتا تو یہ ضرور بھاگے بھاگے جاتے، لیکن سفر زیادہ تھا اور وہ مشقت برداشت نہیں کرنا چاہتے تھے۔ وہ آپ کے سامنے قسمیں اٹھائیں گے کہ ”اگر ہم طاقت رکھتے تو ضرور تمہارے ساتھ جاتے۔“ دراصل یہ لوگ اپنے آپ کو تباہ کر رہے ہیں۔ اللہ جانتا ہے کہ یہ لوگ جھوٹے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو معاف کر دیا مگر آپ نے ان کو پیچھے رہنے کی اجازت کیوں دی؟ جب کہ آپ کے لیے ابھی ان کا بیچ اور جھوٹ واضح نہیں ہوا تھا۔ آپ سے پیچھے رہنے کی اجازت وہ لوگ طلب نہیں کرتے جو اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں۔ بلکہ وہ تو اپنی جانوں اور مالوں کے ساتھ جہاد کرتے ہیں۔ اور متقی لوگوں کو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔“ (التوبہ: 42/9..... 44)

انہی کے متعلق مزید فرمان الہی ہے:

وَجَاءَ الْمُعَذِّرُونَ مِنَ الْأَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ وَقَعَدَ الَّذِينَ كَذَبُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ سَيُصِيبُ الَّذِينَ
كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۙ

”عذر پیش کرنے والے اعرابی آئے کہ انہیں جنگ میں نہ جانے کی اجازت دی جائے اور اللہ اور اس کے رسول سے جھوٹ بولنے والے گھروں ہی میں بیٹھ رہے۔ عنقریب ان کافروں کو دردناک عذاب پہنچے گا۔“ (سورۃ التوبہ: 90/9)

④ تین پیچھے رہنے والے: کچھ مسلمان لوگ مخلص ہونے کے باوجود سستی کر بیٹھے حتیٰ کہ جناب رسول اللہ ﷺ سے پیچھے رہ گئے حالانکہ وہ شک اور نفاق سے کوسوں دور تھے۔ یہ تین اشخاص تھے:

❁ کعب بن مالک بن ابی کعب: ان کا تعلق بنو مسلمہ سے تھا۔

❁ ہلال بن امیہ: ان کا تعلق بنو واقف سے تھا۔

❁ مرارہ بن ربیع: ان کا تعلق بنو عمرو بن عوف سے تھا۔

ان کے علاوہ ایک چوتھے شخص بھی تھے مگر یہ بعد میں اکیلے چل کر تبوک میں نبی کریم ﷺ سے جا ملے تھے۔ گویا انہوں نے اپنی غلطی کا تدارک کر لیا۔ ان کا نام ابوخیثمہ عبداللہ بن خیثمہ انصاری تھا۔ ان کا تعلق بنو سالم سے تھا۔

یہ مخلص لوگ تھے۔ ان کے اسلام میں کوئی شک نہ تھا۔ واپسی کے بعد ان کو دلچسپ مگر مفید سزا دی گئی۔ کہ ان کا بایکٹ کر دیا گیا حالانکہ وہ لوگوں میں اور اپنے گھروں میں آزاد پھرتے تھے۔ یہ بایکٹ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کا بے مثال نمونہ تھا۔ پچاس دن کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی۔ (درج ذیل آیات میں ان کی توبہ کی قبولیت کا بیان ہے۔) ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَقَدْ تَابَ اللَّهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ فِي سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيغُ قُلُوبُ فَرِيقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ إِنَّهُ بِهِمْ رَعُوفٌ رَّحِيمٌ ۝۱۱۰ وَعَلَى الثَّلَاثَةِ الَّذِينَ خُلِفُوا ۖ حَتَّىٰ إِذَا ضَاقَّتْ عَلَيْهِمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ أَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوا أَنَّهُ لَا مَلْجَأَ مِنَ اللَّهِ إِلَّا إِلَيْهِ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوبُوا ۗ إِنَّ اللَّهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ۝۱۱۱

”یقیناً اللہ تعالیٰ نے نبی کریم اور مہاجرین و انصار کی توبہ قبول فرمائی ہے جو انتہائی تنگی کے وقت میں نبی کریم کے ساتھ (تبوک) گئے جب کہ بعض لوگوں کے دل ٹیڑھے ہونے لگے تھے۔ پھر اللہ نے ان کی توبہ قبول فرمائی۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ لوگوں کے ساتھ بہت نرمی اور شفقت کرنے والے ہیں۔ خصوصاً تین اشخاص کی توبہ قبول فرمائی جن کا معاملہ مؤخر کر دیا گیا تھا۔ حتیٰ کہ جب زمین باوجود وسیع ہونے کے ان پر تنگ ہو گئی اور وہ خود اپنے آپ سے تنگ آ گئے اور انہوں نے سمجھ لیا کہ اللہ سے بچنے کی کوئی جگہ نہیں علاوہ اس کے دامنِ عفو کے۔ تو اللہ نے ان کی توبہ قبول فرمائی تاکہ وہ دوبارہ ایسی غلطی نہ کریں۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہی بہت زیادہ توبہ قبول کرنے والا نہایت رحم کرنے والا ہے۔“ (التوبہ: 117/9-118)

⑤ **منافقین:** یہ ظاہراً مسلمان تھے اور باطناً کافر۔ ان کا سرخیل عبد اللہ بن ابی ابن سلول تھا جو ہجرت سے قبل یشرب کی سربراہی کے خواب دیکھا کرتا تھا جو رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری سے چکنا چور ہو گئے۔ انہوں نے اپنے مال کی سلامتی کی خاطر اسلامی قوت کے سامنے سرتوئوں کر دیے مگر درپردہ اسلام کے خلاف سازشوں میں لگ گئے۔ ان کا ایمان و اعتقاد سے کوئی تعلق نہ تھا بلکہ یہ لوگ اپنے ذاتی مفادات کی خاطر مسلمان بن کر رہتے تھے۔ یہ لوگ دوزخ کے اندر سب سے نچلے گڑھے میں ہوں گے۔ **ارشاد باری تعالیٰ ہے:**

إِنَّ الْمُنَافِقِينَ فِي الدَّرَكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيرًا ۝

”بلاشبہ یہ منافقین آگ کے سب سے نچلے گڑھے میں جائیں گے اور ان کا کوئی مددگار نہ ہوگا۔“ (النساء: 145/4)

ان منافقین کے بارے میں حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے خصوصی معتمد اور رازدان تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں منافقین کی پوری تفصیل بتائی تھی۔ کوئی اور صحابی انہیں معین طور پر نہ جانتا تھا۔ اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دستور یہ تھا کہ جب کوئی شخص فوت ہو جاتا تو دیکھتے حضرت حذیفہ جنازے میں موجود ہیں؟ اگر وہ موجود ہوتے تو حضرت عمر جنازہ پڑھا دیتے۔ ورنہ واپس تشریف لے آتے۔

ان منافقین کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَرِحَ الْخَلْفُونَ بِمَقْعَدِهِمْ خَلَفَ رَسُولُ اللَّهِ وَكَرِهُوا أَنْ يُجَاهِدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَقَالُوا لَا تَنْفِرُوا فِي الْحَرِّ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ أَشَدُّ حَرًّا لَوْ كَانُوا يَفْقَهُونَ ۝ فَلْيَضْحَكُوا قَلِيلًا ۝ وَلَيَبْكُنَّ كَثِيرًا ۝ جَزَاءً لِّمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ۝

”کچھ لوگ اللہ کے رسول سے پیچھے رہ کر مدینہ میں بیٹھ کر بہت خوش ہیں۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ اپنے جان و مال کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کریں۔ بلکہ انہوں نے دوسرے لوگوں سے بھی کہا: ”اتنی گرمی میں نہ نکلو“ کہہ دیجیے! جہنم کی آگ کی گرمی اس سے بہت زیادہ ہے۔ کاش انہیں سمجھ ہوتی۔ انہیں چاہیے کہ تھوڑا انہیں اور زیادہ روئیں۔ یہ ان کے بد اعمال کا بدلہ ہے۔“ (التوبة: 81/9)

⑥ **سابقون اولون:** سورہ توبہ میں جہاں غزوہ تبوک کے واقعات کا ذکر ہے وہاں سابقون اولون کا بھی ذکر ہے۔ ان کے بارے میں مفسرین کی آراء مختلف ہیں۔ بعض کہتے ہیں: ”ان سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے درخت کے نیچے حدیبیہ کے مقام پر رسول اللہ ﷺ کے دست حق پرست پر بیعت رضوان کی تھی۔ بعض مفسرین کے نزدیک ان سے مراد وہ لوگ ہیں جو بیعت رضوان سے پہلے مسلمان ہوئے اور اسلام پر قائم رہے۔ یہ سابقون اولون ہیں اور جو بیعت کے بعد مسلمان ہوئے وہ سابقون اولون میں شامل نہیں۔“ یہ بھی کہا گیا ہے: ”ان سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے

ساتھ دونوں قبلوں کی طرف نماز پڑھی اور وہ بدرواُحد میں شامل ہوئے۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ان سے مراد وہ صحابہ ہیں جو ہجرت اور نصرت میں آگے رہے۔ ان کے نزدیک جو ہجرت میں آگے ہیں وہ اسلام کے لحاظ سے بھی آگے ہیں۔ البتہ یہ ضروری نہیں کہ جو اسلام لانے میں آگے ہے وہ ہجرت میں بھی آگے ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَالسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۝۱۰

”مہاجرین و انصار میں سے سبقت لے جانے والے اولین لوگ اور جو صحابہ ان کے بعد ایمان لائے اور نیکی پر قائم رہے۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو گیا وہ اس سے راضی ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے ایسے باغات تیار کر رکھے ہیں جن میں نہریں اور دریا بہتے ہیں۔ وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہی عظیم کامیابی ہے۔“ (التوبہ: 100/9)



تفسیر الطبری: 213/6، 6/7

روح المعانی: 231/6

فتح القدیر: 393/2

الکامل فی التاریخ: 189/2

عیون الأثر: 216/2

ابن خلدون: 44/2

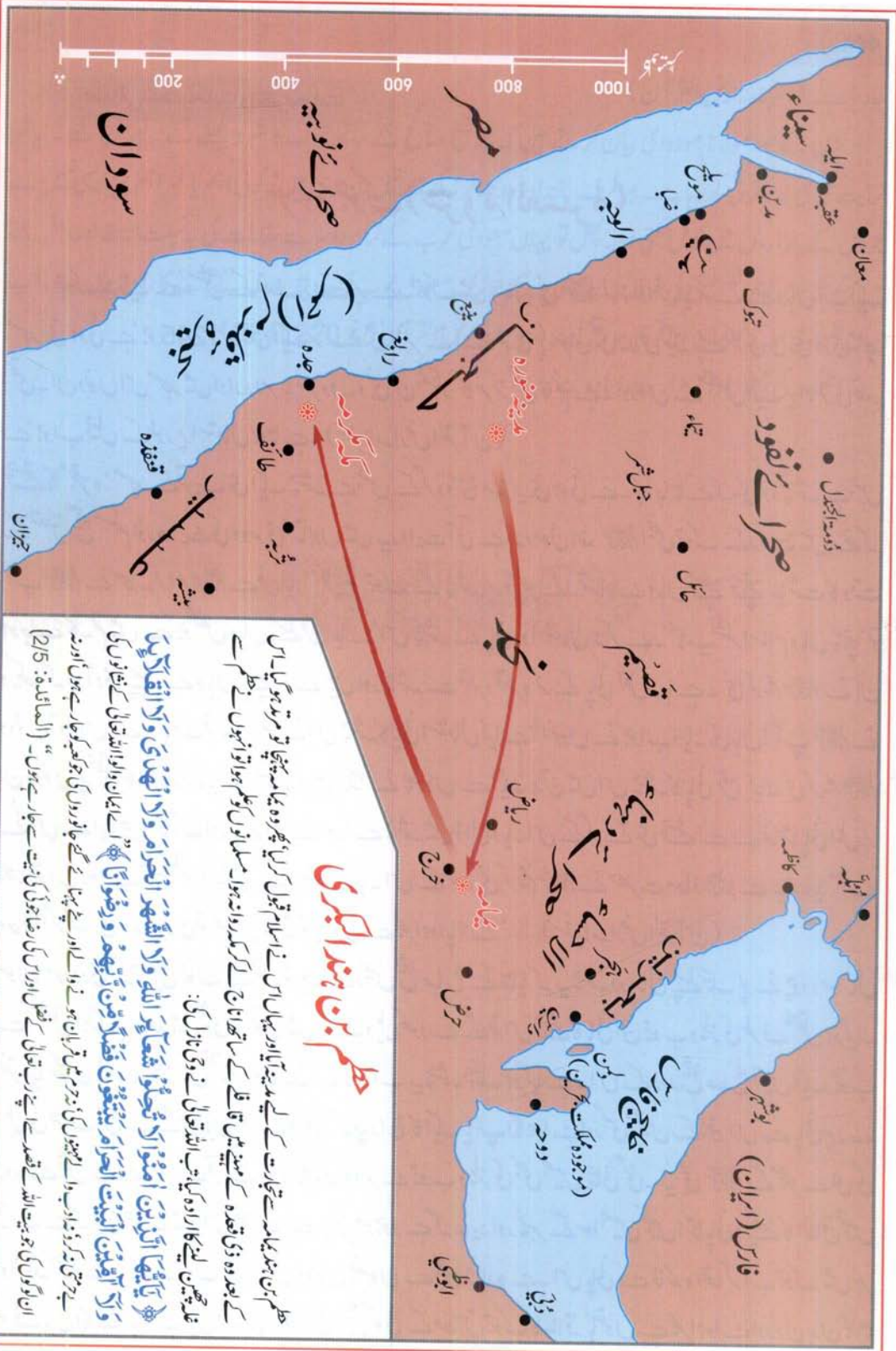
ابن سعد: 165/2

ابن ہشام: 118/4

أسد الغابة: 93/5

البداية والنهاية: 2/5

تاریخ الطبری: 102/2، 100/3



حکم بن ہند البربری

حکم بن ہند بن ہند سے تجارت کے لیے مدینہ آیا اور یہاں اس نے اسلام قبول کر لیا پھر وہ یکایک ہونے لگا تو مرد ہو گیا۔ اس کے بعد وہ ذی قعدہ کے مہینے میں قافلے کے ساتھ تھانہ حج لے کر مدینہ روانہ ہوا۔ مسلمانوں کو حکم ہوا تو انہوں نے حکم سے غارتجین لینے کا ارادہ کیا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے وحی نازل کی:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَجِدُوا شَعَائِرَ اللَّهِ وَلَا أَسْمَاءَ الْهَرَامِ وَلَا الْهَيْكَلِ وَلَا الْأَنْكَلِ وَلَا آفَاقِينَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِمَّنْ رَزَقَهُ وَرِثَةً وَرِثَةً مِمَّنْ رَزَقَهُ فَارْتَدَّ عَنْهُمْ لَوْلَا اللَّهُ تَعَالَى لَفَنَّاكُمْ أُلُوفًا عَذَابًا وَأَلُمَّاكُمْ أَلْهُامًا﴾ (المائدہ: 25)

ان لوگوں کی جو بیت اللہ کے قصد سے اپنے رب تعالیٰ کے فضل اور اس کی رضا جوئی کی نیت سے جا رہے ہوں۔

غزوہ تبوک (غزوة العسرة)

تبوک مدینے سے دمشق کے نصف راستے پر ہے۔ تبوک میں جہاں نبی ﷺ نماز ادا فرمایا کرتے تھے وہاں اب ایک مسجد بنی ہوئی ہے جو 1245ھ میں ایک ترک فوجی افسر نے اپنے خرچ پر بنوائی تھی۔ اسی جگہ پہلے لکڑی کی بنی ہوئی مسجد تھی۔ ان دنوں اس مسجد میں ادارہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا مرکز بھی قائم ہے۔ اور اس سے متصل ایک پرانا ترکی قلعہ ہے جو اب جیل کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ (سفرنامہ ارض القرآن)

چشمے کا معجزہ: مسجد کے قریب ہی ایک چشمہ ہے جس کے گرد وسیع منڈیر بنی ہوئی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہی وہ چشمہ ہے جس کے متعلق صحیح مسلم اور حدیث کی دوسری کتابوں میں یہ روایت آتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ابھی تبوک کے راستے میں تھے کہ آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا: ”کل تم تبوک کے چشمہ پر پہنچو گے۔ تمہارے وہاں پہنچتے پہنچتے چاشت کا وقت ہو جائے گا۔ تم میں سے جو شخص وہاں پہلے پہنچ جائے اس چشمہ کے پانی کو استعمال نہ کرے۔“ جب لشکر اسلام وہاں پہنچا تو دیکھا کہ دو آدمی پہلے سے وہاں پہنچے ہوئے ہیں اور چشمہ سے قطرہ قطرہ کر کے پانی نکل رہا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ان دونوں آدمیوں سے دریافت فرمایا کہ تم نے اس چشمہ کا پانی استعمال کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا۔ جی ہاں! آپ ﷺ نے ان دونوں پر خفگی کا اظہار فرمایا۔ پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے چلوؤں سے ایک برتن میں اس چشمہ کا پانی جمع کیا۔ نبی کریم ﷺ نے اس سے اپنا چہرہ مبارک اور ہاتھ دھوئے اور اسے چشمہ میں ڈال دیا۔ اس کے گرتے ہی چشمے سے بے تحاشا پانی ابل کر نکلنا شروع ہوا جسے تمام لشکر اسلامی نے استعمال کیا۔ اس کے بعد نبی کریم ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے یہ فرمایا: ”اے معاذ! اگر تمہاری زندگی رہی تو تم اس علاقہ کو باغوں سے بھرا ہوا پاؤ گے۔“..... (سفرنامہ ارض القرآن)

مولانا مودودی کہتے ہیں تبوک کے محکمہ شرعیہ کے رئیس شیخ صالح نے بتایا کہ یہ چشمہ دو سال پہلے تک پونے چودہ سو سال سے مسلسل ابلتا رہا۔ بعد میں نشیبی علاقوں میں ٹیوب ویل کھودے گئے تو اس چشمے کا پانی ان ٹیوب ویلز کی طرف منتقل ہو گیا۔ تقریباً پچیس ٹیوب ویلز میں تقسیم ہو جانے کے بعد اب یہ چشمہ خشک ہو گیا ہے۔ اس کے بعد شیخ صالح ہمیں ایک ٹیوب ویل کی طرف بھی لے گئے جہاں ہم نے دیکھا کہ چار انچ کا ایک پائپ لگا ہوا ہے اور کسی مشین کے بغیر اس سے پانی پورے زور سے نکل رہا ہے۔ قریب قریب یہی کیفیت دوسرے ٹیوب ویلز کی بھی ہمیں بتائی گئی۔ یہ نبی ﷺ کے معجزے ہی کی برکت ہے کہ آج تبوک میں اس کثرت سے پانی موجود ہے کہ مدینہ اور خیبر کے سوا ہمیں کہیں اتنا پانی دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ تبوک کا پانی ان دونوں جگہوں سے بھی زیادہ ہے۔ اس پانی سے فائدہ اٹھا کر اب تبوک میں ہر طرف باغ لگائے جا رہے ہیں اور نبی ﷺ کی پیش گوئی کے مطابق تبوک کا علاقہ باغوں سے بھرا ہوا ہے اور دن بدن بھرتا

جار ہا ہے۔ (سفر نامہ ارض القرآن)

اس کے بعد مولانا مودودی بیان کرتے ہیں کہ پھر شیخ صالح کے ساتھ تبوک کا شہر دیکھنے کے لیے نکل گئے۔ یہ شہر نہایت تیزی سے ترقی کر رہا ہے۔ ہر طرف پختہ اور جدید طرز کی عمارتیں بن رہی ہیں۔ کوئی اہم یا غیر اہم چیز ایسی نہیں ہے جو اس کے بازاروں میں نہ مل سکتی ہو۔ پھل تو یہاں سعودی عرب کے تمام دوسرے مقامات کی بہ نسبت سستے اور وافر ملتے ہیں؛ کیونکہ لبنان اور فلسطین کی طرف سے پھلوں کے جوڑک سعودی عرب آتے ہیں سب کے آنے کا راستہ یہی ہے۔ اب تبوک سعودی عرب کا بہت بڑا فوجی مرکز ہے۔ (سفر نامہ ارض القرآن، ص: 220 تا 224)

تبوک کی آبادی 75 ہزار سے زیادہ ہے۔



یوم حج اکبر (9 ہجری)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

بَرَاءَةٌ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ إِلَى الَّذِينَ عَاهَدْتُمْ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ ۖ فَسِيحُوا فِي الْأَرْضِ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ
وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللَّهِ ۚ وَأَنَّ اللَّهَ مُخْزِي الْكَافِرِينَ ۝۱ وَأَذَانٌ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ إِلَى النَّاسِ
يَوْمَ الْحَجِّ الْأَكْبَرِ ۚ إِنَّ اللَّهَ بَرِئٌ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ ۚ وَرَسُولُهُ ۚ فَإِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَإِنْ تَوَلَّيْتُمْ
فَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللَّهِ ۚ وَبَشِّرِ الَّذِينَ كَفَرُوا بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ۝۲ إِلَّا الَّذِينَ عَاهَدْتُمْ مِّنَ
الْمُشْرِكِينَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوكُمْ شَيْئًا وَلَمْ يُظَاهِرُوا عَلَيْكُمْ ۚ أَحْدًا فَأَتِمُوا بِالْبَهِمَةِ عَهْدَهُمْ إِلَىٰ مَدَّتِهِمْ ۚ
إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ۝۳ فَإِذَا انْسَلَخَ الْأَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ
وَخُذُوا هُمْ وَاحْصَرُوهُمْ وَاقْعُدُوا لَهُمْ كُلَّ مَرْصِدٍ ۚ فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَخَلُّوا سَبِيلَهُمْ ۚ
إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝۴ وَإِنْ أَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ حَتَّىٰ يَسْمَعَ كَلِمَ اللَّهِ ثُمَّ ابْلِغْهُ
مَأْمَنَهُ ۚ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَعْلَمُونَ ۝۵ كَيْفَ يَكُونُ لِلْمُشْرِكِينَ عَهْدٌ عِنْدَ اللَّهِ وَعِنْدَ رَسُولِهِ
إِلَّا الَّذِينَ عَاهَدْتُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ فَمَا اسْتَقَامُوا لَكُمْ فَاسْتَقِيمُوا لَهُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ
يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ۝۶ كَيْفَ وَإِنْ يَظْهَرُوا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوا فِيكُمْ إِلَّا وَلَا ذِمَّةً ۚ يُرْضُونَكُمْ بِأَفْوَاهِهِمْ
وَتَأْبَىٰ قُلُوبُهُمْ ۚ وَأَكْثَرُهُمْ فَاسِقُونَ ۝۷ اِشْتَرُوا بِآيَاتِ اللَّهِ ثَمَنًا قَلِيلًا فَصَدَّوْا عَنْ سَبِيلِهِ ۚ إِنَّهُمْ
سَاءَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝۸ لَا يَرْقُبُونَ فِي مُؤْمِنٍ إِلَّا وَلَا ذِمَّةً ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُعْتَدُونَ ۝۹ فَإِنْ
تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَخَاوَنَكُم فِي الدِّينِ ۚ وَنَفِصَلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ۝۱۰
وَإِنْ تَكُنْزُوا أَيْمَانَهُمْ مِّنْ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوا فِي دِينِكُمْ فَقَاتِلُوا ۚ إِنَّ سَبْأَةَ الْكَافِرِ إِنَّهُمْ لَا
أَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُونَ ۝۱۱ أَلَا تَقَاتِلُونَ قَوْمًا نَّكَثُوا أَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوا بِإِخْرَاجِ الرَّسُولِ
وَهُمْ بَدَّوْكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ اتَّخَشَوْنَهُمْ فَاللَّهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَوْهُ إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ ۝۱۲ قَاتِلُوهُمْ
يُعَذِّبُهُمُ اللَّهُ بِأَيْدِيكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصَرِّكُمُ عَلَيْهِمْ وَيُشْفِ صُدُورَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِينَ ۝۱۳ وَيَذْهَبُ غَيْظُ
قُلُوبِهِمْ ۚ وَيَتُوبُ اللَّهُ عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝۱۴ أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تُتْرَكُوا وَلَمَّا يَعْلَمِ
اللَّهُ الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنْكُمْ وَلَمْ يَتَّخِذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَا رَسُولِهِ وَلَا الْمُؤْمِنِينَ وَلِجَنَّةٍ ۚ وَاللَّهُ

خَبِيرًا بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿١٧﴾ مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِينَ أَنْ يَعْبُرُوا مَسْجِدَ اللَّهِ شَاهِدِينَ عَلَى أَنْفُسِهِمْ بِالْكَفْرِ ۚ أُولَٰئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي النَّارِ هُمْ خَالِدُونَ ﴿١٨﴾ إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسْجِدَ اللَّهِ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۖ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ ۖ وَآتَى الزَّكَاةَ ۖ وَلَمْ يَخْشَ إِلَّا اللَّهَ ۚ فَعَسَىٰ أُولَٰئِكَ أَنْ يَكُونُوا مِنَ الْمُهْتَدِينَ ﴿١٩﴾ أَجَعَلْتُمْ سَفَايَةَ الْحَاجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَجَاهَدَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا يَسْتَوُونَ عِنْدَ اللَّهِ ۚ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿٢٠﴾ الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ أَكْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللَّهِ ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ ﴿٢١﴾ يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ ۖ وَجَنَّتْ لَهُمْ فِيهَا نَعِيمٌ مُّقِيمٌ ﴿٢٢﴾ خَلِيدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۚ إِنَّ اللَّهَ عِنْدَكَ أَجْرٌ عَظِيمٌ ﴿٢٣﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا آبَاءَكُمْ وَإِخْوَانَكُمْ أَوْلِيَاءَ ۚ إِنَّ

اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْإِيمَانِ ۚ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ فَاُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿٢٤﴾

”اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے ان مشرکین کے خلاف اعلان براءت ہے جن سے تم نے معاہدہ کیا تھا۔ (اے مشرک!) چار ماہ تک تم زمین میں چل پھر لو اور یقین رکھو کہ تم اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتے۔ اور اللہ تعالیٰ کافروں کو رسوا کرنے والا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف سے سب لوگوں کے سامنے حج اکبر کے دن اعلان عام ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول مشرکوں سے بری اور بیزار ہیں۔ اگر تم شرک سے توبہ کر لو تو تمہارے لیے بہتر ہے اور اگر تم اعراض کرو تو یاد رکھو کہ تم اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتے۔ (اے نبی!) آپ ان کافروں کو دردناک عذاب کی خوشخبری دے دیں۔ البتہ جن مشرکوں سے تم نے معاہدہ کیا تھا اور انہوں نے معاہدہ کی کوئی خلاف ورزی نہیں کی اور تمہارے خلاف کسی کی مدد نہیں کی تو ان کے ساتھ تم ان کا معاہدہ مقررہ مدت تک قائم رکھو۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ متقین سے محبت رکھتا ہے۔ پھر جب حرمت والے (چار) مہینے گزر جائیں تو مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کرو، گرفتار کرو، محاصرہ کرو اور ان کی تاک میں ہر گھات میں بیٹھو۔ اگر وہ توبہ کر لیں، نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں تو انہیں چھوڑ دو۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ بہت زیادہ بخشنے والا نہایت رحم کرنے والا ہے۔ اگر کوئی مشرک آپ سے پناہ طلب کرے تو اسے پناہ دیں تاکہ وہ اللہ کا کلام سن سکے، پھر اس کو اس کے گھر تک امن سے پہنچائیے۔ یہ (رعایت) اس لیے ہے کہ یہ لوگ علم نہیں رکھتے۔ مشرکوں کا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ساتھ معاہدہ کیسے (معتبر) ہو سکتا ہے بجز ان لوگوں کے جن سے تم نے مسجد حرام کے پاس معاہدہ کیا تھا۔ جب تک وہ عہد پر قائم رہیں تم بھی قائم رہو۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ متقی لوگوں سے محبت کرتا ہے۔ وہ تم سے کیسے مخلص ہو سکتے ہیں حالانکہ اگر وہ تم پر غالب آجائیں تو وہ تمہارے بارے میں نہ کسی رشتہ داری کا لحاظ رکھیں گے نہ عہد کا۔ وہ صرف اپنی زبانوں (باتوں ہی) سے تمہیں خوش کرتے ہیں، ورنہ ان کے دل تمہارے سخت خلاف ہیں۔ نیز ان میں سے اکثر لوگ فاسق اور بدعہد ہیں۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات تبدیل

کر کے دنیا کا ذلیل مال حاصل کیا اور لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے راستے سے روکا۔ یہ انتہائی برے کام کرتے ہیں۔ وہ کسی مومن کے بارے میں رشتہ داری کا لحاظ رکھیں گے نہ عہد کا۔ یہی لوگ زیادتی کرنے والے ہیں۔ اگر یہ لوگ توبہ کر لیں، نماز قائم کرنے لگیں اور زکوٰۃ دینے لگیں تو یہ تمہارے دینی بھائی ہیں۔ اور ہم جاننے والوں (اہل علم) کے لیے اپنے احکام کی تفصیل اور وضاحت بیان کرتے رہتے ہیں۔ اور اگر وہ پختہ عہد کے بعد اپنی قسمیں توڑ ڈالیں اور تمہارے دین میں طعنہ زنی کریں تو کفر کے ان اماموں سے لڑائی کرو۔ ان کے کسی عہد و پیمان کا کچھ اعتبار نہیں۔ (اس لیے لڑائی کرو کہ) شاید یہ لوگ باز آجائیں۔ کیا تم ان لوگوں سے لڑائی نہیں کرتے؟ جنہوں نے عہد توڑے رسول کو نکالنے کا پختہ عزم کیا اور خود تم سے لڑائی چھیڑی؟ کیا تم ان سے ڈرتے ہو؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ اس بات کا زیادہ حق رکھتا ہے کہ تم اس سے ڈرو اگر تم صاحب ایمان ہو۔ ان سے خوب لڑو۔ اللہ تعالیٰ انہیں تمہارے ہاتھوں عذاب (سزا) دے گا، انہیں رسوا کرے گا، تمہاری مدد فرمائے گا، مومنین کے دلوں کو خوش کر دے گا اور ان کے دلوں کا غصہ دھرے کا دھرا رہ جائے گا۔ اللہ تعالیٰ جس کی چاہتا ہے توبہ قبول فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ خوب علم و حکمت والا ہے۔ کیا تم نے یہ سمجھ لیا ہے کہ تمہیں یونہی چھوڑ دیا جائے گا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ابھی معلوم ہی نہیں کیا کہ تم میں سے کن لوگوں نے جہاد کیا اور اللہ اور اس کے رسول اور مومنوں کے سوا کسی کو اپنا راز دان اور دلی دوست نہیں بنایا۔ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے بخوبی واقف ہے۔

مشرکین کو زیبا نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مسجدیں آباد کریں جبکہ وہ کفر پر قائم و دائم ہیں۔ ایسے لوگوں کے نیک عمل ضائع ہو جایا کرتے ہیں اور یہ آگ میں ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ کی مسجدیں تو وہ لوگ آباد کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر پختہ ایمان رکھتے ہوں، نماز قائم کرتے ہوں، زکوٰۃ دیتے ہوں اور اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈرتے ہوں۔ بہت ممکن ہے کہ ایسے لوگ ہدایت یافتہ بن جائیں۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ حاجیوں کو پانی پلانا اور مسجد حرام کو آباد کرنا اتنی فضیلت رکھتا ہے جو اس شخص کی ہے جو اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر پختہ ایمان رکھتا ہے اور اللہ کے راستے میں جہاد کرتا ہے۔ یہ ہرگز اللہ تعالیٰ کے نزدیک برابر نہیں ہو سکتے۔ اللہ تعالیٰ ایسے ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتے۔ جو لوگ ایمان لائے، ہجرت کی اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں جان و مال سے جہاد کیا اللہ کے نزدیک ان کا درجہ بہت بلند ہے اور یہی لوگ کامیاب ہیں۔ ان کا رب ان کو اپنی رحمت، رضامندی اور جنت کی خوشخبری دیتا ہے جہاں کی نعمتیں ہمیشہ قائم و دائم رہیں گی۔ وہ خود بھی وہاں ہمیشہ رہیں گے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے ہاں عظیم اجر و ثواب تیار ہے۔ اے ایمان والو! اپنے آباء و اجداد اور بھائی بندوں کو دوست نہ بناؤ اگر وہ ایمان پر کفر کو ترجیح دیتے ہوں۔ جو شخص ان سے گہرا تعلق رکھے گا تو (یقیناً) ایسے لوگ ہی ظالم ہیں۔“ (التوبہ: 1/9..... 23)

مزید فرمان الہی ہے:

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِّنْ رَبِّكُمْ ط فَإِذَا أَقَضْتُمْ مِّنْ عَرَفْتُمْ فَأَذْكُرُوا اللَّهَ عِنْدَ الشَّعْرِ

الْحَرَامَ وَاذْكُرُوهُ كَمَا هَدَكُمُ ۖ وَإِنْ كُنْتُمْ مِنْ قَبْلِهِ لَمَنِ الضَّالِّينَ ﴿١٩٨﴾

”کوئی حرج اور گناہ نہیں کہ دورانِ سفر حج میں اللہ کا فضل تلاش کرو (تجارت کرو۔) پھر جب تم عرفات سے واپس آؤ تو مزدلفہ میں ٹھہر کر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو۔ اور اس کو اس طرح یاد کرو جس طرح اس نے تمہیں ہدایت نصیب فرمائی ہے۔ بلاشبہ تم اس سے پہلے صریح گمراہ تھے۔“ (البقرہ: 198/2)

حج اکبر سے مراد عرفات کا حج ہے جبکہ عمرہ کو حج اصغر کہا جاتا ہے۔ کہا گیا ہے کہ حج اکبر کے دن سے مراد یوم نحر ہے اور اس کو اکبر اس لیے کہا گیا کہ یہ حج حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں ہوا تھا۔

باقی رہا حجۃ الوداع! تو اسے حجۃ البلاغ اور حجۃ الاسلام بھی کہا جاتا ہے۔ یہ 10 ہجری میں ہوا۔ یہ حج رسول اللہ ﷺ کی زندگی کا آخری حج تھا۔ اس کے بعد آپ نے کوئی حج نہیں کیا۔ اس حج میں آپ نے عظیم الشان خطبہ ارشاد فرمایا جس میں خصوصی اعلان یہ تھا:

”سب لوگ برابر ہیں وہ کسی رنگ و نسل سے تعلق رکھتے ہوں، کسی علاقے سے متعلق ہوں اور کسی بھی خاندان میں پیدا ہوئے ہوں۔“

اسلام پھیل جانے کے بعد حج کے چند مشہور راستے یہ تھے:

- ① حج کا شامی راستہ۔ ② حج کا عراقی راستہ۔ ③ حج کا مصری راستہ ④ حج کا یمنی راستہ۔



❁ صفوة التفاسیر: 521/1

❁ الطبری: 148/3

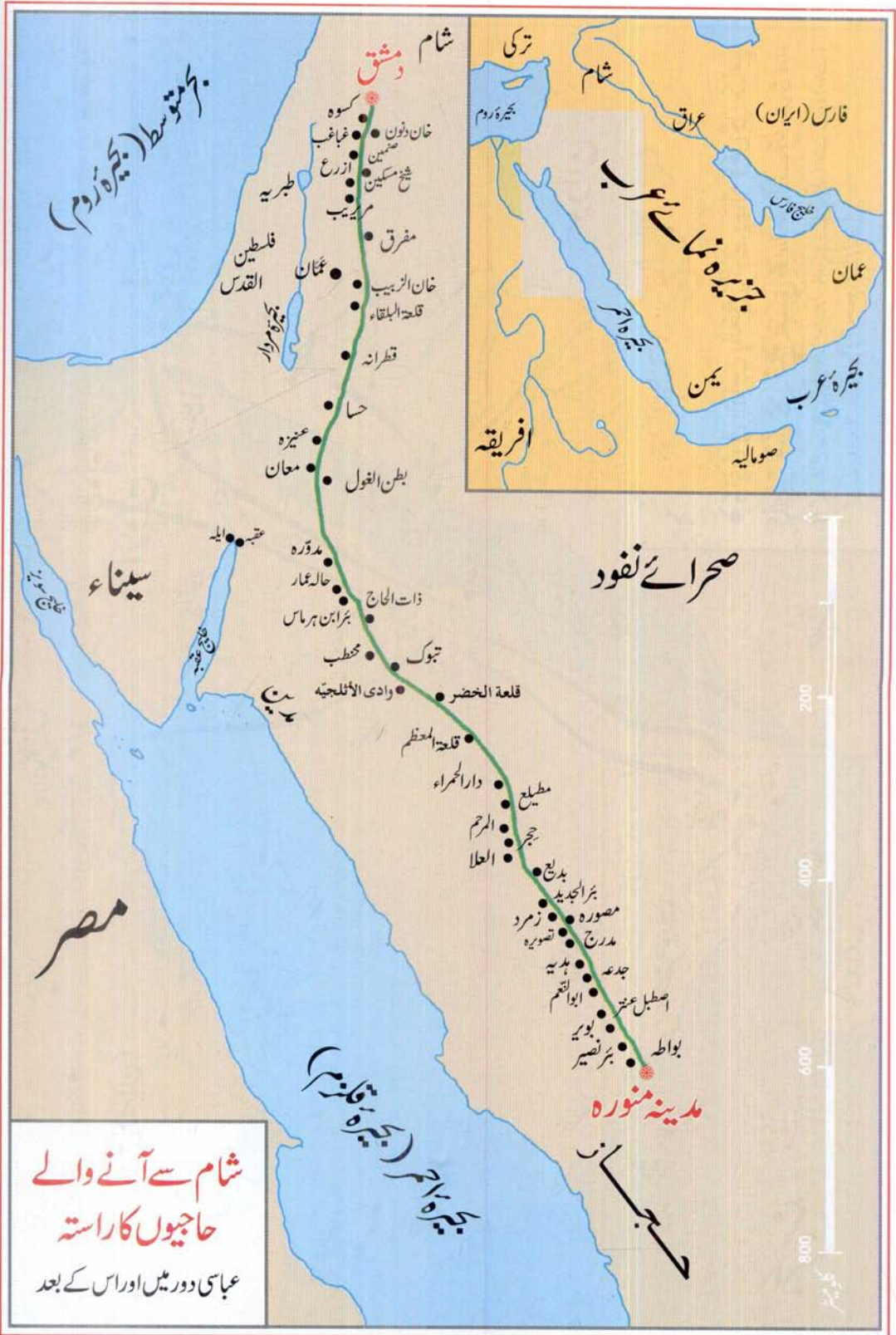
❁ الکشاف: 246/2

❁ ابن هشام: 352/2

❁ البداية و النہایة: 109/5

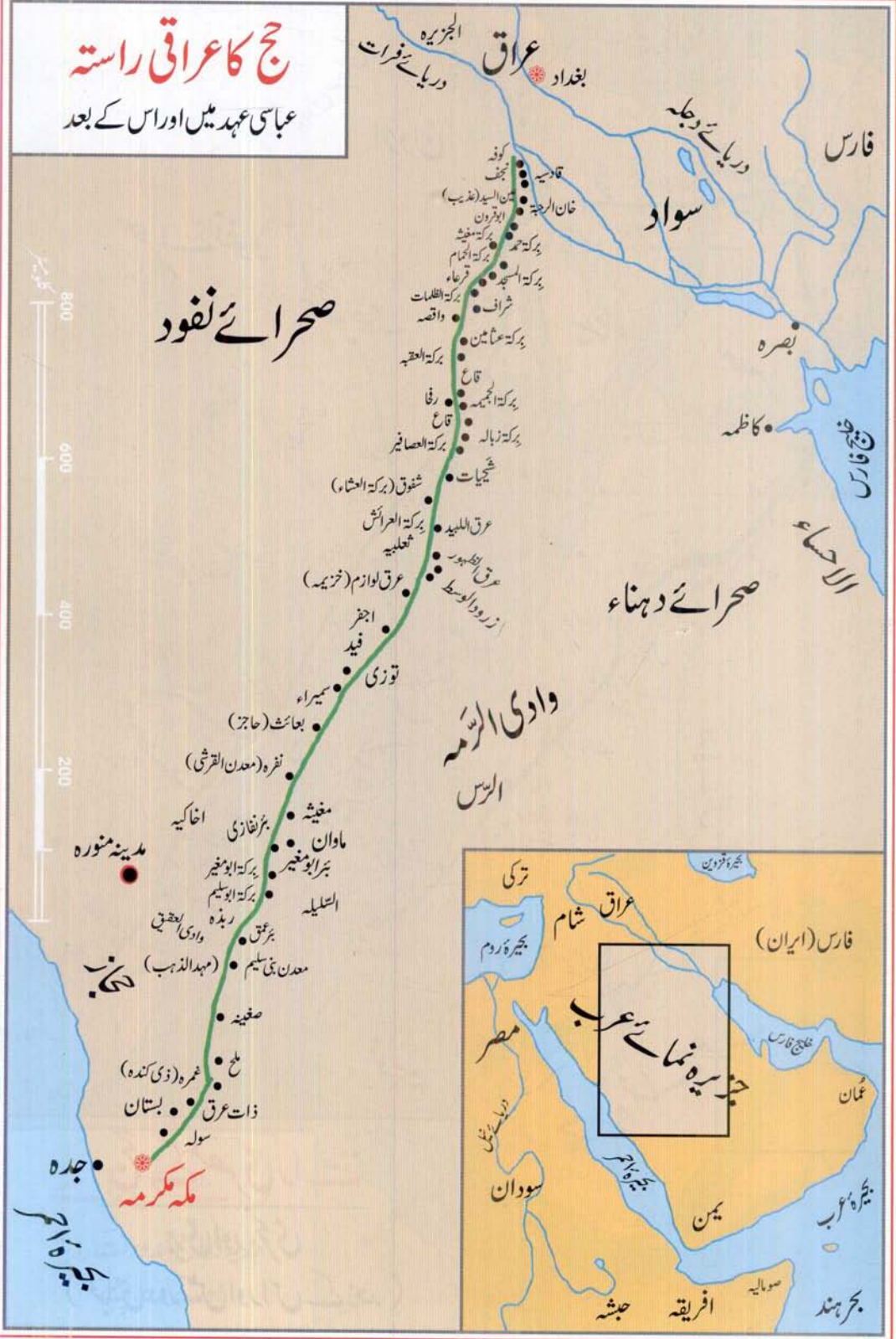
❁ التفسیر المنیر: 102/10

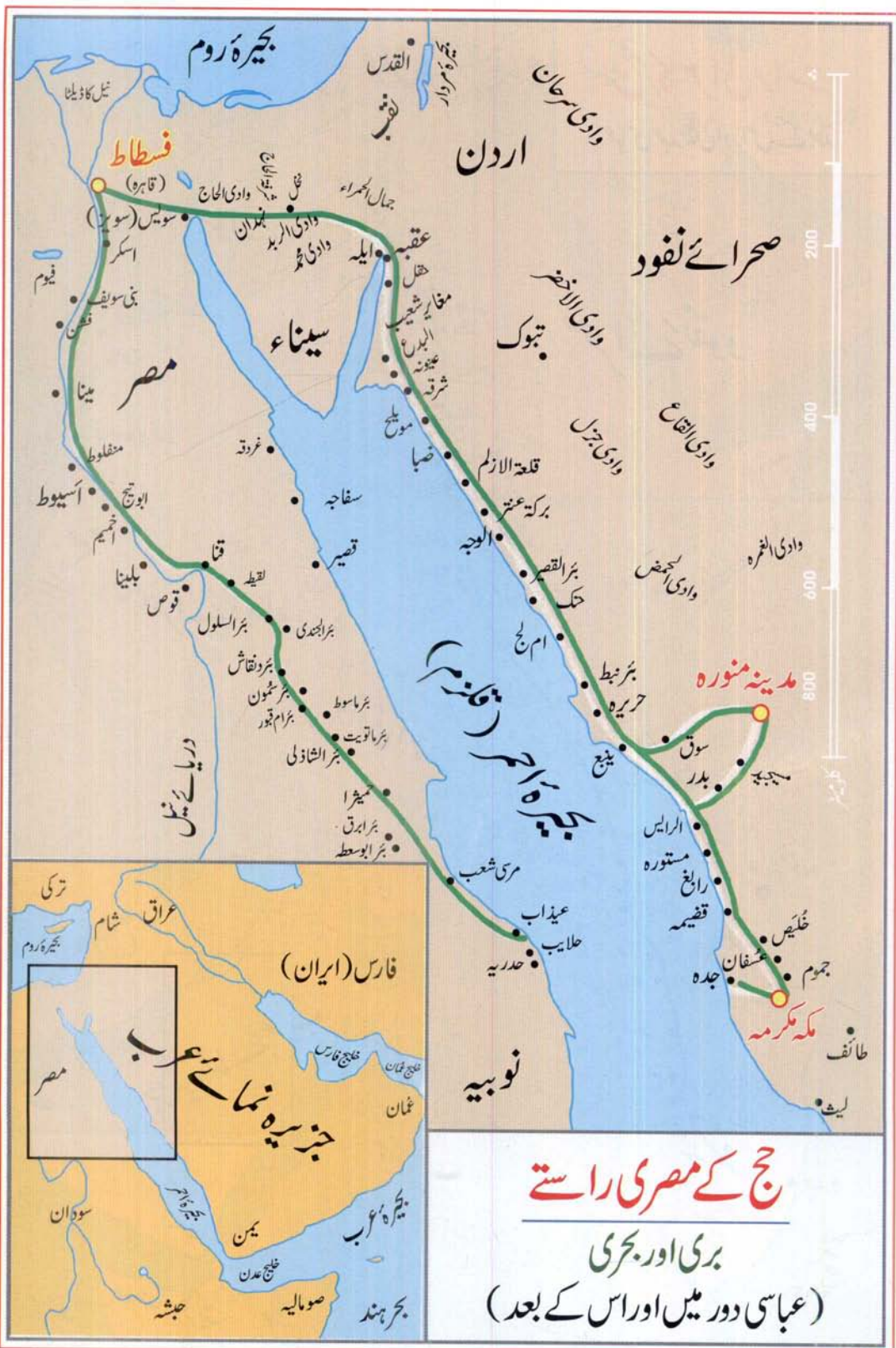
[illegible]

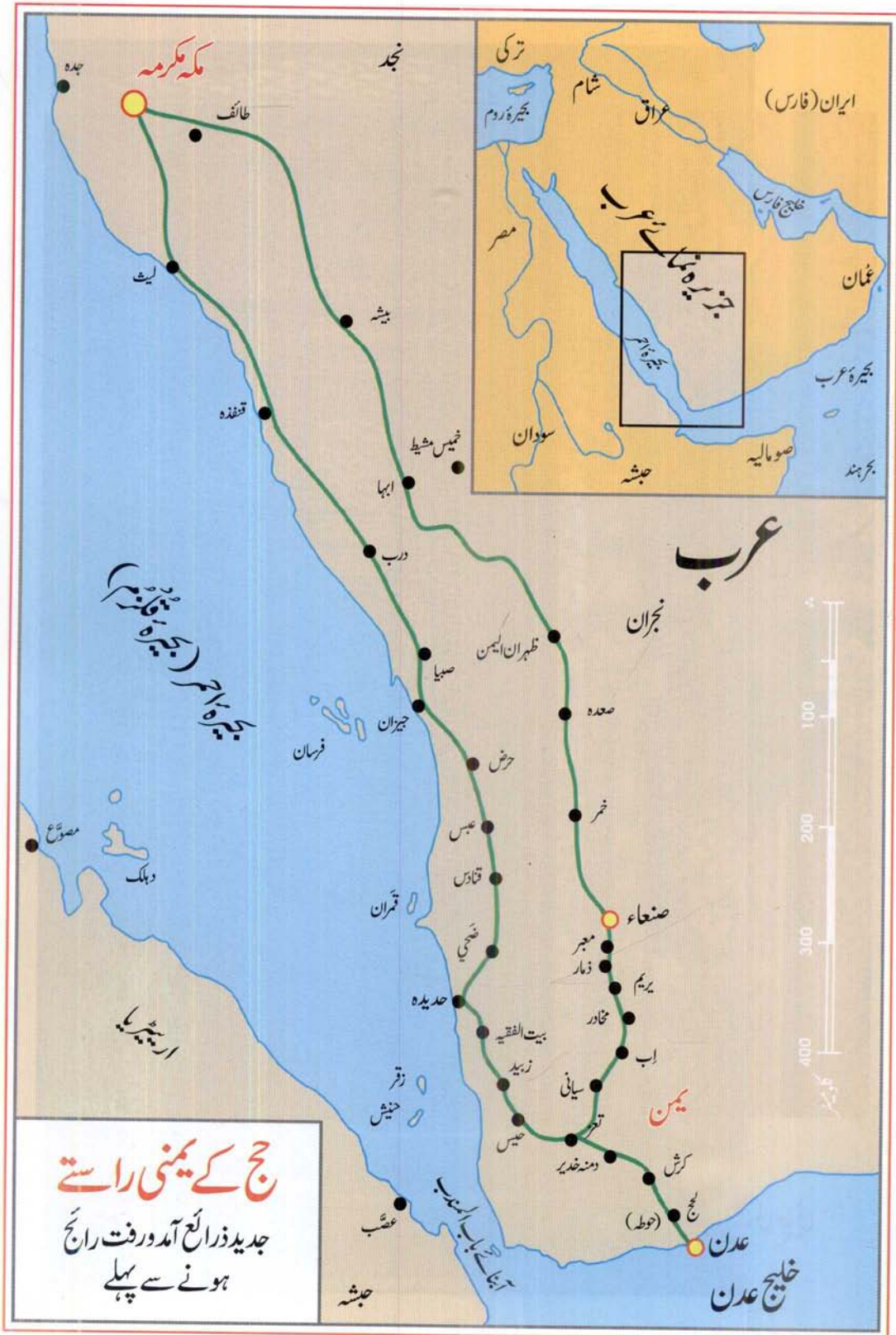


حج کا عراقی راستہ

عباسی عہد میں اور اس کے بعد

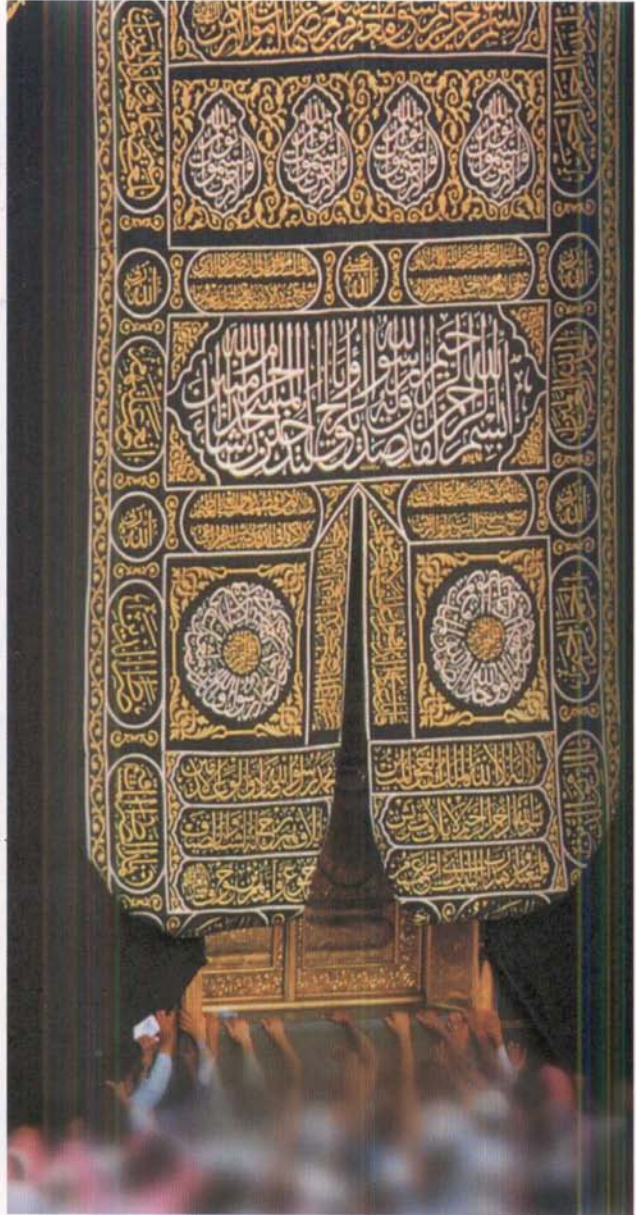




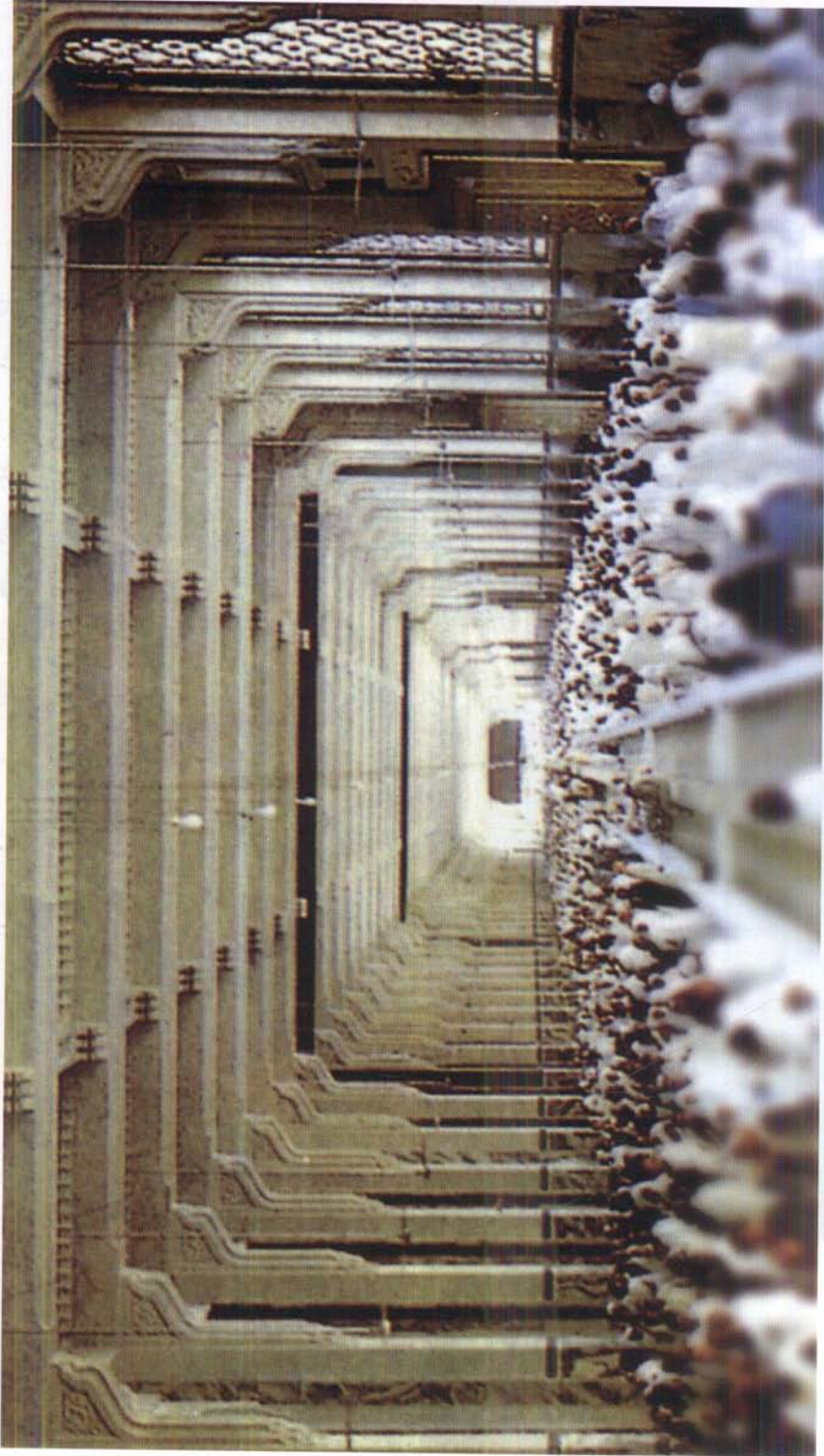




کعبہ شریف کی چابی



(کعبہ شریف کا دروازہ)



صفا اور مروہ کے درمیان سعی کا منظر



رسول اللہ ﷺ کی قبر مبارک کا سامنے والا حصہ

یوم الحج الاکبر

یوم حج اکبر سے مراد یوم النحر (دس ذوالحجہ) ہے کیونکہ اس میں حج کے اکثر اعمال سرانجام دیے جاتے ہیں۔ اس دن کو حج اکبر اس لیے بھی کہتے ہیں کہ عمرے کے مقابلے میں ہے۔ عمرے کو حج اصغر اور حج کو حج اکبر کہتے ہیں۔ عوام میں جو یہ مشہور ہے کہ حج جمعہ والے دن آئے وہ حج اکبر ہوتا ہے، یہ بے اصل ہے۔ (احسن البیان، ص: 468)

مشرکین کو حج کی ممانعت: غزوہ تبوک کے بعد سن 9 ہجری میں جب سورہ توبہ نازل ہوئی جس میں مشرکین سے براءت کا ذکر ہے تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اس حکم کی تبلیغ کے لیے امیر الحج مقرر کر کے مکہ مکرمہ سے روانہ کیا۔ آپ ﷺ خود اس لیے نہ گئے کہ وہاں مشرکوں سے اختلاط کا خطرہ تھا۔ بعد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی اپنا نائب بنا کر بھیج دیا تاکہ یوم الحج الاکبر (یوم النحر) کو اللہ کا یہ حکم پہنچادیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مجھے اعلان کرنے والوں کے ساتھ بھیجا جو منیٰ میں اعلان کر رہے تھے کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک بیت اللہ کا حج نہ کرے اور کوئی ننگا ہو کر بیت اللہ کا طواف بھی نہ کرے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ (مشرکوں سے) براءت کا اعلان کرتے رہے۔ (صحیح البخاری، التفسیر، باب واذان من اللہ ورسوله.....)

حدیث: 4656 و تفسیر ابن کثیر: 1226/2، 1227



حجۃ الوداع

فتح مکہ کے بعد یہ فرمان نازل ہوا:

﴿إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا
فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا﴾

”جب اللہ کی مدد اور فتح آگئی اور آپ نے دیکھ لیا کہ لوگ اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہو رہے ہیں، تو آپ اپنے رب کی حمد کی تسبیح پڑھیں اور استغفار کریں۔ یقیناً وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے۔“

نبی کریم ﷺ سمجھ گئے کہ وقت رحلت قریب آگیا ہے۔ اس لیے ضروری تھا کہ شریعت اور اخلاق کے تمام اساسی اصول مجمع عام میں پیش کر دیے جائیں۔ ہجرت کے بعد اب تک 9 برس گزر چکے تھے مگر آپ ﷺ نے فریضہ حج ادا نہیں فرمایا تھا۔ چنانچہ ذی قعدہ 10ھ میں اعلان ہوا کہ امام الانبیاء ﷺ حج کے ارادہ سے مکہ مشرف تشریف لے جا رہے ہیں۔ یہ خبر جنگ کی آگ کی طرح ہر سو پھیل گئی اور شرف ہر کابی کے لیے تمام عرب اُٹھ آیا۔

حج کے لیے روانگی: ہفتہ کے دن 26 ذی قعدہ کو آپ ﷺ نے غسل فرمایا اور احرام کی چادر اور تہہ باندھا۔ نماز ظہر کے بعد مدینہ منورہ سے روانگی ہوئی۔ تمام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہا بھی ساتھ تھیں۔ مدینہ سے چھ میل کے فاصلہ پر ذوالحلیفہ جو مدینہ منورہ کی میقات ہے، پہنچ کر شب بھر قیام فرمایا۔ دوسرے دن دوبارہ غسل فرمایا اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کے جسم پر عطر افشانی کی۔ بعد ازاں آپ ﷺ نے ظہر کی نماز دو رکعت ادا فرمائی۔ احرام کی نیت فرمائی اور قصواء اونٹنی پر سوار ہو کر بلند آواز سے تلبیہ پکارا:

(لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ لَبَّيْكَ إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكُ لَا شَرِيكَ لَكَ)

”ہم حاضر ہیں، اے اللہ! ہم تیرے سامنے حاضر ہیں اے اللہ! تیرا کوئی شریک نہیں۔ ہم حاضر ہیں۔ بیشک تمام تعریف اور نعمت اور سلطنت سب تیرے ہی لیے ہے۔ تیرا کوئی شریک نہیں۔“

انسانوں کا ایک تلامذہ خیر سمندر آپ ﷺ کے آگے پیچھے دائیں بائیں ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ کم و بیش لاکھ سوا لاکھ کا جم غفیر تھا۔ آپ ﷺ نے مکہ مکرمہ کے قریب سرف (وادی فاطمہ) پہنچ کر غسل فرمایا۔ دوسرے دن اتوار 4 ذوالحجہ صبح کے وقت مکہ معظمہ میں داخل ہوئے۔ مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ کا یہ سفر 9 دن میں طے ہوا تھا۔ جب کعبہ شریف پر نظر پڑی تو فرمایا: یا اللہ! اس گھر کے عز و شرف کو دو بالا کر دے۔ پھر کعبہ کا طواف ادا فرمایا۔ پہلے تین چکر مل (کندھا ہلا کر اور اکڑا کر چلنا) کے ساتھ اور باقی چار چکر عام چال سے پورے فرمائے۔ طواف سے فارغ ہو کر مقام ابراہیم پر تشریف لائے اور یہ آیت پڑھی: ﴿وَاتَّخِذُوا مِنْ مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى﴾ ”اور مقام ابراہیم کو سجدہ گاہ بناؤ۔“

یہاں دو نفل ادا کیے۔ پہلی رکعت میں قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ اور دوسری میں قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ پڑھی۔ پھر سعی کے لیے صفا و مروہ کی طرف تشریف لائے۔ سات چکر ادا کر لینے کے بعد اعلان فرمایا کہ جن کے پاس قربانی کے جانور ہیں وہ احرام نہ کھولیں اور باقی آدمی حجامت بنوا کر احرام کھول دیں۔

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ جنہیں یمن سے نبی کریم ﷺ کے لیے قربانی کے اونٹ لانے کو بھیجا گیا تھا وہ ایک سواونٹ اور یمن کے حجاج کا قافلہ لے کر آ پہنچے۔ جمعرات کے روز آٹھ ذوالحجہ صبح سورج طلوع ہونے کے بعد آپ ﷺ منیٰ پر تشریف لے گئے جہاں ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور نویں تاریخ کی نماز صبح ادا فرمائیں۔ جمعہ کے دن نویں تاریخ کو منیٰ سے عرفات روانہ ہوئے۔ نمرہ میں کبیل کا ایک خیمہ نصب کیا گیا تھا وہاں قیام فرمایا۔ زوال کے بعد ناقہ پر سوار ہو کر میدان عرفات میں تشریف لائے اور ناقہ ہی پر خطبہ ارشاد فرمایا۔ خطبہ سے فارغ ہو کر حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اذان کا حکم دیا۔ ظہر اور عصر کی نمازیں ایک ساتھ ادا فرمائیں۔ پھر موقف میں تشریف لائے۔ دیر تک قبلہ رو کھڑے ہو کر دعا میں مصروف رہے۔ جب آفتاب ڈوبنے لگا تو چلنے کی تیاری فرمائی۔ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو اونٹ پر پیچھے بٹھالیا۔ مزدلفہ پہنچ کر مغرب اور عشاء کی نمازیں ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ ادا فرمائیں۔ رات آرام فرمانے کے بعد صبح نماز پڑھ کر سورج طلوع ہونے سے پہلے منیٰ واپس تشریف لے گئے۔ اس وقت فضل بن عباس رضی اللہ عنہ اوٹنی پر پیچھے بیٹھے تھے۔ وادی حنسر میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ مجھے کنکریاں چن دیں۔ حجرہ عقبہ کی رمی سے فارغ ہو کر میدان منیٰ میں تشریف لائے۔ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ ناقہ کی مہارت تھامے ہوئے تھے۔

منیٰ میں آپ نے ایک سواونٹ کی قربانی ادا فرمائی۔ 63 اونٹ آپ ﷺ نے خود اپنے دستِ اطہر سے ذبح کیے اور 37 کی سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے قربانی کی۔ قربانی سے فارغ ہو کر سر مبارک معمر بن عبد اللہ سے منڈوا یا۔ فرطِ محبت سے ابو طلحہ رضی اللہ عنہ اور ان کی بیوی ام سلیم رضی اللہ عنہ کو اپنے دستِ مبارک سے کچھ بال عنایت فرمائے۔ اور باقی ماندہ بال ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے اپنے ہاتھ سے تمام مسلمانوں میں ایک ایک دو دو کر کے تقسیم کر دیے۔ بعد ازاں طوافِ زیارت کیا۔ پھر چاہ زمرم پر تشریف لائے۔ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے ڈول میں پانی نکال کر پیش کیا۔ آپ ﷺ نے قبلہ رو کھڑے ہو کر نوش فرمایا اور منیٰ واپس تشریف لے جا کر نماز ظہر ادا فرمائی۔ 13 ذی الحجہ سہ شنبہ تک منیٰ میں قیام فرمایا۔ زوال کے بعد منیٰ سے چل کر وادی محصب (معاہدہ) میں قیام کیا۔ رات وہاں بسر فرمائی اور سحری کے وقت مکہ مکرمہ تشریف لائے۔ کعبہ شریف کا الوداعی طواف ادا فرمایا اور نماز صبح کے بعد مدینہ منورہ کو روانگی فرمائی۔ (صحیح مسلم۔ باب حجة النبی، ابو داؤد۔ باب حجة النبی، الأشہر الحرم وغیرہ)



ارتداد کے خلاف جنگیں (11، 12 ہجری)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَى أَعْقَابِكُمْ
وَمَنْ يَنْقَلِبْ عَلَى عَقْبَيْهِ فَكُنْ يَصْرًا لِلَّهِ شَيْطَانٌ وَسَيَجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ ﴿١٢٦﴾

”محمد (ﷺ) اللہ کے ایک رسول ہی تو ہیں۔ ان سے پہلے بھی کئی رسول گزر چکے ہیں۔ اگر وہ فوت ہو جائیں یا شہید ہو جائیں تو کیا تم دین سے مرتد ہو جاؤ گے؟ جو شخص مرتد ہوگا تو وہ اللہ تعالیٰ کو کچھ نقصان نہ پہنچائے گا اور اللہ تعالیٰ (دین پر قائم رہنے والے) شکر گزاروں کو ضرور اجر عطا فرمائے گا۔“ (آل عمران: 144/3)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنْ يَرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ
أَذَلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِينَ يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ
ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿٥٤﴾

”اے ایمان والو! تم میں سے جو شخص اپنے دین سے مرتد ہو جائے گا تو اللہ تعالیٰ عنقریب ایسی قوم لے آئے گا جن سے وہ محبت رکھتا ہے اور وہ اس سے محبت رکھتے ہیں۔ وہ مومنین کے لیے بہت نرم اور کافروں پر بڑے سخت ہوں گے۔ وہ اللہ کے راستے میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے خوفزدہ نہ ہوں گے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے، عطا فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بہت وسعت والا خوب علم والا ہے۔“ (المائدہ: 54/5)

مفسرین کہتے ہیں: ”اس آیت ﴿فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ﴾ اَذَلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِينَ میں مذکور قوم سے مراد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی ہیں جنہوں نے مرتدین اور منکرین لوگوں سے لڑائیاں لڑیں۔

رسول اللہ ﷺ جب اللہ کو پیارے ہو گئے تو بہت سے اعرابی قبائل مرتد ہو گئے۔ صرف مکہ اور مدینہ ہی فتنہ ارتداد سے محفوظ رہے۔ بعض قبائل نماز کے قائل تھے لیکن زکوٰۃ دینے سے انکاری تھے اور بعض قبائل جھوٹے مدعیان نبوت کے پیچھے لگ گئے۔ مثلاً: مسيلمہ کذاب، طلحہ اسدی اور سجاح وغیرہ۔

خليفة رسول حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مرتدین کے استیصال کے لیے گیارہ لشکر بھیجے۔ آپ کے کندھوں پر جو

بھاری اور اہم ذمہ داری آن پڑی تھی اسے پورا کرنے کے لیے آپ نے مسلسل لشکر بھیجے اور مہمات ارسال کیں۔ یوں سمجھیں کہ آپ ہمہ وقت فوجی ہیڈ کوارٹر میں بیٹھے رہتے تھے جس میں جزیرہ عرب کا مجسم نقشہ موجود ہوتا تھا۔ آپ ہر روز ان لشکروں کی حرکات و سکنات اور کارروائیوں سے مطلع رہتے تھے کہ وہ کہاں جمع ہو رہے ہیں؟ کب کارروائیوں کے لیے منتشر ہو رہے ہیں؟ جنگ میں امیر کون ہے؟ کیونکہ ہر وقت جنگی مراسلہ نگار بڑی تیزی کے ساتھ مرتدین کی لڑائی کے مراکز سے مدینہ منورہ کے ہیڈ کوارٹر تک تفصیلی خبریں پہنچاتے تھے۔ فیصلہ کن لڑائی یمامہ میں مسلمانوں کے ساتھ ”موت کے باغ“ میں ہوئی۔ جہاں بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے شجاعت اور شہادت کی گراں قدر مثالیں پیش کیں جو رہتی دنیا تک یاد رہیں گی۔ مسلمانوں کے ساتھ حضرت عبداللہ بن زید انصاری کی تلوار اور حضرت وحشی کے برچھے سے واصل جہنم ہوا۔ فتنہ ارتداد کے خاتمے میں سب سے بڑا کردار حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے سرانجام دیا۔

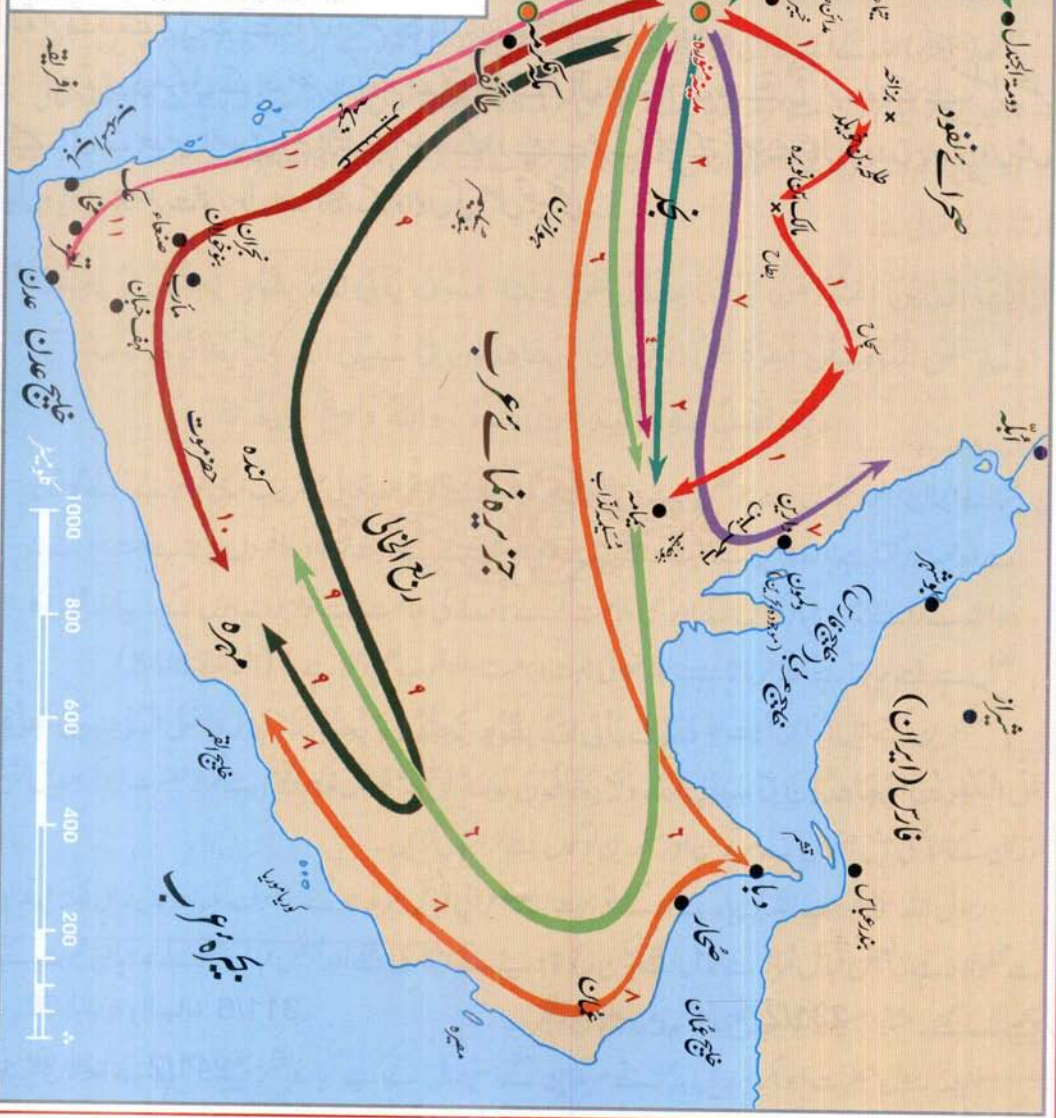
مرتدین کی سرکوبی کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عراق اور شام کے علاقے فتح کرنے کے لیے مسلسل لشکر بھیجے۔ اس کے بعد سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اسلام کے ذریعے سے عرب کو بھڑکتے جہنم سے نکال کر روح پرور فردوس میں بدل دیا تھا۔ جو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے خوابوں کی اصل تعبیر تھی۔



فتنہ اربداء کی جنگیں

خلافت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ میں (۱۱ھ)

﴿وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ
الرُّسُلُ أَفَإِنْ مَكَانُ أُوْثُنِ الْقَلْبِمْ عَلَىٰ أَصْفَائِكُمْ
وَمَنْ يَتَّقِلْ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ قَدْ يَصُرَ اللَّهُ شَيْكًا
وَيَسْجُرِي اللَّهُ الشُّكْرِيْنَ﴾ اور نہیں ہیں محمد کو ایک رسول ہی
تجسین کر کے ہیں ان سے پہلے (مسیحی) رسول کیا ہیں اگر وہ جو یہاں یس
کر دینے جا میں تو پھر یاد آگے اپنی ایڑیوں پر؟ اور جو یہاں یس
پر تو کر نہیں نقصان پہنچا گے گا وہ اللہ کو کچھ ہی اور شریب جزا سے گا اللہ
شکر نے والوں کو ﴿آل عمران: 14/3﴾



حروب الردۃ (ارتداد کی جنگیں)

شریعت اسلامی کی اصطلاح میں الردہ یا ارتداد سے مراد ہے اسلام سے پھر جانا اور دوبارہ کفر اختیار کر لینا۔ تاریخ اسلام میں خلافت صدیقی کے زمانے میں بعض بدوی قبائل اسلام سے منحرف ہو گئے تھے۔ ایک جماعت نے یہ کہہ کر ارتداد اختیار کیا کہ ”اگر محمد ﷺ نبی ہوتے تو آپ کو موت نہ آتی۔“ دوسری جماعت نے کہا: ”آپ (ﷺ) کی وفات سے نبوت ختم ہو گئی، اس لیے ہم اب کسی کی اطاعت نہیں کریں گے۔“ بعض نے کہا: ”ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے ہیں، اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، نماز بھی پڑھتے ہیں، مگر ہم زکوٰۃ ادا نہیں کریں گے۔“ بعض مدعیان نبوت بھی نمودار ہو گئے تھے۔ اس قسم کے عناصر مل کر قبائل کے ارتداد کا باعث ہوئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انتہائی جرأت و تدبر اور عزیمت کے ساتھ ان فتنوں کا استیصال کیا۔

جھوٹے مدعیان نبوت

مسلمہ کذاب: اس کا پورا نام ابو ثمامہ مسلمہ بن ثمامہ تھا۔ یہ بنو حنیفہ (یمامہ) کا جھوٹا مدعی نبوت تھا۔ اس نے آنحضرت ﷺ کی زندگی ہی میں جھوٹی نبوت کا ڈھونگ رچایا تھا۔ سن 9 ہجری میں جب مختلف وفود آئے تو یمامہ سے بنو حنیفہ کا وفد بھی آیا جس میں مسلمہ کذاب بھی تھا۔ جب یہ مسلمان ہو کر واپس گئے تو مسلمہ مرتد ہو گیا اور نبوت کا دعویٰ کر دیا اور من گھڑت الہامات سنانے لگا۔ اس نے مسجع و مضع کلام بھی کہا۔ مسلمہ نے ایک خط کے ذریعے رسول اللہ ﷺ سے نبوت اور حکومت میں شراکت کا سوال کیا مگر آپ ﷺ نے فرمایا: ”میں تو معمولی سی چیز بھی دینے کو تیار نہیں ہوں اور تو نبوت میں حصہ مانگتا ہے!“

رسول اللہ ﷺ کی رحلت کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مرتدین کی سرکوبی کے لیے گیارہ لشکر ترتیب دیے تھے جن میں سے ایک لشکر عمرہ رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں روانہ کیا۔ ان کی پسپائی کے باعث خالد بن ولید اور شریحیل بن حسنہ رضی اللہ عنہما کو روانہ کیا جنہوں نے زبردست جنگ میں مسلمہ کذاب کو جہنم رسید کیا۔

مسلمہ کذاب کے قتل کے بعد اس کی قوم بنو حنیفہ نے صلح کی خاطر ہتھیار ڈال دیے۔ بنو حنیفہ کا سارا مال اور ہتھیار ضبط کر لیے گئے۔ شرائط صلح طے ہو چکی تھیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا حکم پہنچا کہ بنو حنیفہ کے تمام بالغ آدمی قتل کر دیے جائیں، لیکن حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے صلح نامہ طے پانے کے بعد ایسا کرنے سے معذوری ظاہر کی، کیونکہ یہ بدعہدی کے مترادف تھا۔ مسلمانوں کا یہ طرز عمل دیکھ کر بنو حنیفہ نے اسلام قبول کر لیا۔

جنگ یمامہ میں بڑی خون ریزی ہوئی۔ فریقین کا بہت زیادہ جانی نقصان ہوا۔ چھ سات سو مسلمان شہید ہوئے جن میں بعض اکابر اور نامور قراء اور حفاظ بھی شامل تھے..... جنگ یمامہ کی تاریخ بعض مؤرخوں نے 11ھ اور بعض نے 12ھ لکھی ہے۔ ابن کثیر نے اس کی تطبیق یوں کی ہے کہ 11ھ میں شروع ہوئی اور 12ھ میں ختم ہوئی۔ (تلیخص اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 21/134، 138)

طلیحہ اسدی: رسول اللہ ﷺ کی وفات کی بعد بنو اسد اسلام سے منحرف ہو گئے تھے۔ ان کے لشکر کو جو طلیحہ کذاب کے تحت مسلمانوں سے لڑنے نکلا تھا، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے بئر براخہ پر 11ھ میں شکست دی جو بنو اسد یا بنو طے کے علاقہ نجد میں ایک کنواں ہے۔ اس لڑائی میں بنو طے کے ایک ہزار آدمی طلیحہ سے الگ ہو کر حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے لشکر سے آ ملے تھے۔ طلیحہ کی مدد پر عیینہ بن حصن اور غطفان کے قبیلہ فزارہ کے سات سو جوان بھی تھے جو بنو اسد کے پرانے حلیف تھے۔ خونریز لڑائی کے بعد عیینہ نے جب دیکھا کہ طلیحہ جن پیغمبری قوتوں کا دعویٰ کیا کرتا تھا وہ مسلمانوں کے مقابلے میں عملاً بیکار ثابت ہو رہی ہیں تو وہ میدان جنگ سے بھاگ گیا۔ چنانچہ طلیحہ کو بھی بھاگنا پڑا۔ بنو اسد نے خالد رضی اللہ عنہ کی اطاعت قبول کر لی۔ آس پاس کے قبائل جیسے بنو عامر جو جنگ کے نتیجے کا انتظار کر رہے تھے اب اسلام کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے۔ (معجم البلدان: 1/408، طبری: 2/482)

طلیحہ شکست کھا کر شام کی طرف فرار ہوا اور بنو کلب کے پاس جا ٹھہرا۔ جب پتہ چلا کہ بنو اسد غطفان اور بنو عامر مسلمان ہو گئے ہیں تو اس نے بھی اسلام قبول کر لیا۔ طلیحہ بعد میں جنگ نہاوند میں شہید ہوا۔ (المنتظم: 4/25)

سجاح بنت حارث: سجاح بنت حارث عرب کی ایک کاہنہ اور ان چند متنبیوں میں سے تھی جو عرب میں ردہ سے تھوڑی مدت پہلے یا اس کے دوران میں نمودار ہوئے تھے۔ وہ بنو تمیم میں سے تھی۔ ماں کی طرف سے اس کی قرابت داری عیسائی قبیلہ بنو تغلب سے تھی۔ وہ خود بھی عیسائی مذہب رکھتی تھی۔ وہ منبر سے مقفل نثر میں اپنے اعتقادات کا پرچار کیا کرتی اور ایک منادی اور ایک حاجب اس کی خدمت میں حاضر رہا کرتا۔ اس کے نزدیک خدا کا ایک لقب ربُّ السحاب تھا۔

سجاح، نبی ﷺ کی وفات کے بعد منظر عام پر آئی۔ اس نے مسیلہ کذاب سے شادی کر لی تو اس کی ساری سرگرمیاں پس منظر میں چلی گئیں۔ ابن الکعبی کے مطابق اس نے تابع ہو کر اس وقت مذہب اسلام اختیار کیا جب اس کے خاندان نے بصرے میں آباد ہونے کا فیصلہ کیا جو بنو امیہ کے تحت بنو تمیم کا صدر مقام بن گیا تھا۔ اس نے وہیں اسلام کی حالت میں وفات پائی۔ (ملخص اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 10/738، 739)

البطح: یہ بنو اسد بن خزیمہ کے علاقے میں پائے جانے والے ایک چشمے کا نام ہے جہاں مسلمانوں کی حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی قیادت میں مرتدین سے لڑائی ہوئی۔ اس جنگ میں ضرار بن ازور اسدی رضی اللہ عنہ نے مالک بن نویرہ کو قتل کیا۔ (معجم البلدان: 1/445)

مہرۃ: یہ عرب کے جنوب میں بحر ہند (بحیرہ عرب) کے کنارے ایک علاقہ ہے جو حضرموت اور ظفار کے درمیان واقع ہے۔

لیکن عرب جغرافیہ نگار خود ظفار کو بھی مہرہ ہی کا حصہ قرار دیتے ہیں۔ (مجم البلدان: 5/ 234) اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 21/ 898) آج کل مہرہ، یمن میں شامل ہے اور مشرق میں خلیج قمر تک وسیع ہے۔

تریم: مہرہ کے شمال مغرب میں وادی حضرموت میں تریم کا تاریخی شہر ہے جو صنعاء سے 735 کلومیٹر مشرق میں واقع ہے۔ اسے مسجدوں کا شہر کہتے ہیں جہاں 365 مساجد پائی جاتی ہیں۔ آبادی 70 ہزار ہے۔ اس شہر کا سب سے بڑا امتیاز یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد یمن میں یہی ایک شہر تھا جو ارتداد کا شکار نہیں ہوا تھا۔ تریم کے دروازوں پر مرتدین سے فیصلہ کن معرکہ ہوا تھا اور بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جام شہادت نوش فرمایا تھا اور اہل ایمان کو فتح ہوئی تھی۔ ان اصحاب النبی کے مدفن کو یہاں ”الشہداء“ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس شہر اور اس کے باسیوں کے لیے دعا بھی فرمائی تھی۔ (ارض الاحقاف کا سفر اور مشاہدات..... سید حامد عبدالرحمن الکاف بحوالہ قرآن انسٹی ٹیوٹ)

دومة الجندل: یہ وادی سرحان کے سرے پر ایک نخلستان ہے۔ وادی سرحان سعودی عرب اور اردن میں جنوب مشرق سے شمال مغرب کی طرف پھیلی ہوئی ہے۔ اس کے ایک سرے پر دومة الجندل اور دوسرے سرے پر حوران اور شام کا کوہستان ہے۔ دومة الجندل کا نخلستان ایک وسیع نشیبی زمین (الجوف) میں ہے جس کا طول تین میل، عرض آدھ میل اور گہرائی پانچ سو فٹ ہے۔ عرب مصنفین نے کہا ہے کہ جب تہامہ اسماعیل علیہ السلام کے کثیر التعداد گھرانوں کے لیے کافی چراگاہیں مہیا نہ کر سکا تو ان کا ایک فرزند ”دوم یا دومان یا دوما“ نامی ہجرت کر کے اس علاقے میں چلا آیا اور اسی کے نام پر اس علاقے کا نام دومہ پڑ گیا۔ اس نے یہاں ایک قلعہ تعمیر کیا جس کی وجہ سے اس کا نام دومة الجندل ہو گیا۔ قبل اسلام یہاں وڈبت کی پرستش ہوتی تھی۔

دومة الجندل کے باشندے بنو کلب کی شاخ بنو کنانہ سے تعلق رکھتے تھے۔ حضرت محمد ﷺ نے اسے فتح کرنے کے لیے تین غزوات کیے: پہلا غزوہ 5ھ میں ہوا جس میں خود نبی ﷺ قائد لکھنیش تھے۔ اس کا کچھ نتیجہ نہ نکلا کیونکہ نخلستان کے باشندے لشکر کے پہنچنے سے پہلے ہی تتر بتر ہو گئے تھے۔ دوسرا غزوہ 6ھ میں پیش آیا جس کے قائد لکھنیش حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سردار اصبغ بن عمرو کلبی نے اسلام قبول کر لیا۔ تیسرے غزوے کی آنحضرت ﷺ نے تبوک سے تیاری کی اور خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو اس مہم پر بھیجا۔ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے دومة الجندل پر قبضہ کر لیا اور وہاں کی آبادی پر تاوان جنگ عائد کیا اور سردار اکیدر بن عبدالملک الکنندی السکونی پر زور ڈالا کہ مدینہ منورہ جا کر نبی ﷺ سے معاہدہ صلح کرے۔ (فتوح البلدان، طبقات ابن سعد، معجم البلدان)

1855ء میں دومة الجندل حائل کے تحت ایک ریاست بن گیا۔ 1909ء میں قبائل روالہ کے سردار نوری ابن شعلان اور 1920ء میں امیر شمر نے اس پر قبضہ کر لیا اور آخر کار عبدالعزیز بن سعود نے اسے اپنی مملکت میں شامل کر لیا۔ نومبر 1925ء میں ابن سعود اور انگریزوں کے درمیان حد بندی کا معاہدہ ہوا تو اس میں سرحدیں معین کر دی گئیں۔ اس وقت سے وادی سرحان مع دومة الجندل اور قریات الملح نجد (سعودی عرب) کا حصہ قرار پائے۔ (تلیخیص اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 9/ 473 تا 476)

الحمقتین: یہ شام کی سطح مرتفع میں واقع ہے جہاں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خالد بن سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کو بھیجا تھا۔
(معجم البلدان: 2/305)

آٹھ ہجری میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے العلاء بن عبد اللہ الحضرمی کو اہل بحرین کو دعوت دینے کے لیے بھیجا کہ اسلام قبول کر لویا جزیہ دینے پر آمادہ ہو جاؤ۔ انہوں نے جزیہ دینا قبول کر لیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اہل بحرین نے ارتداد اختیار کر لیا۔ حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہ نے ان کی بغاوت کا قلع قمع کیا۔ (معجم البلدان: 1/348)

البحرین: عہد نبوی میں اور اس کے بعد جزیہ نمائے عرب کا مشرقی ساحل البحرین کہلاتا تھا جسے ان دنوں الاحساء کہتے ہیں۔ معجم البلدان جلد اول میں لکھا ہے: ”یہ اس علاقے کا نام ہے جو بصرہ اور عمان کے درمیان بحر ہند (خلیج فارس) کے ساحل کے ساتھ ساتھ واقع ہے۔“ آج کل مملکت بحرین خلیج فارس کے چند جزائر پر مشتمل ہے جو قطر اور سعودی عرب کے درمیان واقع ہیں اور ان میں سب سے بڑا جزیرہ بھی بحرین کہلاتا ہے۔

تہامہ: الاصمعی کہتے ہیں جب آپ عمان کو پیچھے چھوڑتے ہوئے چڑھائی پر جانا شروع کر دیں تو آپ نجد پہنچ جائیں گے یہاں تک کہ ذات عرق سے نیچے اتر جائیں۔ ذات عرق سے سمندر تک تہامہ ہے۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ مکہ سے نکلیں تو تہامہ شروع ہو جاتا ہے یہاں تک کہ آپ مکہ اور مدینہ کے درمیان عسفان نامی جگہ پہنچ جائیں۔ اس کا نام تہامہ شدید گرمی اور ہواؤں کے نہ چلنے کی وجہ سے رکھا گیا ہے کیونکہ اس علاقے میں شدید گرمی ہوتی ہے اور ہوائیں بھی ساکن رہتی ہیں۔
(المعجم البلدان: 1/24,23)



گیارہ لشکروں اور جھنڈوں کی تفصیل

نمبر شمار	امیر لشکر	لشکر کی سمت
1	حضرت خالد بن ولید <small>رضی اللہ عنہ</small>	ان کو بزانہ کی طرف بھیجا گیا جہاں طلحہ بن خویلد اسدی موجود تھا۔ پھر وہ بطاح گئے جہاں مالک بن نویرہ کی سرکوبی مقصود تھی۔ پھر یمامہ گئے جہاں مسیلمہ کذاب کا مرکز تھا۔
2	حضرت عکرمہ بن ابی جہل <small>رضی اللہ عنہ</small>	پہلے یمامہ کی طرف مسیلمہ کذاب کے مقابلہ کے لیے گئے۔ ان کو احتیاطاً بھیجا گیا تھا تاکہ یمامہ میں بڑی جنگ کے لیے تیاری کی جاسکے۔ اصل معرکہ حضرت خالد بن ولید کے ذمے تھا۔ حضرت عکرمہ کے ساتھ دو ہزار جنگجو تھے۔ پھر وہ عُمّان کی طرف گئے جہاں ذوالتاج لقیط بن مالک ازدی کی سرکوبی مقصود تھی۔
3	حضرت عمرو بن عاص <small>رضی اللہ عنہ</small>	یہ تبوک اور دومۃ الجندل کی طرف گئے جہاں قضاۃ ودیعہ اور حارث کے قبائل تھے۔
4	شرحبیل بن حسنہ <small>رضی اللہ عنہ</small>	یہ حضرت عکرمہ کے بعد احتیاطاً یمامہ بھیجے گئے تاکہ مسیلمہ کذاب سے فیصلہ کن لڑائی لڑی جاسکے۔ پھر وہ حضرموت گئے۔
5	خالد بن سعید بن عاص <small>رضی اللہ عنہ</small>	انہیں شامی سرحد پر حمقتین کی طرف بھیجا گیا۔
6	طریفہ بن حازم <small>رضی اللہ عنہ</small>	انہیں مکہ اور مدینہ کے مشرق میں ہوازن اور بنو سلیم کی سرکوبی کے لیے بھیجا گیا۔
7	علاء بن حضرمی <small>رضی اللہ عنہ</small>	انہیں بحرین کی طرف بھیجا گیا جہاں مغرور منذر بن نعمان بن منذر کی سرکوبی مقصود تھی۔
8	حذیفہ بن محسن قلعی <small>رضی اللہ عنہ</small>	ان کو عُمّان میں ذوالتاج لقیط بن مالک ازدی کی طرف بھیجا گیا، پھر وہ مہرہ حضرموت اور یمن گئے۔
9	عرفجہ بن ہرثمہ باری <small>رضی اللہ عنہ</small>	ان کو پہلے عُمّان، پھر مہرہ حضرموت اور یمن بھیجا گیا۔

نمبر شمار	امیر لشکر	لشکر کی سمت
10	مہاجر بن ابی امیہ <small>رضی اللہ عنہ</small>	ان کو یمن بھیجا گیا جہاں اسود عنسی کے کچھ حامی باقی تھے۔ پھر انہیں کندہ اور حضر موت کی طرف بھیجا گیا۔
11	سُود بن مقرن <small>رضی اللہ عنہ</small>	انہیں تہامہ یمن (مکہ سے باب المندب تک) بحر احمر کے ساحل کی طرف بھیجا گیا۔



ضمیمہ

اس کتاب کو مکمل مفید بنانے کے لیے میں نے نقشے کے ساتھ ایسے مقامات، اقوام اور اشخاص کا ذکر بھی مناسب سمجھا جن کے لیے نقشوں کی ضرورت نہیں۔

﴿وَلَا تُسْرِفُوا﴾

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَهُوَ الَّذِي أَنشَأَ جَنَّاتٍ مَّعْرُوشَاتٍ وَغَيْرَ مَعْرُوشَاتٍ وَالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا أَكْلُهُ وَالزَّيْتُونَ وَالرَّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَغَيْرَ مُتَشَابِهٍ كُلًّا مِّن ثَمَرَةٍ إِذَا أَثْمَرَ وَآتَوْنَاهُ يَوْمَ حَصَادِهِ ۖ وَلَا تُسْرِفُوا إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ ﴿١٣١﴾

”اللہ تعالیٰ نے ہر قسم کے باغات پیدا فرمائے، قد آور درختوں والے بھی اور بیلوں والے بھی، کھجوریں بنائیں، مختلف ذائقوں والی کھیتیاں اگائیں، زیتون و انار پیدا کیے جو شکل و صورت میں ملتے جلتے ہیں لیکن ذائقے میں مختلف ہیں۔ ان کے پھل کھاؤ جب پھل پک جائیں اور جب پھل کاٹو تو ان کا حق (عشر) ادا کرو۔ لیکن حد سے نہ بڑھو۔ اللہ تعالیٰ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔“ (الانعام: 141/6)

یہ آیت حضرت ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ کے بارے میں اتری۔ انہوں نے کھجوروں کا پھل کاٹا اور لوگوں کو دیتے رہے حتیٰ کہ شام ہوئی تو ان کے پاس کچھ بھی نہ بچا تھا۔

﴿الْأَبْتَرُ﴾

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ ﴿٦﴾

”بلاشبہ آپ کا دشمن ہی بے نسل رہے گا۔“ (الکوثر: 3/108)

یہ آیت عاص بن وائل کے بارے میں نازل ہوئی۔ جب رسول اللہ ﷺ کا بیٹا قاسم فوت ہوا تو وہ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں کہنے لگا:

”اسے کچھ نہ کہو۔ یہ بے نسل شخص ہے۔ اس کی نسل نہ رہے گی۔ جب یہ مر جائے گا تو اس کا کوئی نام لیوانہ ہوگا۔“

حقیقت یہ ہے کہ عاص ہی بے نسل رہا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم۔ کوئی اس کا ذکر بھی پسند نہیں کرتا۔ جب کہ

رسول اللہ ﷺ کا ذکر اس کائنات میں ہر آن ہو رہا ہے۔

﴿تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ﴾

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَتَبَّ ۚ مَا أَغْنَىٰ عَنْهُ مَالُهُ وَمَا كَسَبَ ۖ سَيَصْلَىٰ نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ۖ وَامْرَأَتُهُ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ۖ فِي جِيدِهَا حَبْلٌ مِّن مَّسَدٍ ۝

”ٹوٹ جائیں ہاتھ ابولہب کے اور وہ خود بھی ہلاک ہو۔ اسے اس کے مال اولاد نے کوئی فائدہ نہیں دیا۔ وہ عنقریب بھڑکتی آگ کا ایندھن بنے گا اور اس کی بیوی بھی جو لکڑیاں اکٹھی کرتی پھرتی ہے۔ اس کی گردن میں کھجور کی چھال کی رسی پھندہ بنے گی۔“ (الہلب: 1/111.....5)

ابولہب کا نام عبدالعزیٰ تھا۔ وہ رسول اللہ ﷺ کا تایا اور سردار عبدالمطلب کا بیٹا تھا۔ یہ سورت اس کے بارے میں نازل ہوئی۔ اور اس کی بیوی کا نام اڑوی اور کنیت اُم جمیل تھی۔ وہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی ہمیشہ تھی۔ اسے ”لکڑیاں اٹھانے والی“ اس لیے کہا گیا کہ وہ بہت چغل خور تھی۔ عرب میں یہ استعارہ مشہور ہے:

[لَمْ يَمْشِ بَيْنَ الْحَيِّ بِالْحَطَبِ الرَّطْبِ] ”میرا محبوب چغل خور نہیں تھا۔“

وہ دونوں (ابولہب اور اس کی بیگم) رسول اللہ ﷺ سے سخت دشمنی رکھتے تھے۔

﴿مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرْمٌ﴾

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِنْدَ اللَّهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِي كِتَابِ اللَّهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرْمٌ ذَلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ فَلَا تَظْلِمُوا فِيهِنَّ أَنْفُسَكُمْ وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُونَكُمْ كَآفَّةً وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ ۝

”بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے ہاں سال کے مہینے بارہ ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ فیصلہ کر دیا تھا جس دن آسمان و زمین پیدا فرمائے۔ ان میں سے چار مہینے حرمت والے ہیں۔ یہ صحیح دین ہے لہذا تم ان مہینوں میں ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو۔ البتہ اگر مشرکین تم سے یکمشت ہو کر لڑیں تو تم بھی ان سے ڈٹ کر لڑو۔ اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ متقین کا ساتھ دیتے ہیں۔“ (التوبة: 36/9)

قمری مہینے محرم الحرام سے شروع ہوتے ہیں۔ باقی مہینوں کے نام بالترتیب یہ ہیں: صفر، ربيع الاول، ربيع الثاني، جمادی

الاول، جمادی الثانی، رجب، شعبان، رمضان، شوال، ذوالقعدہ اور ذوالحجہ۔

حرمت والے مہینے چار ہیں: ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم الحرام اور رجب۔

ان کو ”حُرُم“ اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ معظم و محترم ہیں۔ ان میں نیکی کا ثواب بڑھ جاتا ہے اور ان میں لڑائی حرام ہے تاکہ حج و عمرہ کے لیے امن و امان والا ماحول پیدا ہو۔ پہلے تین ماہ حج کے لیے اور رجب عمرہ کے لیے۔

﴿امْرَأَتُ فِرْعَوْنَ﴾

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَقَالَتِ امْرَأَتُ فِرْعَوْنَ قُرْتُ عَيْنِي وَلَكَ طَلَا تَقْتُلُوهُ ۖ عَلَيَّ أَنْ يَنْفَعَنِي أَوْ نَتَّخِذَهُ وَلَدًا وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿٩٨﴾

”فرعون کی بیوی نے کہا: ”یہ بچہ میرے اور آپ کے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک بنے گا۔ اسے قتل نہ کرو۔ ممکن ہے یہ ہمیں کوئی فائدہ دے یا ہم اسے بیٹا بنالیں۔ لیکن فرعون کیوں کو انجام کا پتہ نہیں تھا۔“ (القصص: 9/28)

اس نیک خاتون کا نام آسیہ بنت مزاحم تھا۔ یہ بہت بلند مرتبہ صاحب ایمان خاتون تھیں۔ جن کے دل میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے شفقت پیدا فرمادی تھی۔ تو انہوں نے مندرجہ بالا الفاظ کہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کو سچے ایمان سے سرفراز فرمایا۔

﴿إِذَا آتِيَا أَهْلَ قَرْيَةٍ﴾

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَأَنطَلَقَا ۖ حَتَّىٰ إِذَا آتِيَا أَهْلَ قَرْيَةٍ اسْتَطْعَمَا أَهْلَهَا فَأَبَوْا أَنْ يُضَيِّفُوهُمَا فَوَجَدَا فِيهَا جِدَادًا يُرِيدُ أَنْ يَنْقَضَ فَأَقَامَهُ ط قَالَ لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ أَجْرًا ﴿٩٩﴾

”وہ دونوں چلے گئے حتیٰ کہ جب ایک بستی میں پہنچے تو انہوں نے اس بستی والوں سے کھانا طلب کیا لیکن بستی والوں نے ان کی مہمانی سے انکار کر دیا۔ اس بستی میں (کچھ آگے جا کر) انہوں نے ایک دیوار دیکھی جو گرنے کو تھی۔ خضر نے اسے سیدھا کر دیا۔ موسیٰ کہنے لگا: ”اگر آپ چاہتے تو اس کام کی مزدوری لے سکتے تھے۔“ (الکہف: 77/18)

کہا گیا ہے کہ اس بستی سے ”انطاکیہ“ مراد ہے۔ بعض نے ”ایسلہ“ یا ”طنجہ“ بھی کہا ہے یا اس سے مراد ”بحیرات مرہ“ کے علاقے کی کوئی بستی ہے۔

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے ”مفتاح دار السعادة“ میں لکھا ہے: ”ایک سائل نے اس بستی کا نام پوچھا جس کا ذکر سورہ کہف میں آیا ہے۔ تو کہا گیا کہ یہ بستی ”ایسلہ“ ہے یا ”انطاکیہ“ یا ”طنجہ“ یا جہاں خلیج عقبہ خلیج سوز سے ملتی ہے۔ یا

”بحیرات مرہ“ کے قریب کوئی بستی ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اس بستی کا نام اس لیے ذکر نہیں کیا کہ ان کی رسوائی نہ ہو کیونکہ بخل اللہ تعالیٰ بھی ناپسند فرماتا ہے اور لوگ بھی۔ اگر اللہ تعالیٰ اس بستی کا ذکر فرما دیتے تو اس بستی والے قیامت تک بخل سے موصوف ہو جاتے اور ان کے لیے یہ لفظ گالی بن جاتا۔“

خلیفہ ولید بن عبد الملک کے دور میں جب قرآن مجید پر نقطے لگائے گئے تو بعض لوگوں نے ”آبُوا“ کو ”آتُوا“ لکھنا چاہا تو ولید نے کہا: ”قرآن مجید تو دل سے دل میں اترتا ہے۔ بدلنے کا کوئی فائدہ نہیں۔“

﴿مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيْنَ﴾

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيْنَ ۝۱۹ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ ۝ لَا يَبْغِيْنَ ۝۲۰

”اللہ تعالیٰ نے دو سمندر کھلے چھوڑ دیے جو ایک دوسرے کے ساتھ ساتھ چل رہے ہیں۔ لیکن ان کے درمیان نظرنہ آنے والا پردہ ہے۔ وہ ایک دوسرے سے نہیں ملتے۔“ (الرحمن: 19/55، 20)

کڑوا پانی اور میٹھا پانی زیر زمین ساتھ ساتھ چل رہے ہیں لیکن ایک دوسرے میں خلط ملط نہیں ہوتے گویا ان کے درمیان کوئی معنوی رکاوٹ ہے۔ اسی طرح سمندر کی گرم لہریں اور ٹھنڈی لہریں ساتھ ساتھ چلتی ہیں۔ لیکن ایک دوسرے میں خلط ملط نہیں ہوتیں۔

﴿أَهْلَ الْمَدِيْنَةِ﴾

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَجَاءَ أَهْلَ الْمَدِيْنَةِ يَسْتَبْشِرُونَ ۝۶۵

”شہر والے بڑے خوش خوش آئے۔“ (الحجر: 67/15) شہر والوں سے مراد حضرت لوط علیہ السلام کی قوم ہے جو سدوم بستی میں رہتے تھے۔ حضرت لوط علیہ السلام کے مہمانوں کا سن کر بڑے خوش خوش تیز بھاگتے آئے تاکہ ان سے بدکاری کریں۔

﴿وَدَخَلَ الْمَدِيْنَةَ عَلَىٰ حِينٍ غَفْلَةٍ﴾

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَدَخَلَ الْمَدِيْنَةَ عَلَىٰ حِينٍ غَفْلَةٍ مِّنْ أَهْلِهَا فَوَجَدَ فِيْهَا رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلَنِ هَٰذَا مِنْ شِيعَتِهِ وَهَٰذَا مِنْ عَدُوِّهِ ۖ فَاسْتَعَاثَ الَّذِيْ مِنْ شِيعَتِهِ عَلَى الَّذِيْ مِنْ عَدُوِّهِ ۖ فَوَكَزَهُ مُوسَىٰ فَقَضَىٰ عَلَيْهِ ۖ قَالَ هَٰذَا مِنْ عَدُوِّهِ ۖ فَاسْتَعَاثَ الَّذِيْ مِنْ شِيعَتِهِ عَلَى الَّذِيْ مِنْ عَدُوِّهِ ۖ فَوَكَزَهُ مُوسَىٰ فَقَضَىٰ عَلَيْهِ ۖ قَالَ هَٰذَا مِنْ

عَمِلَ الشَّيْطَانُ إِنَّهُ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِينٌ ﴿١٥﴾

”اور موسیٰ ایک ایسے وقت شہر میں آئے جبکہ شہر کے لوگ غفلت میں تھے۔ یہاں دو شخصوں کو لڑتے ہوئے پایا یہ ایک تو اس کے رفیقوں میں سے تھا اور دوسرا اس کے دشمنوں میں سے اس کی قوم والے نے اس کے خلاف جو اس کے دشمنوں میں سے تھا اس سے فریاد کی جس پر موسیٰ نے اس کے مکا مارا جس سے وہ مر گیا موسیٰ کہنے لگے یہ تو شیطانی کام ہے یقیناً شیطان دشمن اور کھلے طور پر بہکانے والا ہے۔“ (القصص: 15/28)

حضرت موسیٰ علیہ السلام منف (منفیس) یا ہلیو بولیس (جسے آج کل عین الشمس کہا جاتا ہے) میں داخل ہوئے تھے۔ یہ ملک مصر کا شہر تھا۔

﴿رَبُّوۃِ ذَاتِ قَرَارٍ وَمَعِينٌ﴾

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ آيَةً ۖ وَآوَيْنَهُمَا إِلَىٰ رُبُوعٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَمَعِينٍ ﴿٥٠﴾

”اور ہم نے (عیسیٰ) ابن مریم کو اور اس کی والدہ کو ایک نشانی بنایا اور ایک ایسے ٹیلے پر جگہ دی جو قابل اطمینان تھی اور وہاں چشمہ بھی موجود تھا۔“ (المؤمنون: 50/23)

یہ حیران تھا جسے اب دمشق کہا جاتا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ بیت المقدس کے علاقے میں ایک بلند جگہ تھی۔

﴿قَتَلَ مَعَهُ رِبِّيُّونَ كَثِيرٌ﴾

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَكَأَيِّنْ مِنْ نَّبِيٍّ قَتَلَ مَعَهُ رِبِّيُّونَ كَثِيرٌ ۖ فَمَا وَهَنُوا لِمَا أَصَابَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَمَا ضَعُفُوا وَمَا اسْتَكَانُوا ۗ وَاللَّهُ يُحِبُّ الصَّابِرِينَ ﴿١٣٠﴾

”کتنے ہی نبی ہو گزرے ہیں جن کے ساتھ مل کر بہت سے اللہ والوں نے کافروں سے لڑائیاں لڑیں مگر اللہ کے راستے میں پہنچنے والی مصیبتوں کی بنا پر وہ نہ تو کمزور پڑے نہ سست ہوئے اور نہ بے حوصلہ و عاجز ہوئے۔ اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔“ (آل عمران: 146/3)

”رِبِّيُّونَ“ سے مراد ربانی (اللہ والے) عالم ہیں۔ علامہ طبری لکھتے ہیں: ”رِبِّيُّونَ“ سے لشکر مراد ہیں۔ رِبِّيُّونَ کا معنی اللہ کے نیک بندے علماء اور دانالوگ بھی کیا گیا ہے۔

﴿فَلَمَّا قَضَىٰ زَيْدٌ﴾

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَإِذْ تَقُولُ لِلَّذِي أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَأَنْعَمْتَ عَلَيْهِ أَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللَّهَ وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللَّهُ مُبْدِيهِ وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللَّهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَاهُ فَلَمَّا قَضَىٰ زَيْدٌ مِنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنَاهَا لِكُلِّ لَا يَكُونُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ حَرَجٌ فِي أَزْوَاجِ أَدْعِيَائِهِمْ إِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ مَفْعُولًا ﴿٣٥﴾

”جب آپ اس شخص سے فرما رہے تھے جس پر اللہ تعالیٰ نے احسانات فرمائے اور آپ نے بھی احسان کیے اپنی بیوی اپنے نکاح میں رکھ۔ اللہ سے ڈر (طلاق نہ دے)۔ اس وقت آپ اپنے دل میں ایک بات چھپا رہے تھے جسے اللہ تعالیٰ نے بہر صورت ظاہر کرنا تھا۔ آپ لوگوں سے ڈرتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ ہی یہ حق رکھتے ہیں کہ آپ ان سے ڈریں۔ جب زید نے اس سے علیحدگی اختیار کر لی (طلاق کی مدت ختم ہو گئی) تو ہم نے اس کو تیرے نکاح میں دے دیا۔ تاکہ ایمان والوں پر اس بات میں کوئی تنگی نہ رہے کہ وہ اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں سے نکاح کر سکیں جب وہ انہیں طلاق دے دیں اور عدت ختم ہو جائے۔ یاد رکھو! اللہ کا فیصلہ پورا ہو کر رہتا ہے۔“ (الاحزاب: 37/33)

﴿لِلَّذِي أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِ﴾

”جس پر اللہ نے احسان فرمایا۔“ ”اللہ کے احسان“ سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اسلام نصیب فرمایا۔ اس سے زید بن حارثہ مراد ہیں۔

﴿وَأَنْعَمْتَ عَلَيْهِ﴾

”اور آپ نے بھی اس پر احسان فرمایا۔“ آپ کے احسان سے مراد یہ ہے کہ آپ نے انہیں آزاد کر دیا تھا اور ان کی بہترین تربیت کی تھی۔

﴿أَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ﴾

”اپنی بیوی کو اپنے پاس رکھ (اسے طلاق نہ دے)۔“ ان کی بیوی سے مراد حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا تھیں جو ام المؤمنین بنیں۔

﴿السَّامِرِيُّ﴾

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ فَإِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْ بَعْدِكَ وَأَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ ﴿٨٥﴾

”اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہم نے تیرے آنے کے بعد تیری قوم کو آزمائش میں ڈال دیا اور سامری نے انہیں گمراہ کر دیا۔“

(طہ: 85/20)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قَالُوا مَا أَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ بِمَلِكِنَا وَلَكِنَّا حَمِلْنَا آوْزَارًا مِّنْ زِينَةِ الْقَوْمِ فَقَذَفْنَاهَا
فَكَذَّبْتَكَ أَلْفَى السَّامِرِيُّ ﴿٩٥﴾

”بنو اسرائیل کہنے لگے: ہم نے اپنی مرضی سے آپ کے عہد کی خلاف ورزی نہیں کی۔ مسئلہ یہ بنا کہ فرعونوں کے جو زیورات ہمارے پاس تھے ہم سب نے مل کر ایک جگہ پھینک دیے۔ اسی طرح سامری نے بھی ڈال دیے۔“

(طہ: 87/20)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قَالَ فَمَا خَطْبُكَ يُسَاْمِرِيُّ ﴿٩٥﴾

”موسیٰ نے کہا: ”اے سامری! تجھے کیا مار پڑی؟“ (طہ: 95/20)

سامری اصلاً ”باجرما“ بستی کا رہنے والا تھا۔ یہ بستی دریائے فرات کے کنارے شام کے علاقے میں ”رَقَّہ“ شہر کے قریب واقع تھی۔ وہاں سے وہ مصر گیا، پھر صحرائے سیناء میں بنی اسرائیل کے ساتھ رہا۔ یہ منافق اور جادوگر تھا۔ اس کی قوم کے لوگ گائے کی پوجا کیا کرتے تھے۔ جب موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی کا شرف حاصل کرنے کے لیے گئے تو ان کی عدم موجودگی میں اس نے تمام زیورات اکٹھے کر کے ایک منچھڑے کا مجسمہ بنا ڈالا اور بنی اسرائیل کو اس کی عبادت کی دعوت دی۔ وہ بے عقل لوگ اس کے پیچھے لگ گئے اور منچھڑے کی پوجا شروع کر دی۔

﴿السَّدِّينَ﴾

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

حَتَّىٰ إِذَا بَلَغَ بَيْنَ السَّدِّينِ وَجَدَ مِنْ دُونِهِمَا قَوْمًا لَا يَكَادُونَ يَفْقَهُونَ قَوْلًا ﴿٩٦﴾

”حتیٰ کہ جب ذوالقرنین دو پہاڑی سلسلوں کے درمیان پہنچا تو ان کے پاس ایک ایسی قوم دیکھی جو بات بھی نہ سمجھ سکتے تھے۔“ (الکہف: 93/18)

اس سے مراد ترکی کے انتہا پر دو پہاڑی سلسلے ہیں جو آرمینیا اور آذربائیجان سے متصل ہیں۔ علامہ طبری نے فرمایا: ”سد“ دو چیزوں کے درمیان رکاوٹ کو کہتے ہیں۔ یہاں اس سے دو پہاڑی سلسلے مراد ہیں جن کے درمیان کھلا میدان تھا۔ ذوالقرنین نے اس میدان میں دونوں پہاڑوں کے درمیان زبردست بلند دیوار کھڑی کر دی تاکہ اس پار بسنے والے یا جوج

و ما جوج اور ادھر بسنے والے لوگوں کے درمیان مضبوط رکاوٹ بن جائے اور لوگ یا جوج و ما جوج کی آفتوں اور شرارتوں سے محفوظ رہ سکیں۔ بعض لوگوں کے مطابق یہ دونوں پہاڑی سلسلے ”باب الابواب“ یعنی دربند کے قریب واقع ہیں۔

﴿مَسْكِينِ الَّذِينَ ظَلَمُوا﴾

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَسَكَنْتُمْ فِي مَسْكِينِ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ وَتَبَيَّنَ لَكُمْ كَيْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ وَضَرَبْنَا لَكُمْ الْأَمْثَالَ ﴿٥٩﴾

”حالانکہ تم ان لوگوں کی بستیوں میں آباد ہوئے تھے جنہوں نے خود پر ظلم کیا تھا اور تم پر واضح تھا کہ ان سے ہم نے کیا کیا تھا اور تمہیں ان کے حالات بھی بتلا دیے تھے۔“ (ابراہیم: 45/14)

راج قول کے مطابق اس سے مراد مدائن صالح ہیں جو تبوک کے جنوب میں واقع ہیں۔ یعنی جب ہم نے ان ظالم شہودیوں کو ہلاک کر دیا تو تم ان کے گھروں اور (بستیوں) میں آباد ہو گئے۔ کیا بھلا تم ان (کے مساکن دیکھ کر ان) سے عبرت حاصل نہیں کرتے؟

﴿وَالسَّلَوٰی﴾

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

و ظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَأَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّٰنَ وَالسَّلَٰوٰی طُكُّوْا مِنْ طَبِیَّتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿٦٠﴾

ہم نے بادلوں کو تم پر سائبان بنا دیا، تم پر من و سلوی اتارا اور فرمایا: ”جو ہم نے تمہیں پاکیزہ چیزیں عطا فرمائی ہیں انہیں کھاؤ۔ انہوں نے ان نعمتوں کی ناشکری کر کے ہم پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ اپنے آپ پر ظلم کرتے تھے۔“ (البقرہ: 57/2)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَقَطَّعْنَاهُمْ اِثْنَتَيْ عَشْرَةَ اَسْبَاطًا اَمْبَاطًا وَاَوْحَيْنَا اِلٰی مُوْسٰی اِذَا اسْتَسْقَمَ قَوْمُهٗ اَنْ اَضْرِبَ بِعَصَاكَ الْحَجَرَ فَانْبَجَسَتْ مِنْهُ اِثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاْسٍ مَّشْرَبَهُمْ طَوَّالْنَا عَلَيْهِمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْهِمُ الْمَنَّٰنَ وَالسَّلَٰوٰی طُكُّوْا مِنْ طَبِیَّتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿٦١﴾

”ہم نے ان کو بارہ قبیلوں میں تقسیم کر دیا اور جب انہوں نے موسیٰ سے پانی مانگا تو ہم نے اسے وحی کی کہ اپنا عصا پتھر پر مارو۔ فوراً اس پتھر سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے اور ہر قبیلے نے اپنے اپنے گھاٹ کو جان لیا۔ نیز ہم نے ان پر بادل کو سائبان بنا دیا، ان پر من و سلوی اتارا اور فرمایا: ”جو پاکیزہ چیزیں ہم نے عطا فرمائی ہیں کھاؤ۔ لیکن انہوں نے ان

نعمتوں کی ناشکری کر کے ہم پر کوئی ظلم نہیں کیا بلکہ وہ اپنے آپ پر ظلم کرتے تھے۔“ (الاعراف: 160/7) نیز فرمایا:

يٰۤاَيُّهَا اِسْرَآءِیْلُ قَدْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ عَدُوِّكُمْ وَوَعَدْنَاكُمْ جَانِبَ الطُّورِ الْاَيْمَنِ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكُمْ الْمَنَّٰنَ وَالسَّلٰوٰی ۝۸۰

”اے بنی اسرائیل! ہم نے تم کو تمہارے دشمن سے نجات دی اور کوہ طور کی دائیں جانب تمہیں تورات دینے کا وعدہ پورا کیا اور تم پر من و سلوی اتارا۔“ (طہ: 80/20)

”سلوی“ بئر جیسا ایک پرندہ تھا جو انتہائی لذیذ اور مزے دار تھا۔ مفسرین کا اس پر اتفاق ہے۔ اور ”من“ ایک میٹھی چیز تھی جو کہ دھینے کے بیج جیسی تھی۔

﴿سَنَسِیْہُ عَلٰی الْخُرُطُوْمِ﴾

ارشاد بادی تعالیٰ ہے:

سَنَسِیْہُ عَلٰی الْخُرُطُوْمِ ۝۸۱

”ہم اس کی ناک پر داغ لگائیں گے۔“ (القلم: 16/68)

یہ آیت ولید بن مغیرہ کے بارے میں اتری۔ مطلب یہ ہے کہ ہم اس کی ناک پر علامت لگا دیں گے جس کے ساتھ موت تک اس کی پہچان ہوتی رہے گی۔ ناک کی بجائے ”خرطوم“ کا لفظ بطور تحقیر استعمال کیا گیا ہے۔ کیونکہ ”خرطوم“ ہاتھی کی سونڈ کو کہا جاتا ہے اور انسانوں کے لے جانوروں والے الفاظ استعمال کرنا ان کی تذلیل ہے جیسے انسان کے ہونٹ کو ”مِسْفَر“ کہا جائے۔ جو کہ اونٹ کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ نیز چہرے پھر ناک پر نشان انتہائی ذلت ظاہر کرتا ہے۔

﴿طَآیَفَتٍ مِّنْکُمْ﴾

ارشاد بادی تعالیٰ ہے:

اِذْ هَمَّتْ طَآیَفَتٍ مِّنْکُمْ اَنْ تَفْشَلَا ۚ وَاللّٰهُ وَلِیُّہُمَا ط وَعَلٰی اللّٰهِ فَلِیَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝۸۲

”جب تم میں سے دو جماعتیں پھسلنے لگی تھیں مگر اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد کی۔ مومنین کو چاہیے کہ اللہ ہی پر توکل کریں۔“

(آل عمران: 122/3)

ان دو جماعتوں سے مراد انصار کے دو قبیلے ہیں: بنو سلمہ اور بنو حارثہ۔ انہوں نے احد سے واپس آنے کا سوچا تھا۔ جب عبد اللہ بن ابی ابن سلول ملعون اپنے ساتھیوں سمیت ایک تہائی لشکر واپس مدینہ لے گیا اور کہنے لگا: ”ہم کس لیے اپنی

جان اور اولاد قربان کریں؟“ تو ان دو مخلص قبیلوں نے بھی واپسی کا ارادہ کیا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ان کو بچا لیا اور وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہے۔

﴿طَائِفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا﴾

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

أَنْ تَقُولُوا إِنَّمَا أُنْزِلَ الْكِتَابُ عَلَى طَائِفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا وَإِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغَافِلِينَ ﴿١٥٦﴾

”کہیں تم یہ نہ کہہ دینا کہ کتاب تو ہم سے پہلے آنے والی دو جماعتوں پر اتاری گئی اور ہم ان کی زبان سے غافل تھے۔“ (الانعام: 156/6)

ان دو جماعتوں سے مراد یہودی اور عیسائی ہیں۔

﴿وَيَسْأَلُونَكَ عَنْ ذِي الْقَرْنَيْنِ﴾

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَيَسْأَلُونَكَ عَنْ ذِي الْقَرْنَيْنِ قُلْ سَأَتْلُو عَلَيْكُمْ مِنْهُ ذِكْرًا ﴿٨٣﴾

”یہ آپ سے ذوالقرنین کے بارے میں پوچھتے ہیں کہیے کہ ابھی میں اس کا کچھ حال تمہیں سناؤں گا۔“ (الکہف: 83/18)

اس ذوالقرنین سے اسکندر مقدونی تو قطعاً مراد نہیں۔ ذوالقرنین ایک نیک بادشاہ تھا جس کو بادشاہت کے ساتھ ساتھ علم و حکمت سے بھی نوازا گیا تھا۔ اسے ذوالقرنین اس لیے کہا گیا کیونکہ وہ زمین کے مشرق و مغرب کا بادشاہ تھا۔ نیز وہ مسلمان عادل بادشاہ تھا۔

﴿الَّذِي حَاجَّ إِبْرَاهِيمَ فِي رَبِّهِ﴾

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

الَّذِي حَاجَّ إِبْرَاهِيمَ فِي رَبِّهِ أَنْ آتَاهُ اللَّهُ الْمُلْكَ إِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّيَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ قَالَ أَنَا أُحْيِي وَأُمِيتُ فَإِنَّ اللَّهَ يَأْتِي بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَأْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِي كَفَرَ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿٥١﴾

”کیا تو نے اسے نہیں دیکھا جو سلطنت پا کر ابراہیم (علیہ السلام) سے اس کے رب کے بارے میں جھگڑ رہا تھا جب

ابراہیم (علیہ السلام) نے کہا کہ میرا رب تو وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے، وہ کہنے لگا میں بھی زندہ کرتا ہوں اور مارتا ہوں۔ ابراہیم (علیہ السلام) نے کہا اللہ تعالیٰ سورج کو مشرق کی طرف سے لے آتا ہے اور تو اسے مغرب کی جانب سے لے آ۔ اب تو وہ کافر ہکا بکا رہ گیا، اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔ (البقرہ: 258/2) اس سے نمرود بن کنعان مراد ہے جس نے حضرت ابراہیم (علیہ السلام) سے اللہ تعالیٰ کے بارے میں جھگڑا کیا تھا۔

﴿الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا﴾

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَإِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا سَوْفَ نُصْلِيهِمْ نَارًا ط كَلِمًا نَضِجَتْ جُلُودُهُمْ بِدَلْنَاهُمْ جُلُودًا غَيْرَهَا لِيَذُوقُوا الْعَذَابَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَزِيزًا حَكِيمًا ﴿٥٦﴾

”جن لوگوں نے ہماری آیتوں سے کفر کیا، انہیں ہم یقیناً آگ میں ڈال دیں گے جب ان کی کھالیں پک جائیں گی ہم ان کے سوا اور کھالیں بدل دیں گے تاکہ وہ عذاب چکھتے رہیں، یقیناً اللہ تعالیٰ زبردست اور حکمت والا ہے۔“ (النساء: 56/4)

اس سے مراد عاص بن وائل بن ہاشم بھی قریشی ہے جو قرآنی آیات اور آخرت کا مذاق اڑاتا تھا۔

﴿أَوْ كَالَّذِي مَرَّ عَلَى قَرْيَةٍ﴾

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

أَوْ كَالَّذِي مَرَّ عَلَى قَرْيَةٍ وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَى عُرُوشِهَا قَالَ أَنَّى يُحْيِي هَذِهِ اللَّهُ بَعْدَ مَوْتِهَا فَأَمَاتَهُ اللَّهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهُ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ قَالَ بَلْ لَبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ إِلَى طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ وَانْظُرْ إِلَى جَمْرِكَ وَلِنَجْعَلَكَ آيَةً لِلنَّاسِ وَانْظُرْ إِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوهَا لَحْمًا فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ قَالَ أَعْلَمُ أَنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٥٧﴾

”یا وہ شخص جو ایک بستی سے گذر رہا تھا اور بستی اپنی چھتوں پر گری پڑی تھی۔ وہ کہنے لگا: ”اللہ تعالیٰ اس بستی کو اتنی دیرانی کے بعد کیسے زندہ کرے گا؟“ اللہ تعالیٰ نے اسے سو سال کے لیے ماردیا۔ پھر اسے زندہ کیا اور پوچھا: ”تو کتنی دیر مرا رہا؟“ اس نے کہا: ”میں ایک دن بلکہ اس سے بھی کم (اس حال میں) رہا ہوں۔“ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”تو سو سال مرا رہا ہے۔“ اپنے کھانے اور مشروب کو دیکھ۔ اس میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ نیز اپنے گدھے کو دیکھ تاکہ ہم تجھے

لوگوں کے لیے نشانی بنادیں۔ گدھے کی ہڈیوں کو دیکھ ہم کیسے ان کو ایک دوسرے کے ساتھ جوڑتے ہیں اور کیسے ان پر گوشت چڑھاتے ہیں۔ جب ساری صورت حال اس کے سامنے واضح ہوگئی تو وہ کہنے لگا: ”مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔“ (البقرہ: 259/2)

یہ بستی بیت المقدس (ایلیاء) میں تھی جب بخت نصر نے اسے تباہ کر ڈالا تھا۔

﴿الَّذِينَ يَبْخُلُونَ﴾

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

الَّذِينَ يَبْخُلُونَ وَيَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُونَ مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ
وَاعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُهِينًا ۝

”جو لوگ بخل کرتے ہیں اور لوگوں کو بھی بخل کا حکم دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے مال و فضل کو چھپا چھپا کر رکھتے ہیں۔ ہم نے ایسے کافروں کے لیے رسوا کن عذاب تیار کر رکھا ہے۔“ (النساء: 37/4)

یہ آیت یہودیوں کی ایک جماعت کے بارے میں اتری جو انصار سے کہا کرتے تھے: ”جہاد اور صدقات کے سلسلے میں اپنے مال خرچ نہ کیا کرو۔“

﴿وَالَّذِينَ يَرْمُونَ أَزْوَاجَهُمْ﴾

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَالَّذِينَ يَرْمُونَ أَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ شُهَدَاءُ إِلَّا أَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ أَحَدِهِمْ أَرْبَعُ شَهَدَاتٍ
بِاللَّهِ إِنَّهُ لَمِنَ الصَّادِقِينَ ①

”جو لوگ اپنی بیویوں پر بدکاری کی تہمت لگائیں اور ان کا کوئی گواہ بجز خود ان کی ذات کے نہ ہو تو ایسے لوگوں میں سے ہر ایک کا ثبوت یہ ہے کہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر کہے کہ وہ بچوں میں سے ہے۔“ (النور: 6/24)

یہ آیت اس وقت اتری جب حضرت ہلال بن اُمیہ رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے شریک بن حماء کے ساتھ زنا کا الزام لگایا۔

﴿الَّذِينَ يَنَادُونَكَ مِنَ وَرَاءِ الْحُجُرِ﴾

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِنَّ الَّذِينَ يَنَادُونَكَ مِنَ وَرَاءِ الْحُجُرِ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ②

”جو لوگ حجروں کے باہر سے آپ کو پکارتے ہیں ان میں سے اکثر بے عقل ہیں۔“ (الحجرات: 4/49)

اس سے مراد عیینہ بن حصن اور اقرع بن حابس ہیں جو دو پہر کے وقت بنو تمیم کے ستر افراد کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے پاس بطور وفد آئے تھے۔ آپ اس وقت سوئے ہوئے تھے۔ وہ زور زور سے شور مچانے لگے: ”اے محمد! باہر نکلو ہمارے پاس آؤ۔“

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَلَوْ أَنَّهُمْ صَبَرُوا حَتَّى تَخْرُجَ إِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ

”اگر یہ لوگ آپ کے باہر آنے کا انتظار کرتے اور صبر سے بیٹھتے تو ان کے لیے بہت بہتر ہوتا۔“ (الحجرات: 5/49)

﴿فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ أَمَنْتُ﴾

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ أَمَنْتُ فَنَفَعَهَا إِيْمَانُهَا إِلَّا قَوْمَ يُونُسَ لَمَّا أَمْنُوا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنَاهُمْ إِلَىٰ حِينٍ ۝۹۸

”چنانچہ کوئی بستی ایمان نہ لائی کہ ایمان لانا اس کو نافع ہوتا سوائے یونس کی قوم کے۔ جب وہ ایمان لے آئے تو ہم نے رسوائی کے عذاب کو دنیوی زندگی میں ان پر سے ٹال دیا اور ان کو ایک وقت (خاص) تک کے لیے زندگی سے فائدہ اٹھانے (کا موقع) دیا۔“ (یونس: 98/10)

اس سے مراد حضرت یونس علیہ السلام کی بستی ”نینوی“ ہے جو موصل کے علاقے میں تھی۔

﴿قَارُونُ﴾

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِنَّ قَارُونَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوسَىٰ فَبَغَىٰ عَلَيْهِمْ ۖ وَآتَيْنَاهُ مِنَ الْكُنُوزِ مَا إِنَّ مَفَاتِحَهُ لَتَنُوءُ بِالْعُصْبَةِ أُولَى الْقُوَّةِ إِذْ قَالَ لَهُ قَوْمُهُ لَا تَفْرَحْ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِينَ ۝۷۶

”قارون موسیٰ کی قوم میں سے تھا، لیکن اس نے ان پر سرکشی کی۔ ہم نے اسے اتنے خزانے دیے تھے کہ ان کی چابیاں ایک طاقتور جماعت کو بھی تھکا دیتی تھیں۔ اس کی قوم نے اسے کہا: ”تکبر نہ کر۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔“ (القصص: 76/28)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَقَارُونُ وَفِرْعَوْنُ وَهَامَنْ ۖ وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مُوسَىٰ بِالْبَيِّنَاتِ فَاسْتَكْبَرُوا فِي الْأَرْضِ وَمَا كَانُوا سَاقِينَ ﴿٣٩﴾

”اور ہم نے قارون، فرعون اور ہامان کو ہلاک کیا۔ موسیٰ ان کے پاس معجزات اور واضح دلائل لے کر آئے تھے لیکن انہوں نے زمین میں تکبر کیا۔ حالانکہ وہ ہم سے بھاگ نہیں سکتے تھے۔“ (العنکبوت: 39/29)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَهَامَنْ وَقَارُونَ فَقَالُوا سِحْرٌ كَذَّابٌ ﴿٤٠﴾

”ہم نے موسیٰ کو فرعون، ہامان اور قارون کے پاس بھیجا لیکن انہوں نے کہا: ”یہ تو جھوٹا جادوگر ہے۔“

(المؤمن: 24/40)

فرعون سرکش بادشاہ تھا۔ ہامان اس کا وزیر تھا اور قارون خزانوں کا مالک تھا۔ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم اور قبیلے سے تھا بلکہ آپ کا چچا زاد بھائی تھا۔ یہ اپنی قوم کے خلاف جبار بنا تکبر کرنے لگا اور اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ مال و منال کی بنا پر اپنے آپ کو بہت بلند سمجھنے لگا تھا۔ قارون اور ہامان کا خصوصی ذکر اس لیے کیا کہ یہ کفر میں بلند مرتبہ تھے نیز فرعون کے مشہور خوشامدی تھے۔

﴿الْقَرْيَ الَّتِي بُرُكْنَا فِيهَا﴾

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْقَرْيَ الَّتِي بُرُكْنَا فِيهَا قَرْيَ ظَاهِرَةً ۖ وَقَدَّرْنَا فِيهَا السَّيْرُ سَيْرُوا

فِيهَا لِيَكُنِيَ وَآيَاكُمْ أَمِينِينَ ﴿٤١﴾

”اور ہم نے ان کے اور ان بستیوں کے درمیان جن میں ہم نے برکت دے رکھی تھی چند بستیاں اور (آباد کر) رکھی تھیں جو برسرِ راہ ظاہر تھیں اور ان میں چلنے کی منزلیں مقرر کر دی تھیں۔ ان میں راتوں اور دنوں کو بہ امن و امان چلتے پھرتے رہو۔“ (سبا: 18/34)

ملک سبأ اور شام کی بابرکت بستیوں کے درمیان یمن سے شام تک قریب قریب بستیاں تھیں۔ اتنی قریب کہ ایک سے دوسری نظر آتی تھی اور وہ بے شمار تھیں۔

﴿الْقَرْيَ الَّتِي أُمِطِرَتْ مَطَرُ السَّوْءِ﴾

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَقَدْ آتَوْا عَلَى الْقَرْيَةِ الَّتِي أَمْطَرَتِ مَطَرُ السَّوِطِ أَفَلَمْ يَكُونُوا يَرُونَهَا بَلْ كَانُوا لَا يَرْجُونَ نُشُورًا ۝

”یہ لوگ اس بستی کے پاس سے بھی آتے جاتے ہیں جس پر بری طرح کی بارش برسائی گئی۔ کیا یہ پھر بھی اسے دیکھتے نہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ انہیں مرکز جی اٹھنے کی امید ہی نہیں۔“ (الفرقان: 40/25)

اس سے مراد حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی بستی سدوم اور عموره ہیں۔ قریش شام کے تجارتی سفر کے دوران میں یہاں سے اکثر گزرتے تھے۔

﴿الْقَرْيَةُ الظَّالِمِ أَهْلِهَا﴾

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَا لَكُمْ لَا تَقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هَذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا ۚ وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا ۚ وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ نَصِيرًا ۝

”بھلا کیا وجہ ہے کہ تم اللہ کی راہ میں اور ان ناتوان مردوں، عورتوں اور ننھے بچوں کے چھٹکارے کے لیے جہاد نہیں کرتے؟ جو یوں دعائیں مانگ رہے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ان ظالموں کی بستی سے ہمیں نجات دے اور ہمارے لیے خود اپنے پاس سے حمایتی اور کارساز مقرر کر دے اور ہمارے لیے خاص اپنے پاس سے مددگار بنا“ (النساء: 75/4)

اس سے مراد مکہ مکرمہ ہے کیونکہ فتح مکہ سے پہلے یہ کفر کا مرکز تھا۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے اسے چھوڑ دیا تھا۔ ظالم باسیوں سے مراد قریش کے بڑے بڑے کافر سردار ہیں جنہوں نے کمزور مسلمانوں کو ہجرت تک سے روک رکھا تھا اور فتح مکہ سے قبل انہوں نے مکہ مکرمہ میں اسلام پھیلنے نہیں دیا۔

﴿قَرْيَةٌ كَانَتْ آمِنَةً مُطَبَّئَةً﴾

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ آمِنَةً مُطَبَّئَةً يَأْتِيهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِأَنْعُمِ اللَّهِ فَأَذَاقَهَا اللَّهُ لِبَاسَ الْجُوعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوا يَصْنَعُونَ ۝

”اللہ تعالیٰ اس بستی کی مثال بیان فرماتا ہے جو پورے امن و اطمینان سے تھی اس کی روزی اس کے پاس با فراغت ہر جگہ سے چلی آ رہی تھی۔ پھر اس نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا کفر کیا، تو اللہ تعالیٰ نے اسے بھوک اور ڈر کا مزہ پکھایا جو ان کے کرتوتوں کا بدلہ تھا۔“ (النحل: 112/16)

اس سے مراد مکہ مکرمہ ہے بعض مفسرین کے مطابق کوئی اور بستی تھی جسے مکہ والوں کے لیے بطور مثال بیان فرمایا گیا۔ امام رازی فرماتے ہیں: ”اس مثال میں مکہ والے مراد ہیں کیونکہ وہ امن و اطمینان اور خوش حالی میں زندگی بسر کرتے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کی صورت میں ان پر عظیم احسان فرمایا۔ انہوں نے آپ کا انکار کیا اور بہت تکالیف پہنچائیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کو کئی سال کے لیے بھوک اور قحط کے عذاب میں مبتلا کر دیا۔

﴿هِيَ أَشَدُّ قُوَّةً مِّنْ قَرْيَتِكَ﴾

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَكَانَ مِنْ قَرْيَةٍ هِيَ أَشَدُّ قُوَّةً مِّنْ قَرْيَتِكَ الَّتِي أَخْرَجْتَكَ أَهْلَكْنَاهُمْ فَلَا نَاصِرَ لَهُمْ ۝۱۳

”ہم نے کتنی ایک بستیوں کو جو طاقت میں تیری اس بستی سے زیادہ تھیں جس نے تجھے نکالا، ہم نے انہیں ہلاک کر دیا پس ان کے لیے مددگار کوئی نہ اٹھا۔“ (محمد: 13/47)

آپ کی بستی سے مراد مکہ مکرمہ ہے۔ کتنی ہی سرکش اور ظالم بستیاں ایسی گزری ہیں جن میں رہنے والے مکہ مکرمہ کے لوگوں سے بہت زیادہ قوی تھے۔ مگر وہ عذاب کی گرفت میں آ گئے۔ یہ مکہ والے کیا حیثیت رکھتے ہیں؟ جنہوں نے آپ کو مکہ سے نکالا ہے۔

﴿لَا يَلْفُ قَرْيَشٌ﴾

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَا يَلْفُ قَرْيَشٌ ۝۱

”قریش کی تالیف قلبی کے لیے“ (قریش: 1/106) ”قرش“ کا معنی جمع کرنا، کمانا، اکٹھا کرنا اور ملانا ہے۔ اسی مناسبت سے قبیلہ قریش کا نام رکھا گیا۔

﴿وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ﴾

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

مَنْ كَفَرَ بِاللَّهِ مِنْ بَعْدِ إِيْمَانِهِ إِلَّا مِنْ أَكْرَهٍ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ وَلَكِنْ مَنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِنَ اللَّهِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝۱۴

”جو شخص اپنے ایمان کے بعد اللہ سے کفر کرے، بجز اس کے جس پر جبر کیا جائے اور اس کا دل ایمان پر برقرار ہو، مگر جو کوئی کھلے دل سے کفر کرے تو ان پر اللہ کا غضب ہے اور انہی کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔“ (النحل: 106/16)

اس سے مراد حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ ہیں۔ مشرکین نے ایک دفعہ انہیں پکڑ لیا اور انہیں اس قدر تکلیف دی کہ کافروں نے زبردستی اپنے حسبِ مشا ان سے کچھ باتیں کہلوالیں۔ لوگوں نے کہا: ”عمار کافر بن گیا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((إِنَّ عَمَّارًا مُلِيَٰ إِيمَانًا مِّن قَوْمِهِ إِلَى قَدَمِهِ وَاخْتَلَطَ الْإِيمَانُ بِلَحْمِهِ وَ دَمِهِ))^①

”عمار تو سر سے پاؤں تک ایمان سے منور ہے اور ایمان اس کے گوشت اور خون میں شامل ہو گیا ہے وہ کافر نہیں ہو سکتا۔“ اتنے میں حضرت عمار رضی اللہ عنہ روتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے فرمایا: ((كَيْفَ تَجِدُ قَلْبَكَ)) ”عمار! دل کی کیا کیفیت ہے؟“ عرض کیا: ”اللہ کے رسول! دل تو ایمان سے سرشار ہے۔“ آپ نے فرمایا: ((إِنْ عَادُوا فَعُدُّ)) ”پھر کوئی بات نہیں۔ وہ دوبارہ یہی سلوک کریں تو ایسے ہی کرنا۔“ (المستدرک علی الصحیحین للحاکم: 357/2، حدیث: 3362)

﴿قَوْلَ الَّتِي تُجَادِلُكَ﴾

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قَدْ سَمِعَ اللَّهُ قَوْلَ الَّتِي تُجَادِلُكَ فِي زَوْجِهَا وَتَشْتَكِي إِلَى اللَّهِ وَاللَّهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ بَصِيرٌ ① الَّذِينَ يُظْهِرُونَ مِنْكُم مِّنْ نِّسَائِهِمْ مَا هُنَّ أُمَّهَاتُهُمْ إِنَّ أُمَّهَاتُهُمْ إِلَّا الْإِطْلَاقُ وَلَدْنَهُمْ وَإِنَّهُمْ لَيَقُولُونَ مُنْكَرًا مِنَ الْقَوْلِ وَزُورًا وَإِنَّ اللَّهَ لَعَفُوٌّ غَفُورٌ ② وَالَّذِينَ يُظْهِرُونَ مِنْ نِّسَائِهِمْ ثُمَّ يَعُودُونَ لِمَا قَالُوا فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَتَنَاسَّطَ ذَلِكُمْ تُوعَظُونَ بِهِ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ③ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامٌ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَتَنَاسَّطَ فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَاطْعَامُ سِتِّينَ مِسْكِينًا ذَلِكُمْ لِمَنْ تَوَضَّعُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ أَلِيمٌ ④

”اللہ تعالیٰ نے اس عورت کی باتیں سن لی ہیں جو آپ سے اپنے خاوند کے بارے میں بحث و مباحثہ کر رہی تھی اور اللہ کے حضور شکوہ شکایت کر رہی تھی۔ اس وقت اللہ تعالیٰ تم دونوں کی باتیں سن رہا تھا۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ خوب سننے والا دیکھنے والا ہے۔ جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کریں (ان کو ماں کہہ دیں) تو وہ ان کی ماں نہیں بنتیں۔ ان کی ماںیں تو وہی ہیں جنہوں

① نوٹ: مذکورہ الفاظ صحیح سند سے ثابت نہیں ہیں۔ کما اشار الی هذا الشیخ المجدد ناصر الدین البانی رحمۃ اللہ علیہ۔ صحیح حدیث اس طرح ہے: ((مُلِيَ عَمَّارٌ إِيمَانًا إِلَى مُشَاهِبِهِ)) (السلسلة الصحيحة، حدیث: 807) معنی اسی طرح ہے جس طرح کیا گیا ہے۔ واللہ اعلم۔

نے ان کو جنا۔ لیکن انہوں نے یہ بہت فتنج اور گناہ والی بات کہی ہے۔ اللہ تعالیٰ درگزر کرنے والا اور معاف فرمانے والا ہے۔ جو لوگ اپنی بیویوں کو ماں کہہ دیں پھر اپنی بات سے رجوع کرنا چاہیں تو ان کے لیے ضروری ہے کہ آپس میں اکٹھے ہونے سے پہلے ایک غلام آزاد کریں۔ یہ تمہیں نصیحت کی جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے بخوبی باخبر ہے۔ لیکن جس میں غلام آزاد کرنے کی طاقت نہ ہو تو وہ اپنی بیوی کے پاس جانے سے پہلے دو مہینے پے درپے روزے رکھے۔ جو شخص اس کی بھی طاقت نہ رکھے تو وہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔ یہ سزا اس لیے ہے کہ تمہارا ایمان اللہ اور اس کے رسول پر پکا ہو جائے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود ہیں (ان کا خیال رکھو۔) انکار کرنے والوں کے لیے دردناک عذاب تیار ہے۔“ (المجادلہ: 1/58-4)

شکایت کرنے والی یہ عورت خولہ بنت ثعلبہ تھیں۔ انہیں ان کے خاوند اس بن صامت نے کسی جھگڑے کی بنا پر ”ماں“ کہہ دیا۔ حضرت خولہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ کو بتلادیا نیز ان کی بدخلقی کی شکایت کی۔ تو اللہ تعالیٰ نے مندرجہ بالا آیات نازل فرمائیں۔ آپ نے فرمایا: [مُرِّيهِ فَلْيُعْتِقْ رَقَبَةً أَوْ يَصُمْ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ] ”اپنے خاوند سے کہہ غلام آزاد کرے یا دو مہینے مسلسل روزے رکھے۔“ وہ کہنے لگی: ”وہ تو بوڑھے ہیں ان میں روزے رکھنے کی طاقت نہیں۔“ آپ نے فرمایا: [فَلْيُطْعَمُمْ سِتِّينَ مَسْكِينًا وَسُقَاءً مِّنْ تَمْرٍ] ”پھر وہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔“ وہ کہنے لگی: ”ان کے پاس اتنی وسعت نہیں۔“ آپ ﷺ نے فرمایا: [إِنَّا سَنُعِينَهُ بِعَرْقٍ مِّنْ تَمْرٍ] ”ہم کھجوروں کا ایک ٹوکرا اسے بھیج دیں گے۔“ وہ کہنے لگی: ”میں انہیں ایک ٹوکرا کھجور کا اپنی طرف سے دے دوں گی۔“ آپ نے فرمایا: [قَدْ أَصَبْتَ وَأَحْسَنْتِ فَادْهَبِي فَتَصَدَّقِي عَنْهُ ثُمَّ اسْتَوْصِي بِابْنِ عَمِّكَ خَيْرًا] ”بہت اچھا جا اس کی طرف سے کھجوریں صدقہ کر دے۔ نیز اپنے خاوند سے اچھا سلوک رکھنا۔“ (مسند احمد: 6/411) خولہ نے اسی طرح کیا۔

بعد میں ایک دفعہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ایک بڑھیا کے پاس سے گزرے۔ آپ اس سے باتیں کرنے لگے اور وہ آپ سے باتیں کرنے لگی۔ ایک آدمی کہنے لگا: ”جناب امیر المؤمنین! آپ نے ایک بڑھیا کی وجہ سے سب لوگوں کو یہاں روک رکھا ہے؟“ آپ نے فرمایا: ”تو مرے! جانتا ہے یہ کون ہے؟ یہ وہ عورت ہے جس کی شکایت اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں کے اوپر سے سنی تھی۔ یہ خولہ بنت ثعلبہ ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری:

قَدْ سَبَّحَ اللَّهُ قَوْلَ الْتَتَىٰ تُجَادِلُكَ فِي زَوْجِهَا

”اللہ تعالیٰ نے اس عورت کی بات سن لی جو آپ سے اپنے خاوند کے بارے میں بحث و مباحثہ کر رہی تھی۔“

اللہ کی قسم! اگر وہ رات تک کھڑی رہے تو میں صرف نماز کے لیے جاؤں گا پھر واپس آ جاؤں گا۔“ (أسد الغابۃ فی

﴿فَكَأَيُّ مِّنْ قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَاهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ﴾

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَكَأَيُّ مِّنْ قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَاهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ فَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَىٰ عُرُوشِهَا
وَبُيُوتُهَا مُعِظَلَةٌ وَقَصْرٌ مَّشِيدٌ ﴿٤٥﴾

”کتنی ہی بستیاں ہم نے ہلاک کیں جو ظالم تھیں۔ پس وہ اپنی چھتوں کے بل اوندھی ہوئی پڑی ہیں اور بہت سے آباد کنوئیں بیکار پڑے ہیں اور بہت سے کچے اور بلند محل ویران پڑے ہیں“ (الحج: 45/22)
اس سے مراد وہ محل ہے جسے شداد بن عاد بن ارم نے تعمیر کروایا تھا۔

﴿وَكَمْ قَصَبًا مِّنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً﴾

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَكَمْ قَصَبًا مِّنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً وَأَنْشَأْنَا بَعْدَهَا قَوْمًا آخَرِينَ ﴿١١﴾

”کتنی ہی بستیاں ہم نے توڑ پھوڑ دیں جو ظالم تھیں اور ان کے بعد ہم نے دوسری قوم کو پیدا کر دیا۔“ (الانبیاء: 11/21)
اس سے مراد ملک یمن میں ”زبید“ کے علاقے کی ایک بستی ہے جس کا نام ”حضور“ تھا۔

﴿وَكُنُوزٍ وَمَقَامٍ كَرِيمٍ﴾

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَكُنُوزٍ وَمَقَامٍ كَرِيمٍ ﴿٥٨﴾

”خزانے اور عمدہ رہائش گاہ“ (الشعراء: 58/26)
بعض مفسرین کے نزدیک اس سے مراد مصر میں ”فیوم“ جگہ ہے۔ مقصود یہ ہے کہ ہم نے فرعون اور اس کی قوم کو ان کے باغیچوں، جاری نہروں اور چشموں، جمع شدہ خزانوں اور خوبصورت رہائش گاہوں سے نکال کر سمندر میں پہنچا دیا۔ اور ان کی پررونق محفلیں قصہ پارینہ بن گئیں۔

﴿جَاءَهُ الْأَعْنٰی﴾

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

عَبَسَ وَتَوَلَّى ۝۱۱ أَنْ جَاءَهُ الْأَعْمَى ۝

”نبی ترش رو ہوئے اور منہ موڑا اس بنا پر کہ ایک نابینا شخص آگیا۔“ (عبس: 1/80: 2)

یہ آیات حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کے بارے میں اتریں۔ وہ نابینا شخص تھے۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر گزارش کی: ”مجھے بھی وہ علم سکھائیے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو سکھایا ہے۔“ انہوں نے یہ الفاظ بار بار کہے۔ انہیں علم نہیں تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چند مشرک قریشی سرداروں کے ساتھ بات چیت میں مصروف تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی یہ قطع کلامی ناگوار گزری جس کا اظہار آپ کے چہرے مبارک پر ہوا اور آپ نے ان کی طرف توجہ نہ دی۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں:

اس کے بعد جب وہ آتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے: [مَرْحَبًا بِمَنْ عَاتَبَنِي فِيهِ رَبِّي] ”خوش آمدید! اس شخص کو جس کے بارے میں میرے رب نے مجھ پر اظہار ناراضی فرمایا۔“ (روح المعانی، الجزء الثاثلون، تفسیر سورہ عبس) پھر آپ ان کے لیے اپنی چادر مبارک بچھا دیتے۔

﴿عَيْنَ الْقَطْرِ﴾

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلِسُلَيْمَانَ الرِّيحُ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَرَوَاحُهَا شَهْرٌ ۚ وَأَسَلْنَا لَهُ عَيْنَ الْقَاطِرِ ۖ وَمِنَ الْجِنَّ مَنْ يَعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ
بِإِذْنِ رَبِّهِ ۖ وَمَنْ يَنْزِغْ مِنْهُمْ عَنْ أَمْرِنَا نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِيرِ ۝۱۵

”ہم نے سلیمان کے لیے ہوا تابع فرمان کر دی جو ایک ماہ کا فاصلہ پہلے پہر طے کرتی تھی اور ایک ماہ کا فاصلہ پچھلے پہر۔ اور ہم نے اس کے لیے سیال تانبے کا چشمہ جاری فرمادیا اور جن اس کے سامنے رب کریم کے حکم سے کام کرتے تھے۔ اور اگر ان میں سے کوئی جن ہمارے حکم سے کجروی اختیار کرتا تھا تو ہم اسے بھڑکتی آگ کا عذاب چکھاتے تھے۔“ (سبا: 12/34)

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داود علیہ السلام کے لیے لوہا نرم کر دیا تھا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

أَتُونِي زُبَرَ الْحَدِيدِ ۖ حَتَّىٰ إِذَا سَاوَىٰ بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ قَالَ انْفُخُوا ۖ حَتَّىٰ إِذَا جَعَلَهُ نَارًا ۖ قَالَ
أَتُونِي أُفْرِغْ عَلَيْهِ قِطْرًا ۝۱۶

”میرے پاس لوہے کے بڑے بڑے ٹکڑے لاؤ۔ پھر جب دونوں پہاڑوں کے درمیان ان کو برابر کر دیا تو کہا: ”آگ جلاؤ حتیٰ کہ جب وہ ٹکڑے آگ جیسے ہو گئے تو کہا لاؤ میں اس پر پگھلا ہوا تانبہ انڈیل دوں۔“ (الکھف: 96/18)

حضرت ذوالقرنین نے اس مضبوط بند پر پگھلا ہوا تانبا ڈالا تھا جس کا ذکر مذکورہ بالا آیت میں ہوا ہے۔

﴿لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ﴾

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا وَيَنْصُرُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ ﴿٥٩﴾

”یہ غنیمتیں ان فقیر مہاجرین کے لیے ہیں جو اپنے گھروں اور مالوں سے نکال دیے گئے جبکہ وہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور رضامندی کے طالب ہیں۔ وہ اللہ اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں۔ بلاشبہ یہ لوگ (اپنے دعویٰ ایمان میں) سچے ہیں۔“ (الحشر: 59/8)

اس آیت میں مذکور فقراء و مہاجرین سے اہل صفہ مراد ہیں مدینہ منورہ میں آنے والے نادر لوگ نہ ان کا گھربار تھا نہ مال نہ اہل و عیال۔ یہ تقریباً ۴۰۰ چار سو اشخاص تھے۔ مسجد کے ایک کونے میں بنے ہوئے چھپر کے نیچے رہتے تھے۔ ان کی رہائش بھی وہیں تھی اور تعلیم بھی۔ رسول اللہ ﷺ رات کا کھانا کھاتے تو انہیں بانٹ کر مختلف صحابہ کے ساتھ بھیج دیتے اور کچھ آپ ﷺ کے ساتھ ہی کھانا کھا لیتے۔ مدینہ منورہ سے باہر لڑائی کے لیے جانے والے ابتدائی بہت سے لشکر انہی سے مرتب کیے گئے۔

﴿مُبْتَلٰیكُمۡ بِنَهَرٍ﴾

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوتُ بِالْجُنُودِ قَالَ إِنَّ اللَّهَ مُبْتَلٰیكُمۡ بِنَهَرٍ ۚ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّي ۚ وَمَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ فَإِنَّهُ مِنِّي إِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةً ۚ بَيْدَهُ ۚ فَشَرَبُوا مِنْهُ إِلَّا قَلِيلًا مِّنْهُمْ ط فَلَمَّا جَاوَزَهُ هُوَ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ قَالُوا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ ط قَالَ الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُم مُّلْكُوا اللَّهَ ۖ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً ۚ بِإِذْنِ اللَّهِ وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ ﴿٢٥﴾

”جب طالوت لشکر لے کر چلا تو کہنے لگا: ”اللہ تعالیٰ تمہیں ایک دریا کے ساتھ آزمائے گا۔ جو وہاں سے پانی پیے گا وہ مجھ سے کوئی تعلق نہیں رکھتا اور جو نہ پیے گا وہ میرا پیروکار ہے۔ البتہ چلو کے ساتھ کچھ پینے کی اجازت ہے۔ وہ سب منہ لگا کر پینے لگے، صرف چند ہی بچے۔ جب طالوت اپنے ان چند ساتھیوں کے ہمراہ دریا سے پار ہوئے تو وہ کہنے لگے: ”آج ہم میں جالوت اور اس کے لشکروں سے مقابلہ کرنے کی ہمت نہیں۔“ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی ملاقات کے

شائق تھے وہ کہنے لگے: ”کتنی ہی دفعہ چھوٹی جماعت نے بڑی جماعت کو اللہ کے حکم سے شکست دی ہے۔ یاد رکھو! اللہ تعالیٰ مضبوط دل لوگوں کا ساتھ دیتا ہے۔“ (البقرة: 249/2)

اس آیت میں مذکور دریا سے دریائے اردن مراد ہے۔ جو فلسطین اور اردن کے درمیان بہتا ہے۔ اسے ”نہر شریعت“ بھی کہا جاتا ہے۔

﴿الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ﴾

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلَّاهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِي كَانُوا عَلَيْهَا قُلْ لِلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿١٢٣﴾

”کم عقل لوگ کہیں گے کس چیز نے ان کو اس قبلے سے برگشتہ کر دیا جس پر وہ اس سے پہلے کار بند تھے۔ کہہ دیجیے! اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں مشرق و مغرب۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے سیدھے راستے کی توفیق عطا فرماتا ہے۔“ (البقرة: 142/2)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَيْسَ الْبِرُّ أَنْ تُولُوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ وَآتَى الْمَالَ عَلَى حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَابْنَ السَّبِيلِ وَالسَّائِلِينَ وَفِي الرِّقَابِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَالْمُوفُونَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا عَاهَدُوا وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاءِ وَالصَّرَآءِ وَحِينَ الْبَأْسِ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ ﴿١٤٤﴾

”نیکی صرف یہی نہیں کہ تم اپنے چہرے مشرق یا مغرب کی طرف متوجہ کر لو بلکہ اصل نیکی یہ ہے کہ انسان اللہ پر یومِ آخرت، فرشتوں، کتابوں اور انبیاء پر پختہ ایمان رکھے۔ اللہ تعالیٰ کی محبت کی وجہ سے رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں، مانگنے والوں اور غلاموں پر مال خرچ کرے۔ نماز قائم کرے، زکوٰۃ ادا کرے، جب عہد کرے تو ہر قیمت پر عہد پورا کرے نیز تنگی، ترشی اور جنگ کے موقع پر صبر کرے۔ یقیناً ایسے لوگ ہی سچے مومن ہوتے ہیں اور یہی لوگ متقی ہوتے ہیں۔“ (البقرة: 177/2)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ حَاجَّ إِبْرَاهِيمَ فِي رَبِّهِ أَنْ آتَاهُ اللَّهُ الْمُلْكَ إِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّيَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ

قَالَ أَنَا أُحْيِي وَ أُمِيتُ قَالَ إِبْرَاهِيمُ فَإِنَّ اللَّهَ يَأْتِي بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَأْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ
فَبُهِتَ الَّذِي كَفَرَ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿٥٨﴾

”کیا آپ نے وہ شخص دیکھا (یعنی اس کے معاملے پر غور کیا؟) جس نے ابراہیم سے اس کے رب تعالیٰ کے بارے میں جھگڑا کیا اس بنا پر کہ اللہ تعالیٰ نے اسے حکومت و بادشاہی دی تھی۔ ابراہیم نے کہا: ”میرا رب وہ ہے جو زندگی اور موت بانٹتا ہے۔“ اس نے کہا: ”زندگی اور موت تو میں بھی دے سکتا ہوں۔“ ابراہیم نے کہا: ”میرا رب اللہ تعالیٰ سورج کو مشرق سے طلوع کرتا ہے تو اسے مغرب سے طلوع کر کے دکھا۔“ یہ سن کر کافر لا جواب ہو گیا۔ مگر اللہ تعالیٰ ایسے ظالم لوگوں کو ہدایت نصیب نہیں کرتا۔“ (البقرة: 258/2)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قَالَ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا إِن كُنتُمْ تَعْقِلُونَ ﴿٢٨﴾

”موسیٰ نے کہا: ”رب العالمین وہ ہے جو مشرق و مغرب اور ان کے مابین کا مالک ہے بشرطیکہ تمہیں عقل ہو۔“ (الشعراء: 28/26)

مزید فرمان الہی ہے:

رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيلًا ﴿٩﴾

”وہ مشرق اور مغرب کا مالک ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اس لیے اسی کو اپنا کارساز سمجھو۔“ (المزمل: 9/73)

ارشاد الہی ہے:

رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ ﴿١٤﴾

”وہ دونوں مشرقوں اور دونوں مغربوں کا مالک ہے۔“ (الرحمن: 17/55)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

حَتَّىٰ إِذَا جَاءَنَا قَالَ يَلَيْتَ بَيْنِي وَبَيْنَكَ بُعْدَ الْمَشْرِقَيْنِ فَبِئْسَ الْقَرِينٌ ﴿٣٨﴾

”جب کافر ہمارے پاس آئے گا تو (شیطان سے) کہے گا کاش میرے اور تیرے درمیان مشرق و مغرب جتنا فاصلہ ہوتا۔ پس یہ شیطان بدترین ساتھی ہے۔“ (الزخرف: 38/43)

﴿مَشَارِقُ الْأَرْضِ وَمَغَارِبُهَا﴾

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَأَوْثَقْنَا الْقَوْمَ الَّذِينَ كَانُوا يُسْتَظْعَفُونَ مَشَارِقِ الْأَرْضِ وَمَغَارِبُهَا الَّتِي بَرَكْنَا فِيهَا ط وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنَىٰ عَلَىٰ بَنِي إِسْرَءِيلَ بِمَا صَبَرُوا وَكَفَرْنَا مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ۝۲۵

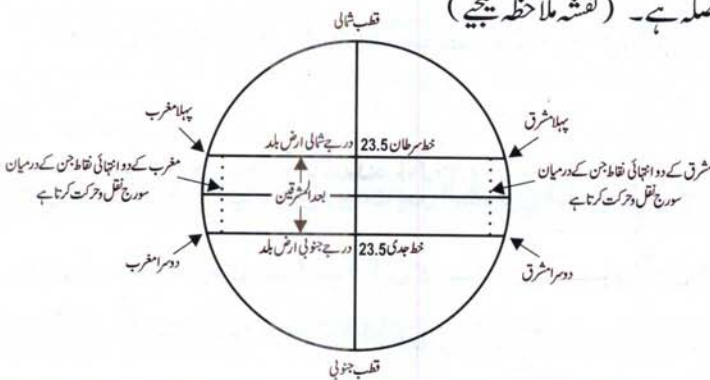
”ہم نے ان لوگوں کو جنہیں کمزور خیال کیا جاتا تھا، اس زمین کے مشرق و مغرب (کے تمام اطراف) کا وارث بنادیا جہاں ہم نے برکت فرمائی تھی اور تیرے رب تعالیٰ کا اچھا وعدہ بنی اسرائیل کے لیے پورا ہو گیا کیونکہ انہوں نے بڑے صبر سے تکلیفیں جھیلی تھیں۔ اور ہم نے ان تمام چیزوں کو تباہ و برباد کر دیا جو فرعون اور اس کی قوم بناتے تھے خصوصاً جو وہ عمارتیں بناتے تھے۔“ (الاعراف: 137/7)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَلَا أُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ إِنَّا لَقَدِرُونَ ۝

”میں ہر مشرق و مغرب کے رب کی قسم اٹھاتا ہوں کہ ہم بلاشبہ ہر چیز پر قادر ہیں۔“ (المعارج: 40/70)

مندرجہ بالا آیات میں مشرق و مغرب بھی کہا گیا، مشرقین و مغربین بھی اور مشارق و مغارب بھی۔ مشرق اور مغرب سے مراد تو سورج طلوع اور غروب ہونے کی جہت ہے۔ کیونکہ عموماً کرہ ارض پر سورج مشرق سے نکلتا ہے اور لحاظ سے کہ موسم سرما میں مشرق اور مغرب اور ہوتا ہے موسم گرما میں اور۔ اور ان میں کافی فاصلہ ہوتا ہے۔ کبھی سورج خط استوا سے 23.5 درجے شمال میں (خط سرطان پر) چلا جاتا ہے اس وقت نصف کرہ شمالی میں موسم گرما ہوتا ہے اور نصف کرہ جنوبی میں موسم سرما ہوتا ہے۔ اور کبھی سورج خط استوا سے 23.5 درجے جنوب (خط جدی پر) میں چلا جاتا ہے اس وقت نصف کرہ شمالی میں موسم سرما ہوتا ہے اور نصف کرہ جنوبی میں گرما ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے دو مشرق ہوئے اور دو مغرب اور ان میں 47 درجے کا فاصلہ ہے۔ (نقشہ ملاحظہ کیجیے)



مشارق اور مغارب اس لحاظ سے کہ درحقیقت سورج ہر روز الگ مقام سے طلوع ہوتا ہے اور الگ مقام پر غروب ہوتا ہے۔ گویا ہر روز کا مشرق دوسرے روز سے مختلف ہوتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ ہر روز اس کا احساس نہیں ہوتا۔ ظاہر ہے کہ سورج چھلانگ مار کر تو سرما کے مشرق و مغرب سے گرما کے مشرق و مغرب میں نہیں پہنچ جاتا بلکہ ہر روز آہستہ آہستہ جگہ بدلتا ہے۔ گویا مشرق بھی بہت زیادہ ہیں اور مغرب بھی۔

خلاصہ یہ کہ مطلق جہت کے لحاظ سے ایک مشرق اور ایک مغرب۔ جنوب و شمال میں انتہا کے لحاظ سے یا گرما و سرما کے لحاظ سے دو مشرق اور دو مغرب۔ اور حقیقت کے لحاظ سے بہت سے مشرق اور بہت سے مغرب۔ لہذا ان میں کوئی تضاد یا مخالفت نہیں۔

علاوہ ازیں ستاروں کے بھی مشرق و مغرب ہوتے ہیں۔ ہر ستارے کا الگ مشرق اور الگ مغرب۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَرَبُّ الْمَشَارِقِ ۝

”وہ آسمانوں، زمین، ان کے مابین (اجرام فلکیہ) اور تمام مشرقوں کا رب ہے۔“ (الصافات: 5/37)

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے آسمانوں، زمین اور اجرام فلکیہ کے ذکر کے بعد مشارق کا ذکر کیا ہے۔ معلوم ہوا کہ ان سب کے الگ الگ مشرق ہیں۔ فَسُبْحَانَهُ وَ تَعَالَى رَبُّ الْمَشَارِقِ۔

﴿مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا﴾

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضَىٰ نَحْبَهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَنْتَظِرُ ۚ وَمَا بَدَّلُوا تَبْدِيلًا ۝

”مومنوں میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے کیے ہوئے وعدوں کو سچا کر دکھایا۔ کچھ نے تو اپنی دلی مراد پالی اور کچھ ابھی انتظار کر رہے ہیں۔ انہوں نے ذرہ بھر تبدیلی نہیں کی۔“ (الاحزاب: 23/33)

یہ آیت حضرت انس بن نصر رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی جو جنگ احد (شوال 3ھ) میں شہید ہوئے۔ وہ بدر میں حاضر نہیں ہو سکے تھے۔ کہنے لگے: ”اے اللہ کے رسول (ﷺ)! میں اس پہلی جنگ سے غائب رہا جو آپ نے مشرکین سے لڑی۔ اللہ کی قسم! اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے مشرکین کی کسی لڑائی میں حاضری کا موقع عنایت فرمایا تو اللہ تعالیٰ دیکھیں گے میں کیا کرتا ہوں۔“ جب احد کی لڑائی ہوئی تو مسلمان بھگدڑ کا شکار ہو گئے۔ اس وقت یہ حضرت انس رضی اللہ عنہ خوب لڑے حتیٰ کہ شہید

ہو گئے۔ ان کے جسم پر اسی سے زائد زخم تھے کوئی تلوار کے کوئی نیزے کے اور کوئی تیر کے حتیٰ کہ وہ پہچانے نہ جاتے تھے۔ آخر ان کی ہمشیرہ ربیع بنت نضر نے ان کو انگلیوں کے پوروں سے پہچانا۔ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ وَ أَرْضَاهُ

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُعْجِبُكَ قَوْلُهُ﴾

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُعْجِبُكَ قَوْلُهُ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيُشْهَدُ اللَّهُ عَلَى مَا فِي قَلْبِهِ وَهُوَ أَلَدُّ الْخِصَامِ ﴿٢٠٢﴾

”کچھ لوگوں کی باتیں آپ کو دنیاوی معاملات میں بہت اچھی لگتی ہیں اور وہ اپنے دل کی باتوں پر اللہ کو گواہ کرتا ہے حالانکہ دراصل وہ بہت جھگڑالو ہے۔“ (البقرة: 204/2)

یہ آیت اغض بن شریق ثقفی کے بارے میں نازل ہوئی۔ وہ ظاہراً مسلمان ہو گیا۔ پھر ایک دفعہ وہ کسی مسلمان کی کھیتی اور جانوروں کے پاس سے گذرا (تو برداشت نہ کر سکا) اس نے کھیت کو آگ لگا دی اور جانوروں کو قتل کر ڈالا۔

﴿وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ﴾

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِنَّمَا الصَّدَقَتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسْكِينِ وَالْعَمِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغُرَمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ قَرِيبَةً مِّنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿١٠﴾

”بلاشبہ صدقات حق ہے فقراء و مساکین کا اور ان کا جو زکوٰۃ کی وصولی وغیرہ کا انتظام کرتے ہیں نیز ان کا جن کی تالیف قلب مقصود ہو۔ اور مقروض، مجاہدین اور مسافروں کا۔ یہ مصارف اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر شدہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ خوب علم و حکمت والا ہے۔“ (التوبة: 60/9)

یہ عرب کے کچھ معزز سردار لوگ تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کو بڑے بڑے عطیات دیے تاکہ ان کے دلوں میں اسلام کی محبت جاگزیں ہو جائے مثلاً: اقرع بن حابس تمیمی، عباس بن مرداس سلمی، عیینہ بن حصن فزاری، ابو سفیان بن حرب، معاویہ بن ابی سفیان، حارث بن ہشام بن مغیرہ، حکیم بن طلیق، خالد بن اسید بن ابی العیص، سعید بن یربوع مخزومی، صفوان بن امیہ بن خلف جمحی، سہیل بن عمرو، حویطب بن عبد العزیٰ عامری، حکیم بن حزام بن خویلد، ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب، مالک بن عوف اور علاء بن جاریہ ثقفی۔

رسول اللہ ﷺ نے ان میں سے ہر ایک کو سو سو اونٹ دیے۔ البتہ سعید بن ربیع اور حویطب کو پچاس پچاس اونٹ دیے۔

﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ يَقُولُ اِئْذَنْ لِّيْ وَلَا تَفْتِنِّيْ﴾

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ يَقُولُ اِئْذَنْ لِّيْ وَلَا تَفْتِنِّيْ اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌ بِالْكَافِرِيْنَ ۝۹﴾

”بعض لوگ کہتے ہیں ہمیں اجازت دیجیے اور فتنہ میں نہ ڈالیے آگاہ رہو وہ فتنے میں پڑ چکے ہیں اور یقیناً دوزخ کافروں کو گھیر لینے والی ہے“ (التوبة: 49/9)

یہ آیت جد بن قیس کے بارے میں اتری۔ یہ منافق شخص تھا۔ غزوہ تبوک میں رسول اللہ ﷺ نے اسے بھی رومیوں سے لڑائی کے لیے جانے کو کہا تو وہ کہنے لگا: ”اے اللہ کے رسول! مجھے جنگ سے پیچھے رہنے کی اجازت دے دیجیے اور وہاں لے جا کر مجھے رومی عورتوں کے فتنہ میں نہ ڈالیے وہ بہت خوبصورت ہوتی ہیں۔“

﴿عَدُوِّيْ وَعَدُوْكُمْ﴾

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّيْ وَعَدُوْكُمْ أَوْلِيَاءَ تُلْقُونَ إِلَيْهِمُ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوا بِمَا جَاءَكُمْ مِنَ الْحَقِّ يُخْرِجُونَ الرَّسُولَ وَإِيَّاكُمْ أَنْ تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ رَبِّكُمْ طَ إِنَّ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِي سَبِيلِيْ وَابْتِغَاءَ مَرْضَاتِيْ تُسْرِوْنَ إِلَيْهِمُ بِالْمَوَدَّةِ طَ وَأَنَا أَعْلَمُ بِمَا أَخْفَيْتُمْ وَمَا أَعْلَنْتُمْ وَمَنْ يَفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ ① إِنَّ يَتَّقُواكُمْ يَكُونُوا لَكُمْ أَعْدَاءً طَ وَيَبْسُطُوا إِلَيْكُمْ أَيْدِيَهُمْ وَالسِّنَنُ لَهُمُ بِالسُّوءِ وَوَدُّوا لَوْ تَكْفُرُونَ طَ لَنْ تَنْفَعَكُمْ أَرْحَامُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ يَفْصِلُ بَيْنَكُمْ طَ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ②

”اے ایمان والو! میرے اور اپنے دشمن کو دوست نہ بناؤ۔ تم ان سے دوستی کرتے ہو حالانکہ وہ تمہارے پاس آنے والے حق سے انکاری ہیں۔ اللہ کے رسول کو اور تمہیں اس لیے مکہ سے نکالتے ہیں کہ تم اپنے رب اللہ پر ایمان لائے ہو۔ اگر تم میرے راستے میں جہاد کرنے اور میری رضامندی حاصل کرنے کے لیے نکلے ہو۔ تم ان سے خفیہ طور پر دوستی رکھتے ہو حالانکہ میں تمہارے پوشیدہ اور ظاہر ہر کام کو بخوبی جانتا ہوں۔ جو شخص ایسا کام کرے گا وہ سیدھے راستے سے گمراہ ہوگا۔ اگر وہ تم پر غالب آجائیں تو تمہارے دشمن ثابت ہونگے اور اپنے ہاتھوں اور اپنی زبانوں سے تمہیں خوب تکلیف پہنچائیں گے۔ ان کی خواہش ہے کہ تم بھی کافر بن جاؤ۔ تمہاری رشتہ داری اور اولاد قیامت کے

دن تمہارے ذرہ بھر کام نہ آئیں گے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے درمیان فیصلہ فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو بخوبی دیکھ رہا ہے۔ (الممتحنہ: 1/60-3)

یہ آیات ”حاطب بن ابی بلتعہ“ کے بارے میں نازل ہوئی ہیں جب انہوں نے قریش مکہ کو ایک خط بھیجا تھا جس میں فتح مکہ کے لیے مسلمانوں کی تیاری کا ذکر تھا۔

﴿يَشْرِي نَفْسَهُ﴾

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْرِي نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ وَاللَّهُ رَءُوفٌ بِالْعِبَادِ ﴿٢٤﴾

”اور بعض لوگ وہ بھی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی طلب میں اپنی جان تک بیچ ڈالتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بڑی شفقت کرنے والا ہے۔“ (البقرہ: 207/2)

یہ آیت صہیب رومی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ جب انہوں نے ہجرت کی تو کچھ قریشی لوگ ان کے پیچھے لگ گئے۔ جب انہوں نے کافروں کو دیکھا تو وہ اپنی اونٹنی سے اتر آئے اور اپنے ترکش کے سارے تیر اپنے سامنے بکھیر لیے۔ پھر کہنے لگے: ”اے قریشیو! واللہ! تم جانتے ہو کہ میں بہترین تیر انداز ہوں۔ اللہ کی قسم! تم اس وقت تک میرے قریب نہیں پھٹک سکو گے جب تک میں تمام تیر چلا چلا کر ختم نہیں کر لیتا۔ تیر ختم ہو گئے تو میں تلوار چلائی شروع کر دوں گا۔ ہاں اگر تم پسند کرو تو میں تمہیں مکہ میں اپنا سارا مال بتا دیتا ہوں، تم اسے قابو کر لو اور مجھے جانے دو۔“ وہ کہنے لگے: ”ٹھیک ہے۔“ انہوں نے کافروں کو اپنے مال کا ٹھکانا بتا دیا۔ جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے تو آپ نے فرمایا:

”ابو یحییٰ! تیرا سودا بہت فائدے والا ہے۔ بہت فائدے والا ہے۔“

﴿يُخْرِبُونَ بُيُوتَهُمْ بِأَيْدِيهِمْ﴾

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

هُوَ الَّذِي أَخْرَجَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِأَوَّلِ الْحَشْرِ مَا ظَنَنْتُمْ أَنْ يَخْرُجُوا وَظَنُّوا أَنَّهُمْ مِمَّا نِجَتْهُمْ حُصُونُهُمْ مِنَ اللَّهِ فَأَتَتْهُمْ اللَّهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوا وَقَذَفَ فِي قُلُوبِهِمُ الرُّعْبَ يُخْرِبُونَ بُيُوتَهُمْ بِأَيْدِيهِمْ وَالْمُؤْمِنِينَ قَاعَتَرُوا بِأَوَّلِي الْأَبْصَارِ ﴿٢٥﴾

”وہی ہے جس نے اہل کتاب میں سے کافروں کو ان کے گھروں سے پہلے حشر کے وقت نکالا، تمہارا گمان (بھی) نہ تھا کہ وہ نکلیں گے اور وہ خود (بھی) سمجھ رہے تھے کہ ان کے (مضبوط) قلعے انہیں اللہ (کے عذاب) سے بچالیں

گے۔ پس ان پر اللہ (کا عذاب) ایسی جگہ سے آپڑا کہ انہیں گمان بھی نہ تھا اور ان کے دلوں میں اللہ نے رعب ڈال دیا وہ اپنے گھروں کو اپنے ہی ہاتھوں اجاڑ رہے تھے اور مسلمانوں کے ہاتھوں (برباد کروا رہے تھے) پس اے آنکھوں والو عبرت حاصل کرو۔“ (الحشر: 2/59)

یہ آیت بنو نضیر کے بارے میں نازل ہوئی جب ان کو مدینہ منورہ میں ان کے گھروں سے جلاوطن کیا گیا۔

آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں:

رَبِّ اَوْزِعْنِي اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِي اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَىٰ وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ وَاَصْلِحْ لِي فِي ذُرِّيَّتِي ۖ اِنِّي تَوَكَّلْتُ عَلَىٰكَ وَاِنِّي مِنَ الْمُسْلِمِينَ ۝

”اے میرے پروردگار! مجھے توفیق عطا فرما کہ میں تیری نعمتوں کا شکریہ ادا کروں جو تو نے مجھ پر اور میرے والدین پر کی ہیں۔ نیز میں نیک کام کروں جنہیں تو پسند کرتا ہے اور میری اولاد اور نسل کو نیک و صالح بنا۔ میں تیری طرف رجوع کرتا ہوں اور بلاشبہ میں تیرا فرماں بردار اور مطیع ہوں۔“ (الاحقاف: 15/46)

صدق اللہ العظیم



اطلس القرآن

قرآنی موضوعات پر ”اطلس القرآن“ ایک فخریہ پیش کش ہے جس میں پہلی بار ان مقامات، اقوام اور واقعات کو نقشوں اور تصاویر کی صورت میں پیش کیا گیا ہے جن کا ذکر قرآن کریم میں موجود ہے۔

قرآن کریم کے مطالعے کے دوران اس اطلس کی مدد سے مذکور شدہ پیغمبروں اور ان کے علاقوں کے علاوہ دیگر مقامات کو بھی سمجھنا نہایت آسان ہے۔

ISBN: 9960-897-42-7



9 789960 897424



دائرۃ السلام

کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ